

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
جو کوئی مومن مرد یا عورت عمل کرے صالح
پس البتہ زندگی دیں گے اس کو پاکیزہ

حیاتِ طیبہ

سوانح

مجددِ طریقت قلزمِ فیوض بحرالعلوم حاملِ قربِ عبدیت

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتالیف: ابوالاحمدین

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
جو کوئی مومن مرد یا عورت عمل کرے صالح
پس البتہ زندگی دیں گے اس کو پاکیزہ

حیاتِ طیّبہ

مجددِ طریقت قلزمِ فیوض بحرالعلوم حاملِ قربِ عبدیت

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

حصہ اوّل

ابوالاحمدین

نام کتاب ــــــــ حیاتِ طیّبہ

ترتیب وتالیف ــــ ابوالاحمدین

باراوّل ــــــــ مئی 2005ء

تعداد ــــــــ دوہزار

قیمت ــــــــ -/600 روپیہ

سرورق ــــــــ محمد یوسف چودھری

کمپوزنگ ــــــــ آصف الرحمٰن

طابع ــــــــ جلال الدین پرنٹرز لاہور

ناشر ــــــــ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور



أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ

وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

بسم الله الرحمن الرحيم

رب اشرح لي صدري

ويسر لي أمري

واحلل عقدة من لساني

مجددِ طریقت قلزمِ فیوض

بحرالعلوم حاملِ قربِ عبدیت

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

عجب شخص گذرا ہے اس راستے سے
سحر جیسی گردِ سفر دیکھتا ہوں

شیخ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

انتساب

مشائخ عظام سلسلہ عالیہ

کے نام

چند نفوس قدسیہ

لیکن

صدیوں پر حاوی

عکسِ ابواب

گفتِ شیخ

کسی بھی ہستی کی سوانح ایک بہت مشکل
اور تحقیق طلب کام ہوتا ہے۔ تاریخ پیدائش
واقعات، ان کا وقت اور مقام لکھنا اگرچہ
بہت دقت طلب کام ہے مگر بین السطور
پس منظر کا اظہار اعلیٰ کمال ہوتا ہے
جو تاریخی حقائق کو حافظے میں ثبت
کر دیتا ہے۔ دوسرا شعبہ انساب کا
حسب نسب، زہد، تعلیم، ولادت اور رحلت
کے اوقات کے ساتھ گھریلو حالات کا
اس کی قصرِ حیات کا اجاگر کرنا ہوتا

گنج چمن میں پھول کھلنا اور شام شفق
کا طرح طلوع ہونا آراستہ زندگی کا
ہے جیسے سوانح نگار ان میں ان دونوں
شعور کو سمونا ہوتا ہے
سب سے مشکل کام ہوتا ہے کہ معاصر
نگار رہا ہے کہ حضرات کی سوانح دیکھیں
تو احساس ہوا کہ جب انہوں نے اپنی صورت
نے کبھی اہمیت نہ دی سوانح نگار
نے ان کی کرامات شمار کیا اور وہ
عقیدت اور جذبات سے مغلوب ہو کر
ہو سوانح نگار نہیں جو حقیقت
ہو وہ کوشش جب کبھی سامنے آئی

دیکھیے دکنی میں اور رسالۂ النساء سے لیکر

پہیلیاں کی کتاب سے عشیرہ میں لیس ماہرکی

کے سبب بنی الا ڈنا مرالہ سے ستھا

بیان سب سے مشکل کام جو ہم سے ہو

ہر کیفیات کو بیان کرنا ہے مگر

سوانح نگار اگر وہ بتا سکے ہیں

تو اسے جس کا حالت ذہنی میں لکھا

ہیں کھیں تو ایک حد تک سوانح کی صحت

کا حق ادا ہو جاتا ہے

زیر نظر سوانح حیات میں کیفیتی اک بات جس کا

تعارف ہے کہ عہد مغلیہ میں جسے پہیلیاں

مجھے ساغر صحبت نصیب ہوئی تھی لیکن بہادر
صورت احمد فراز صاحب جیسے لکھنے والوں کی وجہ
سب ہم عام کی صحبت کا بھی فیض اٹھایا
ابن انشا بعض کی صحبت کا بھی شخص
شعبہ تھا لیکن ساغر صاحب محفل میں جب
داد دیتے تھے گئے جب وہ الفقیر ہی کے
بعد صرف ایک نام ہے مولانا اللہ یار خان
مقبول محفل میں ہے ... والا ...
مقبول ہو گیا اور زیادہ تعارف کی ضرورت
محسوس نہیں کرتا ساغر تمہارے لئے دل سے دعا کرتا
رہوں

[signature]

3.7.04

پیش لفظ

کسی صاحبِ عزیمت ہستی کے حالات و واقعات تاریخ کے سپرد کرنے کے لئے فنِ سوانح نگاری کا وسیع تجربہ چاہیے۔ سوانح نگار کو اس شخصیت کا ذاتی تقرب حاصل رہا ہو اور اس کے متعلق براہِ راست معلومات رکھتا ہو تو یہ ایک اضافی خصوصیت ہو گی ورنہ ان لوگوں سے استفادہ ضروری ہو گا جو مطلوبہ معلومات کے امین ہوں۔ اب سوانح نگار اگر اپنے ذخیرۂ معلومات کو اس طرح صفحۂ قرطاس پر منتقل کر سکے کہ دورانِ مطالعہ اس ہستی کی معیت کا احساس ہونے لگے تو شاید سوانح نگاری کا حق ادا ہو سکے۔ یہ معیار تو ان شخصیات کی سوانح کے لئے ہے جن کا تعلق صرف ظاہری حالات و واقعات سے ہو لیکن یہاں جس تاریخ ساز ہستی کی سوانح لکھنا مقصود ہے اس کی شخصیت حالاتِ ظاہری سے کہیں زیادہ باطنی احوال پر محیط ہے جن کے ادراک کے لئے نگاہِ بصیرت بھی چاہیے۔

حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ علیہ نے اہلِ خاندان اور عزیز و اقارب کے درمیان عمر بسر کی لیکن کیا وہ آپؒ کو پہچان سکے؟ ان لوگوں نے آپؒ کا ظاہر تو دیکھا لیکن احوالِ باطن کو سمجھنا ممکن نہ تھا۔ یہاں اس ہستی کی پہچان کا معاملہ تھا جو مجدّدِ طریقت تھی، قلزمِ فیوض و برکات تھی،

جس نے اہلِ دل پیدا کیئے اور ان کی قافلہ سالاری کی۔ جس کے احوال بارگاہِ الٰہی اور دربارِ نبوی ﷺ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں سوانح نگار کے لئے اصل آزمائش یہ ہوگی کہ ان باطنی احوال کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنائے کہ کیفیات و برکات بھی الفاظ کے ذریعے قاری کے دل تک پہنچ سکیں۔ یقیناً یہ کام ادب اور فن سے الگ چیز ہے جو بجز تائیدِ الٰہی ممکن ہی نہیں۔اس ہستی کی سوانح تاریخ کے سپرد کرنا راقم کے بس کی بات نہ تھی لیکن جب شیخ المکرّم نے اس کام پر لگا دیا تو ان کی توجہ سے توفیق بھی عطا ہوئی۔

دورانِ تحریر بارہا ایسے واقعات پیش آئے جو تائیدِ الٰہی کا مظہر تھے اور ان کی صورت حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔حضرت جیؒ کے شاگردِ اوّل قاضی ثناء اللہؒ (لیٹی والے) کا تذکرہ ''خشتِ اوّل'' کے عنوان سے ایک الگ باب میں کیا گیا ہے۔آپؒ سے ان کے رابطہ کا سال ایک غلط العام روایت کے مطابق 1952ء لکھ دیا گیا۔اس باب کی پروف ریڈنگ کے دوران اتفاقاً حضرت جیؒ کی ایک نایاب کیسٹ آن کردی تو آپؒ اسی حوالے سے فرما رہے تھے:

''ابتداء کا واقعہ ہے' تبدیلیٔ ملک کے دوران''

اس طرح درست سن کا تعین ہوگیا یعنی 1947ء۔ یہ کیسٹ 1978ء کی ریکارڈ شدہ تھی اور اسے آن کرتے ہوئے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ موضوع سخن کیا ہوگا لیکن دو عشروں سے زائد پرانی کیسٹ کا ٹھیک اس مقام سے آغاز کہ حضرت جیؒ کی زبانِ مبارک سے غلطی کی تصحیح ہوگئی' یہ محض اتفاق نہیں بلکہ تائیدِ باری تعالیٰ کی ایک صورت تھی۔

مشائخ سلسلۂ عالیہ کے حالات تحریر کرتے ہوئے حضرت ابوایوب

محمد صالحؒ کے حالات تاریخِ تصوف میں تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکے۔ ہرات (افغانستان) میں ایک صاحب کو ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ شیخ ہرات مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے شاگردوں کی تاریخی سرگزشت میں تلاش کریں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ محترم حافظ عبدالرزاق صاحب سے ملاقات کے دوران معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ نے قلمبند کرائے تھے اور ان کی کسی ڈائری میں محفوظ ہیں۔ حافظ صاحب کی درجن بھر ڈائریوں میں سے ایک ڈائری اٹھائی تو اللہ کی شان' جو صفحہ سامنے آیا اس پر حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کا ہی تذکرہ تھا۔

ایسے کئی واقعات ہیں جنہیں قلمبند کرنے کے لئے ایک طویل باب چاہیے لیکن یہاں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہوگا جو قرآنِ حکیم کے ذریعے تائیدِ الٰہی کا مظہر ہے۔ باب 'خشتِ اوّل' تحریر کرتے ہوئے سورۃُ الحشر کی اکیسویں آیت نقل کرنے کے بعد ترجمہ دیکھنے کے لئے قرآنِ حکیم کھولا تو جس آیت پر پہلی نگاہ پڑی' وہ مطلوبہ آیت ہی تھی۔ یہ کلام اللہ کا اعجاز تھا اور نصرتِ الٰہی کا واضح اشارہ بھی۔

اہلِ فن کے ہاں سوانح نگاری کا اسلوب کیا ہوتا ہے؟ اس سے قطع نظر اس سوانح کا اپنا ہی اسلوب ہے۔ حضرت جیؒ کے حالات اگرچہ واقعاتی ترتیب کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن کئی مقامات پر ابواب کی مناسبت سے ایک طرح کے واقعات یا مضامین کو اکٹھا کر دیا گیا ہے تاکہ ربط قائم کرنے میں دقّت نہ ہو۔

حضرت جیؒ کی تعلیمات کے لئے سوانح کا حصہ دوم مخصوص ہے۔ تاہم اصل مقصد چونکہ تاریخ رقم کرنا نہیں بلکہ حضرت جیؒ کی دعوت پیش کرنا

بھی ہے' اس لئے واقعات کے ساتھ ساتھ آپؒ کی تعلیمات بھی نظر آئیں گی۔

سوانح میں حضرت جیؒ کے چند مایۂ ناز شاگردوں کے حالات بھی الگ ابواب کے تحت بیان کئے گئے ہیں' بالخصوص حضرت امیر المکرّم کا تذکرہ جا بجا نظر آئے گا۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ ایک مصوّر کے شاہکار اس کی عظمت کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

تصوف پر لکھی گئی اکثر کتب اپنے ادوار میں ہدفِ تنقید بنیں جبکہ آج یہی کتب اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ انتہائی معتدل انداز میں گرفت کی صورت یہ ہوا کرتی تھی کہ خواص کے معاملات کو عوام کے سامنے کیوں پیش کیا گیا۔ یہ درست ہے کہ سلف نے احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے احوالِ باطنی کو اشاروں کنایوں میں بیان فرمایا لیکن حضرت جیؒ کی سوانح میں احتیاط کا دامن بارہا چھوٹتا نظر آئے گا۔ یقیناً یہ انداز سلف کی محتاط تحریروں سے ہٹ کر ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت جیؒ کے مزاج کے خلاف ہوتا۔

تابعینِ کرامؒ کے دور کے بعد حضرت جیؒ کے ہاتھوں پہلی مرتبہ ولایتِ خاصہ کو بلا امتیاز خاص و عام میں بٹتے ہوئے دیکھا۔ جب ولایت لٹانے میں آپؒ نے کوئی امتیاز برتا' نہ احوالِ باطنی کے اظہار کو خواص تک محدود رکھا تو آپؒ کے احوال بیان کرتے ہوئے خاص و عام میں تفریق اور حدود و قیود کا اطلاق کیوں ہو۔ حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے' کیا تصوف' دین کا حصہ نہیں؟ اگر ہے تو کیا اس کا اخفا دین کا اخفا نہ ہوگا؟ اور اگر یہ دین کا حصہ نہیں تو اس پر عمل کیوں ہو؟

احوالِ باطنی سمجھنے میں اِشکال پیدا ہو سکتے ہیں لیکن اسے انکار کی دلیل قرار نہ دیا جائے۔ بہت سے ظاہری امور ایسے بھی ہیں جو ہر کس و ناکس کی سمجھ

سے بالاتر ہونے کے باوجود تسلیم کئے جاتے ہیں' پھر سمجھ نہ آنے کی صورت احوالِ باطنی کا ہی انکار کیوں؟ چونکہ ان احوال کا ادراک ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ علومِ باطنی اور علمِ لَدُنّی کے بغیر ممکن نہیں' اس لئے اعتراض یا انکار کی بجائے اس شعبہ کے حاملین سے رجوع کیا جائے تو انشراحِ صدر کی امید کی جاسکتی ہے۔ حضرت جیؒ ایسے معترضین کے لئے فرمایا کرتے:

''لاعلمی عدمِ وجود کی دلیل نہیں۔ گھوڑا بھی حاضر اور میدان بھی' آؤ اور خود محنت کرو۔ اللہ تعالیٰ باطنی امور کی سمجھ عطا فرما دے گا۔''

دورانِ مطالعہ سلسلۂ عالیہ کی برکات نصیب ہوں تو خیال رہے کہ ادراکِ نعمت کے بعد منبعِ فیض سے روکنا شیطان کی اوّلین ترجیح ہوگی۔ اس صورت میں وساوسِ شیطانی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں' سلسلۂ عالیہ سے رابطہ بھی نصیب ہوگا اور توفیقِ عمل بھی۔ شیطانی وساوس سے حفاظتِ الٰہی کے لئے حضرت جیؒ ذکر شروع کرنے سے قبل اکثر یہ قرآنی دعا پڑھا کرتے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ۝
وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۝

اور کہیے' اے میرے رب! میں شیاطین کے ہمزات سے پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! اس بات سے کہ وہ میرے قریب پھٹکیں۔ (المومنون۔ 97-98)

آخر میں ایک اہم اعتراف' حضرت جیؒ کے احوال تاریخ کے سپرد کرنا راقم کے بس کی بات نہ تھی لیکن اس سے بھی مشکل بلکہ ناممکن کام

برکات اور کیفیات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا تھا۔ اس کے لئے حضرت جیؒ اور حضرت امیر المکرّم کے الفاظ و مفاہیم کا سہارا لینے کی کوشش کی گئی ہے جو ترسیلِ فیض اور تربیتِ قلوب کا واسطہ بنیں گے' اِنْ شَآءَ اللہ۔

توفیقِ باری تعالیٰ سے یہ کاوش پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے عفو و کرم کا طلب گار ہوں کہ سندِ قبولیت عطا ہو جائے۔ اس کام میں برادرم انور علی شاہ صاحب نے قدم قدم معاونت کی' اللہ تعالیٰ ان کی محنت بھی قبول فرمائے۔ آمین!

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین
دارالعرفان' منارہ
ضلع چکوال' پاکستان

ربیع الاول 1426ھ
مئی 2005ء

پس منظر

سلسلۂ نبوت' آقائے نامدار ﷺ پر اختتام پذیر ہوا لیکن کارِ نبوت تا قیامت جاری وساری رہے گا۔ برکاتِ نبوی ﷺ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی حفاظت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذمہ ہے لیکن ان کی ترویج و تقسیم کا فریضہ مشائخِ عظام' اولیائے کرام اور علماءِ حق کی مقدس جماعت کے سپرد ہوا۔ ان نفوسِ قدسیہ نے مثلِ انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام اس کارِ نبوت کی بجا آوری کا حق یوں ادا کیا کہ صدیوں کی دوری کے باوجود آج بھی امت کی زبان پر یہ اعترافِ حقیقت جاری ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا

اے ہمارے رب! بیشک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا'
پکارتا ہے ایمان کے لئے کہ ایمان لے آؤ اپنے رب پر' سو
ہم ایمان لائے۔ (آل عمران۔193)

اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کرتے ہوئے ہر قاری کی زبان پر' خواہ اس کا تعلق کسی دور سے بھی ہو' یہ اعترافِ حقیقت جاری ہے کہ دربارِ رسالت ﷺ کے ان نقیبوں نے اس تک پیغامِ رسالت اس طرح پہنچایا گویا کہ اس نے یہ

پیغام براہِ راست آقائے نامدار ﷺ سے سنا ہو۔ یہی حال برکاتِ نبوی ﷺ کا ہے جن کی ترسیل اہل اللہ کے حصہ میں آئی۔ یہ دولت بھی ان کے منور قلوب کے ذریعے اس طرح تقسیم ہوئی کہ صدیوں کے فاصلوں کے باوجود برکاتِ صحبتِ نبوی ﷺ آج بھی قلوب میں جاگزیں ہیں' تقربِ الٰہی کا واسطہ ہیں اور ان برکات کے دم قدم سے یہ جہاں آباد ہے۔

جس طرح برکات کا وجود بقائے جہاں کی ضمانت ہے' اسی طرح کفر کے مقابل برکات کے توازن سے دنیا میں امن قائم ہے اور فساد فی الارض اسی توازن کے بگڑنے کا نام ہے۔ تاریخ کے ادوار میں جب کبھی ظلمت و گمراہی انتہا کو پہنچی تو اس کے مقابلے میں اتنے ہی بلند مرتبہ عالمِ ربانی اور ولیٔ کامل کو نورِ نبوت کے انعکاس پر مامور فرمایا گیا۔ سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانہ پر نگاہ ڈالیں تو روافض کے فرقۂ باطلہ کی تاریکی شق کرنے کے لئے یقیناً ایسے ہی تابناک سورج کی ضرورت تھی۔ برصغیر میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے ہاتھوں دینِ اکبری کا خاتمہ ہوا اور تجدید و احیائے دین کا عظیم فریضہ سرانجام دینے پر وہ مجدّد الف ثانیؒ کہلائے۔ غرض جب کبھی کفر کی تیرگی حد سے بڑھی' اسی قدر صاحبِ قوت و تصرف ہستی کے ذریعے نورِ نبوت کا تفوّق ظہور میں آیا۔ یہی سنتِ الٰہی تاریخ کے تسلسل کے ساتھ ہمیشہ جاری نظر آتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

تاریخِ اسلام پہ نگاہ ڈالیں تو انیسویں صدی کے وسطِ آخر میں امتِ مسلمہ مکمل طور پر باطل قوتوں کے نرغے میں نظر آتی ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کی

پیش گوئی کے مطابق کفار مجتمع ہو کر گروہ در گروہ اس طرح عالمِ اسلام کے درپے تھے جس طرح بھوکے لوگ دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ' مسلم ریاستوں کا بٹوارہ اور چھوٹے چھوٹے جغرافیائی ٹکڑوں پر اپنے گماشتوں کے ذریعے بالواسطہ مغرب کی حکمرانی کے ساتھ مسلم دنیا پر کفر کا تسلط مکمل ہو چکا تھا۔ امتِ مرحومہ کی تاریخ کا یہ بدترین دور تھا۔

اسی پُرفتن زمانے میں برصغیر میں قادیانیت کے شجرِ خبیثہ کا بیج بویا گیا جو بیرونی آقاؤں کی آبیاری سے خوب پھلا پھولا۔ چکڑالوی مذہب کے نام پر انکارِ سنت کے فتنہ نے سر اٹھایا جس کی ترقی یافتہ شکل بعد میں پرویزیت کی صورت منظرِ عام پر آئی۔ اسی زمانے میں روافض نے بھی زور پکڑا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کی کھلے عام کردارکشی ہونے لگی۔ ان تمام فتنوں کا ہدف اگرچہ تعلیماتِ نبوی ﷺ تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا جو تقسیمِ برکاتِ نبوی ﷺ کا شعبہ تھا۔

ماضی میں امتِ مرحومہ میں جب بھی دینی خرابیاں رونما ہوئیں' ان کا تعلق اکثر خرابیٔ اعمال سے ہوا کرتا تھا لیکن اس دور کے ان فتنوں کا تعلق فسادِ عقائد سے تھا۔ خرابیٔ اعمال کی صورت میں ایمان اور عقائد کی جڑ تو سلامت رہتی ہے لیکن عقائد کا فساد قاطع ایمان ہے جس کے بعد قلب کی حیات ممکن نہیں۔ اعتقادی مفسدات کے اس دورِ پرفتن میں اصلاحِ احوال کا معاملہ محض تبلیغ وتلقین اور درس وتدریس سے کہیں آگے نکل چکا تھا۔ ایمان و یقین متزلزل ہونے کی صورت میں اصلاحِ اعمال کی بجائے اصلاحِ قلوب کی

ضرورت تھی جو بجز نورِ نبوت ﷺ ممکن نہ تھی۔

ہر دور میں اہل اللہ کی مقدس جماعت نورِ نبوت ﷺ کی امین ہوا کرتی ہے اور خانقاہی نظام اس نعمت کی ترسیل کا واسطہ بنتا ہے۔ یہ حالات اسی نظامِ تربیت کو نہ صرف متحرک کرنے بلکہ دین کے اہم ترین شعبے' احسان یا سلف صالحین کے الفاظ میں طریقت یا تصوف کے احیا وتجدید کے شدت سے متقاضی تھے تاکہ عقائد کی اصلاح ہو سکے۔ اس کارِ عزیمت کے لئے اللہ سبحانہ' و تعالیٰ نے اپنے جس بندے کو منتخب فرمایا' وہ تھے سیّدی ومرشدی حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت جیؒ دورِ حاضر میں معرفتِ باری تعالیٰ اور برکاتِ نبوی ﷺ کی بے پایاں و بے مثال تقسیم' اصلاحِ عقائد اور درستگیٔ اعمال کا ایسا واسطہ بنے جس کا انقطاع اب وقت کے بس کی بات نہیں۔ آپؒ کے شاگرد آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں اس مقدس فریضہ کو سرانجام دیتے نظر آتے ہیں اور آپؒ کے فرمان کے مطابق یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا' اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

(المآئدۃ۔54)

اوائلِ زندگی

حضرت جیؒ 1904ء میں ضلع میانوالی کے ایک دور افتادہ گاؤں چکڑالہ میں پیدا ہوئے جو فتنۂ چکڑالویت کے بانی عبداللہ چکڑالوی کے حوالے سے برصغیر میں خاصہ متعارف ہے۔ کوہِ سلیمان کی ایک شاخ کے دامن میں مشرق کی جانب یہ گاؤں تلہ گنگ میانوالی روڈ کے اڈہ بَن حافظ جی سے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ زمین چٹیل اور ریتلی ہے۔ اگر بارش ہو جائے تو کچھ پیداوار ہو جاتی ہے وگرنہ خشک سالی یہاں کا مقدّر ہوتا ہے۔ فطرت کے مقاصد کی نگہبانی اور دینِ فطرت کے احیاء کے لئے اللہ تعالیٰ نے جس بندۂ صحرائی سے کام لینا تھا' اس کی تربیت' پختگیٔ کردار' ہمت وعظمت اور جفاکشی ومردانگی کے لئے شاید ایسی ہی سنگلاخ اور چٹیل زمین کی ضرورت تھی جو زرخیز تو خوب تھی لیکن ابرِ رحمت کی منتظر۔ حضرت جیؒ کی ذات کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو بے پناہ صلاحیتوں سے خوب نوازا تھا جو اوائل عمر میں تو ظاہر نہ ہوئیں لیکن ابرِ کرم کی پہلی پھوار پڑتے ہی یوں چمک اٹھیں کہ دنیائے تصوّف کے راہ نوردوں کے لئے شمعِ ہدایت فروزاں کر گئیں۔

آپؒ کے والدِ گرامی کا نام ذوالفقار خان تھا اور تعلق قبیلہ اعوان سے' جس کے جدِّ امجد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہیں۔ آپؒ کا خاندان سرجال

اعوان کے نام سے مشہور تھا اور کچھ ہی عرصہ پہلے کالا باغ سے چکڑالہ منتقل ہوا تھا۔ آپؒ کے والد بہت جری تھے اور علاقہ بھر میں سرجال قبیلہ کی ایسی دہشت تھی کہ نووارد ہونے کے باوجود کوئی شخص مخالفت کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ مضافاتِ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کا ڈیرہ خاندانی تعارف کی نسبت سے ڈھوک سرجال کے نام سے مشہور ہوا۔ یوں تو چارسو کنال زرعی اراضی بھی تھی لیکن زمین بارانی ہونے کی وجہ سے پیداوار بہت کم دیتی اور بمشکل کفالت کرتی۔ اس طرح قناعت وسادگی ورثے میں پائی۔ آپؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ دین اور علم سے یکسر خالی تھا۔ یہ لوگ مسلمان تو کہلاتے لیکن نام کی حد تک' دین سے ناواقف اور عمل سے دور۔ کسی بڑے بوڑھے کی ذات تک صوم وصلوٰۃ کی پابندی خال خال نظر آتی لیکن اکثریت کا شغل لڑائی جھگڑا' چوری چکاری' دشمنی اور قتل' جس کا نتیجہ جیل اور پھانسی گھاٹ۔

اسی پس منظر میں حضرت جیؒ کا بچپن پروان چڑھا لیکن شروع سے ہی آپؒ کی شخصیت میں فطرتِ صالح نمایاں تھی۔ حقہ اور سگریٹ جیسی خرافات سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے دل میں نفرت پیدا فرمادی۔ وہ لڑائی جھگڑے اور جاہلانہ تفاخر جو اس ماحول میں بڑائی کی علامت تصور کئے جاتے' آپؒ کے مزاج کے خلاف تھے۔ دل کا میلان ہمیشہ دینِ حق کی طرف رہا اور جب سے ہوش سنبھالا کبھی نماز قضا نہ ہوئی۔ چکڑالہ کے ماحول سے الگ تھلگ اڑھائی تین میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے ڈیرے پر قیام تھا۔ کھیتی باڑی میں والد کا ہاتھ بٹاتے۔ کچھ بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔ ایک مرتبہ بیری کے درخت سے ان کے لئے شاخیں کاٹ رہے تھے

کہ پاؤں پھسلا اور درخت سے گر گئے۔ دائیں ٹانگ پر چوٹ لگی جس کا اثر پوری عمر رہا اور موسم سرما میں اکثر درد محسوس کرتے۔ ٹانگ کی چوٹ کی وجہ سے عمر بھر عصا کا ساتھ رہا۔ اس طرح بکریاں چرانے کے مشغلے اور عصا کی بنا پر نہ صرف موسوی نسبت پائی بلکہ آپؒ کا مزاج بھی موسوی تھا۔ زورِ بیان' کھرا پن اور غضب کا جلال' یہ رنگ آپؒ کی شخصیت میں اوائلِ عمر سے ہی جھلکتا نظر آیا۔

حضرت جیؒ دس برس کے ہوئے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپؒ کے دو بھائی تھے جن میں سے ایک کا تو جوانی میں ہی انتقال ہو گیا۔ بہادر نامی دوسرا بھائی چکڑالہ کے ماحول کی تصویر تھا جو علاقہ کی با اثر شخصیات کی پشت پناہی سے آپؒ کے لئے ہمیشہ ایذا رسانی کا موجب بنا رہا۔ سامنے آنے کی جرأت تو کبھی نہ کر پایا لیکن اس کی درپردہ سازشوں سے عمر بھر آپؒ اس سے نالاں رہے۔ اکثر فرمایا کرتے' شکر ادا کرو' اگر میں بھی اپنے بھائی کی طرح جاہل ہوتا تو یہاں کمزور لوگوں کا رہنا محال ہوتا۔

حضرت جیؒ کا اپنے بھائی سے اختلاف زمین' جائیداد یا کسی دنیوی مفاد کی وجہ سے نہیں بلکہ فکر و عمل کے تضاد کے باعث تھا۔ حضرت جیؒ نے اصلاح کی کوشش کی تو سرکشی پر اتر آیا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ لڑائی تک نوبت آ پہنچی۔ یہ شخص بد طینت عناصر کے ہمراہ ہمیشہ آپؒ کی مخالفت پر تلا رہا خواہ یہ الیکشن کا میدان ہوتا یا مقامی تنازعات۔ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کی ذات ہر مظلوم کا سہارا تھی۔ آپؒ جب بھی کسی مظلوم کی دادرسی کے لئے ظالم کے مدِ مقابل کھڑے ہوتے تو اکثر اپنے بھائی سے ہی واسطہ پڑتا۔ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کی مخالفت میں ایک مقامی سیاستدان ایوب کنڈی ہمیشہ سرگرم

رہا۔ اس شخص کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا اور حضرت جیؒ کی تائید حاصل نہ ہونے کی صورت میں اسے سیاسی طور پر خاصا نقصان اٹھانا پڑتا جو اصل وجہ عناد تھی۔

اہلِ خاندان کے علاوہ چکڑالہ کے مقامی لوگوں کو بھی حضرت جیؒ سے فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ چکڑالہ والوں کی محرومی کا ذکر چھڑ جاتا تو حضرت جیؒ مویشیوں کے تھنوں سے خون چوسنے والے چیچڑوں کی مثال دیا کرتے۔ کسی نے چیچڑوں سے کہا کہ ہم مویشیوں کے تھنوں سے دودھ حاصل کرتے ہیں تو ان کا جواب تھا کہ ہم تو یہیں پیدا ہوئے لیکن خون پیتے ہیں' دودھ کہاں؟ اس تمثیل کی روشنی میں آپؒ فرمایا کرتے کہ چکڑالہ والے مجھے ایذا پہنچاتے ہیں' ان کی قسمت میں دودھ کہاں! وہ میرا خون پیتے ہیں جبکہ دودھ باہر والے آ کر حاصل کر رہے ہیں اور فیضیاب ہو رہے ہیں۔

جوانی کے ابتدائی ایام میں حضرت جیؒ کی شادی ہوگئی۔ بارانی علاقہ ہونے کی وجہ سے معاشی حالات اچھے نہ تھے جو پہلی عالمی جنگ کے بعد مزید خراب ہو گئے اور ملازمت کی ضرورت پیش آئی۔ آپؒ کے ماموں پشاور پولیس میں تعینات تھے' وہ چکڑالہ آئے تو آپؒ کو ساتھ لے گئے اور پولیس میں بھرتی کرا دیا۔ اس زمانے میں پولیس کی ملازمت کو بڑا اعزاز تصور کیا جاتا تھا۔ یہ ملازمت انگریز کی حاکمیت میں مقامی لوگوں کی ایک طرح سے شرکت تھی لیکن مزاجِ باصفا کو پسند نہ آئی۔ ایک سال بعد ملازمت چھوڑ دی اور گھر چلے آئے۔ بعد میں وارنٹ جاری ہوئے تو خود پشاور پہنچ گئے۔ افسرانِ بالا نے نوکری پر بحال کرنا چاہا تو آپؒ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں قید کاٹنا منظور کیا لیکن پولیس کی ملازمت کے لئے طبعاً آمادہ نہ ہو سکے۔

ماموں دوبارہ پشاور لے گئے اور اس مرتبہ جیل کے عملہ میں بھرتی کرادیا۔ ملازمت کی ابتدا کوہاٹ جیل میں بطور گارڈ ہوئی۔ یہاں آپؒ نے ذاتی شوق اور محنت سے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے بلا کی ذہانت اور قوتِ حافظہ سے نوازا تھا' نہایت مختصر وقت میں پرائمری کا مرّوجہ نصاب مکمل کرلیا۔ اس زمانے میں جیل کا اکثر عملہ اَن پڑھ ہوتا تھا چنانچہ آپؒ کی قابلیت اور تعلیم کی بنا پر جیل منشی کی ڈیوٹی سونپ دی گئی۔

بطور جیل منشی مطالعہ کے لئے وافر وقت ملا تو حضرت جیؒ نے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد مزید ترقی ہونے والی تھی کہ داروغہ جیل سے اَن بَن ہوگئی۔ یہ شخص ہندو تھا اور قیدیوں کا راشن خرد برد کرنے کا عادی۔ بطور جیل منشی حضرت جیؒ کی ذمہ داری میں قیدیوں کے راشن کا حساب لکھنا بھی شامل تھا۔ روزانہ خرچ کے مطابق آپؒ ہر چیز کی درست مقدار تحریر فرماتے جس کی وجہ سے داروغہ جیل کے لئے راشن کی ہیرا پھیری ممکن نہ رہی۔ اس نے ساتھ ملانے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو سخت گیری پر اتر آیا۔ ایک روز ناحق رعب جمانا چاہا لیکن مزاجِ موسوی ہندو داروغہ کی سینہ زوری برداشت نہ کرسکا۔ اس وقت آپؒ کے ہاتھ میں جیل کی چابیوں کا بھاری گچھا تھا' وہی داروغہ کے سر پر دے مارا۔ یہ صورت تو کچھ ایسی ہی تھی:

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ

تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کردیا

(القصص۔15)

البتہ حضرت جیؒ کے معاملے میں نتیجہ قدرے مختلف نکلا۔ چابیوں کی ضربِ کاری کے باوجود داروغہ جیل سخت جان ثابت ہوا' چکرا کر گرا لیکن بچ

گیا۔ حضرت جیؒ پر مقدمہ قائم ہوا۔ جرم تو سنگین تھا لیکن آپؒ کی سابقہ کارکردگی اور اچھے کردار کے باعث جیل سپرنٹنڈنٹ نے نرم روّیہ اختیار کیا۔ بغیر مقدمہ چلائے آپؒ کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ بعد میں جیل حکام کو احساس ہوا کہ ایک سنگین جرم پر اس قدر کم سزا کے ساتھ چھوڑنا غلطی تھی۔ قرار واقعی سزا دینے کے لئے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے اور پولیس نے چکڑالہ کا رخ کیا لیکن حضرت جیؒ اس وقت تک دشتِ علم کی سیّاحی میں ان لوگوں کی دسترس سے بہت دور نکل چکے تھے۔

تحصیلِ علم

حضرت جیؒ کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق تو بچپن سے ہی تھا لیکن گاؤں کے ایک دور افتادہ ڈیرے سے روزانہ پرائمری سکول تک بھیجنے کا تردّد کون کرتا۔ اوائلِ عمر میں والد ماجد کی وفات کے بعد کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹانا اور بکریوں کے گلہ کی نگہبانی خاندان کی اولین ترجیح تھی۔ اس طرح آپؒ ابتدائی تعلیم سے محروم رہے۔ جیل کی ملازمت کے دوران پرائمری تعلیم مکمل کرنے کا موقع ملا تو اس کے ساتھ ہی آپؒ دینی کتب کے مطالعہ میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ جیل میں بعض اوقات مذاہبِ باطلہ پر بات چل نکلتی، بالخصوص قادیانیت پر بحث ہوتی جو اس دور کا ایک بڑا فتنہ تھا چونکہ آپؒ کے مزاج میں دینی حمیت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لئے ان مباحث میں خوب حصہ لیتے اور کسی غلط بات کو برداشت نہ کرتے۔

ماہِ صیام آیا تو صلوٰۃُ التّراویح کے لئے تلہ گنگ کے قصبہ مصریال سے مولانا عبدالرحمٰن کو بلایا گیا۔ کوہاٹ میں مولانا کے مختلف مساجد میں ختمِ قرآن کے پروگرام ہوتے۔ جیل منشی ہونے کی وجہ سے حضرت جیؒ راتوں کو فارغ ہوتے اس لئے مولانا کے ہر پروگرام میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ دورانِ نشست آپؒ مولانا سے خوب سوالات کرتے جو اکثر ادیانِ باطلہ سے

متعلق ہوا کرتے۔ یہ سوالات مشکل نوعیت کے ہوتے اس لئے تنگ آ کر ایک روز مولانا نے حضرت جیؒ سے کہا:

''عزیز! گل ایہہ وے۔ اگر تو انج کرنا ایں تے پڑھ'' (عزیز! بات یہ ہے کہ اگر تم نے سوال کرنے ہیں تو خود علم حاصل کرو)

حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جیل میں جب مختلف فرقوں بشمول مذاہبِ باطلہ کا لٹریچر پڑھتا تو اپنی وافر تحقیق و تعلیم نہ ہونے کی بنا پر جو کچھ پڑھتا' اسے درست سمجھنے لگتا۔ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرحمٰن کے درجات بلند فرمائے' انہوں نے حضرت جیؒ کو رغبت دلائی کہ اگر مذہبی تحقیق کرنی ہے تو خود علم حاصل کرو وگرنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

یہ حضرت جیؒ کی زندگی کا نہایت اہم موڑ تھا جب دورانِ ملازمت آپؒ نے دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی اثناء میں داروغہ جیل سے جھگڑا ہوا تو ملازمت سے جان چھوٹی' گویا آپؒ کے ارادے کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حالات کا رخ موڑ دیا۔ حضرت جیؒ کا بچپن اور لڑکپن' جو تحصیلِ علم کا زمانہ ہوا کرتا ہے' تعلیم کے بغیر گزرا۔ پرائمری تعلیم کی تکمیل اوائلِ جوانی میں ہوئی اور جب عمرِ عزیز کے دو عشرے مکمل ہو چکے تھے تو آپؒ نے ملازمت سے فراغت کے بعد دینی تعلیم کے حصول کا ارادہ فرمایا۔

اکثر سوانح میں بطور فضیلت یہ تذکرہ ملتا ہے کہ فلاں بزرگ کی پیدائش مسجد کے حجرہ میں ہوئی' چلنا شروع کیا تو پہلا قدم صحنِ مسجد میں رکھا اور ظاہری علوم کی تکمیل تک باہر کی دنیا کی خبر نہ ہوئی۔ یہ عظمت کا ایک پہلو ہے۔ بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جس کے کان میں پڑنے والی پہلی

آواز قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَقَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہو لیکن اس کے مقابل اس شخص کی عظمت کا کیا کہنا جو بچپن سے ان روح پرور جملوں کو ترسا کرے مگر اس کی تڑپ میں وہ شدت اور طلب میں اس قدر خلوص ہو کہ زندگی کا ایک حصہ گذر جانے کے بعد جب یہ آواز سنے تو برسوں کی مسافت چند روز میں طے ہو جائے اور ابتدائی چند دروس میں ہی قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَقَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کا حال بن جائے۔ حضرت جیؒ کے ہاں عظمت کا یہ دوسرا پہلو نظر آتا ہے۔

جیل کی ملازمت ختم ہونے کے بعد حضرت جیؒ نے چکڑالہ میں اٹھائیس دن مختصر قیام فرمایا جس کے بعد والدۂ ماجدہ سے دینی تعلیم کے لئے مسافرت کی اجازت چاہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بزرگ ہستی پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے جس نے بصد شوق اجازت مرحمت فرمادی۔ آپؒ کے ایک قریبی عزیز اور بچپن کے ساتھی نور محمد بھی ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک رات آپؒ کی والدۂ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کے ہاں تشریف لائے اور دو تھیلیاں سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے بیٹے کے لئے ہیں۔ حضرت جیؒ کی والدہ نے نور محمد کے لئے بھی طلب کیں تو انہوں نے گھر کے صحن میں زمین پر عصا مارتے ہوئے فرمایا:

''کیا یہاں بھی کچھ اُگ سکتا ہے؟''

دو تھیلیوں سے مراد علومِ ظاہر و باطن تھے اور حضرت جیؒ نے وقت آنے پر ان دونوں علوم میں کمال حاصل کیا۔

بابا نور محمد:

حضرت جیؒ کے بچپن کے دوست بابا نور محمد علم حاصل کرنے میں تو

حضرت جیؒ کا ساتھ نہ دے سکے لیکن ان کے نصیب میں آپؒ کا مستقل ساتھ لکھ دیا گیا۔ زندگی میں دوستی کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضرت جیؒ کا مہمان بننے کی سعادت جس کو بھی ملی، وہ بابا جی کے حسنِ سلوک اور پُرخلوص خدمت کو فراموش نہ کر سکا۔

قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے ان کا حضرت جیؒ کے ہاں آنا جانا تھا اور احباب کی میزبانی کے فرائض بھی ان کے سپرد تھے۔ حضرت جیؒ کے ہر مہمان کے آرام اور کھانے پینے کا خیال رکھتے اور ضروریات سے حضرت جیؒ کو مطلع کرتے۔ ایک مرتبہ کرنل محبوبؒ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کے ہاں قیام پذیر تھے۔ رات کے کھانے میں کرنل صاحب کو دو روٹیاں ملیں تو انہوں نے سحری کی نیت سے ایک روٹی تکیے کے نیچے سنبھال لی۔ بابا نور محمد یہ دیکھ رہے تھے۔ پوچھنے پر روزے کی نیت کا پتہ چلا تو حضرت جیؒ کو اطلاع کی۔ آپؒ نے کرنل صاحب کے لئے خاص طور پر سحری کے لئے چائے اور پراٹھے بھجوائے اور اس طرح بابا نور محمد کو سحری کے وقت پھر خدمت کا موقعہ مل گیا۔ ساتھیوں کی اس بے لوث خدمت اور حضرت جیؒ کی رفاقت کا یہ صلہ پایا کہ جب ان کی وفات کے موقع پر حضرت جیؒ کو ملتان اطلاع کی گئی تو آپؒ نے ہدایت فرمائی کہ بابا جی کو آپؒ کی زمین میں فلاں درخت کے نیچے دفن کیا جائے اور میری بھی آخری آرام گاہ وہیں ہوگی۔ اس طرح انہیں حضرت جیؒ کی دائمی رفاقت بھی نصیب ہوئی۔

بابا جی انتہائی کم گو تھے۔ زندگی میں ان کے جذبات کی ترجمان وہ زیرِ لب مسکراہٹ ہوا کرتی جو حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کے لئے پیغامِ محبت تھی۔ بابا نور محمد آج بھی خاموش ہیں اور بہت کم لوگ یہ

جانتے ہیں کہ حضرت جیؒ کے قرب میں کون آسودۂ خاک ہے لیکن باباجی کی قبر یہاں حاضری دینے والے ہر زائر کو زبانِ حال سے یہ پیغام دے رہی ہے کہ ان عظیم ہستیوں کا دامن جو ایک بار تھام لے وہ اسے چھوڑا نہیں کرتے۔

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَايَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ.

اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

ان کی مجلس میں بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوتا

اس دور میں آج کی طرح باقاعدہ دینی مدارس نہ تھے۔ انگریز کے ہاتھوں اسلامی ریاستوں کی بربادی کے بعد مسلم سلاطین کے زیرِ کفالت چلنے والا نظامِ درس وتدریس بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا تھا۔ اساتذہ منتشر تھے اور کتابیں نابود ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں علم کے متلاشی جہاں کہیں کسی عالم کی خبر پاتے' اس کے پاس پہنچ جاتے۔ جس صنفِ علم کا وہ ماہر ہوتا' اسے حاصل کرتے اور بقیہ علوم کی تحصیل کے لئے تلاش کا سفر جاری رہتا۔ حصولِ علم کی لگن حضرت جیؒ کو بھی قریہ قریہ لے گئی۔

حضرت جیؒ نے تحصیلِ علم کی ابتداء غالباً 1925ء یا اس سے ایک دو سال بعد بھیرہ سے کی۔ اس کے بعد ضلع سرگودھا میں لنگر مخدوم' چک نمبر 10' موضع شاہ' کوٹ فتح خان' ڈیرہ جاڑہ اور اس کے بعد جلہ مخدوم تشریف لے گئے۔ جن دنوں آپؒ جلہ مخدوم میں تعلیم حاصل کر رہے تھے' کوہاٹ میں جیل حکام کو خیال آیا کہ داروغہ جیل پر حملہ ایک سنگین جرم تھا جس پر حضرت جیؒ کو نوکری سے برخواست کرنے کی سزا کافی نہ تھی۔ دوبارہ وارنٹ جاری ہوئے اور پولیس آپؒ کی گرفتاری کے لئے جلہ مخدوم پہنچی لیکن آپؒ کے استاذِ محترم کو بروقت اطلاع ہو گئی۔ انہوں نے آپؒ کو فوراً رخصت کیا اور

اس طرح حضرت جیؒ پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ جلہ مخدوم سے حضرت جیؒ پنڈی گھیب آ گئے لیکن یہاں صرف چند روز قیام فرمایا۔

حضرت جیؒ کو جہاں کہیں کسی عالم کی خبر ملتی' ادھر کا رخ کرتے۔ چکوال کے نواح میں موہڑہ کورچشم کے مولانا محمد اسماعیل علاقہ بھر میں اپنی علمی پہچان رکھتے تھے۔ آپؒ 29-1928ء میں ان کی درسگاہ میں پہنچے اور مولانا کے سامنے صحیح بخاری کی ایک حدیث بیان کرتے ہوئے گذارش کی کہ میں اس کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں' کئی علماء کے سامنے اِشکال پیش کئے ہیں لیکن کوئی بھی شافی جواب نہ دے سکا۔ مولانا نے آپؒ کو اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا لیکن تہجد کے وقت آنے کے لئے کہا۔ تہجد کی نشست میں حدیثِ مبارکہ پر جامع گفتگو ہوئی۔ شاگردِ رشید نے استاذ کو پہچانا اور استاذِ جوہر شناس کو اندازہ ہوا کہ یہ نوجوان کوئی عام طالب علم نہیں۔ تہجد کے وقت کی یہ علمی گفتگو دراصل اس فیصلہ کی بنیاد تھی کہ آپؒ کا اگلا مکتب موہڑہ کورچشم ہوگا۔ یہاں حضرت جیؒ نے مسلسل تین برس قیام فرمایا اگرچہ علمی مباحث کے لئے اس کے بعد بھی موہڑہ کورچشم تشریف لاتے رہے۔

کوٹ فتح خان میں حضرت جیؒ نے دیوبند سے فارغ التحصیل ایک استاذ المعروف 'رام پور والے مولوی صاحب' سے صرف ونحو کی تراکیب سیکھنے کے لئے استفادہ کیا۔ فارسی کتب بھیرہ اور سرگودھا کے قریب چک نمبر 10 اور لنگر مخدوم میں پڑھیں۔ نحوی تراکیب کے لئے موضع شاہر اور چک نمبر 10 میں زیادہ وقت لگایا۔ اسی مقصد کے لئے پنڈی گھیب بھی گئے لیکن مطمئن نہ ہوسکے اور چند روز بعد واپس لوٹ آئے۔

لنگر مخدوم میں تعلیم کے دوران حضرت جیؒ کا تعلق مولانا محمد مخدوم

سے رہا۔ یاد رہے کہ لنگر مخدوم میں صدیوں سے مخدوم خاندان کی زیر سرپرستی درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ گیارھویں صدی ہجری کے اوائل میں یہاں مخدوم عبدالکریمؒ سے لاہور کے مشہور بزرگ خواجہ محمد اسماعیل سہروردیؒ المعروف میاں وڈاؒ نے بھی ظاہری تعلیم حاصل کی تھی۔

1932 میں حضرت جیؒ نے دورۂ حدیث کے لئے مسجد خواجگان ڈلوال (نزد کلر کہار) میں قیام فرمایا۔ یہاں مولانا سیّد امیرؒ فاضلِ دیوبند سے دورۂ حدیث مکمل کیا جس کے بعد آپؒ کی دستار بندی ہوئی۔ مولانا سیّد امیرؒ انتہائی متقی بزرگ تھے۔ آخر عمر میں تپ دق کے عارضہ میں مبتلا ہوئے تو ایک صاحبِ ثروت عقیدت مند علاج کے لئے لاہور لے آئے لیکن ہسپتال میں بے پردہ نرسوں کو دیکھا تو بغیر علاج واپس چلے گئے۔

ڈلوال میں قیام کے دوران حضرت جیؒ کو ڈھیری سیّداں کے مقام پر اپنی زندگی کے پہلے مناظرہ میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ اس مناظرہ کے لئے آپؒ پہلے سے تیار نہ تھے لیکن جب آپؒ نے اہلِ سنت کے مناظر کو لاجواب ہوتے پایا تو مناظرہ میں شریک ہونا پڑا۔ اس مناظرے میں زبردست کامیابی کے بعد حضرت جیؒ پہلی بار عوامی سطح پر متعارف ہوئے۔

حضرت جیؒ نے مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا اور سالہا سال کی محنتِ شاقہ کے بعد درسِ نظامی اور عربی وفارسی کی جملہ کتب کی تکمیل کے علاوہ علومِ دگر' صرف ونحو' منطق' تفسیر و حدیث' فنِ مناظرہ اور ردِّ مذاہبِ باطلہ میں بھی کمال حاصل کیا۔ اساتذہ آپؒ کی خداداد صلاحیتوں کے معترف تھے۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ استاذ سے ایک مرتبہ سبق سن لینے کے ساتھ ہی ازبر ہو جاتا اور دہرانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کبھی کبھار طلبا کے ساتھ مل کر دہراتے تو

انہیں گمان ہوتا کہ آپؒ نے ساری کتابیں پہلے سے پڑھ رکھی ہیں اور اب محض دہرائی کر رہے ہیں۔ چونکہ دوسرے طالب علموں کی نسبت عمر میں بھی کافی فرق تھا اس لئے اکثر طلبا یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ ان کی طرح آپؒ بھی یہ اسباق پہلی مرتبہ پڑھ رہے ہیں۔

مدرسۂ امینیہ:

مسجد خواجگان ڈلوال میں دستار بندی کے باوجود حضرت جیؒ کی تشفی نہ ہوئی اور آپؒ دورۂ حدیث کے اعادہ کے لئے 1933ء میں مدرسۂ امینیہ دہلی تشریف لے گئے۔ ان دنوں اس مدرسہ کے سرپرست مفتی کفایت اللہؒ تھے۔ تحریک ریشمی رومال کی وجہ سے مدرسہ دیوبند مقفّل تھا اور وہاں کے اساتذہ یا تو قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے یا ملک بدر کر دیئے گئے تھے اور جو انگریز کی پکڑ دھکڑ سے بچ گئے تھے ان میں سے اکثر مدرسۂ امینیہ ہی میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ آپؒ نے ان کی قابلیت سے خوب استفادہ کیا۔ مفتی کفایت اللہؒ سے آپؒ نے بیضاوی' طحاوی شریف اور ہدایہ پڑھیں۔ دورانِ اسباق حضرت جیؒ اور مفتی کفایت اللہؒ کے درمیان خوب علمی مباحث ہوا کرتے۔ آپؒ نے اس علمی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا:

> ''میں جب بھی سوال کرتا' مفتی کفایت اللہؒ بہت توجہ سے سنتے۔ سوال ٹھوس ہوتا اور وہ فرماتے' آپ قانون باندھ کر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ قانون آپ نے کہاں سے سیکھا ہے؟''

مدرسۂ امینیہ سے دورۂ حدیث مکمل کرنے کے بعد یہاں سے جانے کو

دل نہ چاہتا تھا۔ روانگی کے وقت انتہائی افسردگی کے عالم میں مدرسۂ امینیہ کی دیوار پر اپنے دل کی حالت ان الفاظ میں تحریر فرمائی:

ز دھلی بروں آمدم نادمم
کہ دھلی بہشت است و من آدمم

(میں دہلی سے تأسف کے ساتھ واپس لوٹ رہا ہوں گویا
دہلی بہشت ہے اور میں حضرت آدمؑ کی طرح یہاں سے
رخصت ہو رہا ہوں)۔

لوحِ دیوار پر اظہارِ خیال کا یہ انداز مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے ایک طرح سے قدرِ مشترک رکھتا ہے۔ مولانا جامیؒ اپنے شاگردوں کے جلو میں حضرت عبیداللہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں توقع کے خلاف شاہانہ کروفر نظر آیا۔ آئے تو حصولِ فیض کے لئے تھے لیکن ان کی ظاہری شان وشوکت دیکھ کر دل کو ٹھیس لگی۔ باہر نکلے اور مدرسے کی دیوار پر یہ مصرع لکھ دیا:

نہ مرد آنکس کہ دنیا دوست دارد

دوپہر کا وقت تھا اور سفر کی تھکاوٹ' لنگر سے کھانا کھایا اور قیلولہ کے لئے مسجد کے صحن میں لیٹ گئے۔ آنکھ لگی تو دیکھا کہ یومِ محشر ہے اور انہیں مکئی کے ایک بھٹے کے حساب کی پاداش میں دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اسی اثناء میں عظمت وحشمت والے ایک سردار پر نگاہ پڑی' نوکر چاکر جن کے ساتھ ہیں اور ان میں سے ایک کے سر پر مکئی کے بھٹوں سے بھرا ٹوکرا ہے۔ انہوں نے فرمایا' ایک بھٹہ اسے بھی دے دو تاکہ اپنا حساب بیباک کر سکے۔ وہ سردار حضرت عبیداللہ احرارؒ تھے جو روزِ محشر کام آئے۔ آنکھ کھلی تو ظہر کی نماز تیار تھی۔ نماز کے بعد خواجہ احرارؒ باہر نکلنے لگے تو مولانا جامیؒ دیوار کے سامنے کھڑے ہو گئے تاکہ

ان کے لکھے ہوئے مصرع پر نظر نہ پڑے۔ خواجہ احرارؒ کے اصرار پر سامنے سے ہٹے تو انہوں نے مصرع دیکھ کر فرمایا کہ شعر یوں مکمل کر دو:

نہ مرد آنکس کہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

(وہ مرد نہیں جو دنیا کو عزیز رکھے اور اگر عزیز رکھے تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر)۔

کون جانتا تھا کہ دیوار پر شعر لکھنے کی اس قدرِ مشترک کے علاوہ مستقبل میں حضرت جیؒ کی ان ہستیوں سے ایک نسبت ایسی بھی قائم ہوگی کہ سلسلۂ اویسیہ کے شجرہ میں ان کے اسمائے گرامی کے بعد آپؒ کا نام ہوگا۔

حضرت جیؒ کی طبیعت میں تحقیق و جستجو کا مادہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مختلف اساتذہ سے تبادلۂ خیال کرتے اور جب تک کسی مسئلہ کی تہ تک نہ پہنچ جاتے، چین سے نہ بیٹھتے۔ حدیثِ جبریل کے بارے میں آپؒ نے فرمایا کہ تقریباً گھنٹہ دو گھنٹہ میں نے استاذِ محترم کو آگے نہ بڑھنے دیا، جب تک کہ صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آ گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا بے حد احترام کرتے اور طرزِ تکلّم میں بحث و تمحیص کی بجائے ادب اور تلمیذانہ رنگ غالب رہتا۔

سیّد انور شاہ کاشمیریؒ:

محدثین کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ کسی ایک حدیث کی تلاش اور تحقیق میں ان حضراتِ گرامی نے ہزاروں میل سفر کیا۔ حضرت جیؒ کے ہاں بھی کچھ یہی صورت نظر آتی ہے۔ زمانۂ طالب علمی کے آخر میں بعض دقیق مسائل کی تحقیق کے لئے آپؒ نے حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت جیؒ ان کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام سے کرتے اور

اس ضمن میں اکثر شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے سلطان محمود غزنویؒ کی ملاقات کا بھی ذکر کرتے جس میں انہوں نے سلطان کے سامنے حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہ قول ارشاد فرمایا تھا:

"جس نے مجھے دیکھا بدبختی اس سے دور ہوگئی۔"

یعنی وہ کفر و شرک سے محفوظ ہوگیا۔

یہ قول سن کر سلطان نے اعتراض کیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا مرتبہ حضور ﷺ سے بلند کس طرح ہوسکتا ہے؟ جب کہ حضور ﷺ کو ابوجہل اور ابولہب جیسے منکرین نے دیکھا لیکن ان سے بدبختی دور نہ ہوئی۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں جس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ○

وہ آپؐ کی جانب نظر کرتے ہیں' دیکھ نہیں سکتے۔

(الاعراف۔198)

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جیؒ فرمایا کرتے:

"اگر روزِ محشر یہ سوال ہوا کہ کیا لائے ہو تو عرض کروں گا۔
بارِ الٰہا تیرے نیک بندے سیّد انور شاہ کاشمیریؒ کی زیارت کا
موقعہ ملا' یہی ایک عمل تیرے حضور پیش کرسکتا ہوں۔"

حضرت جیؒ نے قریباً دس برس دشتِ علم کی راہ نوردی میں بسر کر دیئے۔ کسی ایک جگہ ٹھہرے نہ کسی ایک استاذ پر قانع ہوئے۔ جو اسباق سالوں پہ محیط تھے ان کی تکمیل مہینوں میں فرمائی۔ آپؒ کی بے مثال ذہانت' غیر معمولی حافظہ' عمرِ عزیز کے دس برس کی محنتِ شاقہ اور اساتذہ میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ'

مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ جیسی ہستیاں' اس بات سے آپؒ کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت جیؒ کا مقصدِ تعلیم محض دستار بندی اور سندِ فراغت ہی نہیں' بلکہ تحصیلِ علم تھا جس کی کوئی انتہا نہیں۔ چنانچہ اساتذہ سے فراغت کے بعد بھی تحصیلِ علم کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھا۔

علمِ طب:

اُس دور میں اکثر طلباء دینی علوم کی تکمیل کے بعد کچھ وقت علمِ طب کے حصول میں صرف کرتے تاکہ کسبِ معاش میں کسی کے دستِ نگر نہ ہوں اور درس وتدریس کا سلسلہ بغیر کسی لالچ اور معاوضہ کے محض رضائے الٰہی کے لئے جاری رکھ سکیں۔ ماضی کے بہت سے جیّد علماء کے ہاں یہ قدر مشترک پائی جاتی تھی کہ وہ درس وتدریس سے فارغ ہو کر کچھ وقت طبابت بھی کرتے اور یہ مشغلہ ان کے گزران کا ذریعہ ہوا کرتا۔ مسلم سلاطین کی سوانح میں قرآنِ حکیم کی خطاطی اور ٹوپیاں سینے کے مشاغل کا تذکرہ ملتا ہے لیکن افسوس کہ اب یہ روایات معدوم ہو چکی ہیں۔ آج بھی اگر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدارس میں فنی تعلیم کا اضافہ کر دیا جائے تو نہ صرف دینی حلقوں کے وقار میں اضافہ ہوگا بلکہ ہر سال دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے لاکھوں طلبا ملک کے انتہائی کار آمد شہری بن سکیں گے۔

حضرت جیؒ نے اسلاف کی اس روایت کے تحت دینی علوم کی تکمیل کے بعد علمِ طب کا مطالعہ شروع کیا اور صرف چھ ماہ کے عرصہ میں اس فن میں خوب مہارت حاصل کر لی۔ آپؒ نے دہلی میں قیام کے دوران حکیم اجمل خان سے بھی ملاقات کی اور ان سے تین شافی نسخے حاصل کئے۔ علمی شہرت کے ساتھ ساتھ علاقہ بھر میں آپؒ بطور حکیمِ حاذق بھی مشہور تھے لیکن بعد میں دینی

مصروفیات میں بے پناہ اضافہ کے باعث طبابت جاری نہ رکھ سکے۔

حضرت جیؒ بعض اوقات احباب کے پیچیدہ امراض کی نہ صرف تشخیص فرماتے بلکہ علاج کے لئے نسخہ بھی تجویز کرتے۔ خود راقم کو دورانِ علالت آپؒ نے یرقان کا نسخہ تحریر کرایا جس سے احباب آج تک استفادہ کر رہے ہیں۔ ایک اور موقع پر جب انتہائی جدید ٹیسٹوں کے باوجود مرض کی تشخیص نہ ہو پائی تو حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ نبض دیکھنے کے لئے آپؒ فجر کا وقت موزوں خیال فرماتے چنانچہ نماز فجر کے بعد جائے نماز پر بیٹھے ہوئے نبض پر ہاتھ رکھا' مرض کی تشخیص فرمائی اور آپؒ کے تجویز کردہ نسخے کے چند ہفتے استعمال کے بعد مکمل افاقہ ہوا۔ علاج کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ کسی وظیفہ کی بھی تلقین فرمایا کرتے۔ اس وقت آپؒ نے ہدایت فرمائی کہ ہر نماز میں فرائض کے بعد اور دعا سے پہلے دائیں ہاتھ کو سر پہ رکھ کر سات مرتبہ یہ پڑھیں۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا ۔ اس عمل سے بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ بہت احباب کو فائدہ ہوا۔

درس و تدریس:

35 1934ء میں ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد حضرت جیؒ چکڑالہ واپس تشریف لائے تو اس وقت آپؒ کی عمر قریباً 30 سال تھی۔ والدۂ ماجدہ کی خواہش کے مطابق آپؒ نے عقدِ ثانی کیا۔ موہڑہ کورچشم میں زمانۂ طالب علمی کے ساتھی حبیب خان کو معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ تعلیم مکمل کرنے کے بعد چکڑالہ واپس آ گئے ہیں تو اس نے درخواست کی کہ آپؒ اس کے گاؤں چک 66 جنوبی (بھلوال) میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیں۔ حبیب خان کے اصرار پر حضرت جیؒ زوجۂ محترمہ کے ہمراہ اس کے گاؤں منتقل ہو گئے۔

یہاں آپؒ کی رہائش کے لئے باپردہ جگہ کا اہتمام کیا گیا۔ چک 66 میں حضرت جیؒ کے قیام کا زمانہ 36-1935ء ہے۔

حضرت جیؒ ڈلوال میں زمانۂ طالب علمی کے دوران عوامی سطح پر متعارف ہو چکے تھے۔ اس علاقہ کے زمیندار ملک حاکم خان نے' جس کی زمین چک نمبر 13 (خانیوال) میں بھی تھی' حضرت جیؒ سے استدعا کی کہ آپؒ اس کے چک میں فروغِ دین کی ذمہ داری قبول فرمائیں۔ حضرت جیؒ نے یہ استدعا قبول فرمائی اور اہلیہ کے ہمراہ خانیوال کے اس چک میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آپؒ کی بڑی صاحبزادی غلام صغریٰ 1937ء میں پیدا ہوئی۔ 1939ء میں آپؒ کے بیٹے عبدالرؤف کی پیدائش ہوئی۔ 42-1941ء میں زوجۂ محترمہ کا انتقال ہوا تو چک نمبر 13 (خانیوال) میں ہی ان کی تدفین کے بعد حضرت جیؒ واپس چکڑالہ تشریف لے آئے اور کم سن بچوں کی پرورش والدۂ ماجدہ کے سپرد ہوئی۔

حضرت جیؒ چکڑالہ واپس آئے تو دیکھا کہ یہ جگہ باطل نظریات کا گڑھ بن چکی ہے۔ اگر کوئی عالم باہر سے آ کر حق بیان کرتا ہے تو اسے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ آپؒ ایک عالم ہی نہیں بلکہ مقامی زمیندار بھی تھے۔ چکڑالہ پہنچے تو باطل کے خلاف محاذ قائم کیا اور جامع مسجد المعروف ''چٹّی مسجد'' کو اپنا مرکز بنایا۔ یہاں آپؒ ظہر تک درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ بقیہ نمازیں اپنے گھر سے متصل کچی مسجد میں ادا کرتے لیکن طلباء یہاں بھی حاضر ہو جاتے اور اس طرح سلسلۂ تدریس نمازِ مغرب تک جاری رہتا۔ جمعتہ المبارک کا خطاب ''چٹّی مسجد'' میں فرماتے۔ باطل نظریات کی تردید میں آپؒ کا بیان انتہائی مدلّل اور مؤثر ہوتا جو سیدھے سادھے لیکن بھٹکے ہوئے مسلمانوں کے

لئے رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ بنتا۔

چکڑالہ میں اصلاحِ عقائد کے لئے آپؒ کی یہ تحریک گمراہ فرقوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی چنانچہ مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس موقع پر آپؒ کی برادری اور قبیلے نے بھرپور حمایت کی۔ اس ضمن میں حضرت جیؒ اکثر سلطان سرخرو نامی ایک بدمعاش مگر دلیر شخص کا تذکرہ فرمایا کرتے جس نے اپنے ساتھیوں سمیت آپؒ کی حمایت کی اور مخالفین کو سر نہ اٹھانے دیا۔ سرخرو آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو قدموں میں بیٹھتا۔ حضرت جیؒ چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کہتے تو وہ عرض کرتا "مولوی صاحب آپ عالمِ باعمل ہیں' ہم بے دین اور جاہل' بھلا آپ کے برابر کس طرح بیٹھ سکتے ہیں؟ بس آرزو ہے کہ میری زندگی آپ کے دفاع میں خرچ ہو جائے۔" حضرت جیؒ کا انتہائی عقیدت مند تھا اور اکثر آپؒ کے ساتھ رہتا۔ 1963ء میں پرانی دشمنی کی وجہ سے کسی نے اسے میانوالی میں گولی مار دی۔ حضرت جیؒ اس کا ذکر کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے:

"بے دینوں نے بھی دین کے لئے میری مدد کی ہے۔"

چکڑالہ سے جنم لینے والا "چکڑالوی فتنہ" بھی اسی زمانے میں نیست و نابود ہوا۔ عبداللہ چکڑالوی کے آخری جانشین کا عبرتناک انجام بیان کرتے ہوئے حضرت جیؒ فرمایا کرتے کہ وہ آخری عمر میں ہوش وحواس کھو بیٹھا' اچھے برے کی تمیز نہ رہی اور مرنے سے پہلے اکثر کہا کرتا کہ اس کی لاش کو دفن کرنے کی بجائے جلا ڈالا جائے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ○

عبرت پکڑو اے بصیرت والو۔ (الحشر۔2)

حضرت جیؒ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ آپؒ کا تحصیلِ علم کا زمانہ عمرِ عزیز کے فلاں سال سے فلاں سال تک محیط ہے یا ظاہری علوم کی تکمیل میں آپؒ نے اتنی مدت صرف کی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؒ کی پوری عمر تحصیلِ علم میں بسر ہوئی۔ کتب آپؒ کی بہترین رفیق ہوا کرتیں۔ بارہا دیکھنے میں آیا کہ کسی ملاقاتی نے آپؒ کی خدمت میں کوئی کتاب پیش کی تو آپؒ نے ایک ہی نشست میں نہ صرف پوری کتاب پڑھ ڈالی بلکہ اس پر سیر حاصل گفتگو بھی فرمائی اور اس دوران کتاب کے مندرجات کے بکثرت حوالے بھی دیئے۔ حافظہ کی ایک صورت انگریزی میں Photo Memory کہلاتی ہے، یعنی جو چیز نگاہ سے گزرے وہ ذہن میں تصویر کی صورت محفوظ ہو جائے۔ حضرت جیؒ کے ہاں یہ خصوصیت اس سے کہیں آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اعجاز کی ایک صورت تھی جسے دیکھ کر علماء بھی دنگ رہ جاتے۔

مکتبِ طریقت

ضلع سرگودھا کے ایک زمیندار مولوی محمد اکبر زمانۂ طالب علمی سے حضرت جیؒ کے دوست تھے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران لام بندی ہوئی تو وہ بھی فوج میں بھرتی ہو گئے لیکن مقررہ تاریخ پر رپورٹ نہ کی۔ وارنٹ جاری ہوئے تو گرفتاری سے بچنے کے لئے چک 13 (خانیوال) کا رخ کیا تاکہ حضرت جیؒ کے ہاں روپوش رہیں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کچھ ہی عرصہ پہلے حضرت جیؒ کی اہلیہ کا انتقال ہوا تھا اور ان کی تدفین کے بعد آپؒ بچوں کو لے کر چکڑالہ منتقل ہو چکے ہیں۔ مولوی محمد اکبر نے اب چکڑالہ کا رخ کیا۔ حضرت جیؒ سے تعزیت کے دوران تذکرہ کیا کہ وہ آپؒ کی اہلیہ محترمہ کی قبر پر بھی گئے تھے جہاں مشاہدہ ہوا کہ فرشتے انہیں اٹھائیسواں پارہ پڑھا رہے ہیں۔

آپؒ نے حیرت کا اظہار کیا:

''فرشتے اٹھائیسواں پارہ پڑھا رہے ہیں؟''

مولوی صاحب نے جواب دیا:

''میں نے قبر میں دیکھا' آپ سے تصدیق کرنا چاہتا تھا۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''بات تو ٹھیک ہے' اٹھائیسواں پارہ پڑھتے ہی فوت ہوئی تھی۔''

اس واقعہ کا ذکر حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ ایک کیسٹ میں محفوظ ہے جس کے بعد آپؒ وضاحت فرماتے ہیں:

''جو آدمی قرآن پڑھتے ہوئے فوت ہوگیا' مثلاً پندرھویں یا سولھویں سیپارے کے دوران فوت ہوا اور نجات ہوگئی تو فرشتے پورا کرا دیں گے' نجات شرط ہے۔ وہی سبق پڑھتے رہتے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے اہلیہ کو شادی کے بعد قرآن پڑھانا شروع کیا تھا اور ابھی اٹھائیسواں پارہ مکمل نہ ہوا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ بات صرف حضرت جیؒ کے علم میں تھی۔ اٹھائیسویں پارے کے متعلق یہ انکشاف باعثِ حیرت تھا۔ آپؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے متعلق فرمایا:

''میں اس وقت حضرت صاحب کے حلقے میں نہ آیا تھا' پرانی بات ہے میں تو ان باتوں کو نہیں جانتا تھا' کشفِ قبور ہوتا ہے یا اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے۔ بس اس کے بعد میرے خیال بدل گئے' یہ چیز حاصل کرنی چاہیئے۔ تاں میں ہولے ہولے حضرت صاحب کی خدمت میں گیا۔''

حضرت جیؒ کا یہ ارشاد کہ ''اس کے بعد میرے خیال بدل گئے' یہ چیز حاصل کرنی چاہیئے۔'' دراصل اظہارِ انابت تھا جو علومِ باطنی کے حصول کے لئے پہلی شرط ہے۔ آپؒ کی والدۂ ماجدہ کے خواب میں آپؒ کے لئے دو تھیلیاں عطا ہوئی تھیں' یعنی علوم ظاہر و باطن اور علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد باطنی علم

کا آغاز اب نوشتۂ تقدیر کا اگلا ورق تھا۔

1942ء میں اہلیہ کی وفات کے بعد حضرت جیؒ نے چکڑالہ کی چٹّی مسجد کو درس و تدریس اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اس دوران مزید علمی تحقیق کے لئے آپؒ نے علماءِ کرام اور اساتذہ سے روابط کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ حضرت جیؒ اپنے اساتذہ کرام میں سے چک نمبر 10 شمالی (سرگودھا) کے استاذِ محترم کا خاص طور پر ذکر فرمایا کرتے کہ وہ بہت فاضل اور انتہائی سادہ تھے اور آپؒ کو ان سے بہت انس تھا۔ زمانۂ طالبِ علمی میں ان کے بیٹے بھی حضرت جیؒ کے ہم مکتب رہ چکے تھے۔ آپؒ چک نمبر 10 آتے تو یہاں کئی روز قیام فرماتے اور ساتھ ہی علمی تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔

ایک مرتبہ یہاں قیام کے دوران حضرت جیؒ کے استاذِ محترم کے بیل چوری ہو گئے۔ اس علاقے کا مخدوم خاندان اپنی علم دوستی اور خدمتِ خلق کے لئے مشہور تھا چنانچہ مشورہ ہوا کہ بیلوں کی بازیابی کے لئے مخدوم حضرات سے رابطہ کیا جائے۔ حضرت جیؒ اپنی تعلیم کے ابتدائی دور میں کچھ عرصہ لنگر مخدوم میں بھی گزار چکے تھے اور اس علاقہ سے خوب واقف تھے۔ بیلوں کی تلاش کی مہم حضرت جیؒ کے سپرد ہوئی تو آپؒ لنگر مخدوم روانہ ہو گئے۔

یہاں ایک مرتبہ پھر حضرت جیؒ کے حالاتِ زندگی میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کی جھلک نظر آتی ہے۔

اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ
اَوْ جَذْوَۃٍ مِّنَ النَّارِ

مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں
یا آگ کا انگارا لے آؤں۔ (القصص۔29)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کیا خبر تھی کہ بظاہر آگ کی تلاش وصلِ الٰہی کا سبب بن جائے گی۔ اسی طرح حضرت جیؒ کا بیلوں کی تلاش میں نکلنا دراصل راہِ سلوک پر اٹھنے والا پہلا قدم تھا جس کی منزل بھی وصالِ باری تعالیٰ ہے۔ بظاہر یہ ایک عام سا واقعہ تھا جو آپؒ کی زندگی کا اہم ترین موڑ ثابت ہوا۔ حضرت جیؒ کے لنگر مخدوم کی سمت اٹھنے والے قدموں کے ساتھ ہی ایک نئے باب کا آغاز ہوا جو نہ صرف آپؒ کی زندگی میں وصالِ باری تعالیٰ کی روشنیاں بکھیر گیا بلکہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے ان لاکھوں بندوں کی تقدیریں سنورنے کی تمہید بھی تھا جن تک حضرت جیؒ کی وساطت سے یا آپؒ کے شاگردوں کے ذریعے یہ دولت پہنچنا تھی۔

حضرت جیؒ کی زندگی میں یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس ضمن میں بعض تحریروں میں 1936ء یا 1937ء کا ذکر ملتا ہے جو آپؒ کے حالاتِ زندگی کی زمانی ترتیب کے مطابق درست نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت جیؒ کی شادی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا اور آپؒ اہلیہ اور شیرخوار بیٹی صغریٰ کے ہمراہ چک 13 (خانیوال) میں درس وتدریس کے سلسلہ میں قیام پذیر تھے۔ 1939ء میں بیٹے عبدالروف کی پیدائش ہوئی اور 1942ء میں اہلیہ کا انتقال ہوا جو خانیوال کے اسی چک میں آسودۂ خاک ہیں۔ اس زمانے میں حضرت جیؒ کا بیوی بچوں کو ایک دورافتادہ چک میں اکیلے چھوڑ کر لنگر مخدوم میں مسلسل تین سالہ قیام' جو ان روایات کے مطابق 1937ء سے 1940ء کا دور ہونا چاہیئے' قرائن اور واقعات کے لحاظ سے ممکن ہی نہیں۔

حضرت جیؒ کی زندگی کے اس اہم ترین واقعہ کے درست سن کے تعین کے لئے حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ گفتگو' جو اس باب کے شروع میں مذکور ہے'

قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔آپؒ نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ جب اہلیہ کی وفات ہوئی' اس وقت تک آپؒ حضرت صاحبؒ کے حلقہ میں نہ آئے تھے۔اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؒ نے چار عالمی واقعات کا بھی ذکر فرمایا تھا:

''دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی کا فرانس پر حملہ' میزولائن اڑائی' برطانیہ فرانس کی مدد کے لئے آیا اور ہندوستان میں عام لام بندی کے ذریعے لاکھوں فوجیوں کی روانگی''

میزولائن عبور کرنے اور فرانس پر جرمنی کا حملہ وسط 1941ء کے واقعات ہیں جبکہ ہندوستان سے فوجیوں کی وسیع پیمانے پر نقل وحرکت اکتوبر 1941ء سے شروع ہوکر مارچ 1942ء میں مکمل ہوئی۔حضرت جیؒ فرماتے ہیں۔''تاں میں ہولے ہولے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں گیا۔'' حضرت جیؒ کی اس ریکارڈ شدہ روایت کے مطابق آپؒ کی زندگی میں تصوّف کا آغاز 1942ء میں ہوا۔

بیلوں کی تلاش میں حضرت جیؒ لنگر مخدوم پہنچے اور مخدوم شیر محمد سے آنے کا مدعا بیان کیا۔حسبِ توقع ان کی طرف سے مثبت جواب ملا۔مزید پیش رفت کے لئے وقت درکار تھا چنانچہ آپؒ گاؤں کے چوپال میں چلے آئے۔اس زمانے میں گاؤں کا چوپال مرکزی نشست گاہ ہوا کرتا تھا۔دوپہر کے وقت لوگ آرام بھی کرتے اور گپ شپ بھی جاری رہتی۔عجیب زمانہ تھا کہ دیہات کے چوپالوں میں بھی دینی مسائل زیرِ بحث آتے۔

حضرت جیؒ لنگر مخدوم کے چوپال میں پہنچے تو وہاں ایک بڑا نازک دینی مسئلہ زیر بحث تھا' سماعِ موتیٰ اور برزخی زندگی۔حضرت جیؒ ابھی تک

سماع موتیٰ کے قائل نہ ہوئے تھے اور وہاں زورِ استدلال کچھ اسی نہج پہ تھا' چنانچہ آپؒ بھی گفتگو میں شریک ہو گئے۔ چوپال کے ایک گوشے میں اس بحث سے بظاہر لاتعلق ایک بزرگ محوِ استراحت تھے لیکن سماع موتیٰ کے انکار میں جب بات بہت آگے نکل گئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ احتراماً سبھی خاموش ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ فرمانے لگے:

''آپ کہتے ہیں مردے سنتے نہیں' میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ مجھ سے تو وہ باتیں کرتے ہیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت جیؒ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا:

''کیا فرمایا' آپ سے باتیں کرتے ہیں؟''

انہوں نے جواب دیا:

''ہاں بیٹا مجھ سے تو باتیں کرتے ہیں۔''

اس پر حضرت جیؒ نے عرض کیا:

''کیا آپ ہمیں بھی ان کی باتیں سنوا سکتے ہیں؟''

انہوں نے فرمایا:

''کیوں نہیں۔''

کیا واقعی یہ بزرگ اہلِ برزخ سے بات کروا سکیں گے؟ کیا یہ ممکن ہے؟ یقین نہ آ رہا تھا کہ ایسا ہو سکے گا لیکن بات اب قیل وقال اور دلیل سے آگے عملی ثبوت تک جا پہنچی تھی۔ وہ بزرگ اعتماد کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے' حضرت جیؒ کو ساتھ لیا اور آبادی سے کچھ دور درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ درختوں کے سائے میں مٹی کے ٹیلہ پر ایک کچی قبر تھی۔ یہاں پہنچ کر صاحبِ قبر کو مسنون سلام کیا' حضرت جیؒ کو اپنے ساتھ قبر کے سامنے

بیٹھنے کی ہدایت کی اور خود مراقب ہو گئے۔ اب وہ بزرگ کسی اور ہی عالم میں ڈوبے ہوئے تھے اور ادھر گومگو کی وہی کیفیت' یقین نہیں آ رہا تھا کہ صاحبِ قبر سے گفتگو ہو سکے گی۔ حضرت جیؒ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے:

''کھچ مارنے گئے'' یعنی شغلاً گئے' محض پرکھنے کے لئے' اس وقت تک عقیدت و ارادت کی صورت نہ تھی۔''

اچانک سکوت ٹوٹا اور وہ بزرگ گویا ہوئے:

''حضرت (صاحبِ قبر) پوچھتے ہیں' مولوی صاحب امتحاناً آئے ہیں یا ارادۃً؟''

تجسّس اور امتحان! یہ حالت تو دل کی تھی لیکن اس ایک سوال نے دل کی حالت ظاہر کر دی اور سوال بھی ایسا کہ دل میں پیوست ہو گیا۔ کیا نیت لے کر آئے ہو؟ وہی پاؤ گے جس کی طلب ہے۔ کیا امتحان مقصود ہے جو ایک مشقِ لاحاصل ہے یا ارادت کا کشکول لائے ہو جسے بھرنا مطلوب ہے؟

بندوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں میں ہیں' وہ جس طرف چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ شمشیر بکف' حالتِ کفر میں گھر سے نکلے تو دل میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے قتل کا ارادہ تھا لیکن بہن سے قرآنِ حکیم کی تلاوت سنی تو دل کی حالت بدل گئی۔ حبیبِ کبریا ﷺ کی محفل میں پہنچے اور وہیں کے ہو رہے۔ جب گئے تھے تو دل میں کفر کی حمیت تھی' پلٹے تو دل ایمان سے لبریز!

حضرت جیؒ کے ساتھ بھی اس وقت کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ گئے تو تھے ''کھچ مارنے'' شغلاً اور امتحاناً لیکن ایک ہی سوال کے ساتھ دل کی

حالت بدل گئی۔ فوراً عرض کیا:

''ارادۃً حاضر ہوا ہوں۔''

ارادت نام ہی خود سپردگی کا ہے۔ کہاں حضرت جیؒ کے ہاں علمی مباحث' خود اعتمادی اور مناظرانہ رنگ اور کہاں اب مکمل خود سپردگی اور سمع واطاعت!

ارشاد ہوا:

''مولوی صاحب' کوئی نئی زبان سیکھنے کے لئے ایک وقت چاہئے اور دوسرے' محنت کی ضرورت ہے۔ یہ حال تو دنیا کی زبانوں کا ہے اور وہ زبان جو آپ سیکھنا چاہتے ہیں وہ برزخ کی زبان ہے۔ وہ جہان اور ہے' وہاں کی زبان لفظی نہیں' نفسی ہے۔ کیا آپ اس کے لئے وقت دے سکتے ہیں اور محنت کا دم خم ہے؟''

ارادت کی دنیا میں ردّوکد کی گنجائش کہاں؟ یہاں تو حالت پہلے ہی بدل چکی تھی' بلا تامّل خود کو پیش کر دیا۔ ان بزرگوں نے ذکر شروع کیا تو حضرت جیؒ آنکھیں کھولے بیٹھے رہے۔ جب مسجد نبوی ﷺ کا مراقبہ شروع ہوا تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا:

''جس کا انتظار تھا وہ آ گئے۔''

مراقبہ ختم ہوا تو حضرت جیؒ نے دریافت کیا:

''آپ نے ابھی کیا فرمایا تھا؟''

انہیں کچھ یاد نہ تھا' لاعلمی ظاہر کر دی۔ حضرت جیؒ کے لئے یہ جواب باعثِ حیرت تھا۔ عالم تھے' فوراً سمجھ گئے کہ مراقبات میں پیش آنے والی

واردات کا تعلق ایک اور ہی دنیا سے ہے۔ اب علم کا ایک نیا باب کھلا اور وہ طالبِ علم، جو ظاہری تعلیم مکمل کر چکا تھا، مکتبِ طریقت میں ایک نو وارد طالبعلم کی حیثیت سے نئے سبق کا آغاز کرتا ہے۔ یہ مکتبِ عشق ہے اور ذکرِ اسمِ ذات سبحانہٗ وتعالیٰ یہاں کا پہلا سبق۔

ذکرِ اسمِ ذات:

اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی ناموں کا ذکر قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ میں ملتا ہے لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یعنی اس کے لئے خوبصورت نام ہیں لیکن اس کا ذاتی نام ایک ہی ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔ قرآنِ حکیم میں اسمِ ذات کا تعارف جس نسبت سے کرایا گیا ہے، اس کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے چشمِ تصور سے ماضی کے دریچوں میں ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔

غارِ حرا کی تنہائیاں اور حبیبِ کبریا ﷺ کے شب و روز، اس عالم کا تصور محال، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب پیمانۂ شوق و وارفتگی لبریز ہونے کو تھا تو ربِّ کائنات کے حکم سے حجابات اٹھنے لگے اور بارگاہِ جلالت مآب سے اس کے پیامبر حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے ذریعے غارِ حرا کے مکیں ﷺ کو پہلا پیغام ملتا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ

پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا (العلق۔ 1)

ابتدائے سخن تعارف کے ساتھ اور اس تعارف کا واسطہ خود آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس قرار پائی۔ روح الامین علیہ السلام کی آمد اور نزولِ وحی کے ساتھ یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حریمِ ناز، غارِ حرا کے مکین اور مکہ والوں کے امین، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ ہیں،

ازل تا ابد، سرورِ انبیاء اور ختمُ الرُّسل ﷺ، لیکن تعارف کا یہ انداز بھی کیا خوب ہے۔

''پڑھیے! اس نام کے ساتھ جو آپ ﷺ کے رب کا نام ہے۔''

رب کے نام سے تو عرب کا بچہ بچہ واقف تھا لیکن اب پہچان کا واسطہ آپ ﷺ ٹھہرے۔ وہ اللہ جو آپ ﷺ کے رب کا نام ہے۔ یہ تھا غارِ حرا کا درسِ اوّل، اللہ تعالیٰ کا تعارف آقائے نامدار ﷺ کے واسطے سے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ...... اور اس کے ساتھ نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد اسی مبارک نام کے حوالے سے ایک اور حکم ملتا ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝

اپنے رب کے نام کا ذکر کریں سب سے منقطع ہو کر

(المزّمل۔ 8)

اللہ اللہ کی تکرار کریں اور اس قدر کریں کہ اس ذکر میں محویت کی کیفیت حاصل ہو جائے۔ یہ خطاب براہِ راست آپ ﷺ سے ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کے اس ذکر کی صورت اور تبتّل کی کیفیّت کیا ہو گی؟ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ کہ آپ ﷺ ہر آن اللہ کا ذکر کرتے ہیں یعنی ذکر کی مستقل حالت، ذکرِ دوام۔

زبان سے کچھ دیر اللہ اللہ کہنا ذکرِ لسانی کہلاتا ہے جو صرف ان ساعتوں پر موقوف ہو گا جب زبان ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو لیکن ذکرِ دوام ایک مستقل کیفیت ہے جو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ کا نام نہاں خانۂ دل میں اتر جائے۔ قلب اللہ اللہ کرنا شروع کر دے اور پھر یہ ذکر قلب کا مستقل

وظیفہ بن جائے۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے دل کی ہر دھڑکن میں اللہ کا ذکر ہو۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ

جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔

(آل عمران۔191)

یعنی کوئی ساعت ذکرِ الٰہی سے خالی نہ ہو اور یہ بجز ذکرِ قلبی ممکن نہیں۔ اسی ذکر کی بابت ارشاد ہوا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

اور سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

(الرعد۔28)

قلب:

جسمِ انسانی میں دل گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جو حیاتِ جسمانی کو رواں دواں رکھتا ہے۔ خون کی ترسیل کا ایک چھوٹا سا پمپ جس کی حرکت سے رگوں میں خون موجزن ہے اور جب یہ رک جائے تو زندگی کا سفر تمام ہو جاتا ہے۔ جس طرح بدن کے اعضائے رئیسہ میں دل سب سے اہم عضو ہے اور ہر جاندار کی حیات اسی کی حرکت کی رہینِ منّت ہے' اسی طرح جب روح کی بات ہوگی تو یہاں دل کی بجائے قلب مراد ہے جو روح کے اعضائے رئیسہ یعنی قلب' روح' سری' خفی اور اخفیٰ میں سے اہم ترین ہے۔ قرآنِ حکیم میں قلب کا ذکر ایک دوسرے پیرایہ میں فرمایا گیا ہے۔ وہ قلب جو لطیفۂ ربانی ہے' جو سنتا ہے اور دیکھتا ہے حالانکہ سمع و بصر کانوں اور آنکھوں کے فعل ہیں۔ وہ قلب جو باشعور ہے' تفقّہ اور تدبر کرنے والا' جو ایمان کا مخزن ہے۔ جب منور ہوتا ہے تو اس کے سامنے سورج کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔ وہ قلب

جو اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے' اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا گھر بن جاتا ہے۔ یہی قلب جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اتر آئے تو زنگ آلود ہو جاتا ہے اور نافرمانی اگر اس قدر بڑھ جائے کہ کفر کی حدوں کو پار کرنے لگے تو اس پر مہر لگ جاتی ہے۔

یہ سب افعال محض گوشت کے لوتھڑے کے نہیں ہو سکتے۔ بات جب اُس قلب کی ہوگی جو تجلیاتِ باری تعالیٰ کو وصول کرسکتا ہے' جو برکاتِ نبوی ﷺ کا امین بن سکتا ہے تو اس سے مراد گوشت اور رگوں سے لطیف اور مادی آلات کی گرفت سے ماوریٰ لطیفہ قلب ہوگا۔ قلب کا مقام جسمِ انسانی میں بظاہر وہ گوشت کا لوتھڑا ہی ہے جو جوفِ سینہ میں بائیں سمت ہمہ وقت متحرک رہتا ہے لیکن اس کا مکین وہ لطیفہ قلب ہے جو محشر کے بازار میں کام آنے والا واحد سکّہ ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۗ

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آیا وہ بچ جائے گا۔ (الشعرآء۔ 88-89)

آقائے نامدار ﷺ کے الفاظ میں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

''حضور ﷺ نے فرمایا' جسمِ انسانی میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہوگیا تو سارا جسم درست ہوگیا اور اگر وہ

بگڑا تو سارا جسم بگڑا۔ سنو! وہ قلب ہے۔''

جب قلب بن جائے تو انسان سنور جاتا ہے جب یہ بگڑ جائے تو قسمت بگڑ جاتی ہے اور انسان کے بدن سے وہ اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں جو سراسر بگاڑ ہوتے ہیں۔ قلب بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ' یہ سنورتا ہے تو صرف اس کی یاد کے ساتھ' یہ منوّر ہوتا ہے تو تجلیاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ یہاں تک کہ اس کی ہر دھڑکن' چاہت' سبھی جذبے اور محبتیں اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

یہ کیفیت تب نصیب ہوتی ہے جب لطیفۂ قلب جاری ہو جائے جس کا واحد ذریعہ ذکرِ قلبی ہے۔

ذکرِ قلبی:

ذکرِ قلبی مکتبِ طریقت کا پہلا سبق ہے اور حضرت جیؒ کا یہ مکتب بھی کیا خوب تھا۔ دریائے چناب کے غربی کنارے' موٹروے کے پل سے جنوب کی سمت آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر اس زمانے میں کیکر اور پھلاہی کے درختوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا۔ اس کے پہلو میں دریا کی پرانی گزرگاہ جو سیلاب کے دنوں میں پانی سے بھر جاتی اور پھر ایک وسیع وعریض تالاب کی صورت سال بھر یہ پانی موجود رہتا۔ درختوں کا یہ جھنڈ چند سال پہلے تک باقی رہا لیکن اب یہ علاقہ زیرِ کاشت آ چکا ہے البتہ تالاب اب بھی موجود ہے۔ اسی تالاب کے کنارے مٹی کے ٹیلہ پر درختوں کے سائے میں ایک کچی قبر تھی جو حضرت جیؒ کا مکتبِ طریقت تھا۔ علومِ ظاہری کے بعد اب یہاں ایک نئے سبق کا آغاز ہو رہا ہے۔

طریقۂ ذکر:

ذکرِاسمِ ذات بطریق پاسِ انفاس یعنی ذکرِاسمِ ذات **اللہ اللہ** قلب میں کیا جائے لیکن اس تسلسل کے ساتھ کہ کوئی سانس **اللہ** کے ذکر سے خالی نہ ہو یعنی ہر سانس کے ساتھ ذکرِ قلبی کا ربط قائم رہے۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمدورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والے سانس کے ساتھ اسمِ ذات **اللہ** دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والے سانس کے ساتھ قلب پر **ھو** کی چوٹ لگے۔ اس طرح سانس کی آمدورفت کے ساتھ قلب میں **اللہ ھو** کا ذکر ایک تسلسل کے ساتھ شروع ہو جائے۔ ابتداء میں شعوری طور پر ہر سانس کی نگرانی کی جائے تاکہ اس کے ساتھ قلب میں **اللہ ھو** کا ذکر جاری ہو جائے۔ سانس کی نگرانی کے اس عمل کو پاسِ انفاس کہتے ہیں۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خودبخود شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی سانس **اللہ** کے ذکر سے خالی نہ ہو، توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

قوت اور تیزی کے ساتھ کچھ دیر ذکر کرنے کے بعد اب پھر سانس طبعی طور پر لیا جائے لیکن توجہ بدستور قلب پر مرکوز رہے۔ پاسِ انفاس کی صورت اس حال میں بھی برقرار رہے یعنی کوئی سانس **اللہ** کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ کچھ دیر شعوری طور پر **اللہ ھو** کے اس ذکر کے بعد محسوس ہو گا کہ اب قلب خودبخود سانس کی آمدورفت کے ساتھ **اللہ ھو** کہہ رہا ہے، گویا اسے جو سبق دیا گیا تھا اب وہ خودبخود اسے دہرا رہا ہے۔ چند یوم صبح شام مسلسل ذکر کے بعد ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ذکرِاسمِ ذات یعنی **اللہ** شعوری اور

غیر شعوری' ہر حالت میں قلب کا مستقل وظیفہ بن جائے گا۔ ذکر کی یہ کیفیت ذکرِ دوام کہلاتی ہے اور صوفیا کی اصطلاح میں اسے قلب کے جاری ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔قلب کا جاری ہو جانا صرف محنت اور مجاہدوں پر موقوف نہیں۔ یہ ایک کیفیت ہے جس کے حصول کے لئے اہل اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا ضروری ہے۔

حضرت جیؒ بھی اس کچی قبر کے پہلو میں بیٹھے ذکرِ قلبی سے طریقت کے درسِ اوّل کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ بزرگؒ آپؒ کے ساتھ دائیں طرف بیٹھے مسلسل ذکر کروا رہے ہیں' اللہ ھو اللہ ھو' بطریق پاسِ انفاس لیکن اس عمل کے دوران صاحبِ قبر' جن کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے' شاگردِ رشید کے قلبِ باصفا پر توجہ فرما رہے ہیں۔اس سارے عمل میں توجہ ہی وہ موثر اور فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے جس کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

توجہ:

غارِ حرا کا پہلا سبق تھا' اِقْرَاْ یعنی پڑھو لیکن آقائے نامدار ﷺ نے حضرت جبریل امیں علیہ السلام کو جواب دیا' مَا اَنَا بِقَارِیٍ ۔(میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا اور کہا' اِقْرَاْ ۔جواب اس مرتبہ بھی وہی تھا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک بار پھر آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا اور کہا' اِقْرَاْ لیکن جواب اس مرتبہ بھی وہی ملا یعنی مَا اَنَا بِقَارِیٍ' حتیٰ کہ جبریل امیں علیہ السلام نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر خوب زور سے بھینچا اور اس کے بعد اِقْرَاْ سے مَا لَمْ یَعْلَمْ تک پیامِ حق کی ترسیل مکمل کی۔

یہ تھی پہلی وحی! تین مرتبہ سینے سے لگا کر بھینچنے کے متعلق مفسرینِ کرام نے کمالِ ادب اور احتیاط سے کلام کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کا علم رکھتے ہیں لیکن اسی سنّت کے مطابق اہل اللہ کے ہاں تین بار توجہ دینے کا عمل ملتا ہے۔

توجہ وہ قوت یا تصرف ہے جس کے ذریعے مکتبِ طریقت کے مبتدی طالب علم کے قلب کو اخذِ فیض کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ عقل و دانش کے پیمانوں سے تصوف و سلوک کے اسباق کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس مکتب کا طالب علم قلب ہے جو القائی اور انعکاسی عمل کے ذریعے یہاں کے اسباق لیتا ہے۔ توجہ کا منبع قلبِ شیخ ہوتا ہے اور اس کا نقطۂ ارتکاز سالک کا قلب۔ تین بار توجہ کے ذریعے سالک کے قلب میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ راہِ سلوک پر اپنے سفر کا آغاز کر سکے۔ شیخ کامل ہوگا تو اس کی توجہ میں قلوب کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہوگی جو ماو شما کا کام نہیں۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

یہ عطائے الٰہی ہے جس کو چاہے عطا فرمادے۔ (المآئدہ۔ 54)

توجہ کا مقصد اصلاحِ باطن ہے لیکن شیخِ کامل کی توجہ سے مستفید ہونے کے لئے قلب کا طالب ہونا بھی ضروری ہے۔ انابت سے محروم قلب کے لئے شیخِ کامل کی توجہ بھی پتھریلی چٹان پر برسنے والی بارش کی طرح بے اثر ثابت ہوتی ہے۔

شیخ کی یہ باطنی قوت یا توجہ دراصل صحبتِ برکاتِ نبوی ﷺ کی ایک انعکاسی جھلک ہے۔ ایمان کے ساتھ جو شخص بھی صحبتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اِک نگاہ کے ساتھ برکاتِ صحبت اس کے قلب میں اتر گئیں اور وہ ولایت

کے بلند ترین مقام' صحابیت پر فائز ہوا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نگاہِ پُر اثر سے تابعینؒ بنے اور پھر تابعینؒ کی نگاہ سے تبع تابعینؒ کی جماعت تیار ہوئی۔ اس کے بعد اہل اللہ کے ذریعے یہ ولایت بٹتی چلی گئی۔ جس کسی نے بھی برکاتِ صحبتِ نبوی ﷺ کے منبع سے جاری کسی بھی دھارے سے رابطہ جوڑا' اسے اس کی استطاعت کے مطابق یہ برکات نصیب ہوئیں۔ برکاتِ صحبتِ نبوی ﷺ کی ترسیل کے یہ مختلف دھارے سلاسلِ تصوّف کہلاتے ہیں۔

سلاسلِ تصوّف:

آج باطنی تربیت کے جس مکتب کی بات کریں' خواہ وہ نقشبندی ہو یا قادری' چشتی ہو یا سہروردی' اس کے پیچھے اہل اللہ کا ایک سلسلہ تواتر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اصل منبعِ فیض آقائے نامدار ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے جن کی ایک نگاہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب منور ہوئے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے برکاتِ نبوی ﷺ تابعینؒ کے قلوب تک پہنچیں' ان سے تبع تابعینؒ نے وصول کیں اور پھر اہل اللہ کے ذریعے برکاتِ نبوی ﷺ کی یہ ترسیل ہمہ وقت جاری ہے۔ ایک چراغ سے کئی چراغ جلے اور بعض قلوب ایسے بھی تھے جو بیک وقت سینکڑوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں قلوب کی روشنی کا ذریعہ بن گئے۔

آج دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی قلب' منور نظر آتا ہے' اس کی روشنی اسی ضیاء پاشی کی رہینِ منّت ہے جس کا منبع قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ ہے اور درمیان میں تابعینؒ' تبع تابعینؒ اور اہل اللہ کے سلاسل ہیں جو اس قلب تک یہ روشنی منعکس کرنے کا واسطہ ہیں۔ تمام سلاسلِ تصوف حضرت علیؓ

تک پہنچتے ہیں سوائے سلسلۂ نقشبندیہ کے، جس کی پہلی کڑی جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں ایک سلسلۂ تصوّف ایسا بھی ہے جس میں روحانی تسلسل برقرار رہتا ہے لیکن زمانوی اعتبار سے توجہ دینے والی ہستی اور سالک کے درمیان بعض اوقات صدیوں کے فاصلے بھی حائل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلۂ عالیہ میں ترسیلِ فیض کے لئے زمانہ کی قید ہے نہ باہمی نشست وصحبت کی' جس طرح حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ کو آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر روحانی طور پر فیض حاصل ہوا۔ حصولِ فیض کے اس طریق کی مطابقت چونکہ حضرت اویس قرنیؒ کے طریقۂ حصولِ فیض سے ہے' اس لئے یہ طریقِ اویسیہ کہلاتا ہے۔

حضرت جیؒ کی روحانی تربیت کی ابتداء بھی بطریقِ اویسیہ ہوئی۔ صاحبِ مزار سلسلۂ اویسیہ کے شیخ حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمتہ اللہ علیہ تھے جن کی براہِ راست توجہ سے حضرت جیؒ نے راہِ سلوک پر اپنے سفر کا آغاز کیا اور ان سے رابطہ کا ذریعہ جو ہستی بنی' وہ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمتہ اللہ علیہ تھے۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ عربی النسل تھے اور تعلق ہاشمی خاندان سے تھا۔ ان کا شجرۂ نسب حضرت زید بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے۔ آباو اجداد فاتح ہند حضرت محمد بن قاسمؒ کے ہمراہ برصغیر میں آئے اور پھر ملتان کو اپنا مسکن بنا کر تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

اسی خاندان کے ذریعے ملتان کے گردو نواح اور ضلع جھنگ میں دریائے چناب کے کنارے مختلف قصبات میں دینی تعلیم کو فروغ ملا۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے پردادا میاں فتح محمدؒ نے اپنے دادا میاں شاہ محمدؒ کے حکم پر پیرکوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس کی ترویج کی سعادت بالآخر ان کے والد مولوی غلام نبیؒ کے حصہ میں آئی۔ اسی مقام پر 1855ء میں مولانا عبدالرحیمؒ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تعلّم اور تصنیف و تالیف حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے آبا و اجداد کا طرۂ امتیاز نظر آتا ہے۔ ان کے والد مولوی غلامی نبیؒ کا قلمی نسخہ ''ذوالفقارِ علی براعدائے اصحابِ نبی ﷺ'' آج بھی اس خاندان کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب فارسی اور اردو زبان میں ہے اور 250 صفحات پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ''انتخابِ احادیث از استبصار'' عربی

(184 صفحات) اور "ثمارُ التّنکیث" شرح ابیات جلال الدّین سیوطیؒ فارسی (200 صفحات) قلمی نسخوں کی صورت میں محفوظ کیں۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے بھائی مولوی عبدالصمد یار محمدؒ (المتوفی 1930ء) اپنے دور کے مشہور مناظر تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر نور حسین صابری کربلائی شیعہ مناظر کی کتاب "فلکُ النجات" کے جواب میں "نحرُ الحیات" تصنیف کی۔ ان کے ذاتی خطابات مختلف مہینوں' اسلامی تہواروں اور مواقع کی مناسبت سے عربی زبان میں قلمی نسخہ کی صورت میں ایک علمی اثاثہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے دو قلمی نسخے دستیاب ہو سکے ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ "جامع قوانین" فارسی زبان میں310 صفحات پر محیط ہے جو انہوں نے 6 اکتوبر1891ء کو مکمل کیا تھا۔ دوسرا نسخہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا فارسی کلام "لیلیٰ مجنوں" ہے جو یکم محرم 1312ھ کو مکمل فرمایا۔ اس نسخہ پر تشریح کے لئے مولانا عبدالرحیمؒ کے تحریر کردہ حاشیے جا بجا نظر آتے ہیں۔ حسنِ کتابت غماز ہے کہ انہوں نے یہ نسخہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی محبت میں ڈوب کر انتہائی چاہت سے تحریر فرمایا۔

مولانا عبدالرحیمؒ کے آباء میں علم کے ساتھ شاعرانہ ذوق کا بھی حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ ان کے جدِّ امجد مولوی عبدالغفورؒ فارسی زبان کے صاحبِ دیوان شاعر تھے جن کا فارسی کلام قلمی نسخہ کی صورت میں محفوظ ہے۔ مولانا عبدالرحیمؒ کے بھائی مولوی عبدالصمد یار محمدؒ جن کی علمی فضیلت کا اوپر ذکر ہوا' پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ اسی طرح ان کے ایک بزرگ ابنِ یمین تخلص فرماتے تھے۔ اُن کا حکیمانہ فارسی دیوان قلمی نسخہ کی صورت میں محفوظ ہے۔ کلام نہایت دلگداز اور اس کی تحریر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دو اشعار

ملاحظہ ہوں:

ہر دو جہاں بیک نظرِ او فروختم
در چار سوئی عشق زسُود و زیاں جدا

اور

جمالِ یار چون ابنِ یمیں دید
کہ یک شد شاہد و مشہود اینجا

"کلام ابنِ یمین" کا یہ نسخہ اور حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے تحریر کردہ قلمی نسخے "جامع قوانین" اور "لیلیٰ مجنوں" اس وقت دارالعرفان منارہ میں حضرت جیؒ کی لائبریری کی زینت ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ اور ان کے خاندان کی بچی کھچی کتب کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے جن میں فقہ' حدیث' طب اور تفسیر کے موضوع پر نہایت قدیم اور نایاب کتب شامل ہیں۔ صرف فنِ طب کے موضوع پر ایک قلمی نسخہ "طبُّ الکرم" 397 صفحات پر محیط ہے۔ اس وقت بھی اس لائبریری میں اکتالیس قلمی نسخے موجود ہیں جن سے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ اور ان کے آبا و اجداد کا یہ ورثہ☆ اس خاندان کے تبحّرِ علمی اور دینی تعلق کا آئینہ دار ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے والدِ ماجد مولوی غلام نبیؒ جیّد عالم ہونے کے علاوہ صوفی بھی تھے۔ ان کا تعلق سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ سے تھا اور مراقباتِ ثلاثہ تک مقامات تھے۔ انہوں نے اوائل عمر سے ہی مولانا عبدالرحیمؒ کی ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تربیت کا بھی اہتمام کیا اور لطیفۂ قلب

☆ افسوس کہ اکثر و بیشتر کتب اس وقت دیمک کا شکار ہو چکی ہیں۔

خود کرایا۔

حضرت جیؒ نے اپنے ایک ریکارڈ شدہ انٹرویو میں مولانا عبدالرحیمؒ کی روحانی تربیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے والد چونکہ ذیابیطس کے مریض تھے اور بالعموم دیکھا گیا ہے کہ شیخ کو جو مرض لاحق ہو وہ کثرتِ توجہ سے سالک پر عود کر آتا ہے' اس لئے پہلے لطیفہ کے بعد خود توجہ دینا چھوڑ دیا اور مزید اسباق کے لئے ان کو ملتان میں ایک ولی اللہ کی خدمت میں بھیجا جو محکمہ پولیس کی پراسیکیوٹنگ برانچ کے افسر تھے۔

یہ بزرگ صاحبِ کشف تھے۔ دفتری اوقات کے دوران کچھ دیر کوتوالی میں فرائضِ منصبی سرانجام دیتے اور باقی وقت اللہ' اللہ کرنے اور سالکین کی تربیت میں بسر کرتے۔ انہوں نے حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کو لطیفۂ قلب دوبارہ کرایا اور سال بھر محنت کے بعد آئندہ سال آنے کی ہدایت کی۔ ایک سال بعد اگلے سبق کے لئے حاضر ہوئے تو مزید ایک سال لگانے کا حکم ملا۔ اس طرح دو سال میں صرف ایک لطیفہ کرایا اور چودہ سال میں سات لطائف مکمل ہوئے۔

اس دوران مولانا عبدالرحیمؒ کی ظاہری تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ملتان سے پیرکوٹ سدھانہ واپس لوٹتے تو دن علومِ ظاہری کے اسباق میں گزرتے اور شب کی تنہائیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں بسر ہوتیں۔ اس طرح چودہ سالہ محنتِ شاقہ کے بعد لطائف میں پختگی حاصل ہوئی تو والدِ ماجد نے مراقباتِ ثلاثہ کرائے۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد محکمہ مال میں بھرتی ہوئے اور 1880ء میں ان کا تبادلہ لنگر مخدوم ہوگیا۔ 1884ء کا

بندوبست اراضی شروع ہوا تو اس دوران گاؤں کے مضافات میں جانے کا موقع ملا اور حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کی قبر پر حاضری نصیب ہوئی۔ یہاں مسلسل تین سال تک لطائف' مراقبات اور تلاوتِ قرآنِ حکیم کا معمول رہا جس کے بعد حضرت سلطان العارفینؒ سے روحانی رابطہ قائم ہوا۔ مراقباتِ ثلاثہ کے ساتھ ساتھ کچھ انکشافات بھی تھے جن کی بدولت روحانی کلام بھی نصیب ہوتا۔ حضرت جیؒ اس تذکرہ کے بعد اکثر فرمایا کرتے:

''جس کو طلب ہو' سمجھ آ ہی جاتی ہے''

پھر ایسی سمجھ آئی کہ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ یہیں کے ہو رہے اور حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر سالہا سال کی محنت کے بعد فنا فی الرسول ﷺ تک منازل حاصل ہوئیں۔

محکمۂ مال ان کی قابلیت کا معترف تھا اور کئی نامور تحصیلدار اور قانونگو' ان کے شاگرد تھے۔ قابلیت کی بنا پر کئی مرتبہ ترقی کے مواقع بھی آئے لیکن مولانا عبدالرحیمؒ نے حضرت سلطان العارفینؒ کے قرب کو چھوڑنے کی بجائے افسری کو ٹھکرا دیا۔ لنگر مخدوم میں 1935ء کا بندوبست اراضی بھی انہوں نے کیا اور جب ملازمت ختم ہوئی تو یہاں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی شخصیت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ مسلک کے اعتبار سے اعتدال پسند اہلِ حدیث تھے۔ جہاں اعتدال ہو گا وہاں مسلک کی پابندیوں سے قطع نظر وسعتِ ظرف اور حق شناسی کی استعداد بھی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اہلِ حدیث ہوتے ہوئے حضرت جیؒ جیسے جید عالم کو' جو اس وقت سماع موتی کے قائل نہ تھے' دلائل سے نہیں بلکہ عملی ثبوت کے ذریعے قائل کیا۔ حضرت جیؒ نے اس کے بعد سماعِ موتی کے

موضوع پر جب کبھی گفتگو فرمائی' دلائل کے بعد حرفِ آخر ہمیشہ یہ ہوتا:

''سماع موتیٰ کے حق میں یوں تو بے شمار وزنی دلائل ہیں
لیکن جب میں خود اہلِ برزخ سے کلام کرتا ہوں تو اس
کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

حضرت جیؒ کی صحبت میں بھی ہر مسلک کے لوگ آتے لیکن دل کی آنکھ روشن ہوتے ہی یہ حقیقت آشکار ہو جاتی کہ وہ عقائد جنہیں مختلف مسالک مختلف صورت میں بیان کرتے ہیں اور پھر دنیا لفظوں کے فرق میں الجھ کر رہ جاتی ہے' حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ عمر کے آخری حصہ میں تھے جب حضرت جیؒ کا لنگر مخدوم آنا ہوا۔ آپؒ انہیں استاد کہا کرتے تھے لیکن حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر ذکر کے دوران حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کو توجہ دینے کی اجازت نہ تھی۔ اس وقت حضرت جیؒ کو براہِ راست صاحبِ مزار کی توجہ حاصل ہوتی۔ حضرت جیؒ کا قول ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے علاوہ کسی اور نے آپؒ کو توجہ دی ہی نہیں۔

حضرت جیؒ کی آمد سے پہلے بھی حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے چند شاگرد تھے جن میں سے ایک لالیاں کے تحصیلدار وزیر علیؒ تھے جو مسلسل ایک سال تک زیرِ تربیت رہے۔ اس کے بعد ان کا عمر بھر معمول رہا کہ پندرہ یوم کے بعد حاضرِ خدمت ہوا کرتے۔ ابتدائی دور میں حضرت جیؒ کبھی کبھار لالیاں تشریف لے جاتے تاکہ ان کے ساتھ ذکر کر سکیں۔ اسی طرح مولوی محمد اکبرؒ جو زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عالم بھی تھے' انہوں نے حضرت مولانا عبدالرحیمؒ سے فیضیاب ہونے کے بعد حضرت جیؒ سے عمر بھر تعلق رکھا۔ عمر کے آخری

حصہ میں سندھ منتقل ہو گئے تھے لیکن حضرت جیؒ کی خدمت میں سال میں ایک مرتبہ ضرور حاضر ہوا کرتے۔ حضرت جیؒ پرانے تعلق کی بنا پر ان سے انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے اور اپنے برابر چارپائی پر بیٹھنے کے لئے اصرار فرمایا کرتے۔

مولوی محمد اکبرؒ سے آخری ملاقات 1978ء میں منارہ کے حاجی محمد اکبر کے گھر ہوئی۔ ان دنوں شدید بارشوں کی وجہ سے منارہ کا سالانہ اجتماع قبل از وقت برخاست ہوا تو حضرت جیؒ بقیہ مدت کے لئے حاجی صاحب کے ہاں منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی حضرت جیؒ کی خدمت میں احباب کی آمد و رفت جاری رہی۔ ایک صبح مولوی محمد اکبرؒ نے حضرت جیؒ کے شاگردوں کی کیفیت یوں بیان کی:

> ''یہ لوگ بھی عجیب ہیں۔ نصف شب کو اٹھتا ہوں تو انہیں فرشِ خاک پر استراحت کرتے ہوئے اس حال میں پاتا ہوں کہ پاؤں تک سے نور کی شعائیں پھوٹ رہی ہوتی ہیں۔''

یہ کیفیت سلطان الاذکار کی صورت میں حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے پورا بدن جب اللہ' اللہ کر رہا ہوتا ہے تو گوشت پوست اور بال بال سے انوارات پھوٹنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے' عجیب لوگ تھے جن کی نگاہوں میں ظاہر و باطن روزِ روشن کی طرح عیاں تھا۔

کوٹ میانہ کے مخدوم صدرالدینؒ بھی حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگرد تھے۔ 1938ء میں مخدوم صاحب کے عزیزوں پر قتل کا جھوٹا مقدمہ بنا۔ انگریز سیشن جج کے سامنے پیشی ہوئی تو مولانا عبدالرحیمؒ کچہری کے ایک

گوشہ میں مصلیٰ ڈالے دعا گو تھے۔ مقدمہ کا بنیادی گواہ پیش ہوا لیکن ناگہاں عدالت میں گر پڑا۔ ہوش آیا تو اول فول بکنے لگا جس سے اس کے بیان کی موقع پر ہی تردید ہوگئی اور اس طرح یہ جھوٹا مقدمہ خارج ہوا۔ مقدمات دیہی زندگی کا لازمہ ہوتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ بھلا دیئے جاتے ہیں لیکن 1938ء کا یہ مقدمہ مخدوم خاندان میں آج بھی حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی کرامت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد حضرت مولانا عبدالرحیمؒ پر تنگدستی کا زمانہ آیا تو مخدوم صدرالدینؒ کو ان کی کفالت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مخدوم صاحب کی ایک صاحبزادی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں شامل تھیں اور اپنے والد کے ہمراہ ذکر میں شریک ہوا کرتیں۔ چونکہ انہوں نے حضرت جیؒ کے ساتھ بھی ذکر وفکر کا سلسلہ جاری رکھا اس لئے بجا طور پر انہیں اس دور میں سلسلۂ عالیہ کی پہلی خاتون شاگرد قرار دیا جا سکتا ہے☆۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی محافلِ ذکر کے متعلق انہوں نے بتایا کہ جب وہ ذکر کے دوران بے ساختہ ''اللہ'' پکارتے تو اس کے ساتھ ہی ان پر رقت طاری ہو جاتی۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں کرنل [illegible] منظور حسین شاہ بھی تھا۔ یہ شخص بہت تیز صاحبِ کشف تھا۔ کھلی آنکھوں اسرار و [illegible] کا مشاہدہ کرتا۔ خود پر طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی تھیں اور دوسروں سے بھی توقع رکھتا کہ وہ راہِ سلوک پر چلنے کیلئے نارمل زندگی کی بجائے خود کو مشقتوں کا عادی بنائیں۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ نے اس کے پاس ایک شخص کو تربیت کے لئے بھیجا تو اسے دوسرے ہی روز اس عذر پر چلتا کیا کہ وہ ایک

☆ والدہ مخدوم الطاف احمد

وضو سے پورا دن نہیں گزار سکتا تھا۔

حضرت جیؒ کی آمد سے پہلے یہ شخص اپنے علم' کشف اور زُہدِ خشک کی بنا پر خاص مقام رکھتا تھا۔ حضرت جیؒ کی تشریف آوری کے بعد یہ معاملہ نہ رہا تو حسد کا شکار ہوا۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے وصال کے بعد اپنے خود ساختہ زُہد کے بھرم میں حضرت جیؒ سے لاتعلقی اختیار کی اور پھر شیخ سے لاتعلق کیا ہوا' کچھ عرصہ بعد ذکر چھوڑ بیٹھا۔ نماز روزہ چھُوٹا' حتیٰ کہ ایمان سے بھی گیا۔ داڑھی' مونچھ' سر اور بھنویں منڈوا ڈالیں اور مرتے ہوئے وصیت کر گیا کہ اسے دفن نہ کیا جائے بلکہ جلا ڈالا جائے۔ جلایا تو نہ گیا لیکن جہاں اس کی موت واقع ہوئی' اسی کمرہ میں مع سازِ موسیقی بند کر دیا گیا۔

منظور حسین شاہ کی داستانِ عبرت آج بھی لنگر مخدوم اور گرد و نواح کے علاقہ میں بزرگوں کی زبانی سنی جا سکتی ہے۔ شیخ پر تنقید اور ترکِ تصوف سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ راہِ سلوک کا مسافر ہواؤں کے دوش پر اڑنے والا سوار ہے جس کا حادثے کی صورت میں بچنا محال ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ○

عبرت پکڑو اے بصیرت والو۔ (الحشر۔2)

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ سے حضرت جیؒ کی رفاقت قریباً چودہ برس رہی۔ ابتداء میں حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر ذکر کے دوران اکثر حضرت جیؒ کے ساتھ ہوتے لیکن جب صحت نے جواب دے دیا تو حضرت جیؒ مزار پر طویل ذکر و فکر کے بعد ان کے ساتھ لنگر مخدوم میں بھی ذکر کرتے۔ اس دور میں حضرت جیؒ کی تربیت حضرت سلطان العارفینؒ خود فرما رہے تھے لیکن استاذِ محترم کا پاسِ ادب بھی تھا جسے ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ صبح و شام

باقاعدگی سے ذکر میں شریک ہوتے۔

آخری چار سالوں میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی بینائی جواب دے گئی تھی۔ طویل علالت کے بعد 30 جنوری 1957ء بروز بدھ لنگر مخدوم میں رحلت فرمائی اور حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کے ساتھ صحنِ مسجد میں دفن ہوئے۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے دو صاحبزادے تھے جن کا کم سنی میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔ دو بیٹیاں تھیں جن کی اولاد اس وقت لنگر مخدوم میں رہائش پذیر ہے۔ قریباً 101 سال عمر پائی جس میں سے 77 سال لنگر مخدوم میں گزرے۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کا حلیہ مبارک سرخ و سپید چہرہ' لمبی داڑھی' درمیانہ قد اور دبلا بدن' بید کی چھڑی استعمال فرماتے۔ ذکر و فکر کے لئے بیٹھتے تو چادر اوڑھ لیا کرتے۔ خط و کتابت کے آخر میں اکثر اپنا نام "بندۂ اثیم عبدالرحیم" تحریر فرماتے لیکن اپنے قلمی نسخوں کے آخر میں "فقیر عبدالرحیم" تحریر فرمایا ہے۔

اس وقت حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کے پہلو میں کھلے آسمان تلے حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی سادہ قبر جہاں اس مردِ درویش کی زندگی کی تصویر نظر آتی ہے' اس کے ساتھ ساتھ یہ سبق بھی دے رہی ہے کہ شیخ سے تعلق ہو تو ایسا کہ موت بھی درمیان میں حائل نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب شیخ کی خدمت میں پہنچا دیا تو اس کے بعد دوری گوارا نہ ہوئی۔ خاندان چھوڑا' وطن سے ہجرت کی' محکمانہ ترقی قبول نہ کی اور شیخ کے قرب میں زندگی کے 72 سال زندگی گزار دیئے۔ اس تعلق کو نبھانے کا صلہ یہ ملا کہ شیخ کے پہلو میں دفن ہوئے لیکن ذرا قدموں کی جانب تاکہ قرینۂ ادب بھی

ملحوظ رہے۔

یہاں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے قلمی نسخے "جامع قوانین" اور "لیلیٰ مجنوں" (فارسی کلام مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) کے آخری صفحات کے عکس پیش کیے جارہے ہیں جن پرسن تحریر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ افسوس کہ قلمی نسخہ "جامع قوانین" بری طرح دیمک کی نظر ہو چکا ہے اور کچھ یہی حالت دیگر ملفوظات کی بھی ہے۔

اس باب کے آخر میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی خطاطی کا بھی ایک عکس ملاحظہ ہو جو انہوں نے حبیبِ کبریا ﷺ کی محبت میں ڈوب کر لکھا۔

[illegible] بتاریخ [illegible] ربیع الاول بروز سه شنبه بوقت قبل از دو پهر سنه ۱۳۰۹ مطابق [illegible]

[illegible] ۲۶ ماه اکتوبر سنه ۱۸۹۱ بدستخط خفیف عبد الصمد ولد [illegible] خان [illegible] در [illegible]

باختتام رسید [illegible] حمد بیحد ایزد که سزاوار اوست ⁂ لطف و کرم بر [illegible] که سزاوار اوست

خالق مطلق ز ازل تا ابد | رزق رساننده بهر نیک و بد

نقش طرازنده ز طبعی گزید | صانع او هست ز هر دو پدید

وز معارض جامه زرین [illegible] | زینت [illegible]

نقش چه بندد [illegible] | گوهر صدف [illegible] زیر

کحل بصر [illegible] دانشوران | سیل [illegible] [illegible]

ختم شد این نسخه مجموع [illegible] | هر کسی [illegible] [illegible]

جامع [illegible] شده نام این | طالب علم است [illegible]

بیست و دوم شهر [illegible] | روز سه شنبه [illegible] ختم

شد عرض ز طبع فکرت اندیش — در طول چهار مه کم و بیش

در هر دو سه ساعتی بهر روز — شد طبع بدین مراد فیروز

گر ساعتها فراهم آیند — بر یکدو سه هفته کی فزایند

هر چند که قدر این تهی دست — زین نظم شکسته بسته بشکست

زو حقه چو درج در باد — زاوازه او زمانه پر باد

پاکان بنیاز صبح گاهان — آمرزشم از خدای خواهان

الحمد لله رب العلمین که کتاب نادر لیلی مجنون مصنفه مولوی عبد الرحمن جامی از دست فقیر عبد الرحیم بتاریخ یکم محرم سنه ۱۲۶۵ اختتام رسید الحمد رب العلمین و اللهم صلی علی محمد و علی آل محمد

و بارک و سلم الفا الفا

اللهم اغفر و ارحم

آمین

شفیعٌ مطاعٌ نبیٌّ کریمٌ

رہ نوردِ شوق

1942ء میں حضرت جیؒ معمول کے مطابق اپنے استاذِ محترم سے ملاقات اور علمی تحقیق کے لئے چک نمبر 10 سرگودھا تشریف لے گئے جو دشتِ علم میں حضرت جیؒ کی سیاحت کا آخری سفر تھا لیکن رہ نوردِ شوق بننے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسی سفر کے دوران حضرت جیؒ اپنے استاذِ محترم کے بیلوں کی تلاش میں لنگر مخدوم گئے تو حضرت مولانا عبدالرحیمؒ سے رابطہ ہوا۔ اس کے بعد چشمِ فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ کچھ دیر پہلے جو نوجوان گاؤں کے چوپال میں سماعِ موتیٰ کے رَد میں علمی دلائل کے جوہر دکھا رہا تھا' حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے سامنے ارادت و خود سپردگی کا اقرار کر رہا ہے۔

اوراقِ ماضی پلٹتے ہوئے حضرت جیؒ نے بیلوں کی تلاش میں لنگر مخدوم کے اس سفر کا بارہا تذکرہ فرمایا لیکن اس کے بعد داستانِ حیات کا رخ ایسا بدلا کہ بیلوں کا ذکر ادھورا رہ گیا۔ کیا آپؒ بیلوں کی تلاش میں کامیاب ہوئے؟ حضرت جیؒ نے اس سوال کا جواب خود دیا نہ کسی کو پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اس کے بعد شروع ہونے والا باب اس قدر دلکش اور روح پرور تھا کہ بیلوں کی تلاش ذکرِ گم گشتہ ہو گئی۔ جس طرح قرآنِ حکیم

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں آگ کی تلاش کا تذکرہ تمہید کی صورت میں نظر آتا ہے اسی طرح بیلوں کی تلاش میں حضرت جیؒ کا لنگر مخدوم آنا بھی دراصل آپؒ کی داستانِ حیات میں تصوف وسلوک کے باب کا پیش لفظ ہے۔

لنگر مخدوم سے واپس لوٹنے کو دل تو نہ چاہتا تھا لیکن استاذِ مکرم کو اطلاع دینا بھی ضروری تھا چنانچہ با دلِ نخواستہ واپس روانہ ہوئے۔ چک نمبر 10 شمالی پہنچ کر ان کے سامنے رودادِ سفر بیان کی اور کچھ دنوں کے لئے چکڑالہ چلے آئے تاکہ جلد از جلد گھریلو ذمہ داریوں سے فراغت کے بعد دوبارہ مولانا عبدالرحیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوسکیں۔ یہاں آکر کھیتی باڑی سے متعلقہ امور نپٹائے، اہل وعیال کی کفالت کے لئے ضروری سامان بہم پہنچایا اور دوبارہ لنگر مخدوم کا رخ کیا۔

یہ لنگر مخدوم میں حضرت جیؒ کے قیام کا دوسرا دور تھا۔اس سے پیشتر 1925-30ء کے زمانے میں بھی حصولِ تعلیم کے لئے آپؒ یہاں کچھ عرصہ قیام فرما چکے تھے۔لنگر مخدوم میں اس مرتبہ حضرت جیؒ کا قیام قدرے طویل تھا جس کے دوران حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر سلوک کے ابتدائی اسباق حاصل کئے۔ کچھ عرصہ بعد اجازت ملی تو آپؒ دوبارہ چکڑالہ تشریف لے گئے تاکہ زمینداری اور گھریلو امور سے متعلق انتظامات کر آئیں۔ واپس لوٹے تو حضرت سلطان العارفینؒ کی طرف سے حکم ملا کہ اب آپؒ کا مستقل قیام لنگر مخدوم میں ہوگا۔تعمیلِ ارشاد میں حضرت جیؒ نے مسلسل ایک سال لنگر مخدوم میں قیام فرمایا جس کے بعد ایک ماہ کے لئے چکڑالہ جانے کی اجازت ملی۔حسبِ سابق اہلِ خانہ کے لئے سال بھر کی ضروریات کا بندوبست

کیا' مزارعین کو ہدایات دیں اور واپس لنگر مخدوم تشریف لے گئے۔

لنگر مخدوم میں حضرت جیؒ کے مسلسل قیام کا زمانہ تین سال پر محیط ہے لیکن اس دوران گھریلو ذمہ داریوں سے فراغت کے لئے ہر سال ایک ماہ کے لئے چکڑالہ جانے کی اجازت ملتی۔ لنگر مخدوم میں یہ تین سالہ قیام راہِ سلوک پر آپؒ کا مسلسل روحانی سفر تھا جو حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کی معیت میں طے ہوا۔

روح جس راستے کی مسافر ہے' اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے جہاں اس کی رفتار کا تعین عقل و خرد سے محال ہے۔ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور اس کی روح یہ مسافتیں طے کر رہی ہو' وہ کچھ اندازہ کر سکتا ہے کہ روح کی رفتار سے کیا مراد ہے۔ جہاں تک حضرت جیؒ کی روحِ پُر فتوح کی رفتار کا معاملہ ہے' اسے بیان کرنے کے لئے تطبیق ممکن ہے نہ اندازہ' صرف حیرت کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

لنگر مخدوم میں حضرت جیؒ کے قیام کا بندوبست مخدوم شیر محمدؒ کے سپرد تھا جو حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ مخدوم خاندان کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر حاضری دینے والوں کی خدمت بھی انہی کے سپرد تھی۔ اس وقت حضرت جیؒ اگرچہ مکتبِ طریقت کے طالبِ علم تھے لیکن آپؒ کی حیثیت بطور عالم بھی مُسلّمہ تھی۔ گرد و نواح کے دیہات سے لوگ حضرت جیؒ کا جمعتہ المبارک کا خطاب سننے کے لئے لنگر مخدوم آتے اور آپؒ سے دینی اور معاشرتی مسائل' بالخصوص نکاح اور طلاق کے مسائل میں رہنمائی حاصل کرتے۔

لنگر مخدوم میں قیام کے دوران حضرت جیؒ تہجد کا ذکر اپنی رہائش گاہ پر

کرتے اور فجر کی نماز گاؤں کی مسجد میں باجماعت ادا کرنے کے بعد حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے ہمراہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر اشراق تک دوبارہ ذکر کرتے۔ چونکہ اس زمانے میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی عمر 85 برس سے زائد تھی اور وہ ضعفِ پیری کا شکار تھے' ان کے ہمراہ ذکر و فکر کا یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا۔ اکیلے میں حضرت جیؒ کے معمولات مجاہدے سے بھرپور ہوا کرتے۔ آپؒ بوقت صبحِ کاذب حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر چلے آتے اور تہجد کے نوافل وہیں ادا کرتے جس کے بعد ذکر کی طویل نشست ہوتی۔ نمازِ فجر ادا کرتے اور ذکر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا۔ اشراق کے بعد کچھ وقفہ ہوتا' پھر طویل ذکر' جو دوپہر تک جاری رہتا۔ یہ حضرت جیؒ کے دن کے نصف اوّل کے معمولات تھے۔ لنگر مخدوم واپسی پر کھانا تناول فرماتے جس سے قبل ناشتہ وغیرہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ زوال کے فوراً بعد دوبارہ مزار پر چلے جاتے' نمازِ ظہر ادا کرتے اور عصر تک لطائف کرتے۔ ذکر کی یہ نشست بہت طویل اور مجاہدہ سے بھرپور ہوتی' یہاں تک کہ پسینہ سے کپڑے تربتر ہو جاتے۔ نمازِ عصر ادا کرتے اور اس کے بعد مراقبات کی نشست سورج غروب ہونے تک جاری رہتی۔ نمازِ مغرب مزار سے ملحق مسجد میں ادا کرتے اور اوّابین' جن کی تعداد رکعت عموماً بارہ ہوا کرتی تھی ادا کرنے کے بعد لنگر مخدوم واپس چلے جاتے۔

حضرت جیؒ نے کثرتِ اوّابین کا عمر بھر اہتمام فرمایا۔ کم از کم چھ نوافل ادا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے لیکن وقت کی کمی کی صورت میں آپؒ کی ہدایت تھی کہ فرائض کے بعد سنتوں کے ساتھ چار نوافل ادا کر لئے جائیں تاکہ سُنن کے شمار کے ساتھ چھ رکعت پوری ہو جائیں۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر دن بھر کے معمولات کے بعد آپؒ لنگر مخدوم واپس آ کر رات کا کھانا تناول

کرتے اور نمازِ عشاء کے فوراً بعد استراحت فرمایا کرتے۔

لنگر مخدوم میں تین سالہ قیام مکمل ہوا تو حضرت جیؒ سالک المجذوبی تک سلوک طے کر چکے تھے۔ حضرت سلطان العارفینؒ نے آپؒ کو اپنا صاحبِ مجاز مقرر فرمایا اور واپسی کی اجازت دی۔ یہ 1945ء کا زمانہ تھا۔ حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے کہ حضرت سلطان العارفینؒ نے اس موقعہ پر دو چیزوں سے منع فرمایا' اوّل سونا نہیں بنانا اور اگر بنانا ہے تو اس وقت جتنا چاہے بنالو' دوم عملیات نہیں کرنا۔ آپؒ فرماتے کہ اگر میں چاہوں تو سونا بنا سکتا ہوں لیکن میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔

اس کے بعد بھی کئی سال تک آپؒ کا معمول رہا کہ لنگر مخدوم میں ہر سال ایک ماہ مسلسل قیام فرماتے۔ اس زمانے میں حضرت جیؒ کو اگرچہ توجہ دینے کی اجازت مل چکی تھی لیکن حضرت سلطان العارفینؒ نے سلسلۂ عالیہ بدستور اپنے ہاتھ میں رکھا۔ چکڑالہ واپسی پر حضرت جیؒ نے حسبِ سابق چٹّی مسجد میں درس وتدریس کا آغاز فرمایا۔

عقدِ ثالث

حضرت جیؒ کی پہلی شادی 22-1921ء میں ہوئی تھی لیکن 1925ء کے قریبی زمانہ میں تحصیلِ علم کے آغاز سے قبل یہ رشتہ علیحدگی کی صورت میں ختم ہوا۔ 35-1934ء میں تحصیلِ علم کے بعد آپؒ نے عقدِ ثانی فرمایا۔ آپؒ کی ان زوجۂ محترمہ سے بڑی صاحبزادی صغریٰ اور بیٹے عبدالرؤف کی پیدائش ہوئی۔ 1942ء میں چک نمبر 13 (خانیوال) میں ان کا انتقال ہوا تو خانیوال میں ہی تدفین کے بعد آپؒ چکڑالہ منتقل ہوگئے اور بچوں کی نگہداشت والدۂ ماجدہ کے سپرد کی۔ اسی سال آپؒ نے راہِ سلوک پر قدم رکھا تو چکڑالہ کو ایک بار پھر

خیر باد کہنا پڑا۔ لنگر مخدوم میں تین سالہ قیام کے بعد واپس لوٹے تو مسافرت کا طویل دور ختم ہوا اور والدۂ ماجدہ کے اصرار پر آپؒ نے تیسری شادی کی۔ آپؒ کی یہ زوجہ پہلی اہلیہ کی بیوہ ہمشیرہ اور صاحبِ اولاد تھیں لیکن خاوند کے انتقال کے بعد بے آسرا تھیں۔ اس عقد کے ذریعہ آپؒ نے نہ صرف انہیں سہارا دیا بلکہ ان کی اولاد کو بھی' کچھ عرصہ بعد ان کے ایک بیٹے کی وفات ہوئی تو یتیم پوتے کو بھی۔ اس طرح آپؒ نے ایک لاوارث خاندان کی کفالت فرمائی اور کچھ ہی عرصہ بعد اس خاندان کے ان افراد کو جو آپؒ سے کوئی صُلبی تعلق نہ رکھتے تھے' زمین کا خاصا حصہ مرحمت فرما کر خود کفیل بناتے ہوئے معاشرے میں باوقار مقام عطا کیا۔ حضرت جیؒ کی اس شادی کے پس منظر میں بیوگان اور یتیموں کی سرپرستی کا فقید المثال جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ ان اہلیہ محترمہ کے بطن سے آپؒ کی چھوٹی صاحبزادی اُمِّ کلثوم کی پیدائش ہوئی۔ ایک صاحبزادہ امین الدّین بھی پیدا ہوا جو صغیر سنی میں انتقال کر گیا۔ حضرت جیؒ نے جب بھی اس صاحبزادے کا تذکرہ فرمایا' آپؒ کے لہجے میں شفقتِ پدری اور دکھ کی جھلک نمایاں ہوتی۔ اسی صاحبزادے کی یاد میں آپؒ نے اپنے نواسے کا نام امین الدّین رکھا۔

لنگر مخدوم سے واپسی کے بعد حضرت جیؒ کے روحانی سفر کا اگلا مرحلہ حضرت سلطان شاہ بلاولؒ کی معیت میں طے ہوا۔

سیّد احمد ہمدانیؒ المعروف سلطان شاہ بلاولؒ

تلہ گنگ - میانوالی روڈ پر دندہ شاہ بلاول حضرت سیّد احمد ہمدانیؒ المعروف حضرت شاہ سخی نوری سلطان بلاول ہمدانیؒ کے مزار کی نسبت سے ایک معروف قصبہ ہے۔ کیا سلطان شاہ بلاولؒ کا اصلی نام سیّد احمد ہمدانیؒ ہی تھا؟ اس

بارے میں اشتباہ پایا جاتا ہے۔ یہ بات البتہ طے شدہ ہے کہ وہ سیّد علی ولی ہمدانیؒ المعروف شاہ ہمدانؒ کی اولاد سے تھے جنہیں کشمیر میں اشاعت اسلام کے لئے ایران سے ہجرت کا حکم ہوا۔ شاہ ہمدانؒ اپنے 600 مریدین کے ہمراہ 1379ء میں کشمیر چلے آئے جہاں سری نگر کے مقام پر سلطان قطب الدین نے ان کا استقبال کیا۔

تاریخی حوالوں کے مطابق 37 ہزار غیر مسلم شاہ ہمدانؒ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ شاہ ہمدانؒ کی اولاد اور مریدین نے برصغیر میں اشاعت اسلام کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ سیّد احمد ہمدانیؒ بھی اسی مقصد کے لئے کشمیر سے نکلے۔ دندہ پہنچنے پر استخارہ کیا تو حکم ملا یہیں رک جاؤ۔ انہوں نے ایک غریب لیکن متقی شخص بابا بلاول لوہار کے ہاں قیام فرمایا۔ زیادہ وقت محو مراقبہ رہتے اس لئے کسی شخص کو نام پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی البتہ بلاول لوہار کے مہمان ہونے کی حیثیت سے لوگوں نے انہیں شاہ سلطان بلاولؒ کہنا شروع کر دیا۔ اسی نسبت سے یہ قصبہ دندہ شاہ سلطان بلاولؒ کے نام سے مشہور ہوا جو انگریز کے دور میں صرف دندہ شاہ بلاولؒ رہ گیا۔

حضرت جیؒ کے قول کے مطابق حضرت شاہ بلاولؒ کا اصل نام لال شاہؒ تھا۔ آپؒ نے ان کا منصب قطبِ مدار بتایا۔ حضرت جیؒ نے لنگر مخدوم میں قیام کے تین سالہ دور میں سالک المجذوبی تک سلوک طے کیا۔ چکڑالہ واپس آئے تو اگلی منازل سلوک میں آپؒ کو حضرت لال شاہ ہمدانیؒ کی رفاقت حاصل ہوئی جو ابتدائی عرشی منازل تک جاری رہی۔

چکڑالہ سے دندہ شاہ بلاول کا فاصلہ قریباً 13 کلومیٹر ہے۔ حضرت جیؒ کبھی کبھی دندہ شاہ بلاول آتے اور رات کا قیام حضرت لال شاہ ہمدانیؒ

کے مزار سے ملحق مسجد میں فرماتے۔ حضرت جیؒ اب سلوک کی ان منازل میں تھے جہاں ارواح کے باہمی رابطے کے لئے کسی واسطے یا جسمانی حاضری کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت جیؒ جہاں بھی ہوتے' مراقبات کے دوران آپؒ کو روحانی طور پر اس ہستی کی معیت حاصل رہتی جنہیں سفر کے اس مرحلہ میں نشاندہیٔ منازل کی ذمہ داری تفویض کی جاتی۔

کچھ ہی عرصہ بعد حضرت لال شاہ ہمدانیؒ کی منازل سے ماوریٰ مقاماتِ سلوک کی نشاندہی کی ضرورت پیش آئی تو یہ ذمہ داری حضرت غوث بہاؤالحقؒ کو تفویض ہوئی۔ اگلے مرحلہ میں حضرت جیؒ کی رہنمائی کا فریضہ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کے سپرد ہوا۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ان بزرگ ہستیوں کے ذمہ صرف مقاماتِ سلوک کی نشاندہی ہوا کرتی تھی لیکن توجہ براہ راست آقائے نامدار ﷺ کی نصیب ہوتی۔ اس توجہ سے آپؒ کی روحِ پُرنور صدیوں کی منازل ایک جست نگاہ میں طے کرتی۔

مقامِ رضا کے بعد درمیانی واسطے تمام ہوئے اور حضرت جیؒ کا روحانی سفر براہِ راست آقائے نامدار ﷺ کی خاص توجہ سے جاری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ خاص نصیب ہوئی۔ حضرت جیؒ ان منازلِ عُلیا کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مقامِ رضا کے بعد سالک کو شیخ کی توجہ کی ضرورت نہیں رہتی اور فیض اس طریقہ سے ملتا ہے' جس طریقہ سے نبی کو فیض ملتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ امتی کو نبی کے توسط سے فیض ملتا ہے۔''

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

روحانی منازل طے کرتے ہوئے جس قدر قربِ الٰہی میں اضافہ ہو رہا تھا اسی نسبت سے حضرت جیؒ کی روح کی رفتار میں بھی تیزی آ رہی تھی۔

شدید علالت

راہِ سلوک میں ایک مقام ایسا بھی آیا جب حضرت جیؒ طویل علالت کے مرحلہ سے گزرے۔ اس کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا کہ یہ مرحلہ ''تبدیلیٔ ملک کے دوران'' پیش آیا جس سے زمانے کا تعین ہوتا ہے یعنی 1947ء۔ حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ گفتگو کے مطابق 1947ء میں آپؒ لنگر مخدوم تشریف لے گئے اور اپنے پہلے شاگرد قاضی جیؒ کو حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس موقع پر دو افراد اور بھی تھے جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ لنگر مخدوم سے واپس چکڑالہ پہنچے تو آپؒ شدید بخار میں مبتلا ہوئے جو مسلسل نو دن جاری رہا۔ تین دن کے لئے افاقہ ہوا لیکن پھر وہی حالت۔ بخار کی حدّت انتہائی شدید تھی جس پر کوئی دوا اثر نہ کرتی۔ حضرت جیؒ خود بھی طبیب حاذق تھے لیکن مختلف نسخے آزمانے کے باوجود بخار کا زور کم ہونے میں نہ آیا۔ سارا بدن بخار کی حدّت سے جل گیا اور جلد پر سوزش ہوگئی جس کے اثرات زندگی بھر باقی رہے۔ انتیس دن تک کھانا پینا موقوف رہا سوائے عرقِ سونف کے جو تھوڑا تھوڑا دیا جاتا۔ زیادہ وقت بے ہوشی میں گزرتا لیکن اوقاتِ نماز میں ہوش آنے پر اہلیہ سہارا دے کر چارپائی کے ساتھ مصلّے پر بٹھا دیتیں اور آپؒ بمشکل فرائض ادا کر پاتے۔ شدید بیماری کی حالت میں حضرت جیؒ نے قاضی جی کو مشائخ کے پاس بھیجا تو وہاں سے جواب ملا کہ یہ مجاہدہ کرایا گیا ہے تاکہ منازلِ بالا کے لئے استعداد پیدا ہو۔ بالآخر بخار کا یہ سلسلہ اچانک ٹوٹا تو نور کے ایک سمندر کا مشاہدہ کرایا

گیا۔ آپؒ اس سمندر میں غوطہ زن ہو گئے اور جب باہر نکلے تو اوپر پھینک دیئے گئے جس کے ساتھ ہی منازلِ بالا کا آغاز ہوا۔ حضرت جیؒ نے ایک مرتبہ اس علالت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''پرانے ساتھیوں کو پہاڑوں کی طرح جم کر رہنا ہے' ان سے بہت لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ مجھ سے کتنے ہی لوگوں کو فائدہ ہوا۔''

اہل اللہ کے ہاں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بلندیٔ منازل سے قبل بیماری اور مصائب کی صورت مجاہدوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق ایک مومن کو پہنچنے والی ہر تکلیف اس کے لئے بلندیٔ درجات کا سبب ہوتی ہے اور یہ منازلِ سلوک بھی روحانی ترقی کی مختلف مدارج ہیں جنہیں اس شعبہ کے ماہرین نے پہچان کے لئے مختلف منازل کا نام دے رکھا ہے۔ حضرت جیؒ کی یہ شدید علالت' منازلِ بالا طے کرنے سے قبل مجاہدہ کی ایک صورت تھی جس کے ذریعے آپؒ کی روحِ پُرفتوح کو اس سفر کے لئے تیار کیا گیا۔

انوارات' جہاں روح کو جِلا اور قلب کو سکون عطا کرتے ہیں تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تجلیٔ باری تعالیٰ سے طُور سا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ کچھ یہی حال مادی بدن کا بھی ہے۔ اگر شیخِ کامل کی رہنمائی میسر نہ ہو تو کثرتِ انوارات کی وجہ سے بسا اوقات کمزور لوگ ہوش و حواس فنا کر بیٹھتے ہیں' ان کے قویٰ باطنی جل جاتے ہیں اور وہ مجاذیب کی صورت عشقِ الٰہی کی چوکھٹ کے دیوانے نظر آتے ہیں۔ البتہ وہ مردانِ جری جو روحانی طور پر انوارات و تجلیاتِ باری تعالیٰ کے جذب کی اہلیت تو رکھتے ہیں لیکن ان کے ابدان روح جیسی قوتِ برداشت نہیں رکھتے' حدتِ انوارات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

حضرت جیؒ کی منازلِ بالا کا آغاز تاریخِ تصوّف کا ایک اہم واقعہ تھا جو خال خال اہل اللہ کے حصہ میں آئیں۔ آسمانِ تصوّف پہ چمکنے والے اَن گنت ستاروں میں سے چند ایک ہی ان بلندیوں پر متمکن نظر آتے ہیں لیکن حضرت جیؒ کو مستقبل میں حاصل ہونے والی بلند منازل کی نسبت سے ان منازل کو ابتدائی سنگِ میل کہا جا سکتا ہے۔ حضرت جیؒ فرماتے ہیں کہ جس روز ان منازل کی ابتداء ہوئی اس روز دربارِ نبوی ﷺ میں تمام بڑی بڑی ہستیاں حاضر تھیں۔ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ' حضرت معین الدین چشتیؒ' مشائخِ عظامؒ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ اور دیگر بزرگ ہستیاں اس ذی شان مجلس کے آداب اور اپنے اپنے مناصب کے مطابق اس وقت موجود تھیں۔ حضرت جیؒ کے منصب اور منازل کے متعلق فیصلہ ہوا۔ حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ گفتگو کے مطابق تاریخِ تصوّف کا یہ اہم واقعہ 1947ء میں پیش آیا۔

قربِ الٰہی کے اس روحانی سفر میں حضرت جیؒ کن کن منازل سے گزرے؟ سوانح کا یہ باب ان منازل کی نشاندہی اور تذکرہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ "حیاتِ طیبہ" کے الگ عنوان کے تحت ان کا تفصیلی ذکر سوانح کے آخر میں آئے گا لیکن بروایت شیخ سلسلہ حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی۔

اجمالی طور پر اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اس جہانِ آب و گِل میں آنے کے بعد روح اپنے اصلی مقام کی طرف مراجعت کے لئے قوتِ پرواز کی محتاج ہے جو بجز فیضانِ نبوی ﷺ ممکن نہیں۔ جس قدر فیضان کی یہ دولت کسی کو نصیب ہوئی' اسی نسبت سے اسے قربِ الٰہی حاصل ہوا۔

حضرت جیؒ نے اپنے روحانی سفر کا آغاز لنگر مخدوم سے کیا جہاں

حضرت سلطان العارفینؒ کی توجہ اس نعمتِ غیر مُترَقّبہ کے حصول کا واسطہ بنی۔ مسلسل تین برس حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر رہتے ہوئے ان کی براہِ راست توجہ میں منازلِ سلوک طے کیں۔ اس کے بعد اپنے روحانی سفر میں آپؒ کو جن مشائخِ عظام کی معیت حاصل رہی' ان کے ذمہ صرف مقامات کی تبدیلی اور منازل کی نشاندہی ہوا کرتی تھی۔ جہاں تک توجہ کا تعلق ہے' وہ آقائے نامدار ﷺ سے براہِ راست ملتی۔ ان بزرگوں میں حضرت سیّد لال شاہ ہمدانیؒ کے علاوہ' جن کے مزار پر آپؒ گاہے گاہے جاتے رہے' باقی سب حضرات کی معیت محض روحانی تھی۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے بعد آپؒ کو برکاتِ صحبتِ نبوی ﷺ بلا واسطہ بطریقِ اویسیہ حاصل ہوئیں۔

اب اوراقِ ماضی پلٹتے ہوئے اوائل گیارھویں صدی ہجری میں چلتے ہیں تاکہ حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے حالات کا چشمِ تصور سے مشاہدہ کرسکیں۔

حضرت سلطان العارفین
خواجہ اللہ دین مدنیؒ

دریائے چناب کی شوریدہ سر موجوں کو چیرتی ہوئی کشتی طالب والا پتن کے غربی گھاٹ پر جا لگی۔ مسافر ایک ایک کرکے کنارے پر اترنے لگے۔ بعض نے ایک دو کوس کے فاصلہ پر قریبی دیہات تک جانا تھا' وہ پیدل ہی چل پڑے اور دور کے مسافر گھوڑوں اور خچروں کے مالکان سے کرایہ طے کرنے لگے۔ ان سب سے الگ تھلگ ایک مردِ درویش اپنی منزل سے بے خبر کسی غیبی اشارے کے منتظر تھے کہ اب یہاں سے کس طرف جانے کا اِذن ملتا ہے۔ وضع قطع سے وہ یہاں کے باسی نظر نہ آتے تھے' گندمی رنگ' حسین پُرنور چہرہ' لمبی داڑھی' ابھرے ہوئے گال' آنکھوں میں جلال اور گردوپیش سے مستغنی۔

پتن سے جنوب کی سمت دریا کے ساتھ ساتھ حدِ نگاہ تک گھنے درختوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا' اک سکون اور ٹھہراؤ کا سماں۔ درختوں کا یہ جھنڈ چند سال قبل تک تو باقی رہا مگر یہ علاقہ اب کافی حد تک زیرِ کاشت لایا جا چکا ہے۔ مردِ درویش کو جنگل کا یہ سماں پسند آیا اور قدم خود بخود جنوب کی سمت اٹھنے

لگے۔ بھوک پیاس اور سفر کی تھکاوٹ کے باوجود وہ درختوں کے ساتھ ساتھ دریا کے بہاؤ کی سمت چلتے رہے' یہاں تک کہ مٹی کے ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ یہی ٹیلہ ان کی منزل تھا جس کے لئے انہوں نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا اور مستقبل میں اسی ٹیلے کو ان کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف بھی حاصل ہونا تھا۔

ٹیلے پر لکڑی کا ایک رہٹ چل رہا تھا جس کی ''ماہل'' پر مٹی کے ڈول نما برتن ایک ہار کی صورت میں پروئے ہوئے رہٹ کے چکر کے ساتھ کنوئیں سے نکلتے اور ایک ایک کر کے لکڑی کے بڑے سے ''پاڑ چھے'' میں پانی انڈیل کر پھر سے کنوئیں میں اتر جاتے۔ ایک دائرے میں خراماں چلتے ہوئے دو بیل اس رہٹ کو چلا رہے تھے اور قریب ہی درختوں کے سائے میں بیٹھے یہاں کے زمیندار اس سارے عمل کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہ کوئی عام کسان نہ تھے' حضرت غوث بہاؤالحقؒ کی لخت جگر کی اولاد میں سے تھے اور اپنے عظیم نانا کے روحانی وَرثہ کے امین۔

نووارد درویش نے انہیں سلامِ مسنون پیش کیا۔ زمیندار پہلے ہی دور سے آتے ہوئے مردِ درویش کی طرف متوجہ تھے۔ مہمان کو انتہائی محبت کے ساتھ چارپائی پر بٹھایا اور پنجاب کی روایتی مہمان نوازی شروع ہو گئی۔ بطور اظہارِ تشکر مردِ درویش نے جیب سے ایک ''گیٹی'' (چھوٹا سا پتھر) نکالی اور زمیندار کو اس طرح پیش کی گویا اس دعوت کے جواب میں کسی انعام سے نوازا جا رہا ہو۔ زمیندار نے پتھر کے اس ٹکڑے کو بغور دیکھا اور پھر اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔

ان کی زبان سے فوراً نکلا:

''یہ آپ نے کیا کِیا؟ یہ کوئی عام پتھر تو نہ تھا' یہ وہ پارس تھا جو پتھر سے مس ہو تو اسے سونا بنا دے۔''

مہمان کے تعارف کے لئے ان کی ذات ہی کافی تھی جو خود اپنی پہچان تھی لیکن اب میزبان نے بھی اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا:

''یہ بات ہے تو آپ پہچان کر اپنی گیٹی واپس لے لیجئے۔''

اور اس کے ساتھ ہی کنوئیں سے نکلنے والے گھڑوں نے پانی کے ساتھ ساتھ کنکر اور گیٹیاں بھی انڈیلنا شروع کر دیں' جسے اٹھائیں وہ ہیرا نکلے۔ اس سے زائد اب کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ ولی را ولی می شناسد۔ (ولی کو ولی پہچان لیتا ہے) مہمان ظاہر و باطن میں ولی اللہ اور میزبان لباسِ مجاز میں زمیندار لیکن باطن میں اللہ تعالیٰ کا ولی۔ مہمان حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ تھے اور میزبان زمیندار مخدوم میاں عبدالغنیؒ تھے۔

آج بھی صدیوں کے تواتر کے ساتھ مقامی آبادی میں حضرت سلطان العارفینؒ کا مزار ''ہیروں والا دربار'' کہلاتا ہے۔ یہ نام ہیروں کی نسبت سے اس واقعہ کی سند ہے جو حضرت سلطان العارفینؒ اور میاں عبدالغنیؒ کے مابین تعارف کے ضمن میں پیش آیا۔ یہاں کے لوگ اسی نام سے مزار کو پہچانتے ہیں۔ کوئی اور نام لیں یا حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کا پوچھیں تو ناواقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔

صاحبِ مزار کے بارے میں مقامی لوگ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ولی تھے جو زمانۂ قدیم میں یہاں تشریف لائے اور اُن کی آمد کے ساتھ علاقے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت امڈ آئی۔ اس سے قبل ان کے مویشی سیلاب کے بعد پھیلنے والی بیماریوں سے کثیر تعداد میں مر جایا کرتے

تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ولی کی برکت سے ان کی حفاظت فرما دی۔ اس علاقے کے لئے وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت تھے' ان کی آمد اللہ تعالیٰ کی عطا تھی۔ یہ بابرکت ہستی انہیں اللہ تعالیٰ نے دی ''اللہ دیا'' اور پھر مقامی لوگوں میں ان کا یہی لقب مشہور ہوا جو بعد میں اللہ دین میں تبدیل ہو گیا۔لنگر مخدوم کے گردونواح میں ان کا مزار ''دربار ہیروں والی سرکار'' کے نام کے علاوہ ''دربار اللہ دیا'' کے نام سے بھی معروف ہے۔

یہاں کے لوگ اب بھی ''ہیروں والی سرکار'' یا ''اللہ دیا'' کی برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہاں پر مانگی ہوئی دعاؤں کو بارگاہِ رب العزت میں قبولیت ملتی ہے۔ سیلاب کے بعد آج بھی مویشی مزار سے ملحقہ درختوں تلے لائے جاتے ہیں جس کے بعد یہاں کے لوگ امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بیماریوں سے محفوظ فرمائے گا۔ صاحبِ مزار کے بارے میں اس سے زائد تفصیلات مقامی لوگوں کے علم میں نہیں۔ وہ کون تھے' یہاں کس لئے تشریف لائے اور اب دور دراز سے اجنبی لوگ ان کے مزار پر کیوں حاضر ہوتے ہیں؟ یہ معلوم کرنا شاید ان کی ضرورت بھی نہیں۔

مخدوم عبدالغنیؒ کو نہ صرف مہمانِ ذیشان کی آخر وقت تک میزبانی کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ 63 برس کی عمر میں جب حضرت سلطان العارفینؒ کا وصال ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ مجھے قبرستان میں نہیں' بلکہ اسی ٹیلہ پر دفن کرنا۔ چنانچہ رہٹ کے ساتھ جس کچی کوٹھڑی میں انہوں نے عمر بسر کی' اسی کو ان کی ابدی آرام گاہ بننے کی سعادت ملی۔ آج بھی تھوڑی سی کھدائی کریں تو یہاں سے رہٹ کے ٹوٹے ہوئے گھڑوں کی ٹھیکریاں بکثرت ملتی ہیں۔

مخدوم عبدالغنیؒ کے والدِ گرامی میاں عبدالکریمؒ وہ صاحبِ علم شخصیت

تھے جن کے درس میں برصغیر کے اطراف واکناف سے علم کے متلاشی سالہا سال حصولِ علم کے بعد واپس لوٹتے اور اپنے اپنے علاقے میں علم پھیلانے کا ذریعہ بنتے۔ حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ روایت کے مطابق ان طالب علموں میں جنات بھی شامل تھے۔

لاہور کے مشہور بزرگ خواجہ محمد اسماعیل سہروردیؒ المعروف وڈا میاںؒ بھی مخدوم عبدالکریمؒ کے شاگرد تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہوں نے مغلپورہ کے علاقہ میں ایک درس قائم کیا جو ''درس وڈّے میاںؒ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح مخدوم عبدالغنیؒ اور حضرت وڈّا میاںؒ ہمعصر تھے۔ تاریخِ تصوف کے مطابق حضرت وڈّا میاںؒ کا سن پیدائش 995ھ بمطابق 1587ء اور سن وفات 1058 ہجری بمطابق 1648ء ہے۔ لہٰذا یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ میاں عبدالغنیؒ اور حضرت سلطان العارفینؒ کا زمانہ بھی قریباً یہی ہے۔

حضرت جیؒ نے جب کبھی حضرت سلطان العارفینؒ کی برصغیر میں آمد کے سن کا ذکر کیا' دسویں صدی ھجری کا اوائل فرمایا لیکن جب وقت کا تخمینہ لگایا' ہمیشہ چارسو سال قبل کہا اور تاریخی اعتبار سے اسے مخدوم عبدالغنیؒ کا زمانہ قرار دیا۔ یہاں یہ اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ اوائل دسویں صدی ہجری نہ تو مخدوم عبدالغنیؒ کا زمانہ ہے اور نہ ہی اسے چارسو سال قبل قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ 901ھ دسویں صدی ھجری کا پہلا سال بنتا ہے جو حضرت جیؒ سے پانچ سو سال قبل کا زمانہ ہے۔ حضرت جیؒ نے ہمیشہ فرمایا کہ حضرت سلطان العارفینؒ مخدوم عبدالغنیؒ کے زمانے میں آئے جبکہ مخدوم عبدالغنیؒ کا زمانہ گیارھویں صدی کا نصف اوّل تو ہوسکتا ہے لیکن دسویں صدی کا آغاز ممکن

نہیں، جو ان کے والد مخدوم حافظ عبدالکریمؒ یا ان سے بھی کچھ پہلے کا دور ہوگا۔
یہ صورت اکثر پیش آتی ہے کہ گفتگو میں دسویں صدی کی بات کرتے ہوئے ذہن میں 1000ھ کے بعد کا زمانہ آجاتا ہے جو غلط العام ہے۔ اس توجیح کے مطابق اگر حضرت جیؒ کے الفاظ "اوائل دسویں صدی ہجری" سے 1000ھ سے 1025ھ کا زمانہ مراد لیا جائے تو یہ مخدوم عبدالغنیؒ کا ہی دور ہے اور حضرت جیؒ کے فرمان کے مطابق 400 سال قبل کی مدت بھی درست شمار ہوتی ہے۔

حضرت سلطان العارفینؒ مدینہ شریف کے باسی تھے۔ اپنے شیخ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے بعد سیاحت کے لئے روانہ ہوئے اور مختلف بلاد سے گھومتے ہوئے بالآخر ہندوستان تشریف لائے۔ دہلی سے انہوں نے واپسی کا سفر اختیار کیا اور جب لنگر مخدوم پہنچے تو بقیہ عمر یہیں گزار دی۔ یہاں آنے کا مقصد اس وقت انہیں خود بھی معلوم نہ تھا۔ کئی صدیوں تک فیوض و برکات کا یہ خزانہ مستور رہا یہاں تک کہ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ نے اس کی نشاندہی کا شرف حاصل کیا اور پھر حضرت جیؒ کی روحانی تربیت فرمانے کے ساتھ ہی ان کی یہاں تشریف آوری کا مقصد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

مخدوم خاندان:

حضرت سلطان العارفینؒ کے میزبان میاں عبدالغنیؒ کا تعلق مخدوم خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے جدِّ امجد مخدوم برہان الدینؒ (1245ء) حضرت غوث بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کے خلیفہ اور داماد تھے۔ سلاسلِ تصوّف میں ان کی نسبت سلسلۂ سہروردیہ سے ملتی ہے۔ حضرت غوث بہاؤالحقؒ نے

انہیں بغرض تبلیغ ملتان سے روانہ فرمایا جو سلطان التمش کا زمانہ تھا۔ مخدوم برہان الدینؒ کے دیرینہ رفیق اور محبوب دوست حضرت شہابل شاہؒ بھی ساتھ آئے اور عمر بھر کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ آج لنگر مخدوم کے نزدیک چنگڑانوالہ کے قبرستان میں حضرت میاں برہان الدینؒ اور حضرت شہابل شاہؒ کی متصل قبریں ان کی مستقل رفاقت کا احساس دلاتی ہیں۔ مخدوم خاندان کی روایت کے مطابق روانگی کے وقت حضرت غوث بہاؤ الحقؒ نے مخدوم برہان الدینؒ کے لئے افزائشِ نسل کی دعا فرمائی' چنانچہ اس تاریخی قبرستان کی چاردیواری میں مخدوم برہان الدینؒ کا کثیر خاندان آباد نظر آتا ہے۔ نسل در نسل اللہ تعالیٰ کے ولی' ان میں سے ہر ایک کی قبر پر الگ بہار اور انوارات وکیفیات جدا جدا ہیں۔ ایک گلدستہ ہے جس میں طرح طرح کے پھول اپنی منفرد خوشبو اور جدا جدا رنگ کا نظارہ پیش کر رہے ہیں۔

اس قبرستان میں جب حضرت سلطان العارفینؒ کے میزبان' مخدوم عبدالغنیؒ کو دفن کیا گیا تو ان کے پاؤں کی سمت مخدوم حافظ عبدالکریمؒ کی قبر تھی جو ان کے والد بھی تھے اور استاذ بھی۔ درمیان میں کچھ اور قبروں کی وجہ سے تدفین کے وقت قرینۂ ادب کا خیال نہ رکھا گیا لیکن دوسرے روز جب لوگ قبرستان میں آئے تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ مخدوم عبدالغنیؒ کی قبر کا رخ ان کے والد گرامی اور استاذِ محترم کے سرہانے سے قدرے پھر چکا ہے۔ آج بھی یہ قبر چنگڑانوالہ کے قبرستان میں اپنی منفرد سمت اور اس پس منظر کی وجہ سے ادب واحترام کا لازوال سبق دے رہی ہے۔

حضرت جیؒ لنگر مخدوم آتے تو چنگڑانوالہ کے اس قبرستان میں اکثر تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ ساتھیوں کے ہمراہ قبرستان کے قریب پہنچے تو

انتہائی تیز خوشبو نے استقبال کیا۔ بعض احباب بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہاں تو اس طرح خوشبو آ رہی ہے جیسے گلاب کا باغ لگا ہوا ہو☆۔ دراصل حضرت جیؒ جب حدودِ قبرستان کے قریب پہنچے تو اہلُ اللہ کی ارواح نے بڑھ کر استقبال کیا اور ساتھیوں کو اس طرح خوشبو محسوس ہوئی جیسے گلاب کا باغ لگا ہو۔ حضرت جیؒ سے یہ کیفیت عرض کی تو آپؒ نے فرمایا:

''میں تمہیں باغ دکھانے ہی تو جا رہا ہوں ۔ اس قدر اولیائے کرام اس قبرستان کی چاردیواری میں آرام فرما ہیں جس کی نظیر حجازِ مقدس کے علاوہ دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی☆☆۔''

☆ یہ الفاظ لکھ رہا تھا کہ اس خوشبو کا ادراک دو سو میل کے فاصلہ پر راولپنڈی میں ہوا۔ اللہ اللہ' روحانیت ایک اور ہی دنیا ہے جس میں ربط و تعلق کے اپنے اسلوب ہیں جو ظاہری واسطوں کے محتاج نہیں۔ کیا خبر کون سا قاری کب یہ خوشبو اسی طرح محسوس کر لے۔

☆☆ مختلف کیفیات میں تیز خوشبو کا ادراک احباب کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے گویا کسی نے عطر کی شیشی بالکل سامنے توڑ دی ہو جس سے گلاب کی تیز خوشبو ہر طرف پھیل جائے اور بعض اوقات یہ خوشبو مختلف نوعیت کی ہوتی ہے جیسے بہت سی خوشبوؤں کا مجموعہ۔

حضرت امیرالمکرّم سے ایک مرتبہ اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''جب کسی بڑی ہستی سے روحانی رابطہ ہو یا توجہ ملے تو کبھی کبھی تیز خوشبو بھی محسوس ہوتی ہے جس کی نوعیت صاحبِ توجہ کی اپنی کیفیت اور مقام و مرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتی ہے۔''

حضرت جیؒ اور حضرت امیرالمکرّم کے ساتھ دورانِ سفر اسی طرح کی تیز خوشبو سے اکثر معلوم ہو جاتا کہ حدود کی تبدیلی کے ساتھ نئے علاقہ میں داخل ہوتے ہوئے وہاں کے اہلُ اللہ کی ارواح استقبال کے لئے موجود ہیں۔ یہ جہاں اور ہے جس کے سلاطین جدا اور آدابِ استقبال (Protocol) مختلف۔

حضرت جیؒ کی ہدایت تھی کہ لنگر مخدوم آئیں تو چنگڑ انوالہ کے اس قبرستان میں ضرور جایا کریں۔

مخدوم برہان الدینؒ کے بعد خواجہ قطب محمد شاہ دُولہؒ دہلی سے اس علاقے میں تشریف لائے۔ وہ قطبِ مدار تھے اور مُستجابُ الدّعوات بھی۔ حضرت جیؒ اگرچہ خود بھی مُستجابُ الدّعوات تھے لیکن ذاتی امور سے متعلق دعا کے لئے اکثر خواجہ قطبؒ سے روحانی رابطہ فرماتے۔ جب قبولیت کا معاملہ نہ ہوتا تو قطب صاحبؒ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کی بجائے فرماتے' حضرت آپ خود دعا فرمائیں۔ آج بھی ان سے دعا کے لئے عرض کریں تو بعض اوقات کچھ اسی طرح کی صورت پیش آتی ہے۔

چنگڑ انوالہ آنے والے اکثر زائرین خواجہ قطب محمد شاہ دُولہؒ کی قبر سے ناواقف ہیں اور اس کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی البتہ سلسلۂ عالیہ کے احباب یہاں آئیں تو خواجہ قطبؒ سے دعا کی درخواست بھی کرتے ہیں اور یہی حضرت جیؒ کا بھی معمول تھا۔ آپؒ جب کبھی یہاں تشریف لاتے' کچھ دیر خواجہ قطبؒ کی قبر پر ضرور ٹھہرتے اور دعا کے لئے کہتے۔ اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ قطب محمد شاہ دُولہؒ کی دعاؤں میں ہمیں بھی شریک فرمائے۔

آمین!

مخدوم خاندان کے اسلاف کے اس تذکرہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ نے ایک عمر سیّاحی میں بسر کرنے اور ہزاروں میل سفر کے بعد لنگر مخدوم کے دور افتادہ مقام کو اپنے مستقل قیام کے لئے کیوں پسند فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی یہ باور کرنا بھی غلط نہ ہوگا کہ مخدوم خاندان کے جدِّ امجد اور اسلاف کی قد آور شخصیات کے بعد دہلی سے حضرت

خواجہ قطب محمد شاہ دُولہؒ اوران کے بعد حضرت سلطان العارفینؒ کی تشریف آوری نے مخدوم خاندان کو اپنے اس کردار پر قائم رکھا جس کی تشخیص فرما کر حضرت غوث بہاؤالحقؒ نے اپنی لختِ جگر اور داماد کو ملتان سے روانہ فرمایا تھا۔ اس طرح یہاں صدیوں سے وہ زمین تیار ہو رہی تھی جس سے ایک مرتبہ پھر سلسلۂ اویسیہ کی نمو مشیّتِ الٰہی تھی۔

اسی خاندان کے مخدوم شیر محمدؒ (المتوفّٰی 1954ء) وہ بزرگ ہیں جن کے پاس حضرت جیؒ اپنے اُستاذِ مکرم کے چوری شدہ بیلوں کی بازیابی کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ ان کے والد مخدوم احمد یارؒ بھی مُستجابُ الدعوات تھے۔ ان کی خدمت میں علاقہ بھر سے لوگ حاجات کے سلسلے میں دعاؤں کے لئے حاضر ہوا کرتے۔ مشہور ہے کہ ایک شخص اپنی چوری شدہ گائے کی بازیابی کے لئے دعا کرانے حاضر ہوا لیکن انہوں نے دعا کی بجائے فرمایا' گائے چور کو بخش دو۔ اس نے بادلِ نخواستہ گائے چور کو بخش دی اور پریشان حال واپس لوٹا۔ جب تین روز گزرے تو گائے خود بخود اس کے ڈیرہ پر واپس پہنچ گئی۔ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوا اور گائے کی واپسی کی اطلاع دی۔ مخدوم احمد یارؒ یہ سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا:

> ''حلال وحرام ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ چور کے ڈیرہ پر تمام مال حرام کا تھا' تم نے گائے بخش دی تو یہ اس کے لئے حلال ہوگئی۔ چونکہ حرام مال کے ساتھ اس کا رہنا محال تھا اس لئے واپس آ گئی لیکن اس بات کا دکھ ہے کہ یہ پہلے دن ہی واپس کیوں نہیں آئی۔ شاید کچھ کمی میرے اپنے معاملات میں ہے جس پر ندامت کے آنسو بہا رہا ہوں۔''

مخدوم احمد یارؒ کے والد میاں غلام رسولؒ (المتوفّٰی 1893ء) کی نسبت قادری سلسلہ سے تھی۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں حضرت جیؒ چنگڑ انوالہ میں جب کبھی ان کی قبر پر تشریف لے جاتے تو وہ وہاں نہ ہوتے بلکہ علیین میں ہی رہتے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا کرتے:

"کیوں تنگ کرتے ہو۔ ملاقات اس لئے نہیں ہوسکتی کہ میں علیین میں ہوں اور آپ کی وہاں رسائی نہیں ہوتی۔ چلو مراقبہ مُوتُو کرا دیتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی وہ حضرت جیؒ کو علیین میں لے گئے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے:

"مراقبہ مُوتُو' میں نے میاں غلام رسولؒ سے حاصل کیا۔ یہ مراقبہ منازلِ سلوک سے نہیں' صرف سیر ہے اصلاحِ نفس کے لئے کہ اس طرح حالات پیش آئیں گے۔"

ایک بار یہ بیان کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے جلال کے عالم میں فرمایا:

"دیکھ لو بیتُ المعمورٗ سدرۃُ المنتہیٰ' لوحِ محفوظ' وہ جگہ جہاں آپ ﷺ کو اللہ پاک سے کلام ہوا۔"

حضرت جیؒ کا یہ ارشاد اہلِ بصیرت کے مشاہدہ کے لئے کافی تھا۔ پھر آپؒ نے کرسی دکھائی اور فرمایا:

"یہ مقاماتِ سلوک میں داخل نہیں۔ مقدس مقامات ہیں' اس لئے کروا دیئے۔ سلوک وہ ہے جو متقدمین سے ملا' تواتر کے ساتھ۔ قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے' ساری دنیا اس میں سما جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے۔"

مخدوم عبدالغنیؒ کو حضرت سلطان العارفینؒ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا تھا تو میاں شیر محمدؒ کو یہی سعادت حضرت جیؒ کے سلسلہ میں حاصل ہوئی۔ البتہ حضرت سلطان العارفینؒ کا مزار چونکہ مخدوم عبدالغنیؒ کی زمین پر واقع ہے اس لئے ان کی میزبانی کا شرف قیامت تک کے لئے ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے ایما پر مخدوم کرم الٰہی نے ٹیلہ سے درخت کٹوا کر حضرت سلطان العارفینؒ کا مزار تعمیر کرایا۔ 1925ء کا بندوست اراضی ہوا تو حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگرد تحصیلدار وزیر علی نے ایک مربع زمین بھی مزار کے نام وقف کر دی۔ 1978ء میں مزار سے ملحقہ مسجد پختہ ہوئی جس کی مزید توسیع 1986ء میں کی گئی۔

مخدوم خاندان میں کئی بلند پایہ صوفی گزرے ہیں۔ قطبِ مدار حضرت خواجہ محمد شاہ ڈولہؒ دہلی سے یہاں تشریف لائے۔ حضرت سلطان العارفینؒ مدینہ شریف سے آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ ان بلند مرتبت ہستیوں کے باوجود دورِ حاضر سے قبل لنگر مخدوم کا تشخص درس و تدریس کے حوالے سے تو ملتا ہے مگر ایک روحانی مرکز کی حیثیت سے نہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ نے فیض کے اس چشمہ کی نشاندہی کی اور جب حضرت جیؒ کا روحانی رابطہ حضرت سلطان العارفینؒ سے قائم ہوا تو فیض کا یہ سوتا پھر سے پھوٹ پڑا۔

یہ دستورِ الٰہی ہے کہ مخلوق کی ضروریات کا اہتمام پہلے سے کر دیا جاتا ہے، زمین میں دفن تیل کی مانند یا نایاب یورینیم کی طرح جس کے خزانے تخلیقِ ارض کے ساتھ ہی اس کے سینہ میں رکھ دئیے گئے تھے لیکن لاکھوں سال گزرنے کے بعد آج کا انسان ان سے مستفید ہو رہا ہے۔ اسی طرح حضرت سلطان العارفینؒ اگرچہ چار صدیاں قبل یہاں تشریف لائے لیکن

انہیں دورِ حاضر میں روئے زمین پر سلسلۂ اویسیہ کے احیاء کا ذریعہ بننا تھا جس کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''زیرِ زمین پانی بسا اوقات چشمہ کی صورت ابل پڑتا ہے اور زمین کو جل تھل کر دیتا ہے۔''

حضرت سلطان العارفینؒ مدینہ منورہ سے یہاں تشریف لائے اور عمرِ طبعی بسر کرنے کے بعد سلسلۂ عالیہ کو ساتھ لئے علیین میں منتقل ہو گئے۔ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے توسط سے اس مستور خزانے کی نشاندہی ہوئی اور پھر حضرت جیؒ روئے زمین پر سلسلۂ اویسیہ کے احیا کا ذریعہ بنے۔ آپؒ کا فرمان ہے:

''میرے اور میرے شیخ مکرّم کے درمیان چار صدیوں کا فاصلہ تھا۔ میں نے اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا اور خلافت بھی ملی۔''

آدابِ شیخ کی وجہ سے حضرت جیؒ ایک عرصہ تک حضرت سلطان العارفینؒ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کچھ دریافت نہ کر پائے۔ اسی طرح دو تین سال گزر گئے۔ شیخ کے حالات کے بارے میں تجسّس تو تھا لیکن سوال کی جسارت نہ کر پاتے۔ آخر ایک روز دل کی بے زبانی رنگ لائی۔ حضرت سلطان العارفینؒ نے یہ حالت دیکھتے ہوئے خود ہی فرمایا:

''اچھا' آج بدھ ہے۔ جاؤ' کل جمعرات' پرسوں جمعہ کے دن میرے پاس آنا۔ قلم دوات اور کاغذ لانا' میں آپ کو اپنے حالات بتاؤں گا۔''

حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

”دن گزرتے نہیں تھے۔ وقت لمبا ہو گیا۔ جمعہ کے روز حاضر ہوا تو حضرت سلطان العارفینؒ نے اپنے حالات قلمبند کرائے۔

حضرت سلطان العارفینؒ ہاشمی النسل تھے اور ان کا تعلق روضۃ الرسول ﷺ کے مجاور خاندان سے تھا۔ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ان کے شیخ حضرت ابو ایوب محمد صالحؒ مدینہ منورہ آئے تو ان کی روحانی تربیت فرمائی اور شیخ سے سالک المجذوبی تک سلوک طے کیا۔ پھر سیاحت کی طلب ہوئی تو مدنیہ منورہ سے حضرت ابوایوب محمد صالحؒ نے انہیں رخصت کیا اور وہ خود خراسان واپس چلے گئے۔“

حضرت جیؒ کو اپنے حالات قلمبند کراتے ہوئے حضرت سلطان العارفینؒ نے فرمایا:

”میں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ دہلی سے ہوتا ہوا یہاں آیا تو جنگل تھا۔ دل لگا اور یہیں ٹھہر گیا۔ زندگی میں کسی کو قریب نہیں آنے دیا۔ شیخ کی اجازت کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تو اس کے بعد پوری عمر کسی عورت کی شکل نہیں دیکھی☆۔“

حضرت جیؒ نے حضرت سلطان العارفینؒ سے مدینہ منورہ سے نقل مکانی

☆ حضرت جیؒ نے 1980ء میں فرمایا تھا کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے روضہ کے اندر خواتین کو جانے کی اجازت نہیں اور اُس وقت تک یہی صورت تھی۔ افسوس کہ اب اس کے خلاف عمل شروع ہو چکا ہے۔

کا سبب دریافت کرتے ہوئے عرض کیا:

''یہ مہبطِ وحیؐ دارالخلافہ اسلام کا اور نبوت کا متبرک مقام! چھوڑ کر یہاں کیوں آئے؟''

فرمانے لگے:

''اس وقت تو پتہ نہیں چلا' اب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت کا کام لینا تھا۔''

ایک مرتبہ مراقبہ کی حالت میں یہی بات حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی زبان پر بھی آ گئی:

''جس آدمی کا انتظار تھا' وہ آ گیا ہے۔''

مراقبہ کے بعد حضرت جیؒ نے دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ قول دراصل حضرت سلطان العارفینؒ کا تھا جو دورانِ مراقبہ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی زبان سے ادا ہوا۔

مختصراً! اپنے حالات بیان کرنے کے بعد حضرت سلطان العارفین نے حضرت جیؒ کو فرمایا:

''اَنْتَ مجاوِرِی 'یہاں رہو' جس کو تم پیش کرو گے اس کو میں فیض دینے کے لئے تیار ہوں۔''

تین سال بعد حضرت جیؒ کو صاحبِ مجاز بنایا لیکن سلسلہ بدستور اپنے ہاتھ میں رکھا۔ سلسلہ منتقل ہونے تک حضرت جیؒ اگر کسی کو صاحبِ مجاز بناتے یا روحانی بیعت کراتے تو اس کے لئے حضرت سلطان العارفینؒ کی توثیق ضروری ہوا کرتی تھی۔

حضرت سلطان العارفینؒ کا عربی نام کیا تھا؟ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا

چکا ہے' ان کا نام 'اللہ دین' مقامی لوگوں کے دیئے ہوئے نام 'اللہ دیا' کی ایک صورت ہے۔ اپنا اصلی نام انہوں نے بتایا نہ حضرت جیؒ نے دریافت کرنا ضروری خیال کیا۔ اب ان کا علاقائی نام حضرت اللہ دینؒ ہی معروف ہے اگرچہ مدینۃ النبی ﷺ کی نسبت سے اس کے ساتھ مدنی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ احباب تو پوچھنے کی جسارت نہیں کر سکتے' مناسب ہو تو آپ معلوم کر دیجئے لیکن ان کی خاموشی سے اندازہ ہوا کہ حضرت جیؒ کا ادب مانع ہے۔ اس امر میں جب حضرت جیؒ نے سکوت فرمایا تو اب دریافت کرنا آدابِ شیخ کے خلاف ہو گا اگرچہ کشفاً دریافت کیا جا سکتا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت جیؒ سے مختلف جماعتوں، بشمول چند دینی جماعتوں نے رابطہ کیا اور عہدوں کے علاوہ مالی فوائد کی پیشکش بھی کی۔ حضرت جیؒ اکثر اس کا تذکرہ فرمایا کرتے۔

> "تقسیمِ ملک کے بعد ایک سیاسی جماعت والے آئے اور تین ضلعوں کے امیر بننے کی پیش کش کی۔ پھر ایک اور جماعت والے آئے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت سلطان العارفینؒ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا:
>
> یہ جماعتیں دراصل تجارت کی کمپنیاں ہیں۔ مسجد ان کی منڈی ہے اور ممبر ان کی دکان' دین سے ان کا کیا واسطہ۔ محض اپنے مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں اور جہاں شریعت کے احکام ان کے ذاتی مقاصد سے متصادم ہوں' وہاں شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کو کسی جماعت

میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیا آپ کی جماعت نہیں ہے؟ تمام برزخ والے آپ کی جماعت ہیں۔

پھر فرمایا:

''کیا آپ آدمی نہیں؟ کیا آپ کی جماعت نہیں؟ یہ تو زندے (دنیا والے) ہیں۔ برزخ والوں کی جماعت آپ کی جماعت ہے۔ تنِ تنہا رہ کر کام کریں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ آپ کی جماعت آپ کے ساتھ ہوگی۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا کہ اس کلام کے بعد مجھے ان جماعتوں سے تنفر پیدا ہو گیا۔ چوکیرہ والے امیر احمد شاہ بخاریؒ کو پتہ چلا تو مجھے خط لکھا کہ جس جماعت میں آپ جائیں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ ہم دونوں ایک جماعت ہیں۔ یاد رہے کہ رسالہ الفاروق میں حضرت جیؒ نے حضرت امیر احمد شاہ بخاریؒ کے ساتھ کام کیا اور اسی طرح روافض کے خلاف بھی اکٹھے جدوجہد کی۔

حضرت جیؒ کا عمر بھر یہ معمول رہا کہ وہ سال میں کم از کم ایک بار احباب کے ہمراہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر ضرور حاضری دیتے۔ 1977ء سے تین روزہ سالانہ اجتماع کا آغاز ہوا۔ اکتوبر 1983ء کے سالانہ اجتماع میں حضرت جیؒ نے آخری بار یہاں حاضری دی۔ حضرت جیؒ کا دستور تھا کہ یہاں آمد کے ساتھ سیدھے مزار پر حاضر ہوتے اور کچھ دیر مراقب رہتے۔ اس کے بعد آپؒ مسجد کے صحن میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی قبر پر کچھ دیر کے لئے رکتے۔ اجتماع کے اختتام پر روانگی سے قبل بھی یہی عمل دہرایا جاتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت جیؒ کے شیخ حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی آخری آرام گاہ پر کروڑوں کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے جہاں سے چار صدیوں کے توقف کے بعد پھر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا احیاء ہوا اور اس مرتبہ کسی ایک علاقہ کے لئے نہیں' عالمِ انسانیت کے لئے بلکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے...... آمین!

لذتِ آشنائی

ترکِ دنیا تصوّف کا لازمہ ہے اور نہ ہی اسے اہل اللہ کے ہاں مستحسن خیال کیا جاتا ہے اگرچہ عوام الناس میں یہ تصور عام ہے کہ گوشہ نشینی عین تصوف بلکہ انتہائے ولایت ہے۔ اس عمومی سوچ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منازلِ سلوک میں ترقی کے ساتھ ساتھ امورِ دنیا سے لاتعلقی اور تخلیہ پسندی کا رجحان بعض اوقات غلبہ اختیار کر لیتا ہے جسے دیکھتے ہوئے گوشہ نشینی کو قربِ الٰہی کا مظہر سمجھ لیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قربِ الٰہی کے جو اعلیٰ مدارج صحابہٴ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس جماعت کو نصیب ہوئے ان کا حصول بعد میں آنے والوں کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ صحابہ کی زندگیاں خلوت کی بجائے اجتماعیت اور عملی زندگی کی بہترین مثال ہیں۔ تصوّف کے مروّجہ تصور کے مطابق اگر یہ نفوسِ قدسی اللہ تعالیٰ سے لَو لگا کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتے تو آج کرہٴ ارض پر اسلام کا وجود ممکن نہ ہوتا۔

اسی طرح صحابہ کے بعد بھی صاحبِ عزیمت وہی کہلایا جو ان کے نقشِ پا پر چل سکا۔ وہی شیخ اور رہبر ٹھہرا اور اسی کو ولایتِ عظمیٰ نصیب ہوئی جس نے اپنی ذات سے ایک تحریک بپا کی' زمانے کو متاثر کیا اور تجدید واحیائے

دین کا حق اس طرح ادا کیا کہ وقت کی دست برد اس کے ثبت کئے ہوئے نقوش کو کھرچنے میں ناکام رہی۔

مدارجِ سلوک طے کرتے ہوئے البتہ ایک دور ایسا بھی آتا ہے جب تعلق باللہ اور قربِ الٰہی کا ادراک باقی ہر تعلق اور احساس پر غلبہ اختیار کر لیتا ہے۔ کیف و محویت کے اس عالم میں صورت یہ ہوتی ہے:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حضرت جیؒ کے الفاظ میں:

"دل چاہتا ہے ایک میں ہوں اور ایک میرا ربّ ہو
ہمارے درمیان دوسرا کوئی حائل نہ ہو۔"

صرف ایک تمنا باقی رہ جاتی ہے' قرب و وصال کے یہ لمحات ابد ہو جائیں اور تصورِ جاناں میں کوئی اور مخل نہ ہو۔ سلوک کی ایک منزل کے بعد اگلی منزل کی جستجو اور قربِ مزید کی تڑپ دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کا راستہ کٹتا چلا جاتا ہے لیکن جہاں منزل لامکاں ہو' حصولِ منزل ممکن نہ اختتامِ سفر۔

یہ وہ سفر ہے جو موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں رویت باری تعالیٰ کے باوجود ختم نہ ہوگا۔ اس راستے کا ہر نشان ستانے کی بجائے مہمیز کا تقاضا کرتا ہے۔ وہی مسافر اس راہ کا شاہسوار کہلایا جس نے اکیلے سفر کی بجائے کارواں کی رہنمائی کی' گرنے والوں کو تھام لیا' بھٹکنے والوں کو منزل کی پہچان عطا کی اور رکنے والوں کو پھر سے عازمِ سفر کیا۔ لذتِ آشنائی کے سرور و کیف میں سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو سنبھالنا کارِ دارد

ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس مقامِ عزیمت پر خال خال ہستیاں فائز نظر آتی ہیں جو آج بھی میرِ کارواں ہیں۔ ان میں حضرت جیؒ ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

حضرت جیؒ کے روحانی سفر کی ایک جھلک ''رہ نوردِ شوق'' کے عنوان کے تحت پیش کی جا چکی ہے۔ آپؒ کے اس سفر کا ادراک اگرچہ ہمارے بس کی بات نہیں' تاہم یہ جان لینا کافی ہوگا کہ تاریخِ تصوّف میں جو بلندیٔ منازل اصحابِ عزیمت کو اواخر عمر میں نصیب ہوئیں' حضرت جیؒ اپنے ابتدائی دور میں ان منازل سے گزر چکے تھے۔ پھر ایک مقام ایسا بھی آیا جس کے بعد براہِ راست اللہ تعالیٰ کی توجہ نصیب ہوئی۔ قربِ الٰہی کی اس مسافت کے دوران لذتِ آشنائی بھی بلندیٔ منازل کے ساتھ ساتھ روز افزوں تھی جس نے حضرت جیؒ کو دو عالم سے بے نیاز کر رکھا تھا۔

یہ 1947ء کے بعد کا دور تھا جب حضرت جیؒ کا مستقل قیام چکڑالہ میں تھا۔ درس وتدریس کی مصروفیات سے فراغت کے بعد زیادہ وقت ذکر وفکر میں بسر ہوتا۔ نماز باجماعت کے لئے مسجد چلے آتے لیکن فرائض کی ادائیگی کے فوراً بعد ذاتی حجرہ میں تشریف لے جاتے جہاں ذکر وفکر کے دوران اکثر حالتِ استغراق طاری رہتی۔ زیادہ وقت مراقبات میں اور بالخصوص مراقبہ فنافی الرسول ﷺ میں گزرتا۔

ایک زمانہ تھا کہ حضرت جیؒ نے چکڑالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے فتنہ انکارِ حدیث کی اس طرح بیخ کنی فرمائی تھی کہ اس شخص کے نام پر جاری ہونے والا چکڑالوی مذہب ہمیشہ کے لیے نابود ہو گیا تھا لیکن اب چکڑالہ اور اس کے گردونواح' بلکہ خطۂ پوٹھوہار اور وادیٔ سون سکیسر میں ایک نیا فتنہ زور پکڑ رہا

تھا۔ یہ فتنہ روافض تھا جس نے شہروں میں علماء کے ہاتھوں ناکامی کے بعد دورافتادہ دیہات کا رخ کیا تھا تاکہ مناظروں کے ذریعے یہاں کے سادہ لوح دیہاتی مسلمانوں کا ایمان خراب کیا جا سکے۔ ان دیہات میں بہت کم علماء مذاہبِ باطلہ کی معلومات رکھتے تھے جس کی وجہ سے مناظروں میں علمی دلائل کی بجائے پھبتیوں اور ڈھکوسلوں کا سہارا لیا جاتا۔ روافض چونکہ اس فن کے ماہر تھے' ان کے مقابلے میں مقامی علماء بری طرح زچ ہوتے اور جواب دینے سے قاصر رہتے جس کے نتیجے میں روافض کا پلڑا بھاری رہتا۔ ان مناظروں میں اِحقاقِ حق صرف ان علماء کے بس کی بات تھی جو عقائد و تعلیماتِ اسلامی کے ساتھ ساتھ مذاہبِ باطلہ اور بالخصوص تاریخِ روافض اور ان کے عقائدِ نامرضیہ پر مکمل عبور رکھتے ہوں اور نہ صرف فنِ خطابت سے لیس ہوں بلکہ کج بحثیوں اور حجتوں کے برجستہ جواب کے لئے بلا کے حاضر دماغ بھی ہوں۔

حضرت جیؒ اگرچہ زمانہ طالب علمی میں یہ جوہر منوا چکے تھے لیکن اب یہ آپؒ کی حیاتِ طیبہ کا وہ دور تھا جب شب و روز عالمِ جذب وشوق میں گزر رہے تھے۔ یہ مکمل خودسپردگی وخودفراموشی کا زمانہ تھا۔ حضرت جیؒ کے الفاظ میں:

''ایک میں ہوں ایک میرا رب ہو' ہمارے درمیان کوئی دوسرا حائل نہ ہو۔''

لیکن یہ سکون دراصل ایک تلاطم کا پیش خیمہ تھا۔ لذتِ آشنائی کے اس پُرکیف دور میں حضرت جیؒ کی خلوتوں میں تلاطم برپا کرنے اور پھر اصلاحِ احوال کے لئے میدانِ عمل میں اترنے کا سبب دربارِ نبوی ﷺ سے ملنے والا ایک

پیغام بنا جو آپؒ کی زندگی کا اہم ترین موڑ تھا۔ ایک روز مراقبۂ سحر گاہی کے دوران حضرت جیؒ حسبِ معمول بارگاہِ رسالتِ مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو محسوس کیا کہ آپ ﷺ بغیر کسی کو براہِ راست مخاطب کئے ناصحانہ انداز میں فرما رہے تھے:

''دین کی بربادی اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ میرے صحابہ کو ہدفِ تنقید بنایا جا رہا ہے۔ اس کا دفاع کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود لوگ ذاتی نقصان کا سوچ کر خاموش تماشائی ہیں۔ سوچ لیں کل محشر میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟''

''دین کی یہ عمارت بنی بنائی آسمان سے نہیں اتری۔ اس کی تعمیر میں اینٹوں کی جگہ میرے صحابہ کی ہڈیاں اور گارے کی جگہ میرے صحابہ کا گوشت لگا ہے۔ پانی کی جگہ میرے صحابہ کا خون استعمال ہوا ہے۔''

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت جیؒ چونک گئے۔ آپؒ نے سمجھا کہ یہ پیغام میرے لئے ہے۔ اس کے بعد آپؒ عمر بھر آرام سے نہیں بیٹھے۔ خطابت سے' زورِ قلم سے' مالی وجانی وسائل کے ساتھ' ہر میدان اور ہر محاذ پر آپؒ نے روافض کا بھرپور مقابلہ کیا۔

یہ مناظروں کا دور تھا۔ پورا پورا گاؤں مناظرانہ جنگ کے نتیجہ میں اپنے عقائد سے تائب ہو جاتا اور کسی گولی یا لاٹھی کی ضرورت پیش نہ آتی۔ فریقین ایک ہی میدان میں آمنے سامنے بیٹھ کر مناظرہ سنتے۔ ایک دوسرے کو برداشت کرتے لیکن جو فریق میدان مار لیتا اس کی فتح پورے علاقے میں

اس کے برحق ہونے کی دلیل بن جاتی۔ ان حالات میں حضرت جیؒ نے مناظروں کی دنیا میں قدم رکھا اور پھر کچھ ہی عرصہ میں میانوالی سے لے کر ملتان‘ حیدر آباد‘ جہلم‘ حتیٰ کہ آزاد کشمیر تک روافض کے مقابلے میں اِحقاقِ حق کی دلیل بن گئے۔

اس بات کا تعین مشکل ہوگا کہ حضرت جیؒ کی زندگی میں یہ عہد ساز واقعہ کب پیش آیا۔ حالات وقرائن کے مطابق یہ 1950ء سے کچھ عرصہ قبل کا زمانہ ہوگا‘ البتہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مناظروں کے میدان میں 1955ء تک ”فاتح اعظم“ کا خطاب حضرت جیؒ کی پہچان بن چکا تھا۔

مناظرانہ دور

ذرائع ابلاغ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جدید ترین ابلاغِ عامہ کے موجودہ دور سے کچھ ہی عرصہ قبل کتب و رسائل اور اخبارات معلومات کا اہم ذریعہ تھے لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں یہ سہولت بھی عوامی سطح پر میسر نہ تھی۔ علماء کے ہاں قلمی نسخوں کا رواج تھا اور عوام الناس کے لئے علماء کے بصیرت افروز خطابات دین سے واقفیت کا معروف ذریعہ ہوا کرتے تھے۔ مذاہبِ باطلہ کے مقابل اِحقاقِ حق کے وہ جلسے' جن میں فریقِ مخالف کو بھی اپنا مؤقف پیش کرنے کا موقع دیا جاتا' مناظرے کہلاتے جو ایک طویل عرصہ تک عوامی سطح پر خاصے مقبول رہے۔

قادیانی فتنے کا ظہور ہوا تو اس کے مقابل حضرت مہر علی شاہؒ اور حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسی ہستیاں میدان میں اتریں۔ انہوں نے جلسوں اور مناظروں کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر شبخون مارنے والے اس باطل ٹولے کی خباثت اور بدنیتی سے متنبہ کیا اور کذاب مدعیٔ نبوت کو متعدد بار مباہلہ کے لئے للکارا۔ اسی طرح فتنۂ روافض کے خلاف مناظرے بھی اس دور کی ایک اہم دینی ضرورت تھے۔

حضرت جیؒ کی خطابت کے جوہر طالبعلمی کے زمانہ میں ہی تسلیم کئے

جا چکے تھے۔ سہل اندازِ خطابت، عام فہم دلائل مگر ایسا زورِ خطابت کہ اس کی کاٹ باطل کو دونیم کر دے۔ آپؒ نے ڈھیری سیّداں کے مقام پر نماز سے متعلق ایک فقہی مناظرے میں حصہ لیا جس کا موضوع تھا، قیام کے دوران ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کی فقہی حیثیت۔ یہ 1932ء کا واقعہ ہے جب آپؒ ڈلوال میں دورۂ حدیث کر رہے تھے۔ مدرسہ کے دوسرے طلبا کے ہمراہ آپؒ بھی ڈھیری سیّداں کے اس مناظرے میں تشریف لے گئے۔ دورانِ مناظرہ جب آپؒ نے دیکھا کہ اہلِ سنّت کے مقرر مولوی لال حسین شاہ (دھرمیال والے) لاجواب ہو گئے ہیں تو آپؒ اٹھ کھڑے ہوئے اور موضوع پر سیر حاصل دلائل دیئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت جیؒ کے جوہرِ خطابت، طرزِ استدلال اور وسعتِ علمی کا عوامی سطح پر اعتراف کیا گیا۔

قبل ازیں آپؒ کی غیرتِ ایمانی کا تذکرہ گزر چکا ہے جب دورانِ ملازمت داروغہ جیل کے سر پر وزنی چابیوں کا گچھا اس لئے دے مارا تھا کہ وہ قیدیوں کا راشن خرد برد کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ دینی تعلیم کے بعد اب اس غیرت وحمیت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ آپؒ نے اگرچہ مناظروں میں حصہ لینا شروع نہیں کیا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس جماعت کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہ تھے۔

حضرت جیؒ کا دورِ طالب علمی مکمل ہوا تو آپؒ نے اپنے ایک طالب علم ساتھی حبیب خان کی درخواست پر کچھ عرصہ کے لئے اس کے گاؤں چک 66 جنوبی، بھلوال ضلع سرگودھا میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپؒ کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں اور یہ آپؒ کی ازدواجی زندگی کا اوائل دور تھا۔ حضرت جیؒ نے ابھی تک میدانِ سلوک میں قدم نہیں رکھا تھا اور آپؒ کی پہچان محض ایک

تازہ فارغ التحصیل عالم کی تھی۔

چک 66 کی تمام آبادی اہلِ سنت افراد پر مشتمل تھی لیکن ایک گھرانہ اہلِ تشیع کا بھی تھا جو ہر سال مجلس کے لئے باہر سے ذاکر بلواتے۔ اہلِ سنت حضرات بھی اس مجلس میں شریک ہوتے اور نام نہاد رواداری میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف شیعہ ذاکرین کی دشنام طرازی برداشت کرتے۔ حضرت جیؒ کو مجلس کی اطلاع ملی تو آپؒ نے اسی وقت حبیب خان کو بلوا بھیجا۔ آنے میں تاخیر پر خود ہی اس کے ڈیرے کی طرف چل دیئے۔ آپؒ اس وقت انتہائی جلال میں تھے۔ راستے میں ملاقات ہوئی تو فرمایا:

''یہ ذاکر اپنی مجلسوں میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہر طرح کی خرافات بکتے ہیں جسے کوئی بھی غیرت مند گوارا نہیں کر سکتا۔ حبیب خان! میری موجودگی میں یہ مجلس ہرگز نہ ہوگی۔''

حضرت جیؒ کی سرکردگی میں حبیب خان اور کئی اہلِ دیہہ مجلس میں جا پہنچے۔ آپؒ لاٹھی اٹھائے ہوئے سب سے آگے تھے۔ یہ غیر متوقع صورت حال دیکھی تو باہر سے بلوائے گئے ذاکر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے۔ مجلس منعقد کرنے والے شخص نے حضرت جیؒ سے معافی مانگی اور آئندہ کے لئے وعدہ کیا کہ چک 66 کی بجائے وہ لوگ خود اہلِ تشیع کے ہاں جا کر مجلس سن لیا کریں گے۔ اس کے بعد دوبارہ اس گاؤں میں ہرگز کوئی مجلس منعقد نہ ہوئی۔ ہونا بھی یہی چاہیئے کہ اس قسم کی مجالس اپنی آبادی تک محدود رکھی جائیں اور ایک آدھ گھرانے کی موجودگی کو بنیاد بنا کر اکثریت کی دل آزاری سے اجتناب کیا جائے۔ دشنام طرازی بہرحال کسی صورت بھی درست نہیں۔

چک 66 جنوبی (سرگودھا) کا یہ واقعہ غالباً 1935ء کا ہے۔ حضرت جیؒ کا مناظرانہ دور اس کے قریباً پندرہ سال بعد شروع ہوا جب آپؒ کو مراقبہ فنا فی الرسول ﷺ میں عقائدِ رافضہ کی یلغار کے مقابل سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان ویقین کے تحفظ کا فریضہ سونپا گیا۔ آپؒ نے اگرچہ زندگی بھر اس نصب العین کو مقدم رکھا لیکن 1950ء سے 1960ء تک آپؒ کی مصروفیات میں مناظرانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔

1942ء میں اہلیہ کی وفات کے بعد حضرت جیؒ خانیوال کے چک 13 سے مستقل طور پر چکڑالہ منتقل ہو چکے تھے۔ چکڑالہ میں آپؒ کی مصروفیات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہاں کی چِٹّی مسجد آپؒ کی علمی سرگرمیوں اور درس وتدریس کا مرکز تھی۔ ایک روز آپؒ حسبِ معمول درس وتدریس میں مشغول تھے کہ چکڑالہ کا ایک شیعہ مبلّغ جعفر شاہ آن وارد ہوا۔ اس شخص کا یہ معمول تھا کہ ہر نئے مولوی کے سامنے مسئلہ باغِ فدک چھیڑ دیتا۔ یہ لوگ ان مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر جواب دینے سے قاصر رہتے اور جعفر شاہ کو بات بنانے اور تشہیر کا موقع مل جاتا۔ یہی حربہ اس نے حضرت جیؒ پر بھی آزمانے کی کوشش کی۔ باغِ فدک کا مسئلہ چھیڑتے ہوئے اس نے اپنے مذہب کی ایک ضخیم کتاب حضرت جیؒ کے سامنے رکھتے ہوئے مطالبہ کیا کہ آپؒ اس کی عبارت پڑھ کر اعتراض کا جواب دیں۔ ایران کی طبع شدہ قدیم عربی کتاب اور بغیر اعراب کے عبارت، حضرت جیؒ تو یقیناً پڑھ لیتے لیکن کم علم مولویوں کے لئے اس کا پڑھنا ممکن نہ تھا۔ یہی وہ کمزوری تھی جس کا فائدہ جعفر شاہ اٹھایا کرتا۔ آپؒ اس کی چال کو سمجھ گئے۔ آپؒ کو یہ بھی معلوم تھا کہ چکڑالہ کے اس ذاکر کے لئے اس عبارت کا پڑھنا ممکن نہ ہوگا، فرمایا:

"تم کیسے معترض ہو' اعتراض بھی میں ہی پڑھوں اور پھر جواب بھی میں ہی دوں؟ معترض کے لئے لازم ہے کہ وہ خود اعتراض پیش کرے' جواب میں دوں گا۔"

ایک دو بار تکرار ہوئی لیکن جعفر شاہ کے لئے عربی عبارت پڑھنا ممکن نہ تھا۔ حضرت جیؒ جلال میں آ گئے اور وہی کتاب اٹھا کر جعفر شاہ کے سر پر دے ماری۔ کتاب وزنی اور ضرب کاری تھی' مار کھا کر رفو چکر ہوا۔ چکڑالہ کے سخت گیر ماحول میں علم اور دلیل کے بغیر اعتراض کرنے والے کے لئے شاید اس سے بہتر جواب ممکن نہ تھا لیکن حضرت جیؒ نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ اہلِ تشیع کے مرکز میں جلسہ رکھ دیا۔ مسئلہ باغِ فدک کو عام فہم انداز میں شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا اور جعفر شاہ کے اعتراض کا جواب بھی دیا۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سرجال قبیلے کے اس جری زمیندار سے الجھ سکے جس کی بات میں وزن تھا اور زورِ بازو آزمایا ہوا۔ چکڑالہ اور اس کے گردونواح میں اس واقعہ کا خوب چرچا ہوا اور حضرت جیؒ کو ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بطور مناظر بھی علاقہ بھر میں پہچانا جانے لگا۔

اس سے قبل چکڑالہ میں کئی سال سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ محرم میں اہلِ سنت اور اہلِ تشیع مناظرانہ جلسے منعقد کرتے جن میں باہر سے مقررین بلائے جاتے۔ اہلِ سنت کی طرف سے اکثر محمود شاہ ہزاروی صاحب کو مدعو کیا جاتا تھا لیکن ایک مرتبہ فریقِ مخالف نے ان پر تشدد کیا جس کے بعد ہزاروی صاحب نے چکڑالہ آنا چھوڑ دیا۔ اہلِ تشیع کے جلسے البتہ اسی طرح جاری رہے جن میں لکھنؤ تک سے ذاکرین بلائے جاتے۔ حضرت جیؒ چکڑالہ آئے تو اہلِ تشیع کی جانب سے حسبِ سابق باہر سے کسی مقرر کو بلوایا گیا جس نے

میدان خالی سمجھتے ہوئے اہلِ سنت پر خوب اعتراضات کیئے۔اس کی بدقسمتی کہ اس روز حضرت جیؒ چکڑالہ میں تشریف رکھتے تھےاور جعفرشاہ والا واقعہ بھی کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا تھا۔اگلی نشست ہوئی تو حضرت جیؒ مجمع میں تشریف لے گئے۔ساتھ کتابیں بھی تھیں جوقریبی چارپائی پر حوالہ جات کی نشاندہی کے لئے رکھ دی گئیں۔اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؒ کھڑے ہو گئے اور مقرر کے اعتراض کا جواب دینے لگے۔اس نے حضرت جیؒ کے پیش کردہ حوالے کی صحت سے انکار کیا تو آپؒ نے متعلقہ حوالہ نکالا اور کتاب مقرر کے سامنے رکھ دی۔عبارت پڑھنے کے باوجود اس نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا:

''مولوی صاحب نے جو حوالہ دیا ہے' کتاب میں تو وہ کہیں موجود نہیں۔''

دن دہاڑے مقرر کی اس دیدہ دلیری نے حضرت جیؒ کو حیران کر دیا۔کتاب واپس لی اور اچانک اس کی گردن پر دے ماری۔وار کاری اور غیر متوقع تھا' گھبراہٹ میں نیچے گرا تو آپؒ نے لاتوں اور گھونسوں کی بارش برسا دی۔اس کے حمایتی اٹھنے لگے تو حضرت جیؒ کے ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔سلطان سرخرو نے' جس کا ذکر پہلے گزر چکا' مجمع کو للکارا۔''خبردار!اوپر اٹھنے والا سر گولی کا نشانہ بنے گا۔'' سرجال قبیلہ بھی ساتھ تھا جو اگرچہ دین میں حضرت جیؒ کی اتباع تو نہ کر سکا تھا لیکن قبائلی غیرت اور حمیت میں پیش پیش تھا۔ان حالات میں کسی کو مقابل آنے کی ہمت نہ ہوئی۔آپؒ واپس لوٹے اور ساتھ ہی اہلِ چکڑالہ کو یہ سبق دے آئے کہ اس مردِ جری سے دلیل کی زبان میں تو بات کی جا سکتی ہے لیکن یاوہ گوئی اور بیہودگی برداشت نہیں کی جائے گی۔

اس کے بعد علاقہ بھر میں جہاں کہیں مناظرہ ہوتا' حضرت جیؒ کو مدعو کیا جاتا۔ جاہل ذاکر آپؒ کے نام سے ہی خوفزدہ تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ آپؒ کے سامنے علمی دلائل کے بغیر بات نہ بن سکے گی اور جہاں کسی نے من گھڑت حجتوں کا سہارا لینے کی کوشش کی تو اس نوجوان زمیندار کے جارحانہ وار کے سامنے ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا۔ چنانچہ روایتی ذاکر اور مناظر حضرت جیؒ کا نام سنتے ہی میدان سے بھاگ جاتے۔

شیعہ مناظر بالعموم علمی دلائل کی بجائے ایسے اعتراض کرتے جن کا جواب علماء کے لئے مشکل ہوتا۔ علماء اگر علمی مباحث کا سہارا لیتے تو یہ طرزِ استدلال دیہاتی سامعین کی سمجھ سے بالاتر ہوتا۔ دوسری طرف شیعہ مناظر نوک جھونک اور چبھتے ہوئے سوالات کے ذریعے انہیں خوب زچ کرتے۔ حضرت جیؒ کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ آپؒ معترض کے اعتراض کو جارحانہ انداز میں اسی پر لوٹا دیتے اور اس طرح یہ لوگ اپنے ہتھیار سے خود ہی شکار ہو جاتے۔

حضرت جیؒ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باہمی محبت اور قرابت داری بیان فرما رہے تھے۔ اس ضمن میں آپؒ نے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی کا تذکرہ کیا تو مقابل نے کہا:

''بات قرآن و حدیث کی کریں۔''

آپؒ نے فرمایا:

''قرآن وحدیث کی ہی بات کر رہا ہوں۔''

اس نے کہا:

''یہ شادی قرآن سے ثابت کریں۔''

آپؒ نے فرمایا۔

''بالکل۔''

وہ بولا:

''میں قرآن لا رہا ہوں آپ کو حوالہ دینا ہوگا۔''

آپؒ نے فرمایا:

''لے آؤ قرآن۔''

قرآن لایا تو آپؒ نے کہا:

''خود ہی کھولو میں آیت بتاتا ہوں۔''

اس نے پوچھا' کون سی سورۃ؟ تو فرمایا:

''جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کا ذکر ہے' اس سے اگلی آیت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کا بیان ہے۔''

اس طرح حضرت جیؒ نے فریقِ مخالف کے وار کو اسی پر لوٹا دیا۔ بات جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی باہمی محبت اور قرابت داری کی ہو رہی تھی تو اس موقع پر اس کج بحثی کا جواب اس جارحانہ رنگ میں ہی دیا جا سکتا تھا۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جیؒ فرمایا کرتے:

''اگر میں یہ کہتا کہ کیا قرآن کوئی نکاح رجسٹر ہے جس میں شادیوں کا ذکر ہو تو سامعین' جن کی اکثریت سیدھے سادھے دیہاتی لوگوں پر مشتمل تھی' خیال کرتے کہ مولانا اللہ یار خان تو قرآن سے ثابت نہیں کر سکے۔ لہٰذا میں نے

فیصلہ کیا کہ کہہ دوں' ہاں قرآن میں موجود ہے۔''

حضرت جیؒ نے کچھ یہی حشر بشیر نامی مناظر کا بھی کیا۔ پاکستان بننے سے پہلے ٹمن (تلہ گنگ) میں ایک مناظرہ ہوا' جس کا موضوع تو خالص علمی نوعیت کا تھا' رفع یدین اور نماز میں ہاتھ باندھنے کی شرعی حیثیت' لیکن بشیر مناظر نے علمی دلائل کی بجائے روایتی ڈھکوسلوں سے کام لیا۔ حضرت جیؒ کے جارحانہ سوالات شروع ہوئے تو لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اس پر مقامی زمینداروں نے اس کی خوب گت بنائی اور بے نیل ومرام رخصت کیا۔ اس تلخ تجربے کے بعد وہ آپؒ کا نام سن کر ہی راہِ فرار اختیار کر لیتا۔

ایک طویل مدت کے بعد اسے تحصیل فتح جنگ میں مصریال کے علاقے میں بلایا گیا تو وہاں کے لوگ حضرت جیؒ کے پاس چلے آئے۔ آپؒ اگرچہ اس زمانے میں مناظرے چھوڑ چکے تھے لیکن بشیر مناظر کو پتہ چل گیا کہ حضرت جیؒ سے رابطہ کیا گیا ہے۔ سالوں پرانی تلخ یادیں اس کے ذہن پر حاوی تھیں۔ وہ تلہ گنگ تک تو آیا مگر یہ بتا کر واپس چلا گیا کہ گھر میں بیماری ہے اس لئے مناظرہ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ خفّت چھپانے کے لئے یہ بھی کہلا بھیجا کہ تلہ گنگ تک اس لئے آیا ہوں تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت جیؒ کی وجہ سے بھاگ گیا ہے۔

1950ء تک شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) بہت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ یہ شخص کچھ عرصہ دیوبند میں پڑھتا رہا' بلا کا شاطر اور حاضر جواب تھا جس کی وجہ سے اکثر علماء اس کے مقابل آنے سے کتراتے۔ مناظروں کے میدان میں حضرت جیؒ کی شہرت ہوئی تو مولوی اسماعیل کے مقابلے میں اکثر آپؒ ہی کو مدعو کیا جانے لگا۔ آپؒ نے بھی اسے اپنا فرض سمجھا کہ اس شخص کا طلسم توڑنے کے لئے ہر ایسے مناظرے میں خود حصہ لیں

جس میں مولوی اسماعیل کو بلایا گیا ہو۔ چند مناظروں میں مولوی اسماعیل کے ساتھ بھی جب بشیر مناظر والا معاملہ پیش آیا تو وہ بھی آپؒ کے مقابل آنے سے کترانے لگا‘ خاص طور پر مناظرہ بلکسر کے بعد جو 1955ء میں ہوا۔ اس مناظرے کا اہتمام صحنِ مسجد میں کیا گیا تھا جہاں دونوں فریق ایک ساتھ موجود تھے۔ مولوی اسماعیل کی تقریر کے جواب میں حضرت جیؒ نے خطاب شروع کیا تو کچھ دیر بعد آپؒ پر جلال کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آواز میں وہ کڑک اور دبدبہ تھا کہ اچانک مولوی اسماعیل کی حالت غیر ہوئی اور جوابی تقریر کئے بغیر اسے فوراً وہاں سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد وہ کسی مناظرہ میں آپؒ کے مقابل نہ آیا۔ اکثر کہا کرتا‘ مولوی صاحب کے مقابلے میں تقریر تو کرلوں لیکن ان کی روحانی قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

بعض اوقات اہلِ دیہہ کے سامنے حق و باطل کا فرق واضح کرنے کے لئے اہلِ سنت خود مناظروں کا اہتمام کرتے اور اپنے خرچ پر شیعہ مناظرین کو مدعو کرتے۔ اسی طرح کے ایک مناظرے کے لئے مخدوم صدر الدین نے کوٹ میانہ میں مولوی اسماعیل کو مدعو کیا۔ حضرت جیؒ ان دنوں معمول کے مطابق لنگر مخدوم آئے ہوئے تھے لیکن اس علاقہ میں ابھی تک آپ کی مناظرانہ شہرت نہیں پہنچی تھی۔ مخدوم صاحب نے حضرت جیؒ سے درخواست کی کہ مولوی اسماعیل چونکہ مشہور شیعہ مناظر ہے‘ اس کے مقابلے کے لئے کسی بڑے عالم اور چوٹی کے مناظر کا پتہ دیں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا‘ آپ تاریخ مقرر کریں بندوبست ہو جائے گا۔ مخدوم صاحب کے مسلسل اصرار پر آپؒ کی زبان سے نکل گیا:

’’اگر وہ مناظر میں ہی بن جاؤں تو!‘‘

یہ سن کر مخدوم صاحب کو حیرت تو ہوئی لیکن اعلان کر دیا کہ کوٹ میانہ

میں فلاں تاریخ کو مولوی اسماعیل شیعہ مناظر اور حضرت جیؒ کے مابین مناظرہ ہوگا۔ لوگ دور دور سے آئے لیکن مولوی اسماعیل آپؒ کا نام سننے کے بعد مقابل آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس طرح مناظرہ تو نہ ہو سکا البتہ حضرت جیؒ نے معمول کے مطابق خطاب فرمایا۔ اگر کسی وجہ سے مناظرہ نہ ہوتا تو آپؒ اصلاحی موضوعات پر خطاب فرماتے اور مدحِ صحابہؓ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہر تقریر کا جزوِ لازم ہوتی۔ کوٹ میانہ میں اس کے بعد کسی مناظرہ کی ضرورت نہ رہی کیونکہ اس علاقے میں لوگوں کے سامنے مولوی اسماعیل کے فرار کے بعد جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ کی صورت میں سچائی واضح ہو چکی تھی۔

اس کے بعد کئی بار ایسا ہوا کہ مولوی اسماعیل کو بھگانے کے لئے حضرت جیؒ کی آمد کا اعلان کر دیا جاتا اور مناظرے کے بغیر ہی میدان صاف ہو جاتا۔ ایسا بھی ہوا کہ مولوی اسماعیل کسی جگہ مناظرے کے لئے پہنچا لیکن جب معلوم ہوا کہ مدِ مقابل حضرت جیؒ ہیں تو وہاں سے کھسک گیا۔

کلر کہار کے نزدیک کھنڈوے کے مقام پر اس شخص کو مدعو کیا گیا تو مقامی لوگ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے آپؒ چکڑالہ سے کلر کہار پہنچے تو رات ہوگئی۔ رات یہیں قیام فرمایا اور علی الصبح کھنڈوے پہنچ گئے۔ مولوی اسماعیل کو اطلاع ہوئی تو بیٹی کی بیماری کا بہانہ بنا کر رفو چکر ہوگیا۔ مناظرہ تو نہ ہو سکا لیکن حضرت جیؒ نے حسبِ معمول اصلاحی تقریر فرمائی۔ مولوی اسماعیل کے ساتھ حضرت جیؒ کا ایک اور مناظرہ حشمت مرالی ضلع ملتان میں بھی ہوا لیکن اس کی تفصیل حاصل نہیں ہو سکی۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ مناظرہ کے لئے سندھ گئے۔ آپؒ کی ہدایت

تھی کہ مولوی اسماعیل کو یہ ہرگز نہ بتایا جائے کہ اس کے مقابل کون آ رہا ہے۔
سٹیشن پر آمنا سامنا ہوا تو حضرت جیؒ اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور فرمایا:

''تم تو عالم ہو' تمہیں تو پتہ ہے کہ حقیقتِ حال کیا ہے' پھر اپنی آخرت کیوں برباد کرتے ہو؟''

اس نے جواب میں کہا:

''مولوی جی! آپ کو بھی خوب معلوم ہے کہ اہلِ سنت کیا دیتے ہیں' یہاں تو ہر طرح سے خاطر مدارات ہوتی ہے۔''

حضرت جیؒ فرمایا کرتے' اس جواب سے میں نے سمجھ لیا کہ اس کی اصلاح ممکن نہیں۔ مولوی اسماعیل نے کئی مرتبہ یہ اعتراف بھی کیا کہ وہ حضرت جیؒ سے صرف اس لئے شکست کھا جاتا ہے کہ آپؒ ایک صوفی ہیں۔

ایک مرتبہ بہاولپور ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر مولوی اسماعیل' حضرت جیؒ کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ یہاں مجالس کروانے کے بعد واپس جانے کے لئے گاڑی کا انتظار کر رہا تھا کہ حضرت جیؒ کی نظر پڑ گئی۔ آپؒ نے اس کے عقب میں جا کر دونوں ہاتھ سے 'چولا' (لمبا کرتا) کمر سے اوپر اٹھا دیا۔ مولوی اسماعیل یکدم بدک اٹھا۔ مڑ کر حضرت جیؒ کو دیکھا تو حیرت سے پوچھا' آپؒ نے سرِ عام یہ کیا حرکت کی ہے؟

حضرت جیؒ نے جوابدیا:

''تم نے تو ماتم کرا کرا کے لوگوں کی کمریں زخمی کروا دیں۔ میں دیکھ رہا تھا' کوئی نشان تمہاری کمر پر بھی ہے۔''

مناظروں کی دنیا میں حضرت جیؒ نے مراقبۂ فنا فی الرسول ﷺ میں

ملنے والے ایک اشارے کے تحت قدم رکھا تھا۔ اپنے اس فرض منصبی کی انجام دہی میں آپؒ نے جس طرح مشقتیں اٹھائیں' اس ضمن میں آپؒ کے مناظرانہ دور کے شروع کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت جیؒ کو تلہ گنگ خوشاب روڈ پر واقع مشہور قصبہ جھاٹلہ میں مدعو کیا گیا۔ مناظروں میں حوالہ جات کے لئے کتابوں کی ضرورت بھی ہوا کرتی تھی۔ چکڑالہ سے روانہ ہوئے تو آپؒ کے ہمراہ ضخیم کتابوں سے بھرا ہوا ایک وزنی صندوق الگ سے تھا۔ جھاٹلہ پہنچنے پر بس سے اترے' دو آدمیوں کی مدد سے بھاری صندوق سر پر اٹھایا اور گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وضع قطع سے آپؒ کوئی عالم نہیں' بلکہ ایک عام دیہاتی نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں دربارِ نبوی ﷺ کے ملازم تھے' ڈیوٹی پر مامور' جو ادائیگیٔ فرض کے دوران اپنا وزن خود اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ استقبال کرنے والوں کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ یہی ہیں حضرت مولانا اللہ یار خانؒ ' جن کے لئے پورا گاؤں کئی روز سے چشم براہ تھا۔

مناظرانہ دور کے آخری سالوں میں حضرت جیؒ کے ساتھ اکثر حضرت امیر المکرّم شریکِ سفر ہوا کرتے اور آپؒ کی حفاظت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے۔ مناظرہ کلووال سرگودھا کے اختتام پر حضرت جیؒ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا جس کے بعد حالات بدل چکے تھے۔ اب حضرت جیؒ خود بھی سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق مسلح سفر کیا کرتے اور 32 بور کا ریوالور ساتھ رکھتے۔

1961ء میں حضرت جیؒ تحصیل چکوال میں ایک غریب شخص کی دعوت پر جلسہ کے لئے گئے تو حضرت امیر المکرّم بھی آپؒ کے ساتھ تھے۔ جلسہ تین دن تک جاری رہا۔ حضرت جیؒ روزانہ بیان فرماتے اور باقی وقت ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ غریب دیہاتی حضرت جیؒ کے قیام کا ٹھیک

سے انتظام بھی نہ کر سکا۔ آپؒ کے لئے ایک کھردری چارپائی پر دری اور تکیہ تھا تو حضرت امیر المکرّم کے لئے فرشِ خاکی۔ چوتھے روز وہاں سے روانہ ہوئے لیکن کسی نے زادِ راہ کا نہ پوچھا۔ جب بس میں سوار ہونے لگے تو ایک دیہاتی نے دس دس روپے کے دو نوٹ حضرت امیر المکرّم کو تھما دیئے جس سے بمشکل کرایہ پورا ہوتا۔ حضرت امیر المکرّم کے چہرے کے تأثرات کچھ زیادہ خوشگوار نہ تھے جنہیں دیکھ کر حضرت جیؒ نے فرمایا' کیا بات ہے؟

حضرت امیر المکرّم نے عرض کیا:

''حضرت یہ انہوں نے بیس روپے دیئے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''شکر کرو! انہوں نے کرایہ تو دے دیا ورنہ ہم تو اللہ کی رضا کے لئے کام کر رہے ہیں' روپیہ ہمارا مقصد نہیں۔ اگر وہ یہ بھی نہ دیں تو کرایہ جیب سے خرچ کر کے دین کا کام تو کرنا ہے۔''

حضرت جیؒ کے دس سالہ مناظرانہ دور میں ان گنت مناظرے ہوئے۔ اس دوران آپ گاؤں گاؤں' قریہ قریہ' اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر' حتیٰ کہ ذکر و فکر کی پُر کیف ساعتوں کو خیر باد کہتے ہوئے اس فرضِ منصبی کی بجا آوری کے لئے پہنچتے۔ ایک طرف کھنڈوے اور کوٹ میانہ جیسے چھوٹے چھوٹے دیہات تھے تو دوسری طرف ملتان' جہلم اور کئی دوسرے بڑے شہر۔ اپنے وسائل پر سندھ اور کشمیر تک کا طویل سفر کیا۔ اسی دور میں حضرت جیؒ نے سیّد احمد شاہ بخاریؒ چوکیروی' مولانا عبد الستار تونسوی اور مولانا عنایت اللہ گجراتی کے ہمراہ پنن وال ضلع جہلم کا بھی دورہ کیا اور 24 تا 26 جنوری 1957ء کے تین روزہ اجلاس میں مختلف موضوعات پر خطاب فرمایا۔

حضرت جیؒ جہاں بھی گئے‘ مدِمقابل مولوی اسماعیل ہوتا یا لکھنؤ اور دور دور سے بلائے گئے چوٹی کے مناظر‘ میدان ہمیشہ آپؒ کے ہاتھ رہا۔ اس فتحِ مسلسل کے باعث تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت جیؒ عوامی سطح پر فاتح اعظم کے خطاب سے انتہائی مقبول ہو چکے تھے۔ آپؒ کی آمد پر ”فاتح اعظم“ کے فلک شگاف نعروں سے پنڈال گونج اٹھتا اور مناظرہ ختم ہونے پر یہی نعرے آپؒ کی فتح کا اعلان بھی ہوا کرتے تھے۔ 1956ء میں اہلِ سنت کے پندرہ روزہ ترجمان ’’الفاروق‘‘ کا اجراء ہوا تو اس رسالہ کے سرِورق پر حضرت جیؒ کے نام کے ساتھ ’’فاتح اعظم‘‘ کا خطاب بھی ہوتا۔

الفاروق

حضرت جیؒ مختلف مذاہب کی ماخذ کتب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے رسائل کا بھی مطالعہ فرماتے۔ لکھنؤ سے حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد عبدالشکور فاروقی کی زیرِسرپرستی رسالہ ’النجم‘ کا اجراء ہوا تو آپؒ باقاعدگی سے یہ رسالہ منگوایا کرتے۔ اسی دور میں شیعہ مناظر مولوی اسماعیل جب مناظروں میں حضرت جیؒ اور سیّد احمد شاہ بخاریؒ سے زچ ہونے لگا تو اس نے گوجرہ سے ’’صداقت‘‘ کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں حقائق و دلائل کو توڑ مروڑ کران مناظروں کی غلط رُوداد پیش کی جاتی۔ اس کے تدارک کے لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ’’النجم‘‘ کی طرز پر اہلِ سنت کا بھی ایک ترجمان رسالہ ہو۔ پیر سیّد احمد شاہ بخاریؒ کی زیرِادارت دارالھدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا سے یکم نومبر 1956ء کو پندرہ روزہ ”الفاروق“ کا اجراء ہوا تو اس کی مجلسِ عاملہ نے حضرت جیؒ سے معاونت کی درخواست کی جو آپؒ نے قبول فرمائی اور ’’الفاروق‘‘ کے پہلے شمارے سے لے کر 15 جولائی 1960ء کے

آخری شمارے تک مسلسل مدیرِ معاون کے فرائض سرانجام دیئے۔

''الفاروق'' کے اجراء سے قبل حضرت جیؒ کی تصانیف' ایمان بالقرآن' ایجاد مذہب شیعہ' شکست اعدائے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور داماد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شائع ہوچکی تھیں۔''الفاروق'' کی ادارت سے منسلک ہونے کے بعد آپؒ کے بیش قیمت علمی مضامین اس رسالے کی زینت بنے۔طوالت کی بنا پر بعض مضامین قسط وار بھی شائع ہوئے اور بعد میں اضافہ وترامیم کے ساتھ الگ کتب کی صورت طبع ہوئے یا آپؒ کی تصانیف ''الدّین الخالص'' اور ''تہذیر المسلمین'' وغیرہ کا حصہ بنے۔رسالہ ''صداقت'' میں، شائع ہونے والے قابلِ گرفت مضامین پر تبصرہ بھی آپؒ ہی فرمایا کرتے۔''الفاروق'' میں آپؒ کے مضامین' مسئلہ امامت' اعتقاداتِ شیعہ (قسط وار)' نصِ شوریٰ (قسط وار)' الجمال والکمال (قسط وار)' ماہِ محرم اور مسلمان اور قارئین کے سوالات کے جوابات بیش قیمت علمی خزانہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ 24 مارچ 1957ء کو آپؒ نے دومیل ضلع کیمل پور (اٹک) میں خلافت کے موضوع پر ایک معرکتہ الآرا تقریر فرمائی جو ''الفاروق'' میں شائع ہوئی۔مولوی اسماعیل گوجروی نے جب اپنی کتاب ''براہینِ ماتم'' کو علمائے اہل سنت کے نام ایک کھلی چٹھی کی صورت بطور چیلنج پیش کیا تو اس کے جواب میں حضرت جیؒ نے ''حرمتِ ماتم'' تحریر فرمائی جو کتابی صورت کے علاوہ ''الفاروق'' میں بھی شائع ہوئی۔

علمائے اہلِ سنت جوق در جوق رسالہ ''الفاروق'' کی سرپرستی قبول فرماتے اور ان کے ناموں کی طویل فہرست ''الفاروق'' کے شماروں میں اکثر دیکھنے میں آتی۔اپریل 1957ء میں مفتی غلام صمدانی نے بھی 35 علماء کے

ساتھ رسالہ "الفاروق" کی سرپرستی قبول کی۔ حضرت جیؒ سے ان کا یہ ابتدائی تعلق تھا جس کے نتیجے میں کچھ عرصہ بعد وہ آپؒ کے حلقۂ ارادت میں بھی شامل ہوئے۔ ''الفاروق'' کی ادارت کے دوران حضرت جیؒ مسلسل چند ماہ دارالھدیٰ چوکیرہ میں قیام فرماتے اور کئی شماروں کو ترتیب دے کر واپس چکڑالہ آجاتے۔ 15 مارچ 1957ء کے شمارہ میں حضرت جیؒ نے چیلنج کیا کہ ایمان بالقرآن، کتبِ شیعہ سے ثابت کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی آپؒ کی طرف سے یہ اعلان بھی شائع ہوا:

> ''مولوی اللہ یار خان چکڑالوی نے یہ بھی اعلان کیا ہے۔ قرآنِ کریم کا محفوظ ہونا بغیر تغیر تبدل، کمی زیادتی، تحریفِ لفظی، کتبِ شیعہ سے تواتر سے ثابت نہیں ہوتا۔ تواترِ طبقاتی تو بڑی دور کی بات ہے، اگر تمام علماءِ روافض مل کر تواتر طبقاتی سے قرآن کا محفوظ ہونا ثابت کر دیں تو جو انعام مانگیں گے ہم دیں گے اور اسی وقت تبدیلیٔ مذہب کا اعلان کر دیں گے''۔

اگست 1957ء کے شمارے میں حضرت جیؒ کا معرکۃ الآرا مضمون "داعیانِ حسین و قاتلانِ حسینؓ کی خانہ تلاشی" شائع ہوا۔ اس وقت تو اس مضمون پر کوئی ردِّ عمل نہ ہوا کیونکہ حضرت جیؒ نے تاریخی حقائق بیان فرمائے تھے لیکن تین سال بعد اسی مضمون کو بنیاد بناتے ہوئے گورنر پنجاب کے حکم سے "الفاروق" بند کر دیا گیا۔ اس دور کی یاد تازہ کرنے کے لئے سرِورق کا عکس پیش کیا جاتا ہے جس پر حضرت جیؒ کا نام آپؒ کے عوامی خطاب ''فاتح اعظم'' کے ساتھ بطور مدیر معاون نظر آتا ہے۔

وکفیٰ باللہ شہیدا ۝ محمد رسول اللہ ۝ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ۝

اور اللہ کافی ہے گواہ، محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں آپس میں مہربان ہیں

(سورۂ فتح)

زیر سرپرستی

مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ سرگودھا

اہل السنت والجماعت کا مذہبی تبلیغی دفاعی تعلیمی اخلاقی پندرہ روزہ

الفاروق

ہر انگریزی ماہ کی یکم اور پندرہ کو پابندی وقت سے شائع ہوتا ہے

مدیر مسئول

احمد شاہ بخاری

معاون مدیر

فاتح اعظم مولانا اللہ یار خان صاحب میانوالی

یکے از مطبوعات شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ سرگودھا

مغربی پاکستان

فنِ مناظرہ میں علماء کی تربیت

مناظروں کے ابتدائی دور میں مقامی علماء کے ہاں ادیانِ باطلہ کے بارے میں کماحقہٗ معلومات کا فقدان تھا۔ ایک فریق لکھنؤ جیسے دور دراز شہروں سے ذاکرین کو مدعو کرتا تو ان کے مقابل مقامی لوگ اپنی بساط کے مطابق ایسے علماء کو مدعو کر لیتے جو ادیانِ باطلہ سے ناواقفیت کی بناء پر اِحقاقِ حق کی ذمہ داری ادا نہ کر پاتے۔ مقامی علماء کی اس کمزوری کے پیشِ نظر حضرت جیؒ نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود فنِ مناظرہ میں علماء کی تربیت کو مقدم سمجھا۔ سفر و حضر میں آپؒ جہاں بھی ہوتے اس فن کے متلاشی آپؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ گھنٹوں بھر گفتگو جاری رہتی اور علماء نادر حوالوں اور دلائل کو اپنی بیاضوں میں محفوظ کرتے چلے جاتے۔

1950ء کے عشرہ میں حضرت جیؒ کا کئی سال معمول رہا کہ آپؒ ماہِ صیام کے دوران راولپنڈی کے مدرسہ تعلیم القرآن میں تشریف لاتے جہاں روافض اور قادیانیت کے بارے میں علماء کرام اور طلباء کی تربیت فرماتے۔ آپؒ کے ان تلامذہ میں مشہور دینی سکالر ڈاکٹر خالد علوی بھی شامل ہیں۔

1956ء میں "الفاروق" کے اجراء کے بعد مناظرانہ سرگرمیوں کو اجتماعی سطح پر استوار کرنے کا موقع ملا جس کے بعد مناظروں میں علماء بالعموم وفد کی صورت شریک ہوتے۔ حضرت جیؒ اور پیر سیّد احمد شاہ بخاریؒ مدیر "الفاروق" ایسے وفود کے روحِ رواں ہوا کرتے۔ 1957ء تک ملک کے مختلف گوشوں سے مناظروں اور جلسوں کے دعوت ناموں میں خاصہ اضافہ ہو چکا تھا لیکن کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جو یہ روز افزوں ضرورت پوری کر سکتا۔ جولائی 1957ء میں پیر سیّد احمد شاہ بخاریؒ مدیر "الفاروق" کی زیرِ سرپرستی چوکیرہ

(ضلع سرگودھا) میں دارالمبلغین کا قیام عمل میں آیا تو اس ادارے کے ذریعے فنِ مناظرہ میں علماء کی باقاعدہ تربیت کا اہتمام کیا گیا اور یہی ادارہ ملک بھر کے لئے مبلغین کی فراہمی کا بندوبست کرتا۔ حضرت جیؒ کا اس ادارے کی تشکیل اور انتظام و انصرام میں انتہائی فعال کردار تھا۔ جن دنوں یہاں تربیتی پروگرام منعقد ہوتے' آپؒ چوکیرہ میں طویل عرصہ قیام فرماتے اور مبلغین کو فنِ مناظرہ کی تعلیم دیتے۔ دارالمبلغین میں تربیتی پروگراموں کے علاوہ چکڑالہ میں بھی علماء کی تربیت کا سلسلہ بدستور جاری رہتا۔ اگرچہ آپؒ کے محدود وسائل علماء حضرات کے قیام و طعام کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے لیکن اس کے باوجود چکڑالہ میں علماء کی آمدورفت ایک مستقل معمول تھی۔

1960ء کے بعد حضرت جیؒ مناظروں میں خود شرکت کی بجائے مناظر حضرات کی رہنمائی اور تربیت فرمایا کرتے۔ یہ حضرات مناظروں میں حصہ لینے سے قبل آپؒ کی خدمت میں چکڑالہ حاضر ہوتے اور موضوع کے مطابق آپؒ سے دلائل اور حوالہ جات کے سلسلہ میں رہنمائی حاصل کرتے۔ حوالہ جات بالعموم قدیم شیعہ کتب سے ماخوذ ہوتے جو عام کتب خانوں میں دستیاب نہ تھیں۔ حضرت جیؒ کا کتب خانہ چونکہ قدیم شیعہ ماخذ کے لئے شہرت رکھتا تھا' علماء اور مناظر اُن کتب سے استفادہ کے لئے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ساتھ ہی اپنے علمی اِشکال بھی دور کرتے۔

1976ء کے ایک مکتوب میں آپؒ نے چکڑالہ میں ان مصروفیات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا:

''اب صرف قرآنِ کریم کی تفسیر اور ترجمہ شروع کرایا ہے۔ شیعہ کے خلاف دلائل بیان کرتا ہوں۔ مرزائیوں

سے زیادہ شیعہ کی خاطر باہر سے بھی مولوی صاحبان آئے ہیں مناظرہ کی تعلیم کے لئے۔''

یہ سلسلہ حضرت جیؒ کی حیاتِ طیّبہ کے آخر تک جاری رہا۔ 1980ء کے ایک مکتوب میں آپؒ نے تحریر فرمایا:

''درس وتدریس کے لئے راولپنڈی کے تمام علماء جن کا بندہ سے ذرہ بھر بھی تعلق تھا' وہ وفد کی شکل میں آئے کہ شعبان میں ہم کو وقت دو۔ تحریفِ قرآن کا مسئلہ' مذہب شیعہ کے عقیدے مناظرانہ شکل میں بتائیں۔ میں نے عرض کیا کہ اب نہ میرا دماغ کام کرتا ہے اور نہ آنکھیں' نہ حافظہ ہے اور مولویوں کو صرف دو وعظوں کی ضرورت ہے۔ میں کسی کو مناظرہ کی تعلیم نہیں دوں گا۔ تمام نے یک زبان وعدہ کیا کہ 80 عالم وفقیہ طلبا پیش کریں گے۔ قیام جماعت کے پاس کروں گا رات کو' دن کو مخصوص ومحدود وقت دوں گا علماء کو۔ مولانا نذیر احمد صاحب مناظر شیعہ بھی ہمراہ ہوگا۔ جو بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ غالباً مولانا محمد فاتح اور پروفیسر عبدالرزاق بھی ہمراہ ہوں گے۔''

علماء کی اس تربیت کا اہتمام مولانا ریاض احمد اشرفی مرحوم نے فرمایا تھا جو روزنامہ جنگ میں مستقل کالم کی صورت میں دینی مسائل کے جوابات دیا کرتے تھے۔

مشہور مناظر مولانا عبدالستار تونسوی اور مولانا نذیر احمد مخدوم بھی حضرت جیؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ 1981ء میں احبابِ سلسلہ کی درخواست

پر مولانا تونسوی مدظلّہ العالی ملتان کی ایک محفلِ ذکر میں شریک ہوئے تو نہایت فخر سے بتایا:

''صرف تم ہی اپنے آپ کو ان کا شاگرد نہ سمجھو' ہم نے بھی مناظرے کی الف بے ان سے سیکھی ہے۔''

مولانا نذیر احمد مخدوم نے حضرت جیؒ کے زیرِ تربیت رہتے ہوئے چکوال اور علی پور چٹھہ کے مقام پر شیعہ مناظر خادم بخاری' تاج الدّین حیدری اور اسماعیل گوجروی کے مقابل مختلف مناظروں میں حصہ لیا۔ مناظروں میں انہیں جن اعتراضات کا سامنا کرنا پڑتا' حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپؒ عصر سے مغرب تک مولانا مخدوم کے ساتھ خصوصی نشست فرماتے' ہر سوال کا جواب مع حوالہ جات بغیر کتاب دیکھے بیان فرماتے چلے جاتے' گویا علم وفضل کا ایک بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مارتا ہوا فیوض و برکات بکھیر رہا ہو۔ ایسی ہی ایک محفل میں مخدوم صاحب نے حضرت جیؒ سے سوال کیا:

''بخاری شریف اور صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے وصال سے قبل حالتِ مرض میں فرمایا تھا:

فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّ اَبَابَکْرٍ رَّجُلٌ رَقِیْقُ الْقَلْبِ اِذَا قَامَ مَقَامَکَ لَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ وَاَعَادَ فَاَعَادُوْا لَهٗ فَاَعَادَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اِنَّکُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَخَرَجَ اَبُوْبَکْرٍ یُّصَلِّیْ. اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

آپ ﷺ نے حکم دیا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں‘ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دل کے نرم ہیں وہ جب آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رنج کے مارے رو دیں گے‘ لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی حکم دیا‘ پھر وہی عرض کیا گیا۔ پھر تیسری بار آپ ﷺ نے وہی حکم دیا اور (اپنی بیبیوں سے) فرمایا تم تو یوسف علیہ السلام پیغمبر کے ساتھ والیاں ہو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آخر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھانے کے لئے نکلے۔

اس حدیث کی شرح میں مفسرِین کرام نے تشبیہ کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں‘ آپ فرمائیں کہ ازواجِ مطہرات کی جو تشبیہ مصر کی عورتوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟‘‘

حضرت جیؒ یہ سوال سن کر مسکرائے اور فرمایا:

’’بیٹا! مجھے بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ایک دن میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مصر کی عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک بات کہتی تھیں۔ اگر یوسف علیہ السلام ان کی بات مان لیتے تو انہوں نے گنہگار بھی ہو جانا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا نافرمان بھی‘ اس طرح اگر میں تمہاری بات مان کر

بجائے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی اور کو مصلّیٰ
پر کھڑا کر دوں تو میں گنہگار ہو جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کا
نافرمان بھی۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے قرانِ حکیم کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے' مگر وہ جو وحی کی جاتی
ہے۔(النجم۔3-4)

ان شاگردوں کی خوش بختی کا کیا کہنا' جنہوں نے اس ہستی سے تربیت پائی' جسے اویسی طریقے سے آقائے نامدار ﷺ سے بھی رہنمائی حاصل تھی۔ تاریخِ تصوف میں ایسی ہستیاں معدودِ چند ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کا یہ قول تاریخ میں ثبت ہے کہ انہوں نے قرآنِ حکیم آقائے نامدار ﷺ سے پڑھا۔ اس طرح حضرت جیؒ کا یہ اعزاز بھی خصوصی ہے کہ آپؒ نے اس حدیث کے اشکال کو رفع کرنے کے لئے اویسی طریقے سے براہِ راست آقائے نامدار ﷺ سے رہنمائی حاصل کی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

یہ عطائے الٰہی ہے جس کو چاہے عطا فرما دے۔

(المآئدہ۔54)

فاتحِ اعظم

مذہبی تحقیق کے لئے دنیا بھر میں مناظروں کی طرح' زمانۂ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں سیّدنا ابراہیم علیہم السلام اور نمرود کے مابین جن سوال وجواب کا ذکر ملتا ہے وہ مناظرانہ شکل میں تھے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں بغداد جب علم کا مرکز بنا تو وہاں مناظروں کی صورت علمی اور فقہی بحث ومباحث کا خوب رواج ہوا۔ ان کا انعقاد کبھی حکومت کی سرپرستی میں ہوتا اور کبھی عوامی سطح پر۔ برصغیر میں وسط بیسویں صدی عیسوی کے قریباً دو عشرے مناظروں کا دور نظر آتا ہے۔

یہ مناظرے آج کی فرقہ وارانہ جنگ سے قطعی مختلف' خالصتاً دینی اور علمی مباحث ہوا کرتے تھے۔ مناظرہ شروع کرنے سے پہلے فریقین شرائطِ مناظرہ طے کرتے' اُسلوبِ بحث کا تعین ہوتا اور اپنا اپنا صدرِ مناظرہ نامزد کیا جاتا۔ مقامی عمائدین میں سے ایک ایک سرپرستِ مناظرہ بھی ہوتا۔ اس طرح دو صدور اور دو سرپرست مل کر جلسہ گاہ میں نظم وضبط قائم رکھتے اور مقررین کو طے شدہ ضوابط کا پابند بناتے۔

فیصلہ کے لئے منصفین بھی اتفاق رائے سے مقرر کئے جاتے تھے لیکن اصل منصف عوام ہوا کرتے۔ مناظرہ مسجد میں ہوتا یا جلسہ گاہ میں'

فریقین ایک ساتھ بیٹھتے اور دورانِ مناظرہ لوگوں کی داد سے واضح ہو جاتا کہ کس فریق کا پلڑا بھاری رہا۔

ان مناظروں میں حضرت جیؒ بعض اوقات مروّجہ موضوعات سے ہٹ کر خطاب فرماتے' خاص طور پر ان حالات میں جب فریقِ ثانی ہار تسلیم کر لیتا یا مقابل آنے سے کتراتا۔ آپؒ کی مناظرانہ تقاریر قرآن و حدیث کے حوالوں اور علمی دلائل کا مخزن ہوا کرتیں لیکن افسوس اس بیش قیمت علمی ورثہ کو محفوظ نہ کیا جا سکا۔

مناظرۂ جہلم

حضرت جیؒ کے مناظروں میں سے مناظرۂ جہلم کو بہت شہرت ملی۔ اس مناظرہ میں مشہور شیعہ مناظر مُلّا مرزا احمد علی امرتسری (متوفی 1390ھ) اور مُلّا فیض کھیالوی (متوفی 1371ھ) آپؒ کے مقابل تھے۔ موضوع بھی انتہائی اہم تھا یعنی ایمان' قرآن اور خلافت۔ اس مناظرہ کی بعض تفاصیل علماء کے ہاں اب بھی محفوظ ہیں۔ دار المؤلفین کراچی کے جناب محمد الفاروقی النعمانی کے ذریعے جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں' ان سے اس دور کے مناظروں کے علمی معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک طرف قرآن و حدیث سے دلائل نظر آتے ہیں تو دوسری طرف حوالہ جات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر تحریفِ معنوی اور دجل و فریب کی چالیں بھی صاف دکھائی دیتی ہیں۔

مسئلہ تحریفُ القرآن پر بحث شروع ہوئی تو حضرت جیؒ نے اس موضوع پر مشہور شیعہ کتاب فصل الخطاب سے یہ الفاظ پڑھے:

وَهُوَ عِنْدَ الْحُجَّةِ عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ... وَيَأْمُرُهُمْ بِقِرَآءَتِهٖ
وَهُوَ مُخَالِفٌ لِهٰذَا الْقُرْآنِ الْمَوْجُوْدِ مِنْ حَيْثُ التَّالِيْفِ

وَتَرْتِيْبِ السُّوَرِ وَالْاٰيَاتِ بَلِ الْکَلِمَاتِ ...

(فصل الخطاب ص 97)

یعنی جس قرآن کو حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد بنفسہٖ جمع کیا تھا' وہ اب امام مہدی کے پاس ہے۔ جب وہ آئے گا تو لوگوں کو اسی قرآن کے پڑھنے کا حکم دے گا اور وہ قرآن اس موجودہ قرآن کے بالکل خلاف ہے' سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بھی اور آیات وکلمات کے لحاظ سے بھی۔

مرزا احمد علی سے حضرت جیؒ کے اس پیش کردہ حوالے کا جواب تو نہ بن پڑا مگر دجل وفریب سے لوگوں کے سامنے قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت پڑھتے ہوئے کہنے لگا کہ جس طرح اس آیت میں ''ھٰذَا الْقُرْاٰنَ'' کے الفاظ ہیں' اسی طرح زیرِ بحث حوالے میں بھی ''ھٰذَا الْقُرْاٰنَ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۝

میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا اور اس پر عمل نہ کیا۔

(الفرقان۔ 30)

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میں قرآن شریف کے الفاظ کے متعلق نہیں پوچھ رہا بلکہ فصل الخطاب میں 'ھٰذَا الْقُرْاٰنَ' کے جو الفاظ ہیں' ان کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ میں آپ لوگوں کی یہ مشہور کتاب فصل الخطاب ہے۔''

مرزا احمد علی اس کا کوئی جواب نہ دے سکا کیونکہ فصل الخطاب جیسی

کتاب کے اس حوالے کے بعد ایمان بالقرآن کا ثبوت ان کی اپنی ماخذ کتب سے تلاش کرنا ممکن نہ تھا۔

جب وہ اس موضوع پر لاجواب ہوگیا تو رخ بدلتے ہوئے میزان الاعتدال سے یہ عبارت پیش کی:

"یَا حُذَیْفَةُ بِاللّٰهِ اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ"

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"اللہ کی قسم' میں منافقین سے ہوں..." معاذ اللہ

حضرت جیؒ نے میزان الاعتدال کھولی اور مرزا احمد علی کی پیش کردہ عبارت سے متصل یہ الفاظ پڑھے:

"وَھُوَ مُحَالٌ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْنَ کَذِبًا"

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے ایسے الفاظ نکلنا محال ہے' مجھے اندیشہ ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے)۔

فریقِ مخالف ہی کی کتاب سے اس کے خلاف دلیل دینا صرف اسی صورت ممکن تھا جب اپنی کتب کے علاوہ ان کی کتب پر بھی مکمل عبور حاصل ہو۔ حضرت جیؒ خوب جانتے تھے کہ میزان الاعتدال سے عبارت کا اصل حصہ عمداً چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ تو اسی طرح ہے کہ کوئی شخص قرآنِ حکیم کی ایک آیت کا جزو' لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (نماز کے قریب مت جاؤ) پڑھنے کے بعد اصرار کرنے لگے کہ نماز پڑھنے سے روکا جا رہا ہے جبکہ اس آیت کے اگلے جزو وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی (جب تم نشے کی حالت میں ہو) کو عمداً چھوڑ دے۔

اسے دجل وفریب اور قطمان کہتے ہیں۔ یعنی دھوکہ دینے کے لئے عبارت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کرنا یا اس کا کچھ حصہ چھوڑ دینا۔

اسی موضوع پر مرزا احمد علی نے ابنِ کثیر کا حوالہ پیش کرتے ہوئے بھی دجل وفریب سے کام لیا اور صرف یہ الفاظ پڑھے:

"قَالَ عُمَرُ لِحُذَیفَةَ. اَمِنْھُمْ اَنَا"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' کیا میں منافقین سے ہوں؟

حضرت جیؒ نے جواباً ابن کثیر ہی سے مرزا احمد علی کی پیش کردہ عبارت سے متصل یہ الفاظ پڑھ دیئے:

"قَالَ لاَ"

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' ہرگز نہیں۔

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منافق نہیں لیکن مرزا احمد علی نے دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے یہ الفاظ عمداً چھوڑ دیئے تھے۔

صحابہٴ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور نفاق؟ یہ تو ایسے ہی تھا جیسے جمع ضِدّین' لیکن اس کے ثبوت میں دلیل کہاں سے آئے۔ مرزا احمد علی لاجواب ہوا تو اس کی مدد کے لئے مُلّا فیض اٹھا اور بغیر کسی ثبوت یا کوئی عبارت پیش کئے یہ بڑ ہانکی:

"اصحابِ ثلاثہ منافق ہیں" نعوذ باللہ

حضرت جیؒ نے جواباً یہ آیت پڑھی:

لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾

(اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہیں) ہم آپ کو ضرور ان پر (یعنی منافقین پر) مسلط کریں گے پھر یہ (منافق) اس میں (مدینہ میں) بہت کم ہی رہ پائیں گے۔ (الاحزاب۔60)

حضرت جیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں شیعہ کتاب ''تفسیر صافی و منہج الصادقین'' سے اقتباس پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان شیعہ مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے:

ہر آئینہ ترا بقتال ایشاں تحریص کنیم و بعد ازاں مجاورت و ہمسائیگی نکند با تو در مدینہ مگر زمانہ اندک

یعنی ہم آپ ﷺ کو یقیناً ان منافقین کے قتل کرنے اور جلاوطن کردینے کا حکم کریں گے اور یہ منافق آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں نہیں رہیں گے مگر تھوڑا عرصہ۔

اس کے بعد حضرت جیؒ نے شیعہ مناظرین سے پوچھا:

''اب بتایئے اگر بقول آپ لوگوں کے اصحابِ ثلاثہ منافق تھے (نعوذ باللہ) تو رسول اللہ ﷺ کو پھر ان کے قتل کا حکم کیوں نہ دیا گیا؟ اور ان کے لئے آپ ﷺ نے جلاوطنی کا اعلان کیوں نہ کیا؟''

اس کے جواب میں مُلّا فیض اور مرزا احمد علی کچھ دیر تو خاموش رہے بالآخر یہ تاویل پیش کی کہ خلفائے ثلاثہ ان منافقین میں سے تھے جو ایذا نہ دیتے تھے اور آیت میں جو حکم ہے وہ ایذا دینے والے منافقین کے بارے میں ہے۔

حضرت جیؒ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''قرآن شریف سے ذرا وہ الفاظ تو پیش کریں جن سے تمہاری بیان کردہ تخصیص ثابت ہوتی ہے۔ آیت قرآنی میں تو عموم ہے اور یہ حکم تو سب منافقین کے لئے ہے۔''

حضرت جیؒ کے اس مطالبے کے جواب میں دلیل کہاں سے لاتے۔ آیت میں تو عموم تھا، تخصیص کیسے ثابت کرتے؟ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ ان کی خاموشی گویا اعترافِ شکست تھا۔

اس کے ساتھ ہی جہلم کی فضا 'فاتحِ اعظم زندہ باد' کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی اور یہ مشہور مناظرہ برخاست ہوا لیکن ایک عرصہ تک اس کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ اپنی نجی محفلوں میں حضرت جیؒ جب کبھی مناظرۂ جہلم کا تذکرہ فرماتے، مُلّا فیض اور مرزا احمد علی کے لاجواب ہونے اور چپ سادھ لینے کا ذکر کرتے ہوئے خوب محظوظ ہوا کرتے۔

مناظرۂ بلکسر

مناظرۂ جہلم کی رُوداد سے حضرت جیؒ کے طرزِ استدلال میں علمی انداز صاف نظر آتا ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپؒ کے مقابل بھی شیعہ مذہب کے مشہور عالم تھے۔ اس کے برعکس مناظرۂ بلکسر میں ایک منفرد طرزِ استدلال نظر آتا ہے جس میں علمی دلائل کی بجائے فریقِ مخالف کی جہالت کو بطور دلیل استعمال کیا گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت جیؒ کا یہ پہلا بڑا مناظرہ تھا جس میں چکوال کے مشہور نواحی قصبے بلکسر اور اس کے گردونواح کے پندرہ سولہ دیہات سے لوگوں کی بہت بڑی تعداد مناظرہ کے پنڈال میں جمع تھی۔ اپنے مناظرانہ

دور کا ذکر کرتے ہوئے آپؒ نے بارہا اس دلچسپ مناظرہ کا تذکرہ فرمایا جس کی رُوداد سے ساتھی خوب محظوظ ہوا کرتے۔ اس مناظرہ میں حضرت جیؒ اور شیعہ مناظر کے مابین جو دلچسپ مکالمات ہوئے وہ قریب قریب آپؒ ہی کے الفاظ میں پیش کیئے جاتے ہیں:

حضرت جیؒ نے پہل کرتے ہوئے سوال کیا:

''مولوی صاحب! لفظ مناظرہ نظیر سے مُشتَق ہے یا نظر سے؟ نظر سے بنائیں تو کیا مطلب بنے گا اور اگر نظیر سے لیں تو کیا مفہوم ہوگا؟''

مولوی صاحب تو روایتی سوال و جواب کے عادی تھے۔ یہاں صرف ونحو کے میدان میں چل نہ سکے۔ گھبراہٹ کے عالم میں کبھی ایک لفظ بتاتے اور کبھی دوسرا لیکن اپنی کم علمی کو چھپانے سے قاصر رہے۔

حضرت جیؒ نے مولوی صاحب کی علمی سطح دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ بغیر اعراب کے عربی عبارت پڑھنا ان کیلئے ممکن نہ ہوگا۔ آپ نے نہج البلاغہ کھول کر سامنے رکھتے ہوئے فرمایا:

''اس کتاب کی چار سطریں پڑھ کر معنی تو بیان کر دیں (ساتھ ہی واسکٹ کی جیب سے 80 روپے نکال کر میز پر رکھ دیئے) عبارت اور معنی ٹھیک ہوں تو یہ رقم آپ کا انعام ہے۔''

مولوی صاحب پریشان کہ آج برے پھنسے۔ جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے کہ یہ لوگ تو مجھے صرف نبی کریم ﷺ کی پیدائش اور وفات کے دن کے بارے میں تقریر کے لئے لائے تھے لیکن اس دن میں بھی

اختلاف ہے۔

حضرت جیؒ نے سوال کیا:

''کیا نبی کریم ﷺ کی حیات و وفات کا دن پہچاننا فرض ہے؟''

مولوی صاحب نے فوراً جواب دیا:

''فرضِ عین ہے۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میرا دعویٰ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات کا پہچاننا بھی فرضِ عین نہیں بلکہ آپ ﷺ کے دعویٰ کو پہچاننا فرض ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات کو تو قریش و یہود سب پہچانتے تھے' عرب خوب جانتے تھے۔ پیغمبر جو بھی دعویٰ کرتا ہے اس کو ماننا اور تسلیم کرنا تو ضروری ہے لیکن آپ نے کہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات و وفات کے دن کو پہچاننا فرض ہے؟''

اب مولوی صاحب نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور حضرت جیؒ سے سوال کیا:

''پانچ نمازیں جو پڑھتے ہو اس کو قرآن سے ان اوقات پر ثابت کرو۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''آپ کو تو میں نے عالم سمجھا تھا لیکن آپ مطلق جاہل ہیں۔ میں نے انکار اس بات کا کیا تھا کہ حیات و وفات کا

دن پہچاننا فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت بھی نہیں۔ میں نے چونکہ آپ کے دعویٰ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا تو دعویٰ کا ثبوت پیش کرنا آپ کے ذمہ تھا جو آپ نے نہیں کیا۔ اب اگر تم پانچ نمازوں کا انکار کرتے ہو تو پھر ثبوت میرے ذمہ ہے۔

اچھا یہ تو بتاؤ' شیعہ اگر نمازوں کا انکار کرے تو کافر ہوتا ہے یا مسلمان؟''

مولوی صاحب نے جواب دیا:

''کافر۔''

حضرت نے برجستہ فرمایا:

''تو کرو پھر پانچ نمازوں کا انکار تا کہ میں ثبوت دوں۔''

مولوی صاحب ایک مرتبہ پھر لاجواب ہو گئے۔ اگر حضرت جیؒ سے ثبوت طلب کرتے ہیں تو اس کے لئے نمازوں کا انکار شرط ہے اور اگر انکار کریں تو کفر لازم آتا ہے۔ ایک بار پھر موضوع سے فرار کا راستہ اختیار کیا اور نماز میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کے متعلق بات شروع کر دی:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ سینے پر باندھتے تھے اور کہتے تھے میرا دل قابو میں رہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیٹ پر ہاتھ باندھتے کہ پیٹ قابو میں رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیچے باندھتے تھے کہ نفس قابو میں رہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ہر چیز سے پاک تھے اس لئے وہ کھلے رکھتے۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''اس کا ثبوت پیش کریں کیونکہ یہ تو صرف دعویٰ ہے۔ نیز مناظرے میں ثبوت کے ساتھ اس کی سند بھی پیش کی جاتی ہے۔''

مولوی صاحب بولے:

''بخاری شریف۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''بخاری شریف سے اس کی سند پیش کرو۔''

مولوی صاحب نے جان چھڑاتے ہوئے کہا:

''میرے پاس تو بخاری شریف ہے ہی نہیں۔''

حضرت جیؒ کہنے لگے:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ لڑائی کے لئے جانے والا سپاہی اسلحہ گھر رکھ جائے۔ بخاری شریف میں منگوا لیتا ہوں لیکن اگر یہ مسئلہ نہ نکلا تو!

شرط ہمارے ہاں ناجائز ہے لیکن اب آپ سے بات کرتے ہیں، سند مل گئی تو میں سو روپے دوں گا اور ساتھ ہی ترکِ مذہب کا اعلان کروں گا لیکن اگر بخاری شریف میں ثبوت نہ ملا تو سو روپے آپ کو دینے ہوں گے اور ترکِ مذہب کا اعلان بھی کرنا ہوگا۔''

حضرت جیؒ نے بات کو یہاں ختم نہیں کیا بلکہ سرِ عام یہ شرط لکھ دی گئی۔ اب مولوی صاحب نے ایک اور پینترہ بدلا اور مطالبہ کیا کہ بخاری شریف

نارنگ والی چاہیے۔
حضرت جیؒ نے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا:

''نارنگ کوئی پیغمبر ہوا ہے جو وہاں کی بخاری ہو گی' بخاری شریف تو مدینہ منورہ کی ہے' رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلی ہے۔''

ہزاروں کے مجمع کے سامنے جب یہ درگت بنی تو مولوی صاحب نے ایک طرح سے اعترافِ شکست کرتے ہوئے مشہور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل کو بلانے کے لئے وقت مانگا۔

حضرت جیؒ نے فرمایا' اس کو بھی بلا لو۔ اس طرح یہ مناظرہ وقتی طور پر ملتوی ہو گیا۔

مولوی اسماعیل کی آمد پر اس کو بتایا گیا کہ یہ مولوی صاحب بخاری شریف سے اپنے مؤقف کے مطابق نماز میں ہاتھ باندھنے اور کھولنے کا ثبوت نہ ملنے کی صورت میں ترکِ مذہب اور سو روپیہ ادا کرنے کی شرط مان چکے ہیں۔ حضرت جیؒ نے مولوی اسماعیل سے مطالبہ کیا کہ اب آپ بخاری شریف سے یہ ثبوت پیش کریں۔

مولوی اسماعیل نے جواب دیا:

''یہ تو جاہل ہے' میں بھی جاہل بن جاؤں۔''

اس کے بعد مولوی صاحب کو ڈانٹ پلاتے ہوئے مولوی اسماعیل نے کہا:

''تم نے کیسے یہ شرط مان لی' بخاری شریف میں یہ مسئلہ تو کہیں نہیں۔''

حضرت جیؒ نے فوراً کہا:

''چلو مولوی صاحب سُنّی نہیں ہوتے تو نہ سہی' سو روپے تو ادا کر دیں۔ انجمن کے فنڈ میں جمع کرا دیتے ہیں۔''

مولوی صاحب کو مجبوراً سو روپیہ ادا کرنا پڑا جو کہ ایک طرح سے حضرت جیؒ کے مقابلے میں اظہارِ شکست تھا۔ اس کے ساتھ ہی فریقِ مخالف کی ہوا اکھڑ گئی اور مولوی اسماعیل کی کوشش کے باوجود یہ مناظرہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔

اس مناظرے کے بعد بلکسر اور اس کے گردونواح کے لوگ حضرت جیؒ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آپؒ کو ہر سال یہاں مدعو کیا جاتا۔ چند مناظرے بھی ہوئے جن میں سے آخری مناظرہ 1956ء میں ہوا۔ مدِ مقابل مولوی اسماعیل ہی تھا لیکن اس کے بعد وہ آپؒ کے مقابل آنے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا اور یہاں حضرت جیؒ اپنے سالانہ جلسہ میں زیادہ تر اصلاحی خطاب ہی فرمایا کرتے۔

مناظرۂ پونچھ

ایک مرتبہ حضرت جیؒ کو ضلع پونچھ آزاد کشمیر میں مناظرہ کے لئے مدعو کیا گیا۔ یہ علاقہ آپؒ کے لئے نیا اور فاصلہ بھی طویل تھا لیکن ایسے مواقع پر آپؒ نامساعد حالات یا طویل فاصلوں کی ہرگز پروا نہ کرتے۔ چکڑالہ سے سات دن کی مسافت طے کرتے ہوئے آپؒ بوقتِ عصر ضلع پونچھ میں مناظرہ کے مقام پر پہنچے تو علم ہوا کہ شیعہ مناظر لکھنؤ سے آیا ہوا ہے اور مناظرہ باغِ فدک اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل کے موضوع پر ہوگا۔ یہ وہ مروّجہ موضوعات تھے جن پر فریقین کے مابین دلائل کا خوب مقابلہ ہوتا لیکن سیدھے سادھے مسلمان چونکہ ان علمی دلائل کو نہ سمجھ سکتے تھے'

اس لئے اکثر ذہنی الجھاؤ کا شکار ہو جاتے۔

حضرت جیؒ نے سوچا کہ اس مرتبہ ان الجھنوں کو پیدا ہونے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ مدِّمقابل کی جانب سے مروّجہ موضوعات پر بے جا اِصرار دیکھتے ہوئے آپؒ سمجھ گئے کہ اس کا علم چند رٹی رٹائی تقریروں تک ہی محدود ہے۔ چنانچہ اس کے لئے آپؒ نے وہ میدان منتخب فرمایا جس میں وہ طفلِ مکتب تھا۔ دوسرے روز فجر کے بعد شیعہ مناظر سے شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے لئے ملاقات ہوئی تو آپؒ نے پوچھا:

''مناظرہ کی تعریف کیا ہے؟ مناظرہ کس کو کہتے ہیں اور لفظ المناظرہ پر جو الف لام داخل ہے' یہ الف لام کی مختلف اقسام میں سے' جو علمِ نحو میں بیان کی گئی ہیں' کون سی قسم کا الف لام ہے؟''

اس کی خاموشی پر جب بار بار یہی سوال دہرایا گیا تو خجالت آمیز لہجے میں آہستہ سے بولا' مجھے اس کا علم نہیں۔

یہ سنتے ہی شیعہ حضرات نے اپنے ہی مناظر کو بُرا بھلا کہا' حضرت جیؒ سے معذرت کی اور آپؒ کی علمی سطح کے پیشِ نظر مناظرہ سے دست بردار ہو گئے۔ حضرت جیؒ نے حسبِ معمول یہاں بھی اصلاحی نوعیت کے خطابات فرمائے۔

مناظرۂ کالووال (سرگودھا)

حضرت جیؒ کا مناظرۂ کالووال ضلع سرگودھا اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے اختتام پر آپؒ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حضرت جیؒ کا مدِمقابل آپؒ کا روایتی حریف مولوی اسماعیل اور مناظرہ کا موضوع مسئلہ خلافت تھا۔ آپؒ نے فنِ مناظرہ میں اپنے زیرِ تربیت شاگرد مولوی نذیر احمد مخدوم کو

ہدایت فرمائی کہ وہ دونوں اطراف کے دلائل اور حوالہ جاتِ کتب تحریر کرتے چلے جائیں۔ اس مناظرہ میں بھی ہمیشہ کی طرح آپؒ ہی فاتح رہے اور مولوی اسماعیل حسبِ عادت رات ہی کو فرار ہو گیا۔ حضرت جیؒ علی الصبح کالووال سے گھوڑی پر سوار ہو کر لنگر مخدوم کے لئے روانہ ہوئے تو مخالفین کا ایک گروہ جو سیال موڑ کے قریب گھات لگائے بیٹھا تھا' لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے حملہ آور ہوا۔ آپؒ کو نرغے میں لینے کی کوشش کی لیکن گھوڑی منہ زور تھی' حصار توڑ کر سرپٹ بھاگی۔ حضرت جیؒ نے اسے قابو میں رکھنا چاہا حتیٰ کہ لگام کھینچتے ہوئے آپؒ کے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے لیکن گھوڑی نے لنگر مخدوم پہنچ کر ہی دم لیا۔ حضرت جیؒ پر قاتلانہ حملہ کا یہ واقعہ 1955ء میں پیش آیا۔ اس میں آپؒ تو محفوظ رہے لیکن آپؒ کا رفیقِ سفر بری طرح زخمی ہو گیا۔ بعد میں حملہ آوروں پر مقدمہ بھی قائم ہوا لیکن آپؒ نے انہیں معاف کر دیا۔

مناظرۂ باگڑ سرگانہ (عبدالحکیم ضلع خانیوال)

سرگانہ قوم مذہبی طور پر دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ اِحقاقِ حق کے ذریعے باہمی اختلافات ختم کئے جائیں۔ اسی جذبے کے تحت 15 اکتوبر 1956ء کو دو نشستوں میں مناظرہ کا انعقاد ہوا۔ سامعین مختلف العقیدہ ہونے کے باوجود ایک ہی میدان میں جمع تھے لیکن اس کے باوجود نقصِ امن کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ ایک ہی سٹیج تھا جس پر شیعہ اور سنی حضرات کے نامزد صدور مل کر صدارت کر رہے تھے۔ اہلِ سنت کی صدارت حضرت جیؒ نے فرمائی جب کہ شیعہ صدر مولوی امیر محمد تونسوی تھے۔ فریقین کے مقررین مولانا عبدالستار تونسوی بمقابل مولوی اسماعیل تھے اور سرگانہ قوم کے دونوں سردار بطور سرپرستِ مناظرہ' صدور کے ساتھ

سٹیج پر بیٹھے تھے۔

مناظرہ کی پہلی نشست قبل از ظہر خلافت بلافصل کے موضوع پر منعقد ہوئی۔ یہ مولوی اسماعیل کا تجویز کردہ موضوع تھا اور قاعدے کے مطابق ثبوت بہم پہنچانا بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ خلافت بلافصل کے موضوع پر جب بات نہ بنی تو اس نے درود کے مسئلے بیان کرنا شروع کر دیئے۔ صدور مناظرہ نے مداخلت کی تو کہنے لگا:

''لوگو! میں تم کو درود کے مسئلے نہ بتاؤں تو اور کیا بتاؤں؟
خلافت بلافصل میں تو کوئی اختلاف نہیں۔''

دوسری نشست میں بھی یہی صورت پیش آئی تو مولانا عبدالستار تونسوی نے خلافت بلافصل کے جواب میں خلفائے ثلاثہ کی حقانیت پر دلائل دیئے۔ جواب الجواب کا موقعہ آیا تو مولوی اسماعیل نے حسبِ سابق موضوع سے روگردانی کی۔ اس پر مہر شوق محمد سرگانہ' سرپرستِ مناظرہ نے کہا:

''مولوی صاحب! آپ کے پاس دلائل کا جواب نہیں ہے۔ اگر کوئی جواب آپ کے پاس موجود ہوتا تو یوں شرائط کی خلاف ورزی نہ کرتے۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''مہر صاحب! انہیں کچھ نہ کہو' موضوعِ مناظرہ چھوڑ کر جدھر جاتے ہیں جانے دو۔''

آخر میں مولوی اسماعیل نے مولانا عبدالستار تونسوی کی پیش کردہ مشہور شیعہ ماخذ ''تلخیص شامی'' کی روایت کو اس طرح پڑھا کہ وہ حصہ جو اس کے موقّف کے خلاف تھا' عمداً چھوڑ دیا۔ اس پر فریقین کی جانب سے

سرپرست حضرات نے کتاب دیکھ کر تصدیق کی کہ حوالہ پڑھنے میں خیانت کی جا رہی ہے۔ چوری پکڑی گئی تو مولوی اسماعیل نے سٹیج چھوڑ کر کتاب چھین لی اور پھاڑنے کی کوشش کی۔ مولانا عبدالستار تونسوی کی فوری مداخلت کے باعث وہ کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن اس کی اس حرکت کے ساتھ ہی مناظرہ ختم کر دیا گیا۔

اس مناظرہ کی تفصیلات ''الفاروق'' کے 1956-57 کے شماروں میں حضرت جیؒ کے الفاظ میں محفوظ ہیں۔ یہاں ان کا احاطہ ممکن ہے نہ یہ صفحات اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ علمی دلائل اور اندازِ بحث کو دیکھتے ہوئے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں عام دیہاتی سامعین بھی کس قدر اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اختلافِ مذہب وعقائد کے باوجود دوسرے فریق کا مؤقّف سنتے اور ایک دوسرے کو برداشت کرتے۔ اس کے مقابل آج کا دور ترقیٔ معکوس کی تصویر نظر آتا ہے۔

شانِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جیؒ کے ریکارڈ شدہ ایک خطابِ جمعہ میں ایک مناظرہ کا تذکرہ ملتا ہے جو ایبٹ آباد کے قریب کسی پہاڑی قصبے میں منعقد ہوا تھا۔ فریقِ مخالف کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کو مناظرہ کا موضوع بنایا گیا۔ حضرت جیؒ نے اس مناظرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''ایک مرتبہ' ایبٹ آباد کے قریب ایک مقام ہے پہاڑی علاقے میں' حضرت امیر معاویہؓ کے ایمان پر ایک مناظرہ رکھ دیا تھا شیعوں نے۔ انہوں نے حضرت مولانا

احمد شاہ بخاری کو میرے متعلق لکھا کہ انہیں کہو وہ آئیں۔ میں نے کافی دلائل جمع کئے تھے جو قلمبند ہیں۔ ان میں قرآنِ کریم کی ایک آیت بھی لکھی جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپس میں مناظرہ ہوا تھا۔ یہ دونوں بڑی ہستیاں ہیں قران کو سمجھنے والی۔ اس لئے بعض مفسرین کہتے ہیں' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے۔ قرآنِ کریم ان سے سیکھا۔ یہ دونوں بہت فاضل تھے۔ قرآنِ کریم کے سمجھنے والے۔ اسی لئے قُراء الامت کہا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو۔ قرآنِ کریم کو سمجھنے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا ملکہ دیا تھا۔ آپس میں ان کی گفتگو ہوئی اس دوران میں جب لڑائی شروع ہوگئی۔ جنگِ صفین حضرت امیر معاویہ کے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ہوئی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ قرآنِ کریم میں پیشین گوئی ہے کہ آخر یہ حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے لیں گے اور وہ غالب ہوں گے۔ حکومت ان کے پاس جائے گی۔ قرآن یہی کہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وہ آیت پیش کریں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

اس آیت کو آپؓ (عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے پیش کیا' کسی جاں کو کسی نفس کو قتل نہ کرو مگر حق کی ساتھ' اس نے قتل کیا ہے کردو' زنا کیا ہے کردو' العیاذ باللہ' مرتد ہوگیا' دین کو چھوڑ دیا قتل کردو۔ پھر فرمایا وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا۔ جو شخص مارا جائے' قتل ہو جائے' ظلم سے مارا جائے' جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہوا ہے۔ فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا۔ ہم نے اس کے وارثوں کو پھر غلبہ دے دیا۔ حکومت دے دی ہے اس پر کہ آخر وہ کامیاب ہوں گے۔ فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ فرمایا اسراف نہ کریں قتل میں' زیادتی نہ کریں' غلطی نہ کریں' کیوں؟ اس لئے اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ آخر فتح یاب' کامیاب' منصور یہی ہوگا۔ حکومت اسی کو ہی ملے گی۔ یہی کامیاب ہوگا۔ اس لئے' زیادتی نہ کرے قتل کے معاملے میں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ظلم سے قتل ہوئے ہیں۔ کیوں؟ ان کے قتل کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا تھا۔ فرمایا' 36 ہزار مسلمان جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں قتل ہوں گے اس کے بعد امن قائم ہو جائے گا۔ پوچھا 35 ہزار' 36 ہزار؟ آپؓ سے پوچھا گیا' انہوں نے فرمایا' نبی کی دیت ہے ستر ہزار آدمی بدلے میں قتل کیا جائے۔ اگر پیغمبر کو کوئی قتل کرتا ہے تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے یوں لیتے ہیں کہ ستر ہزار آدمی اس کے بدلے میں قتل ہوتے ہیں' تب امن قائم ہوتا ہے اور نبی کا خلیفہ اس کے نصف تو ہونا چاہئے نا۔ مسلمان 36 ہزار قریباً 35 ہزار قتل ہوا۔ فرمایا' وہ ظلماً قتل ہوا ہے تو قرآن نے فیصلہ کر دیا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا۔ ہم نے غلبہ اسی کو دیا ہے جو اس کا والی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' والی ہے۔ وہی مطالبہ قصاص کا کر رہا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ اللہ کا اعلان ہے کہ یہی فتح یاب ہوگا۔ فتح اسی کی ہوگی۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر غالب ہوگا اور حکومت اس کے ہاتھ میں جائے گی۔ یہی غالب رہے گا حکومت آپؓ کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد موٹی بات ہے' امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب تھے' اچھا لکھتے تھے' سب سے بڑی امانت' سب سے بڑی چیز ہے' وحی پر امین ہونا۔ بہت بڑا منصب صحابہ میں یہ ہے کہ وحی کا کاتب ہونا

اور وحی پر امین ہونا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ان کو امین سمجھتے تھے۔ کاتبِ وحی تھے۔ انوارِ نعمانیہ میں موجود ہے (دو اور کتابوں کے حوالے دیئے) کاتبِ وحی' وحی پر امین ہوتا ہے' اس سے بڑھ کر اور کون سا مرتبہ ہو سکتا ہے۔

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی حضرت جیؒ کے بھرپور مناظرانہ دور پر محیط ہے۔ فنِ مناظرہ میں مولانا عبدالستار تونسوی اور دوسرے علماء کی تربیت کے بعد حضرت جیؒ مطمئن ہو گئے کہ اب یہ حضرات مناظرانہ ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپؒ نے چند مناظروں میں شرکت بھی فرمائی لیکن صدرِ مجلس کی حیثیت سے۔ 1956ء میں آپؒ کی صدارت میں باگڑ سرگانہ (عبدالحکیم ضلع خانیوال) کا مشہور مناظرہ ہوا جس میں مولوی اسماعیل کے مقابل مولانا عبدالستار تونسوی اہل سنت کے مقرر تھے۔ اسی طرح چکڑالہ میں آپؒ نے ایک جلسہ کی صدارت فرمائی جو غالباً 1968ء کا واقعہ ہے۔ مولانا عبدالمجید ندیم نے بعد از جلسہ آپؒ سے سوال کیا:

''حضرت! آپ کا یزید کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''اس مسئلہ کو رہنے دو' اب تو لوگوں نے یزید علیہ السلام کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس کا یہ جرم کیا کم ہے کہ اس کے دور میں نواسہ رسول ﷺ کو شہید کیا گیا۔ یہ مسئلہ سٹیج کا نہیں۔''

اسی طرح ملتان میں مولانا محمد الفاروقی النعمانی نے حضرت جیؒ سے سوال کیا:

''حضرت! یزید کے بارے میں علماء کہتے ہیں' جہنمی ہے' برا بھلا کہتے ہیں۔ آپ نے کبھی کچھ نہیں کہا۔''

آپؒ نے پوچھا:

''کیا تم مناظرہ کرنے آئے ہو؟''

نعمانی صاحب نے فوراً عرض کیا:

''نہیں حضرت' میں تو سیکھنے آیا ہوں۔''

آپؒ نے فرمایا:

''میں نے اس کا معاملہ اپنی کسی کتاب میں نہیں چھیڑا لیکن
یہ سن لو! وہ اس معاملے میں بری نہیں ہوسکتا۔''

آخری مناظرہ

مناظرۂ باغ حضرت جیؒ کے مناظرانہ دور کا آخری اہم مناظرہ ہے۔ اس میں امیر المکرّم حضرت مولانا محمد اکرم اعوان بھی حضرت جیؒ کے ساتھ شریکِ سفر رہے۔ یہ مناظرہ 1961ء میں ہوا۔ اس زمانہ میں باغ (آزاد کشمیر) میں اہلِ سنت کا دستور تھا کہ ہر سال محرم میں تین روزہ مشترکہ جلسہ منعقد کرتے جس کے آخر میں تعزیہ کا جلوس بھی مسجد سے نکالا جاتا۔ ذاکر حضرات مسجد میں تقاریر کرتے جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر لعن طعن بھی کرتے اور یہ سب کچھ بقائے باہمی کی پالیسی کے تحت برداشت کر لیا جاتا۔ کشمیر میں ان دنوں مفتی حضرات تحصیل و ضلع کی سطح پر سرکاری ملازم ہوا کرتے تھے اور اس نوع کے مشترکہ پروگرام ان کی کارکردگی کا ثبوت قرار دیئے جاتے۔

حضرت جیؒ کو بھی اسی طرح کے ایک جلسہ میں مدعو کیا گیا۔ ان دنوں راولپنڈی سے کشمیر کے لئے پہلی بس علی الصبح روانہ ہوتی تھی جس پر حضرت جیؒ اور حضرت امیر المکرّم نمازِ فجر کے بعد روانہ ہوئے۔ بس جب فیض آباد سے گزری تو حضرت جیؒ حالتِ مراقبہ میں تھے۔ اچانک ایک عجیب نقشہ سامنے آ گیا۔ آپؒ نے دیکھا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ جنگل مختلف بہائم سے اٹا پڑا

ہے جو اشغال جنسی میں مشغول ہیں۔ آپؒ چونک اٹھے اور حضرت امیر المکرّم سے دریافت فرمایا' یہاں کون سی بستی ہے جو اس نوع کے احوال منکشف ہوئے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا' حضرت بستی تو کوئی نہیں فی الحال جنگل ہے لیکن اس جگہ صدر ایوب نے دارالحکومت تعمیر کرنے کا اعلان کیا ہے۔

رویتِ اَشکال:

شاید اس مکاشفہ پر اعتراض جڑ دیا جائے لیکن اہل اللہ کے سامنے احوال کس طرح مُتشکِّل ہوتے ہیں' اس کے لئے مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ایک مشہور قول بطور مثال پیش کرنا کافی ہوگا جو زمانہ قریب کے مشہور صاحبِ کشف بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے رویتِ اَشکال کی اپنی ایک کیفیت اس طرح بیان فرمائی:

> ''شیرانوالہ گیٹ (لاہور) میں کھڑا ہوتا ہوں تو بندر بھیڑیے اور مختلف درندوں اور بہائم کو گزرتے ہوئے دیکھتا ہوں یہاں تک کہ انسانی شکل دیکھنے کو ترس جاتا ہوں''۔

اس کیفیت کو رویتِ اَشکال کہتے ہیں جس کا حضرت جیؒ نے حالتِ استغراق میں مشاہدہ کیا اگرچہ اس کا تعلق مستقبل کی بے راہ روی سے تھا۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ مختلف احباب کے ساتھ تشریف رکھتے تھے اور راقم بھی اس موقع پر موجود تھا۔ یہاں شہر کا نام لینا مقصود ہے نہ مناسب۔ دورانِ گفتگو ایک ساتھی حاجی بختیار احمد خان نے مراقبۂ رویتِ اَشکال کے متعلق سوال کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

> ''حاجی صاحب میرے قلب پر خیال کریں اور چلیں میرے ساتھ' اب نیچے خیال کریں''۔

حاجی صاحب نے عرض کیا:

''حضرت! بیل کثرت سے نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں مختلف بہائم کو دیکھ رہا ہوں خوردونوش میں مشغول ہیں۔ کچھ درندے' بندر اور خنزیر وغیرہ بھی ہیں''۔

حضرت جیؒ نے وضاحت فرمائی:

''حاجی صاحب یہ مراقبۂ رویتِ اَشکال ہے۔ روح' انسانی شکل پر ہوتی ہے لیکن اعمالِ بد سے اس کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ آپ ارواح کو ان کی اصلی شکل پر دیکھ رہے ہیں۔ یہ جو حلال چوپائے نظر آ رہے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان تو سلامت ہے لیکن زندگی چوپاؤں کی سی گزار رہے ہیں لیکن جو شکلیں درندوں وغیرہ کی ہیں وہاں ایمان بھی سلب ہو چکا ہے اور برے اعمال کے مطابق ارواح مُتشکِّل نظر آ رہی ہیں''۔

جہاں زندگی کا وطیرہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ایذا رسانی بن چکا ہو' روح بھیڑیے کی شکل پر نظر آتی ہے۔ اگر شراب خوری وظیفۂ شب و روز ہو تو ریچھ کی شکل اور جہاں بدکاری کا عنصر غالب ہو تو روح مسخ ہو کر خنزیر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔اَستَغفِرُ اللہ!

حضرت جیؒ نے سوال کیا:

''حاجی صاحب کہیں روشنی بھی نظر آ رہی ہے؟''

حاجی بختیار صاحب نے عرض کیا:

''جی حضرت! ایک جگہ پر بہت روشنی ہے''۔

فرمایا!

''یہ اہل اللہ کی وجہ سے ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ لوگ اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں''۔

اسی طرح ایک مرتبہ محفلِ ذکر سے اٹھے تو راقم کے ساتھ مولانا نورالامین فارغ التحصیل درسِ نظامی جامعہ اشرفیہ لاہور بھی تھے۔ ایک کام سے ان کو گاڑی میں چھوڑا اور تھوڑی ہی دیر بعد جب قریبی دکان سے واپس لوٹا تو مولانا کو پریشان حال دیکھا۔ کہنے لگے:

''آپ نے کچھ دیکھا؟ اس بھرے بازار میں ایک خنزیر سائیکل پر سوار گزرا ہے''۔

دراصل محفلِ ذکر کی برکات سے ان پر لحظہ بھر کے لئے رویتِ اَشکال کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ جب حقیقت بیان کی تو ان کی پریشانی دُور ہوئی۔

آپؒ اکثر فرمایا کرتے:

''روح روزِ اوّل سے عاقل و بالغ ہے۔ اسی لئے تو یومِ الست اس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی گواہی دی لیکن اس عالمِ آب وگل میں روح بدن کے تابع ہے۔ اعمالِ بد کی بدولت جب روح کی حالت مسخ ہو جاتی ہے تو اسے اس کی اصلی حالت میں لانے کے لئے کسی مردِ کامل کی توجہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے''۔

اپنے ایک مکتوب میں حضرت جیؒ نے فرمایا:

''انسان اپنی اصلی شکل پر محال ہی اور بمشکل ہی موجود ہیں اور یہ حال تو عام ہے۔ ہم نے تو بندروں اور ریچھوں کو

انسان بنانا ہے اس سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو۔ انسان کو انسان بنانا تو کمال نہیں، درندوں کو انسان بنانا کمال ہے"۔

پھر تاریخ نے دیکھا کہ حضرت جیؒ نے کس طرح درندوں کو پھر سے انسان بنایا اور اسفل السافلین کی صورت میں اتھاہ پستیوں میں گرنے والوں کو پھر سے احسنِ تقویم کی رفعتوں سے ہمکنار کیا۔

حضرت جیؒ باغ پہنچے تو سرکاری علماء نے آپؒ کے خطاب کا حدودِ اربعہ متعین کرنا چاہا۔ حق گوئی و بے باکی کو مصلحتوں کی آڑ میں پابندِ ضوابط کرنا ممکن نہ تھا۔ یہ لوگ حضرت جیؒ کو قائل نہ کر سکے کہ آپؒ بھی مقامی تقاضوں کے مطابق خطاب فرمائیں۔ تین روز تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن حضرت جیؒ نے جلسہ سے خطاب نہ فرمایا۔ آپؒ علماء سے الگ تھلگ وائرلیس پولیس کے ایک سپاہی کے ہاں منتقل ہو گئے جو آپؒ کا شاگرد رہ چکا تھا اور ان دنوں باغ میں تعینات تھا۔ چونکہ اعلان ہو چکا تھا کہ پنجاب کے ایک جیّد عالم اور مشہور خطیب اس سہ روزہ اجلاس میں خطاب فرمائیں گے، اس لئے تین روز تک لوگ آپؒ کے خطاب کے منتظر رہے۔ مقامی علماء کے مسلسل اصرار اور آپؒ کے مسلسل انکار کی خبر بھی عام ہو چکی تھی۔ بالآخر شہر کے بااثر لوگ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جاننا چاہا کہ آپؒ اس متحدہ جلسہ میں شرکت کیوں نہیں فرما رہے۔

حضرت جیؒ نے عقائد کے اختلاف اور مروجہ خرابیوں، بالخصوص اہانتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر تفصیلاً فرمایا اور اس کی تائید میں مشہور و مستند کتب روافض سے حوالے دیئے۔ شہر کے عمائدین پر جب حقیقت واضح ہوئی تو چوتھے روز حضرت جیؒ کے لئے الگ سے جلسہ رکھا گیا۔ آپؒ نے نہایت بے باکانہ انداز میں مذہبِ حق اور باطل عقائد کے موضوع پر خطاب فرمایا اور

اس طرح باغ کے لوگوں پر پہلی مرتبہ حق و باطل کا فرق واضح ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مقامی علماء کی بھی خوب سُبکی ہوئی۔

حضرت جیؒ پانچویں روز باغ سے روانہ ہوئے تو جو کچھ پاس تھا وہ طویل قیام کے اخراجات کی نذر ہو چکا تھا۔ علماء الگ سے ناراض تھے' واپسی کا کرایہ بھی نہ دیا۔ حضرت جیؒ کے طبع شدہ کچھ رسالے حضرت امیرالمکرّم ساتھ لائے تھے تاکہ دورانِ جلسہ مفت تقسیم کئے جائیں لیکن یہاں کے حالات دیکھتے ہوئے مجبوراً ہدیہ وصول کرنا پڑا۔ اس طرح یہ رسالے بیچ کر واپسی کے لئے کرایہ اور زادِ راہ کا بندوبست ہو سکا۔

راولپنڈی واپسی پر شام ہو چکی تھی۔ قیام کی نیت سے رتہ امرال میں ایک عزیز کے ہاں پہنچے۔ اس کا مکان لئی کے کنارے واقع تھا جبکہ لئی کی دوسری طرف راولپنڈی کا بدنامِ زمانہ علاقہ تھا۔ بدکاری کی نحوست کے اثرات لئی کے اس پار بھی حضرت جیؒ کے مزاجِ باصفا کو پریشان کر رہے تھے۔ آخر نصفِ شب تانگہ منگوایا اور مریڑ حسن کے پاور ہاؤس کے قریب اپنے جاننے والے ایک خطیب کے ہاں منتقل ہو گئے اور اگلی صبح چکوال واپسی ہوئی۔

اندازِ بیاں

حضرت جیؒ کے مناظرانہ دور کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد لقمان علی پوری نے اس بات پر حیرت کا اظہار فرمایا کہ آپؒ نے کبھی بھی فریقِ مخالف کی گھنٹوں طویل تقریر کے نکات کسی کاغذ پر نوٹ نہیں فرمائے لیکن جوابی تقریر کے دوران اعتراضات کا اسی ترتیب سے جواب دیتے' کوئی نکتہ نگاہ سے اوجھل نہ ہوتا اور مقابل کے اعتراضات کا سیر حاصل جواب دینے کے بعد بیسیوں سوال ایسے کرتے جن کا جواب دینا فریقِ مخالف کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ آپؒ کو فاتحِ اعظم کا عوامی خطاب بھی اسی وجہ سے ملا کہ آپؒ ہر مناظرہ میں ناقابلِ تسخیر رہے۔ اپنے خطاب کے دوران ہر سوال کا جواب مع اسناد' حوالہ جات' صفحہ اور سطر کی حد تک اس روانی سے بیان فرماتے چلے جاتے کہ آپ کے نائبین کے لئے ان حوالوں کو کتب سے تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔ یہ اندازِ بیاں یقیناً مناظروں کی دنیا کے فاتح اعظم ہی کا ہوسکتا تھا جس پر صرف مولانا محمد لقمان' علی پوری ہی کو نہیں' ہر شخص کو حیرت ہوتی۔

اس سے پہلے مناظرۂ جہلم کی ایک جھلک پیش کی جا چکی ہے جس سے بخوبی عیاں ہے کہ حضرت جیؒ کا اندازِ بیاں خالصتاً علمی ہوا کرتا تھا۔ آپؒ کبھی مفروضوں پر بات نہ کرتے' نہ کسی کی دلآزاری کرتے اور نہ ہی شخصیات کو

ہدفِ تنقید بناتے۔ آپؒ محض اِحقاقِ حق اور اصلاحِ احوال و عقائد کی نیّت سے ان مناظروں میں حصہ لیتے تھے لیکن جب دیکھا کہ مناظروں میں علمی استدلال کی بجائے نوک جھونک' سوقیانہ اندازِ بحث اور طعن و تشنیع کا رنگ چھا چکا ہے تو آپؒ ان سے متنفر ہو گئے۔ اس دور کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے مناظرے اس لئے چھوڑ دیئے کہ ان سے دل ٹوٹتے ہیں' جڑتے نہیں۔ آپؒ کا یہ فرمان ان مناظروں کے بارے میں تھا جو اس وقت عالمانہ مباحث کی بجائے محض فرقہ واریت کی علامت بن چکے تھے۔

فرقہ واریت

حضرت جیؒ کی تقاریر کا مقصد اصلاحِ عقائد ہوتا نہ کہ تکفیر و تذلیل۔ آپؒ فرقہ واریت اور گروہ بندی کو انتہائی ناپسند فرماتے۔ 1976ء میں آپؒ نے ایک شاگرد کو تحریر فرمایا:

> ''صوفی خالی علم نہیں' عمل ہے۔ صوفی صرف بدنِ اسلام نہیں بلکہ روحِ اسلام ہے۔ بیٹا! علم ظاہریہ میں تحقیقی مادہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور ہمیشہ عقائد و اعمال میں سلف صالحین کی طرف خیال رکھنا' 320 سال تک جو ہوئے ہیں۔ بعد میں اختلافات' عنادات و ضد پیدا ہوئی' فرقہ بازی پیدا ہو گئی۔ آج بیٹا! کہیں دنیا میں جو تبلیغ ہو رہی ہے سب کی سب' تمام کی تمام' گروہ بندی اور جماعت بندی کی ہو رہی ہے' نہ خالص اسلام کی۔ کوئی شخص نہیں ملتا جو مسلمانوں کو عمل کی طرف متوجہ کر کے عامل بنائے۔ باعمل مسلمان بنیں۔ اگر ہم نے مسلمانوں کو باعمل مسلمان

بنانے کی پوری جانفشانی سے کوشش کی تو علماء و جہلا دوکاندار صوفیوں کو سخت دکھ ہوگا مگر پروانہ کرنا۔ بھروسہ و توجہٗ علی اللہ رکھنا۔ ولی اللہ کو ایک اللہ کافی‘ کسی کی حاجت نہیں ہے۔ دوتین سال بعد‘ بشرطیکہ میرے رب نے میری زندگی رکھی‘ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ صوفی اسلام کا کس قدر بول بالا کر کے دکھائیں گے۔ مخلوق کی اصلاح کرو‘ گروہ بندی سے دوری اختیار کرو۔"

ایک مرتبہ حضرت جیؒ کے سامنے ایک فروعی اختلافی مسئلہ اٹھایا گیا تو آپؒ نے فرمایا:

"میری زبان اور میرے قلم سے میری زندگی میں امت کے اختلافات اور فروعی مسائل پر کوئی مواد نہ پاؤ گے‘ اس لئے کہ میں امت کو تفریق در تفریق سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ بریلوی‘ دیوبندی اور اہلحدیث‘ ان سب کو میں اختلافات کے باوجود اسلام میں دیکھتا ہوں۔"

حضرت جیؒ کی شفقت‘ وسعتِ ظرفی اور رواداری کا نتیجہ تھا کہ آپؒ کے دامن میں بلا امتیازِ مسلک‘ ہر طالب کو جگہ ملی۔ آپؒ کے عقیدت مند کبھی اختلافات زیرِ بحث نہ لاتے۔ اللہ اللہ کرنے کی برکت سے نہ صرف فروعی اختلافات خود بخود ختم ہوتے جاتے بلکہ عقائد بھی درست ہو جاتے۔ اہل اللہ کی تبلیغ کا ہمیشہ یہی انداز رہا ہے۔

منشائے الٰہی کے خلاف اپنی علمیت کا سکہ منوانے اور انانیت کی تسکین کے لئے اکثر ایسی گروہی جنگ کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جو دین کی خدمت تو

کجا‘ تحریفِ دین کی زد میں آتا ہے۔ اگر صرف دین اور پورے کا پورا دین بیان کیا جائے تو اس میں توحید بھی ہے اور رسالت بھی۔ اس کے تحت تمام صحابہؓ واجبُ الاحترام ہیں۔ دین میں کوئی افتراق نہیں‘ کوئی صف بندی نہیں۔

الزامی جوابات

مناظروں یا مباحثوں میں اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ایک فریق دوسرے فریق پر کوئی الزام لگاتا ہے تو اسی الزام کو جواب کی صورت میں پہلے فریق پر لوٹا دیا جاتا ہے‘ جیسے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر کوئی اعتراض کرے تو جواباً اسی اعتراض کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لوٹا دیا جائے جس کے بعد معترض فریق کے لئے اپنے ہی عائد کردہ الزام پر اصرار کرنا ممکن نہ رہے۔ حضرت جیؒ کے ہاں الزامی جوابات کا یہ طرزِ استدلال کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔ آپؒ نے اس طرزِ استدلال کی تنقیص میں پشاور کے علماء کے سامنے اپنا ذاتی واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مناظرے کے دوران دل میں صرف خیال گزرا کہ فریقِ مخالف کے الزام کو اگر اس پر ہی لوٹا دیا جائے تو اسے اپنے الزام سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اس خیال کے آتے ہی قلب پر سخت گھبراہٹ طاری ہوئی اور اسی لحہ یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ الزامی جواب کا انداز غیرتِ الٰہی کو گوارا نہیں۔ حضرت جیؒ کو یہ فہم و ادراک اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے نصیب تھا‘ وگرنہ جو لوگ منجانب اللہ‘ اس رہنمائی سے محروم ہیں وہ اکثر مناظروں اور مباحثوں میں محض ضد اور فریقِ مخالف کو زچ کرنے کے لئے الزامات اور پھر الزامی جوابات میں اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے جیسے توحید بیان کرتے ہوئے مقامِ رسالت زد میں آجائے یا مدحِ رسول ﷺ کا وہ انداز اختیار کیا جائے

جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کمی آتی ہو۔ یہ اسی قبیل کی مختلف صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

حضرت جیؒ دقیق علمی موضوعات پر جب عام دیہاتی سامعین کے سامنے خطاب فرماتے' تو اندازِ بیان انتہائی سہل ہوتا لیکن جب انہی موضوعات پر علماء کی محفل میں بات کرتے تو عالمانہ رنگ نمایاں ہوتا۔ یہاں آپؒ کا ایک خط پیش کیا جاتا ہے جو آپؒ نے فنِ مناظرہ میں اپنے شاگرد مولانا نذیر احمد مخدوم کے اِشکال رفع کرنے کے لئے تحریر فرمایا۔ اس خط میں آپؒ کا عالمانہ طرزِ استدلال غالب نظر آتا ہے۔

بخدمت عزیزم حضرت مولانا حافظ نذیر احمد صاحب

السلام علیکم!

"یا علی انت خلیفة بعدی بلا فصل." عمدۃ القاری تو بجا رہی کسی کتاب میں کوئی روایت موجود نہیں ہے البتہ فتح الباری 106:8 مصری میں یوں الفاظ موجود ہیں:

عن سلیمان انه قال قلت یا رسول الله ان الله تعالیٰ لم یبعث نبیا الابین له من یلی بعده فهل بین لک قال نعم هو علی بن ابی طالب.

دوم: عن سلیمان قال قلت یا رسول الله من وصیک قال وصیی و موضع سری و خلیفتی علی اهلی و خیر من اخلفه بعدی علی بن ابی طالب.

سوم: عن ابی ذر رفعه قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انا خاتم النبین و علی خاتم الاوصیاء عن ابی بریده

عن ابیه رفعه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لکل نبی و صی و ان علیا وصیی وولدی.

اوردھا العقیلی وغیرہٗ ابن الجوزی فی الموضوعات اور اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعه کی جلد 1 ص 326 پرعلامہ سیوطی نے عن انس مرفوعا ان اخی ووزیری و خلیفتی من بعدی فی اھلی و خیر من اترک بعدی یقضی دَینی وینجز موعودی موضوع آفته مضمرٌ اس میں راوی عبیداللہ بھی ہے۔ قال فی میزان الاعتدال ھذا موضوع والمتعلم به مظهر فان عبیدالله ثقة شیعی

اور ''آکام المرجان فی احکام الجان'' (مصری) ص 48 اور ص 49 پر ابن مسعود نے عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ خلیفہ مقرر کر دیں۔ جواب دیا کس کو؟ عرض کیا' ابوبکر کو' آپ ﷺ نے اعراض کیا 'اسی طرح عمر' عثمان کے اعراض کیا قلت استخلف قال من؟ قلت ابوبکر فسکت' قال قلت استخلف قال من؟ قلت عمر فسکت قال قلت استخلف قال من؟ قلت علی قال اما والذی نفسی بیده لئن اطاعوه یدخلون الجنة اجمعین

اور دوسری روایت اسی آکام المرجان فی احکام الجان ص 52 عن ابی عبدالله الجدلی عن ابی مسعود پھر اسی مضمون کی روایت اوّل صدیق پھر عمر فاروق بعد حضرت علی فقلت یا رسول الله الا تستخلف علیا قال ذاک والذی لا اله غیره. لوبایعتموه واطعتموه ادخلکم الجنة. اجمعین اس کا اوّل

راوی یحییٰ بن یعلی ہے۔

''تھذیب التھذیب'' میں جلد 11 ص 304 پر ہے کوفی یغیض الشیعة اور دوم راوی ابی عبداللہ الجدلی۔ میزان الاعتدال جلد 3 ص 367 پر ہے شیعی یبغض اورتہذیب التھذیب ج 12 ص 148 پر کان شدید التشیع

نمبر 10 پہلی روایت بھی اللالی المصنوعہ ص 325 الحمل فیہ علی مینا مولی عبدالرحمن بن عوف غال فی التشیع لیس بثقة

بہرحال خیال کرنا مسئلہ امامت وخلافت عندالشیعہ اصولِ دین سے ہے اور اصول قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة ہوں اپنے مدلول مطابقی پر۔ غیر مدلول جن کے مقابل ان کی مثل کوئی معارض دلیل نہ پائی جائے۔ نص صریح برآئی یا حدیث متواتر مع اپنی مدلول امامت وخلافت بلافصل پر قطعی الدلالة ہو۔ خلیفہ پر بھی ناشی ہوں اور خلافت بلافصل پیش کریں۔ نصِ صریح یا حدیثِ متواتر جو مدلول پر قطعی الدلالة ہو۔

ترمذی شریف ونسائی میں۔ان علی منی وانا منه وهو ولی كل مومن من بعدی قال الترمذی هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث جعفر بن سليمان.

میزن الاعتدال ج 1 ص 190 قال ابن عدی جعفر شیعی ۔ اوریزید بن هارون عن ابيه قال بعثنی ابی الی جعفر بن سليمان الصبحی فقلت له انک تسب ابابکر و عمر قال

اما السب فلا ولكن البغض ماشئت فاذا هورافضى مثل الحما

اور یزید بن زرین قال من اتی جعفر بن سلیمان و عبدالوارث فلا یقربنی و كان عبدالوارث ینسب الی الاعتدال و جعفر ینسب الی الرفض. و قال ابن سعد ثقة و كان فيه ضعف و كان فيه تشيع ۔ اور ایک راوی اس حدیث کی سند میں اجلح بھی ہے۔ میزان 1 : 37 پر قال ابو حاتم لیس بالقوی و قال ابن عدی شیعی و قال الجوز جان الاجلح ثقة اور جماعة الدعاة شیعه کی 1:152 پر ہے کہ جعفر بن سلیمان شیعہ ہے۔

نوٹ خاص: جن جن روایات میں لفظ من بعدی آجائے ان سے نہ گھبرانا۔ مناظرۂ مرالی میں اس نے یہ حدیثیں پیش کی تھیں اور مناظرۂ سندرال☆ میں' میں نے جواب دیا تھا کہ حدیثِ متواتر ہو لفظ من بعدی بلا فصل ہو تو اس نے بعدی سے اخذ کیا تھا۔ میں نے کہا بعدی اتصال کو نہیں چاہتی غور کریں۔ قال تعالی

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى

(البقرۃ۔ 246)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد متصل بلا فصل یوشع بن نون خلیفہ ہوا تھا' نہ کہ ملاء بنی اسرائیل۔ قال تعالیٰ

يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ‌ؕ

یہ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضورِ انور ﷺ کے حق میں ہے۔

☆ یہ خوشاب کے نزدیک ایک قصبہ ہے۔

چلو مولوی اسماعیل صاحب آپ کو قرآن سے عداوت ہے تو اپنی کتاب درۃ النجفیہ ص 190 مطبوعہ ایران روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبرنی ان بنی امیۃ تملک الخلافۃ من بعدی۔ بتاؤ بنوامیہ خلیفہ بلافصل تھے۔

میں نے جو کچھ آپ کو لکھا ہے اس کو کسی کاپی پر ضبط کرلیں ضائع نہ کرنا۔ ایک خیال کرنا! من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو متواتر کہا ہے حوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ حافظ عطاء الدین فضل اللہ' اربعین میں بھی متواتر کہا اور تفسیر میں سیوطی نے متواتر کہی' اللمعات میں بھی اشارہ ہے علامہ ضیاء الدین نے اسی کو کتاب الحارث مسوعدۃ میں کتاب زین المفتی میں متواتر کہا۔ حافظ نورالدین حلبی نے استان العیون میں متواتر کہا۔ حافظ ذہبی نے متواتر کہا۔

میرا جواب: چلو میں چند منٹوں کے لئے اس کو متواتر مان لیتا ہوں۔ خوب سنیں' قرآن پورا ایک ایک لفظ اس کا متواتر ہے مگر آپ مدلول پر تمام آیات قرآنی قطعی الدلالۃ نہیں۔ اگر من کنت مولاہ کو متواتر مان لیں تو بتاؤ یہ اپنے مدلول جو امامت وخلافت علی بلافصل ہے' اس پر قطعی الدلالۃ ہے؟

حدیث کا متواتر ہونا اپنی جگہ اور چیز ہے اس سے خلافت بلافصل ثابت کرنا اور چیز۔ بتا! اس کے کون سے لفظ سے خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں' خلافت کا اس میں اشارہ بھی نہیں۔ یہ حدیث خود اپنے ثبوت میں محتاج دوسرے دلائل کی ہے کہ مولٰی کا معنی کیا ہے۔ جو حدیث اپنی ذات میں خود محتاج نہیں اس سے دلیل خلافت پر پیش

کرنا۔ مولا بمعنی اولیٰ پھر اولیٰ کو مقیّد کریں بالتصّرف کے پھر تصّرف کو مقید کریں ۔ چلو بالفرض لفظ متواتر مان لیں مگر مدلول پر قطعی نہیں ۔ لفظ کا متواتر ہو جانا اور چیز اس کا کسی مدعا پر دال ہونا اور چیز ہے۔''

حضرت جیؒ کے اس خط کو سمجھنا ماشما کے بس کی بات نہیں۔ شاید عبارت کا بغیر اعراب کے پڑھنا بھی مشکل ہو گا۔ آپؒ نے اس میں کثرت سے جن کتب کے حوالہ جات بیان فرمائے ہیں وہ ہر ایک کی دسترس میں نہیں ۔ اکثر کا نام بھی شاید بعض علماء کی نظر سے نہ گزرا ہو۔ حضرت جیؒ کے کتب خانہ میں یہ ساری حوالہ جاتی کتب موجود تھیں جن میں کثرت سے قدیم عربی و فارسی کتب بھی ہیں ۔ یہ تمام اس وقت حضرت جیؒ کی تحقیق اور تصنیف کے ماخذ کے طور پر دارالعرفان کی لائبریری میں محفوظ کر دی گئی ہیں ۔

باطنی اعجاز

حضرت جیؒ کے ہمعصر مناظرین میں بڑے بڑے نام ملتے ہیں۔ یہ حضرات اس دور کے جیّد علماء اورفنِ مناظرہ کے مانے ہوئے اساتذہ تھے لیکن حضرت جیؒ اس لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں کہ آپؒ کو ناموسِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دفاع کے لئے مامور فرمایا گیا۔ اپنی اس خصوصیت کے باوجود آج دنیا بھر میں آپؒ کی پہچان ایک مجددِ طریقت کی ہے لیکن روافض کے مقابلے میں بطور ایک مناظِر' آپؒ کی زندگی کی کم وبیش ایک دہائی' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی روحانی عظمت ان کے دور میں فتنۂ روافض کے تدارک کے لئے مؤثر ترین ہتھیار ثابت ہوئی تھی۔

حق وباطل کی کشمکش میں ہمیشہ سے اہل اللہ کا ایک منفرد کردار رہا ہے جو اسباب وعلل کی دنیا میں اگرچہ اس قدر نمایاں نظر نہیں آتا لیکن حقیقت میں اسے فیصلہ کن مقام حاصل ہوتا ہے۔ جب کسی بھی دور میں شر سے پیدا ہونے والی ظلمت حد سے بڑھ جائے تو ان ذواتِ قدسیہ کی روحانیت سے برپا ہونے والے اثرات' خیر وشر کے مابین بگڑے ہوئے توازن کو پھر سے نیکی کے

حق میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ نظام تکوینی یا باطنی نظام کا حصہ ہے جو بقائے عالم کے لئے ناگزیر ہے۔

1984ء میں راقم کو ایک مرتبہ حضرت امیر المکرّم کے ہمراہ سفر نصیب ہوا تو انہوں نے اس نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''حق و باطل کی جنگ میں بظاہر کچھ قوتیں برسرِ پیکار نظر آتی ہیں جن کے مابین وسائل کے اعتبار سے کوئی نسبت نہیں ہوتی لیکن مشیّتِ ایزدی کی طرف سے فیصلہ اسبابِ ظاہری سے قطعاً مختلف ظہور میں آتا ہے۔ اس کے پسِ پردہ وہ روحانی عوامل ہوتے ہیں جنہیں دیکھنے سے اہلِ دنیا کی نگاہ قاصر ہے۔ ظلمت اور نورانیت میں ایک حد تک توازن سے وجودِ کائنات قائم ہے۔ جب یہ توازن بگڑنے لگتا ہے تو اس دور کے شیخ کو اس قدر عالی مقام عطا کیا جاتا ہے کہ اس کا وجود ظلمت و نورانیت کے مابین توازن کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر ایک دَور ایسا بھی آئے گا جب دنیا پر چھا جانے والی ظلمت کو قطع کرنا کسی بڑے سے بڑے ولی کے بس کی بات نہ ہو گی۔ حضرت امام مہدیؒ کا وجود اپنے منصب اور بلندیٔ منازل کے باوجود قاصر ہو گا کہ نور اور ظلمت کے مابین بگڑے ہوئے توازن کو پھر سے درست کر سکے۔ اس وقت نظامِ ہستی کو رواں دواں رکھنے اور ظلمت کے مقابلے کے لئے ولی سے بڑھ کر ایک نبی کے وجود کی ضرورت ہو گی۔ یہ وہ دور ہو گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔☆''

باطنی نظام کے اس دستور کی روشنی میں یہ سمجھنا قطعاً مشکل نہ ہوگا کہ بلند پایہ ہم عصر مناظرین کے ہوتے ہوئے حضرت جیؒ کے ذمہ دربارِ نبوی ﷺ سے ناموسِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حفاظت کا فریضہ کیوں سونپا گیا جس کے بعد آپؒ نے قربِ الٰہی اور معیتِ باری تعالیٰ میں بسر ہونے والی خلوتوں کو چھوڑ کر بستی بستی اور قریہ قریہ گھومنے والے ہرکارے کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ آپؒ کو علمیت اور خطابت کے اعتبار سے تو ایک فوقیت ہمیشہ حاصل رہی لیکن آپؒ کی اصل فوقیت روحانی قوت کی صورت میں تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ایک کارندے کی حیثیت سے آپؒ کی ذات میں وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ۔ سورۃ انفال۔ 17) والی کیفیت پائی جاتی تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کا دور بھی ظلمتوں کے عروج کا دور تھا جن میں روافض کا فتنہ زوروں پر تھا لیکن آپؒ کے مقاماتِ عالی اور منصبِ جلیلہ کے دم قدم سے یہ ظلمتیں قطع ہوئیں۔ حضرت جیؒ کا دور بھی ظلمت اور نحوست کے حوالے سے مختلف نہ تھا۔ اس وقت اگرچہ بہت سی شمعیں فروزاں تھیں لیکن اب پھر روحانی اعتبار سے اسی قدر روشن چراغ کی ضرورت تھی جس کے سامنے اس دور میں چارسُو پھیلی ہوئی ظلمت ماند پڑ جائے۔ یہ کام

☆ مشہور عالمِ دین ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ نے 1990ء میں حضرت امیر المکرّم سے اولین ملاقات کے دوران کئی ایک سوالات پوچھنے کے بعد آخری سوال یہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف کیوں لائیں گے؟ آپ نے جب مندرجہ بالا حقیقت بیان فرمائی تو ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کیا کہ اس حقیقت کو بیان کرنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی وقت ڈاکٹر صاحب نے اپنے بڑے بیٹے کے ہمراہ حضرت امیر المکرّم کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت جیؒ سے لیا گیا جو اس دور میں نورانیت اور ظلمت کے توازن کو برقرار رکھنے میں سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کے ساتھ ایک طرح کی مماثلت رکھتے ہیں۔

جس طرح آج حضرت جیؒ کی پہچان آپؒ کی ذات کے روحانی پہلو تک محدود ہے' 60-1950ء کے عشرے میں لوگ آپؒ کو صرف ایک عالم اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ تاہم مناظرانہ دور کے آخر میں حضرت جیؒ کی شخصیت کا باطنی پہلو بھی ظاہر ہونے لگا۔

ملتان کے نواحی قصبہ شاہ جیون میں ایک مناظرہ ہوا تو آپؒ کی زبان مبارک سے کچھ ایسے کلمات نکل گئے جو مناظروں کی دنیا میں قطعاً نئی بات تھی:

> ''نبوت کے دو پہلو ہیں ظاہری اور باطنی' ظاہر والا حصہ علماءِ ربانی نے سنبھال رکھا ہے تو باطن والا حصہ اولیائے کرام نے۔ صرف ظاہری حصہ میں مسلم و غیر مسلم' سبھی شریک ہو سکتے ہیں جیسے پنڈت بھی قرآنِ مجید کے کچھ حصے یاد کر لیتے ہیں۔ جس کے لئے ایمان شرط نہیں لیکن باطنی حصہ صرف مخلصین' متقین اور متبعین کو ہی نصیب ہوسکتا ہے۔
>
> آپ لوگ اسلام کے دعویدار تو ہو لیکن عقائد ونظریات سب من گھڑت۔ کلمے سے لے کر تجہیز و تکفین اور جنازہ تک سب مصنوعی اسلام بنا کر پیش کر رہے ہو۔ چونکہ آپ لوگوں کا اسلام اصلی نہیں' ایمان خالص نہیں' اس لئے تمہارے گروہ میں کوئی ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔''

مخالفین نے اس کے جواب میں چند نام گنوائے تو آپؒ نے فرمایا:

''ان میں سے کوئی بھی ولی نہیں اور اگر ہے بھی تو ان کی وفات کے بعد ان کے مزارات کو تم لوگوں نے محض بھنگ چرس کا اڈا بنا لیا ہے۔ اگر ماضی میں ولی ہوئے ہیں تو آج کوئی زندہ بھی تو ہوگا۔ کسی زندہ ولی کو تلاش کر کے میرے تین سوالات کا جواب اس سے پوچھ کر بتاؤ۔ سال بھر کی مہلت ہے ایران پھرو' قُم جاؤ' شام ولبنان کے چکر کاٹو' کہیں سے جواب لا دو۔

پہلا سوال: فنا بقاء کا مراقبہ مقامِ ولایت میں ایک مشہور مراقبہ ہے' یہ پوچھ کر آؤ کہ یہ مراقبہ کس روحانی مقام پر کروایا جاتا ہے؟

دوسرا سوال: اس مراقبہ کے دوران روح پر کیا کیفیات طاری ہوتی ہیں؟

تیسرا سوال: اس مراقبے کی حالت میں مراقبہ کرنے والا کائنات پر کیا کیفیات محسوس کرتا ہے؟

لیکن یاد رکھو! ان سب چیزوں کا تعلق قال سے نہیں' حال سے ہے۔ کتابوں میں ان سوالات کے جواب نہیں ملیں گے۔ جس کو یہ نعمت نصیب ہو' صرف وہی اپنی کیفیات بیان کر سکتا ہے۔

اگلے سال شاہ جیون کے سالانہ مناظرہ میں جب دوبارہ آمنا سامنا ہوا تو حضرت جیؒ نے جوابات کا مطالبہ کیا لیکن جواب کہاں سے ملتا۔ آپؒ

نے فرمایا:

''آؤ! میں تمہیں حقانیت کا مشاہدہ کرا دوں۔ چھ آدمی منتخب کرو۔ میں انہیں چھ ماہ تک اپنے پاس رکھوں گا' کھانا اپنی مرضی کا دوں گا اور وہ مجاہدہ میرے کہنے پر کریں گے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ میں انہیں دکھا دوں گا کہ آج بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دربار نبوی ﷺ میں حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آؤ اور خود مشاہدہ کرلو۔''

لیکن حق کی طلب نہ ہونے کی وجہ سے بھرے مجمع میں کسی کو بھی حضرت جیؒ کی یہ دعوت قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ ایک اور موقع پر حضرت جیؒ نے فرمایا:

''مجھے اپنے چار آدمی دو' عمر 30 سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ نمازی ہوں' تبرّے باز نہ ہوں۔ کچھ مدت ساتھ رکھوں گا۔ پھر انہیں حضور ﷺ سے دریافت کرادوں گا' وہ خود ابوبکر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور ﷺ کے دائیں طرف متصل بیٹھے ہوئے دیکھ لیں گے۔ امام باقرؒ اور امام جعفرؒ سے دریافت کرادوں گا۔''

یہ چیلنج بھرے مجمع میں کیا گیا۔ یہ اتنا بڑا دعویٰ تھا جو باطنی تصرّف کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن مخالفین کو چونکہ اپنے مؤقف پر یقین ہی نہ تھا' اس چیلنج کو کون قبول کرتا؟ یہ چیلنج حضرت جیؒ کے اپنے الفاظ میں ریکارڈ شدہ موجود ہے اور قیامت تک اخوّتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ثبوت

میں آپؒ کی ایک کرامت کے طور پر قائم رہے گا۔

اہلُ اللہ کے ہاں بار ہا یہ صورت ملتی ہے کہ دلائل کے بعد ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ ایسی بات کہلوا دیتا ہے جس کی لاج رکھنا بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی اللہ والے کی زبان سے اس طرح کی بات کہلوا دی گئی' کسی کو مقابل آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اہلُ اللہ کی یہ کرامت سنّتِ مباہلہ ہی کی ایک صورت ہے۔

اسی ضمن میں حضرت جیؒ اکثر حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا مشہور واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے جس میں اُن کی طرف سے علماء نے پادری فنڈر کو چیلنج کیا تھا کہ اسلام اور عیسائیت کے مابین حقانیت کے ثبوت میں علمی مناظرہ کے بعد عملی مناظرہ بھی ہوگا۔ چونکہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام ہی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے اور اس طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی وارث ہیں' اس لئے وہ پادری فنڈر کے ساتھ ایک بوسیدہ قبر پر کھڑے ہوکر قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کہیں گے اور جس کے کہنے پر مردہ زندہ ہوگیا' وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل جانشین ہوگا کیونکہ نبی کا معجزہ مثلِ کرامت' حقیقی جانشین کو ورثہ کی صورت میں منتقل ہوتا ہے۔ عیسائی مُبلّغ خوب جانتا تھا کہ جب اللہ کا ایک ولی اس طرح کا دعویٰ کر گزرتا ہے' اس کے پیچھے اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور یقیناً اسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ چنانچہ وہ عملی مناظرے کی شرط سے خائف ہوکر مقابلے سے ہی دستبردار ہوگیا۔

اسی طرح یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت سیّد پیر مہر علی شاہؒ نے مرزا قادیانی کو مناظرے کے لئے چیلنج کیا کہ علمی دلائل کے بعد وہ کرامت کے ذریعے بھی ثابت کریں گے کہ مرزا کذّاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے ایک ولی کے اس دعویٰ سے مرزا قادیانی پر وہ ہیبت طاری کر دی کہ نبوت کا یہ جھوٹا مدعی سامنا کرنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔

حضرت جیؒ نے بھی ایک جلسہ میں مرزا قادیانی کے باطل مذہب کے رَد میں دلائل دینے کے بعد یہ چیلنج کیا تھا کہ اس وقت مرزا قادیانی کے ساتھ قبر میں جو گزر رہی ہے' آپؒ اس کا مشاہدہ کروا سکتے ہیں۔ اس وقت تو کسی کو اس مشاہدہ کی ہمت نہ ہوئی اگرچہ بعد میں قادیانیت سے تائب ایک خوش نصیب فوجی افسر نے چشمِ باطن سے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا۔

موجودہ شیخِ سلسلہ حضرت امیرالمکرّم نے 1958ء میں موضع پدھراڑ کے مناظرہ میں حضرت جیؒ کے اس باطنی پہلو کی ایک جھلک دیکھی تو یہی ان کے لئے آپؒ کی اصل پہچان کا واسطہ بنی۔ اس کے بعد انہوں نے آپؒ کا دامن ایسا تھاما کہ پھر کبھی نہ چھوٹا' حتیٰ کہ حضرت جیؒ برزخ میں تشریف لے گئے تو انہوں نے آپؒ کے مشن کو سنبھال لیا۔

یہ باطنی اعجاز حضرت جیؒ کی وہ خصوصیت تھی جس کے ساتھ آپؒ کو ناموسِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دفاع کا فریضہ سونپا گیا۔

ناموسِ صحابۂ کرام
رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حلقۂ احباب کے لئے حضرت جیؒ کی ذات اس قدر مجسم شفقت تھی کہ آپؒ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپؒ سب سے زیادہ شفقت اسی سے فرماتے ہیں۔ یہ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ کا پرتو تھا لیکن جہاں ناموسِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر آنچ آتی نظر آئی' آپؒ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ کی صورت میں سخت گرفت فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے:

''جو کچھ ملا ہے ناموسِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وجہ سے' کیونکہ حضور ﷺ کو اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑی محبت تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی رسالتِ مآب ﷺ کی زبان ہیں۔ وہی آپ ﷺ کی نبوت کے عینی شاہد ہیں اور فرموداتِ نبی ﷺ کے امین ہیں۔ سارے کا سارا دین صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معرفت امت کو پہنچا۔ اگر درمیان سے انہیں ہٹا دیا جائے' ان پر سے اعتماد اٹھ جائے تو رسالتِ مآب ﷺ پر ایمان کی کوئی سند اور دلیل باقی نہیں رہتی۔

اعتمادٗ دین کی بنیاد ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام' حضور ﷺ اور انبیائے کرام علیہم السلام تک پہنچاتے۔ انبیاء علیہم السلام کا

فرشتہ پر اعتماد اور پھر امت کا نبی پر اعتماد کہ جو بتائیں یہ اللہ کی طرف سے ہے' اسی خبرِ واحد پر اعتماد سے دین ہم تک پہنچا ہے۔

جب خلف کا سلف سے اعتماد ختم ہو جائے تو دین باقی نہیں رہ سکتا۔ اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کی تمام تر کوششیں صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہی رہی ہیں کہ ان کی مقدس جماعت کو بدنام کیا جائے' ان کی عیب جوئی کی جائے' مخلوقِ خدا کو کسی طرح ان سے بدظن کیا جائے کیونکہ دین کی بنیادیں صرف اسی صورت میں بکھیری جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے خلاف ایسی جرأت کرنا مشکل تھا' البتہ نبوت کے عینی شاہدوں سے ہی اگر اعتماد اٹھا دیا جائے تو ان کا یہ باطل مقصد پورا ہو سکے گا۔

نفوسِ مقدسہ کی یہ جماعت اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ دنیا میں جو بھی بڑی سے بڑی قوت ان سے ٹکرائی' پاش پاش کر دی گئی۔ دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد جنت کے ان باسیوں کی عیب جوئی یا ان کو کسی طرح کا گزند پہنچانے کی کوشش کرنے والوں کے ایمان اور روحانی صلاحیتوں کو ربِ قہار و جبار نے ریزہ ریزہ کر دیا۔ آج تک کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کوئی شخص صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مخالفت کے باوجود دنیا سے ایمان سلامت لے گیا ہو۔''

دربارِ نبوی ﷺ سے ناموسِ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کے لئے حضرت جیؒ کو جو فریضہ سونپا گیا' آپؒ نے اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی بجا آوری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپؒ کے ہر خطاب میں صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ ہوتا۔ اس مقدس جماعت کے خلاف ہر وار اپنے سینے پر برداشت کرتے اور اس دردِ دل کی ہر ٹیس آپؒ

کے خطابات میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

حضرت جیؒ مدحِ صحابہؓ پر اپنے خطاب کا آغاز سورۃ الفتح کی آخری آیات سے کرتے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۠

ایک مرتبہ خطبۂ مسنونہ اور سورۃ الفتح کی ان آیات کی تلاوت کے بعد آپؒ نے مدحِ صحابہ بیان کرتے ہوئے اور بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم اہلِ سنت والجماعت حنفی ہیں' شافعی نہیں' مالکی نہیں' حنبلی نہیں۔ اہلِ سنت والجماعت میں وہ بھی داخل ہیں۔ یہ سمجھ لو! اہلِ سنت والجماعت ہیں۔ جس دن سے صوفیاءِ کرام کا سلسلہ شروع ہوا ہے' سب کے سرتاج' اولیاء اللہ کے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی پیر بغدادیؒ ہیں۔ یہ ہوسکتا

ہے منازل کے لحاظ سے کوئی آدمی ان سے آگے ہو لیکن ان کی جو شخصیت ہے' اس کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ بہت مشکل ہے۔ صدیقؓ سے کئی آدمی عابد زیادہ ہوں گے' لیکن شخصیت جو صدیقؓ کی ہے' وہ صدیقؓ کوئی نہیں بن سکتا' فاروقؓ کوئی نہیں بن سکتا' عثمانؓ کوئی نہیں بن سکتا۔ علیؓ کوئی نہیں بن سکتا۔ اور سیّد عبدالقادر جیلانیؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ' جس کو ثانی عمرؒ کہتے ہیں' بہت بڑا عادل حکمران گزرا۔ ان کے عدل کے متعلق ایک شخص نے بیان کیا کہ میں کسی کے ساتھ ایک پہاڑی سے گزرا تو دیکھا کہ بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ بھیڑیے گھوم رہے ہیں لیکن کسی بھیڑ اور بکری کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ یہ عمرؒ بن عبدالعزیز کے عدل کی دلیل تھی۔ عمرؒ بن عبدالعزیز بہت بڑی ہستی گزری' تابعی تھے۔ کسی نے پیر صاحبؒ سے یہ پوچھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان زیادہ ہے یا عمرؒ بن عبدالعزیز کی شان زیادہ ہے؟ فرمانے لگے' کہ راستے پر برہنہ سر بیٹھا ہوں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے یہاں سے گزریں تو اس گھوڑے کے سموں سے اڑنے والی مٹی اگر میرے سر میں پڑ جائے تو میں اس وقت کہہ دوں گا کہ میں جنتی ہو چکا ہوں۔

یہ ہے شانِ صحابیت! پھر فرمایا حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کے ناک کی جو مٹی ہے' اس کی شان بھی عمرؒ بن عبدالعزیز سے زیادہ ہے۔ آپ مجھ سے یہ پوچھتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان زیادہ ہے یا عمرؒ بن عبدالعزیز کی۔ لڑائیاں بھڑائیاں ہم میں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ہم اگر قتل کریں' لڑیں' بھڑیں' پھر بھی جنتی ہیں' صحابہ کیوں نہیں؟

قرآنِ حکیم کی جو آیت تلاوت کی گئی اس میں صحابہ کرام کی تعریف یوں کی ہے۔ محمد الرسول اللہ ﷺ کون؟ اللہ کا رسول ﷺ' آگے کچھ نہیں بیان کیا' اس لئے کہ رسالت سے بڑھ کر اور کوئی منصب ہے ہی نہیں۔ کوئی فضیلت ہے ہی نہیں' کوئی ایسا مرتبہ نہیں جسے بیان کیا جائے۔ پھر ساتھ والوں کو بیان کیا۔ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ جو ان کے ساتھ ہیں۔ ان کے وہ وصف بیان کئے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ آپس میں بہت رحمدل ہیں' رحیم ہیں' کریم ہیں اور کفار پر بہت سخت۔ یہی صفت چونکہ قوتِ غضبیہ' قوتِ شہوانیہ ان کے لئے اپنے ہاتھ میں ہے' یہ نہیں کہ ناجائز طریقے سے اسے استعمال کریں۔ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اور جو قوتِ شہوانیہ ہے' اپنے محل پر استعمال کرتے ہیں۔ تجاوز نہیں کرتے۔ اگر یہ عقیدہ ہمارا نہ ہوتا کہ انبیاء علیہ السلام کے بغیر کوئی معصوم نہیں ہوتا تو ہم یقیناً کہہ دیتے کہ محمد الرسول اللہ ﷺ کے صحابی سارے کے سارے معصوم ہیں۔ پھر فرمایا۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ پہلے دو قوتیں بیان کی ہیں جس شخص سے گناہ ہوتا ہے' وہ یہ دونوں قوتیں بیان کرتا ہے۔ فرمایا! یہ غیر محل میں استعمال نہیں کرتے۔ پہلی چیز ان کی یہ بیان کی ہے کہ آپس میں تعلقات' کفار سے یا ایمان والوں سے ان کے یہ تعلقات ہیں۔ محبت اپنے محل پر استعمال کرتے ہیں۔ قوتِ غضبیہ کو بھی اپنے محل پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو ہیں معاملات۔ باقی رہ گئی عبادت' سب سے بڑی عبادت ہے نماز' نماز کا ذکر کیا۔ نماز میں اعلیٰ چیز ہیں رکوع و سجود' پھر ان کا ذکر کیا۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا دیکھتے ہیں آپ دیکھنے والے۔ وہ سجدہ کرتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں' ان کا سجدہ اور رکوع مجھے پسند ہے اور میرے نزدیک مقبول ہے اور محبوب ہے۔ پھر اس پر بھی صبر نہیں ہوا' فرمایا! یہ میرے آج کے محبوب نہیں بلکہ محبوبِ ابدی ہیں۔ میں نے ان کا ذکر توراۃ' انجیل' زبور اور سابقہ کتابوں میں بھی کر دیا۔ آج کی بات نہیں' یہ نہیں کہ میرے محبوب آج سے ہیں' نہیں بلکہ محبوبِ ازلی ہیں۔ جس وقت محمد الرسول اللہ ﷺ کا وجود تجوید ہوا' دنیا میں پیدا ہوں گے' اس کے ساتھ ساتھ محمد الرسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا بھی بیان کر دیا' اور ان کی بھی یہی شان تھی جو قرآنِ کریم میں بیان کر دی۔ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ ان کی مثالیں

میں نے توراۃ وانجیل میں بیان کردیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں سے ہیں۔''

اس طویل خطاب کے اختتام پر آپؒ نے فرمایا:

''خیال رکھنا! بہت بُری چیز ہے نیکوں کی دشمنی' صلحاء کی دشمنی' سب سے پہلا نقصان یہ پہنچاتی ہے کہ اس کے فیض سے' جو کچھ اس نے حاصل کرنا ہے دین' اس سے محروم ہو جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا خاتمہ کا خطرہ ہے۔ مولانا تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ کسی عالمِ ربانی یا ولی اللہ کی توہین کوئی کفر نہیں' کسی ولی اللہ کی توہین انسان کرے' اسے گالی دے۔ مگر مرتے کفر پر ہی ہیں۔ یہ لفظ ہیں' کفر نہیں مگر دیکھا گیا ہے' مرتے کفر ہی پر ہیں۔ انجام نیکوں کی دشمنی سوئے خاتمہ کا خطرہ پیدا کر دیتی ہے' اس لئے بڑا خیال رکھنا' صحابۂ کرام کا بہت بڑا پاس ہے ربّ العلمین کو۔ میں مولویوں کو کہتا ہوں' میاں! صحابۂ کرام کی مدح کریں۔ ان کے اوصاف بیان کریں۔ ان کے جہادوں کو بیان کریں۔ ان کی قربانی کو بیان کریں۔ وہ رازدار' محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت کے تھے۔ وہ عین چشم دید گواہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت کے تھے۔ وہ وحیٔ الٰہی کے چشم دید گواہ تھے۔ اسلام کے چشم دید گواہ تھے۔ اگر وہ مجروح ہو جائیں' جس مقدمے کے گواہ مجروح ہو جائیں یا جھوٹے ثابت ہوں' مقدمہ جھوٹا۔

اگر صحابی جھوٹا ہو جائے' محمد الرسول اللہ ﷺ العیاذ باللہ
نبی ثابت نہیں ہو سکتے۔ اسلام حق ثابت نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ
کہ خدا کی توحید بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ عقیدہ رکھیں۔''

اکتوبر 1983 میں لنگر مخدوم کے اجتماع کے موقع پر حضرت جیؒ نے جمعۃ المبارک کا خطاب فرمایا تو یہ درد نمایاں طور پر دیکھنے میں آیا۔ مدحِ صحابہٴ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد جب ناقدینِ صحابہؓ پر گرفت فرمائی تو آپؒ پر انتہائی جلال کی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپؒ کے الفاظ تھے:

''سمجھ لو! صحابہؓ کا معاملہ بہت دور تک پہنچ چکا۔
سول جج نے' مجسٹریٹ نے فیصلہ کر دیا۔ سیشن کورٹ سے
فیصلہ ہو گیا۔ ہائی کورٹ سے فیصلہ ہو گیا۔ سپریم کورٹ سے
فیصلہ ہو گیا۔
سپریم کورٹ' ربّ العٰلمین کا کلام۔
ہائی کورٹ' محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان۔
فیصلہ کر دیا اور وجود ہدایت سے لے کر مثالِ نبوت تک
صحابہٴ کرامؓ کو پیغمبر ﷺ نے فرمایا۔
سمجھ لو! صحابہٴ کرامؓ زبان ہیں' محمد رسول اللہ ﷺ کے بازو
ہیں۔ بڑے سے بڑا عالم ہو' بڑے سے بڑا فاضل ہو' کچھ
بھی ہو لیکن اس کی زبان کاٹ دو' اس کے بازو کاٹ دو'
اس کا علم سب ضائع ہو جائے گا۔
(اگر) صحابہ گر گئے' محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان کٹ گئی'
بازو کٹ گئے' لکھنا ختم ہو گیا (معاذ اللہ)۔

آج ایک شخص اٹھتا! بازار میں بیٹھ جاتا!
آپ ہی مدعیٔ اِستغاثہ' آپ ہی وکیلِ استغاثہ بن جاتا!
صحابہ کا مقدمہ پیش ہو جاتا' وہ ملزم ہیں!
ہائی کورٹ' سپریم کورٹ کے فیصلوں کے بعد چوہڑا چمار
اٹھ کر بازار میں کرسی لگا لے!
استغاثہ کا وکیل بھی آپ! مدعی بھی آپ!
شہادتیں کون سی پیش ہوئی ہیں؟
واقدی' ابومخنف' نون بن یحیٰ! تینوں رافضی۔
یہ گواہ پیش ہوتے ہیں' سبحان اللہ! فیصلہ کر رہا ہے' چوہڑا چمار!
جہاں سپریم کورٹ کا فیصلہ ہو چکا' ہائی کورٹ کا فیصلہ ہو چکا۔
آج تُو از سرِنو مقدمہ لے بیٹھا ہے!
یہ خیال رکھنا' سوادِ اعظم کی اتباع نہیں چھوڑنی۔
قرآن نے بتایا' رضی اللہ عنہم ورضوعنہ۔
مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے! رضا مندی کا اعلان ہو چکا ہے!
آج اٹھ کر چوکیدار مقدمہ قائم کرے؟
ابوبکر' عثمان' سیّدنا امیر معاویہ ملزم؟''

فرائضِ منصبی کی بجا آوری پر انعام عطا کرنا مالک پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جیؒ کو جو مناصبِ جلیلہ اور مقاماتِ عالیہ عطا فرمائے' وہ ایک ایسا انعام ہے جس سے یہ باور کرنا مشکل نہ ہو گا کہ آپؒ نے کس قدر احسن طریقے سے فرائضِ منصبی کی بجا آوری کا حق ادا کیا۔ اس دوران آپؒ کی شبانہ روز محنت' مسلسل تڑپ اور جنون کی حد تک کارِ منصبی سے لگاؤ کی شہادت تو

مصحفِ شب و روز میں رقم ہو چکی' ان اوراق میں اس کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آرزو ہے کہ حضرت جیؒ کے مناظرانہ دور کے چند واقعات' جو وقت کے دھندلکوں میں اوجھل ہو چکے تھے' حوالۂ تاریخ کرنے کی نسبت سے گواہوں میں شمار ہو جائے۔

خشتِ اوّل

زمیندار ہونے کی حیثیت سے حضرت جیؒ معاشی طور پر خود کفیل تھے۔ آپؒ نے علمی اور دینی خدمات کو کبھی ذریعۂ معاش نہ بنایا۔ آپؒ کی بے لوث دینی خدمات اور دیانت وصداقت کو دیکھتے ہوئے لوگ آپؒ پر اعتماد کرتے اور اکثر اپنے ذاتی مسائل میں رہنمائی کے خواستگار ہوتے۔ چکڑالہ اور اس کے گردونواح کے اکھڑ دیہاتی مسلمان اگرچہ عملی طور پر دین سے دور تھے لیکن شرعی مسائل، بالخصوص نکاح اور طلاق کے معاملات میں انہیں ایک ایسے منصف کی ضرورت تھی جو نہ صرف شریعت کے علم پر عبور رکھتا ہو بلکہ بلاکم وکاست اور بغیر کسی رعایت وطرفداری جرأتمندانہ فیصلے بھی کر سکے۔ حضرت جیؒ بطور ایک جیّد عالم علاقہ بھر میں متعارف ہوئے تو اس کے ساتھ ساتھ آپؒ کو ایک ایسی غیر متنازعہ عدالت کی حیثیت بھی حاصل ہوگئی جس کے فیصلے واجب الاحترام اور عمل درآمد کے لئے کسی قوتِ نافذہ کے محتاج نہ تھے۔

قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ قبل طلاق کے ایک مقدمے کی سماعت کے لئے حضرت جیؒ کو میال (تلہ گنگ میانوالی روڈ) کے علاقہ میں جانا پڑا۔ یہاں لڑکی سے پوچھ گچھ کے لئے ایک ایسے متقی بزرگ کی ضرورت پیش آئی جس کے سامنے وہ خاندان والوں کے اثر سے آزاد ہوکر اپنی مرضی کا بیان

دے سکے۔ یہ ذمہ داری میاں اڈہ کی نواحی ڈھوک لیٹی کے قاضی ثناء اللہ کے سپرد ہوئی۔ حضرت جیؒ کی عمر اس وقت چالیس برس سے قدرے زائد تھی اور داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ تھا جب کہ قاضی جیؒ کی داڑھی میں ایک بال بھی سیاہ نہ تھا۔

قاضی جیؒ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے' تین صد رکعت نوافل روزانہ کا معمول تھا جس پر زندگی بھر کاربند رہے۔ اپنی زمین میں فصل خود کاشت کرتے' بکریاں خود چراتے تاکہ غیر کی فصل سے ایک تنکا بھی نہ کھائیں۔ ان بکریوں کے دودھ اور خود کاشت فصل کے اناج پر گزارا تھا۔ انتہائی عسرت کے باوجود دو حج کئے۔ 1944ء کے حج میں ڈھلی کے ہیڈ ماسٹر محمد خان شریکِ سفر تھے۔ ان کی روایت کے مطابق' قاضی جیؒ نے پورے سفر میں بحری جہاز کے عملے کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا نہ کھایا بلکہ صرف پانی اور گھر کے توشہ پر گزارا کیا کیونکہ عملہ کے اکثر لوگ بے نماز تھے۔

قاضی ثناء اللہؒ ایک عرصے سے حضرت جیؒ کے علمی مرتبہ کے معترف اور زورِ خطابت کے مداح تھے۔ جہاں کہیں آپؒ کے مناظرے یا جلسے کی اطلاع پاتے' بیسیوں میل پیدل سفر کرتے ہوئے آپؒ کا خطاب سننے پہنچ جاتے۔ دیگر عقیدت مندوں کی طرح قاضی جیؒ بھی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ان جلسوں کے روحِ رواں' مناظروں کے فاتح اور مسندِ عدالت پر فائز اس منصف کی خلوتیں کیونکر بسر ہوتی ہیں۔ اس حالت میں کہ ''ایک میں ہوں' ایک میرا رب ہو اور درمیان میں کوئی دوجا حائل نہ ہو یا پھر مراقبۂ فنافی الرسول ﷺ میں درِ اقدس کی چوکھٹ پر رات بسر ہو جاتی ہے''۔

مقدمہ ختم ہوا تو حضرت جیؒ نے واپسی کی راہ لی۔ آپؒ گھوڑے پر

سوار تھے جب کہ عمائدینِ بستی الوداع کہنے کچھ دور تک پیدل ساتھ آئے۔ ان میں قاضی جیؒ بھی شامل تھے۔ اس دوران ہمت پائی تو گھوڑے کی رکاب تھام کر حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا:

''مولوی جی! دندہ والے شاہ صاحب سے لطائف سیکھتا تھا۔ شیخ فوت ہو گئے تو اب کوئی بندہ نہیں ملتا جو آگے سبق دے۔''

اس پیرانہ سالی میں قاضی جیؒ کی طلب کا یہ حال دیکھا تو حضرت جیؒ کی زبان سے نکل گیا:

''اگر وہ بندہ میں ہی بن جاؤں تو!''

قاضی جیؒ کچھ دیر کے لئے تو ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ یہ کالی داڑھی والے مولوی صاحب اور مناظر جو وضع قطع سے میانوالی کے دبنگ زمیندار تو نظر آتے تھے لیکن کہاں اللہ اللہ کرانے والے بوریا نشین اور کہاں یہ مناظر اور لوگوں کے مقدمات نپٹانے والے عوامی عدالتوں کے منصف۔ قاضی جیؒ نے سوچا' غرض آم کھانے سے ہے' وضع قطع سے کیا غرض۔ چنانچہ آپؒ کی ہدایت کے مطابق چکڑالہ حاضرِ خدمت ہوئے۔

قاضی جیؒ دندہ شاہ بلاول میں سیّد محمد شاہؒ سے بیعت تھے۔ سال بعد جاتے تو پہلے لطیفہ پر ہی ایک سال مزید محنت کا حکم ملتا۔ اس طرح لطیفۂ قلب کرنے میں بائیس سال صرف ہوئے۔ اب وہ حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچے تو ایک ہی صحبت میں ان کے ساتوں لطائف جاری ہو گئے۔ آپؒ نے قاضی جیؒ کو ایک سال تک ساتوں لطائف پر محنت کے بعد دوبارہ چکڑالہ آنے کی ہدایت فرمائی۔ سال گزرنے پر ملاقات ہوئی تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

"قاضی جیؒ، وہ سبق یاد بھی ہے یا بھول گئے ہیں؟"

یہاں شاگرد کا یہ حال تھا کہ سال بھر حضرت جیؒ کا دیا ہوا سبق وردِ جاں بنا رکھا تھا۔ آپؒ نے اک نگاہ ڈالی تو ان کے ساتوں لطائف کو خوب روشن پایا۔ ادھر زمین تیار تھی اور حضرت جیؒ کے ہاں کمال کی فیاضی، ایک ہی صحبت میں مراقباتِ ثلاثہ طے کرا دیئے۔ بیت اللہ اور روضۂ اقدس کا مراقبہ ہوا اور ساتھ ہی قاضی جیؒ کو مجلسِ نبوی ﷺ کی حاضری نصیب ہوئی۔

اللہ اللہ! کہاں بیسویں صدی کا الحادی دور، کہاں زمانی ومکانی فاصلے اور کہاں عالمِ آب وگل میں ہوتے ہوئے برزخ میں درِ مصطفیٰ ﷺ پر حاضری!

قاضی جیؒ دیدۂ بینا رکھتے تھے۔ روح کو احدیت، معیت اور اقربیت کی منازل طے کرتے ہوئے دیکھا۔ بیت المعمور کے طواف کا مشاہدہ کیا اور جب ان کے لئے درِ رحمت ﷺ وا ہوا تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ سوسالہ یہ بزرگ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ ضبط نہ ہو سکا تو بے اختیار پکار اٹھا:

"کہاں ہیں وہ مسند و ممبر نشیں، جو یہ کہتے ہیں کہ اس عالِم میں دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری ممکن نہیں، کاش میں انہیں اس حاضری کا منظر دکھا سکوں۔"

اس کرم کا واسطہ کون بنا؟ مناظروں کے میدان کا فاتح، بظاہر ایک دبنگ زمیندار جس نے ہاتھ تھاما تو حجابات حائل رہے نہ ذاتی کمزوریاں رکاوٹ بنیں۔ یہ کیسی ہستی ہے جس کا پروانہ اس دربارِ عالی میں حاضری کا

اجازت نامہ قرار پایا۔ یہ کیسی پذیرائی ہے کہ ادھر حضرت جیؒ نے کہا آگے بڑھو اور ساتھ ہی دامنِ مصطفیٰ ﷺ میں جگہ مل گئی' اور کن لوگوں کو؟ ہم جیسے گنہگار' بدکار اور عصیاں میں ڈوبے ہوئے' جو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسا ممکن ہے۔

اس ہستی کا مقام کیا ہوگا جو اس عطا کا باعث بنی جس نے بہت سوں کے نصیب سنوارے۔ جو بھٹکے ہوئے تھے انہیں راستے پہ ڈالا' انگلی پکڑ کر چلایا اور سلسلۂ عالیہ کی صورت میں ایک ایسی جائے سکوں عطا فرمائی جہاں ایمان و یقین کو تحفظ ملا۔ یہ جائے سکوں' سلسلۂ عالیہ کی یہ عمارت جسے حضرت جیؒ نے پھر سے استوار کیا' قاضی جیؒ اس کی خشتِ اوّل تھے۔

قاضی جیؒ کے معاملات ماضی کے اہل اللہ سے کسی طرح بھی کم نہ تھے۔ کثرتِ نوافل' ذکر واذکار' ورع وتقویٰ' ریاضت ومجاہدہ' ان سب میں قاضی جیؒ کے ہاں قرونِ اولیٰ کے اولیاء کرام کی جھلک نظر آتی۔ قاضی جیؒ کا زادِ راہ ایک جائے نماز' قرآنِ حکیم اور کتبِ وظائف کے لئے کپڑے کا بستہ نما ایک تھیلا اور سلور کا ایک لوٹا جس کے اوپر ٹین کا ڈھکن ڈوری سے بندھا ہوتا۔ نوافل اور تلاوت کا سلسلہ جاری رہتا۔ کچھ دیر کے لیے پیوند شدہ جائے نماز پر لیٹ جاتے لیکن جلد ہی اٹھ بیٹھتے' وضو کرتے اور دوبارہ معمولات شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ احباب کے دریافت کرنے پر بتایا:

''نفل تین صد پڑھ لیتا ہوں لیکن گنتی نہیں کرتا۔ ایک دفعہ گنتی کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی' میں نے تمہیں نعمتیں گن کر دی ہیں جو نوافل گن رہے ہو۔ اب نہیں گنتا۔''

اس مجاہدے کے ساتھ حضرت جیؒ کی توجہ نصیب ہوئی تو انتہائی سرعت سے منازلِ سلوک طے ہونے لگیں۔

حضرت جیؒ نے قاضی جیؒ کے روحانی سفر کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں فرمایا ہے۔ آپؒ کے الفاظ میں:

"قاضی جیؒ نے اپنی حالت بیان کی کہ میں ایک کشتی میں سفر کرتا ہوں۔ ایک سبز رنگ کا پرندہ کشتی سے آگے اڑتا رہتا ہے اور بولتا جاتا ہے' میں کشتی میں اس کے پیچھے چلا جاتا ہوں۔ پھر ایک مدت کے بعد پانچ نہریں نظر آتی ہیں۔ میں حیران تھا کہ کس نہر میں چلوں۔

میں (حضرت جیؒ) نے رہنمائی کی:

آپ دائرۂ حقیقتِ صلوٰۃ میں چل رہے ہیں۔ پانچ نہریں' وہ اوقاتِ نماز ہیں۔ آپ جس میں بندہ کو دیکھیں اس میں چلنا' باقی جس میں چلیں اس میں کوئی حرج نہیں۔"

قاضی جیؒ کو ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ قاضی جیؒ نے انہیں حالتِ مراقبہ میں پایا تو وہ بھی ان کے ساتھ مراقب ہو گئے۔ حضرت لاہوریؒ بہت قوی مشاہدات رکھتے تھے' قاضی جیؒ کو ساتھ دیکھا تو ان کی عمر اور وضع قطع سے سمجھے کہ وہ برزخ کے کوئی بزرگ ہیں جو روحانی پرواز میں شامل ہو گئے ہیں۔ راہِ سلوک میں اس قسم کے معاملات اکثر پیش آتے ہیں اس لئے حضرت لاہوریؒ کا یہ گمان اپنی جگہ درست تھا لیکن مراقبات ختم ہوئے تو قاضی جیؒ کو مسجد کے ایک کونے میں موجود پایا۔ ان سے حال احوال پوچھا۔ شیخ کے متعلق بات ہوئی تو قاضی جیؒ نے حضرت جیؒ کا ذکر

کیا۔ مولانا لاہوریؒ کی رحلت کے بعد ایک مرتبہ حضرت جیؒ لاہور میں قبرستان میانی صاحب کے پاس سے گزرے تو محسوس ہوا کہ اہلِ قبور میں سے ایک صاحب توجہ فرمانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ رابطہ قائم کرنے پر معلوم ہوا کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ ہیں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا' آپ تو میرے متعلق جان چکے تھے' صاحبِ بصیرت بھی تھے' پھر رابطہ کیوں نہ کیا۔

قاضی جیؒ کی سادہ اور قلیل خوراک کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے' حضرت جیؒ انہیں فرمایا کرتے:

''قاضی جی! نفس کا بھی حق ہے۔ قیامت کے روز یہ آپ کے خلاف مدعی ہوگا۔''

حضرت جیؒ کے فرمانے پر کبھی کبھار کسی پھل کی ایک آدھ قاش کھا لیتے لیکن کچھ دیر بعد نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے:

''لالو (قاضی جیؒ نے یہ اپنے نفس کا نام رکھا ہوا تھا) ابھی تو خوش ہو جاؤ لیکن آج پوری رات نفل پڑھنا ہوں گے۔''

قاضی جیؒ کے اندازِ گفتگو میں سادگی اور معصومیت کے پیرایہ میں کبھی شگفتہ مزاجی کی جھلک بھی نمایاں ہوتی۔ قاضی جیؒ کو ایک آنریری کپتان کی فوتیدگی کی اطلاع ملی جو حج کے موقع پر ان کا شریکِ سفر تھا۔ قاضی جیؒ کا فرمانا ہے کہ ابھی لفافہ کھولا بھی نہ تھا کہ تپش کا احساس ہونے لگا۔ تعزیت کے لئے گئے تو پسماندگان کے اصرار پر قبرستان بھی جانا پڑا۔ اس نئے آباد قبرستان میں چند ہی قبریں تھیں لیکن سبھی معذّب۔ قاضی جیؒ کی زبان سے بے ساختہ نکلا' یہاں تو سارے کپتان ہی نظر آتے ہیں۔

قاضی جیؒ ذکر کے لئے بیٹھتے تو احباب کو اکثر ہدایت کرتے:

''ذکر شروع کرتے ہو تو بغیر منازل کی طلب' بغیر کشف کی طلب' بغیر بڑا بننے کی طلب' بغیر پیر بننے کی طلب' صرف اللہ کی رضا کے لئے کرو۔''

ذکر سے پہلے تصحیحِ نیت ضروری ہوتی ہے۔کئی احباب اسی طرح کی خواہشات لے کر ذکر میں شریک ہوتے ہیں اور جب کچھ حاصل نہیں ہوتا تو الٹا ذکر اور سلسلۂ عالیہ پر الزام دھرتے ہیں۔ایسا کرنے سے پہلے ذرا اپنی قلبی حالت کا جائزہ تو لے لیا کریں کہ وہ اللہ کی رضا کا طالب ہے یا اپنی بڑائی اور بزرگی کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔

قاضی جیؒ ذکر کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے:

''جب ذکر شروع کرتے ہیں اور لفظ اللہ دل سے اٹھاتے ہیں تو اللہ کی الف میں اتنے انوارات ہوتے ہیں کہ ساری کائنات ان سے بھر جاتی ہے۔انوارات کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی تو پکار اٹھتی ہے **اللہ اللہ** اور ہر چیز سے خشوع وخضوع ٹپک رہا ہوتا ہے۔''

احباب کو اکثر یہ تجربہ ہوا ہوگا کہ ذکر کے دوران بعض اوقات ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ زبان سے بے اختیار **اللہ اللہ** نکل جاتا ہے۔ایسے مواقع پر شیخ کی طرف سے یہی ہدایت ملتی ہے کہ زبان بند رکھیں اور انوارات کو جذب کریں۔اس سے قلبِ انسانی کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ کی توجہ سے گھنٹوں ذکر کے دوران انوارات جذب کرتا ہے' جب کہ کائنات کی حالت یہ ہے کہ کسی اللہ والے کی پہلی ضرب کے ساتھ ہی ہر چیز **اللہ اللہ** پکار اٹھتی ہے اور انوارات کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ ﷺ اسے دیکھتے جھکا ہوا اور وہ اللہ کے خوف سے پاش پاش ہو جاتا۔'' (الحشر۔21)

انوارات و تجلیات' خواہ کلامِ الٰہی کی صورت ہوں یا ذکرِ الٰہی کی صورت' انہیں برداشت کرنا سوائے توفیقِ باری تعالیٰ ممکن نہیں۔ پوری کائنات میں یہ قلبِ مومن ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر وسعت عطا فرما دی ہے کہ وہ نہ صرف انوارات کو جذب کرتا ہے بلکہ ان کے انعکاس کا واسطہ بن جاتا ہے۔

مراقبات کے دوران منازلِ بالا طے کرتے ہوئے قاضی جیؒ حالتِ سکر میں پکار اٹھتے:

''ایہہ اوہ سمندر اے جس وچ انبیاء و رسل وتنے (پھرتے) رہے۔''

پھر اپنے بارے میں کہنے لگے:

''کتیاں بلیاں نی کیہڑی جاوے (تو کتوں اور بلیوں کی کون سی جگہ ہے) ایہہ سلوک ختم نہیں ہونا (یہ سلوک ختم نہیں ہوتا)۔''

قاضی جیؒ کی ڈھوک لیٹی کے اطراف واکناف کے ڈیروں سے لوگ بارہا اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل لئے دعا کے لئے حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص قاضی جیؒ کے پاس دم کرانے آیا اور شکایت کی کہ اس کی گائے

دودھ دوہتے ہوئے ٹانگیں بہت مارتی ہے۔ قاضی جیؒ گائے کے پاس گئے' اس کے کان میں کچھ کہا اور فوراً اُلٹے پاؤں واپس بھاگے۔ قاضی جیؒ سے پوچھا گیا تو وضاحت کی:

''میں نے گائے سے کہا تھا کہ مالک تیرا کس قدر خیال رکھتا ہے' تجھے چارہ کھلاتا ہے' تیری خدمت کرتا ہے اور تو اس کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہے؟ اچانک خیال آیا کہ وہ یہی سوال مجھ سے نہ کر بیٹھے' اس لئے اُلٹے پاؤں واپس بھاگا۔''

ایک ساتھی نے قاضی جیؒ سے دعا کے لئے کہا۔ دعا کے بعد انہوں نے اس ساتھی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

''آپ کی بڑی مہربانی جو مجھے دعا کے لئے کہا اور اللہ تعالیٰ سے میرا تعلق جوڑنے کا ذریعہ بنے۔''

قاضی جیؒ تیز قوتِ مشاہدہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے مسواک پیش کی تو اسے استعمال نہ کیا کیونکہ وہ خودرو درخت کی بجائے کسی شخص کے ملکیتی درخت سے کاٹی گئی تھی۔ ان کی اس تیز قوتِ مشاہدہ سے متاثر ہو کر سری لنکا سے آئے ہوئے ایک صاحب نے کہا:

"He is a very dangerous man. You cannot hide yourself from him"

حضرت جیؒ کے سامنے ایک شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ وہ دریا میں ڈوبا ہوا جا رہا ہے اور صرف اس کے بازو پانی سے باہر ہیں۔ حضرت جیؒ نے قاضی جیؒ کو بلا کر فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر حضرت ابن سیرینؒ سے پوچھ کر

بتائیں۔ قاضی جیؒ نے عرض کیا' حضرت کچھ سمجھ نہیں آتا وہ کیا کہہ رہے ہیں۔
حضرت جیؒ نے فرمایا:

''ان سے کہو میں پنجابی ڈھگا (بیل) ہوں مجھے پنجابی میں بتائیں۔''

فوراً بولے حضرت سمجھ آ گئی۔ یہ شخص مرنے کے بعد شہرت پائے گا۔

ایک مرتبہ قاضی جیؒ راقم کے ساتھ پشاور جا رہے تھے اور دورانِ سفر حالتِ استغراق میں تھے۔ اٹک پل کے قریب اچانک عالم سکر میں گویا ہوئے:

''کائنات کو اپنی پوری وسعت کے ساتھ میرے سامنے منکشف کر دیا گیا۔ اچانک یہ سمٹنے لگی اور پھر سمٹتے سمٹتے رائی کے ایک دانے کے برابر ہو گئی جسے میں اپنی ہتھیلی پر دیکھ رہا تھا۔''

پھر فرمایا گیا:

''تو نے جو کچھ دیکھا ہے میرے علم کے سامنے اس کی رائی کے برابر بھی حیثیت نہیں۔''

ایک اجتماع کے دوران ذکر شروع ہو چکا تھا لیکن بعض احباب پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت جیؒ نے ہدایت فرمائی کہ ذکر میں جلدی شامل ہوں۔ قاضی جیؒ بھی کہیں پاس ہی وضو کر رہے تھے۔ آپؒ کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی تو اسی حالت میں لوٹے کو چھوڑا اور بغیر وضو کئے' بھاگتے ہوئے ذکر میں شامل ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر 125 سال سے کم نہ ہو گی لیکن حضرت جیؒ کے حکم کی بجا آوری میں' جو اگرچہ ان کے لئے نہ تھا' قاضی جیؒ کا دوڑتے

ہوئے ذکر میں شامل ہونے کا منظر قابلِ دید تھا۔

شیطان نے بھی قاضی جیؒ کا احترام کیا۔ ایک مرتبہ قاضی جیؒ نے شیطان سے مکالمہ شروع کر دیا:

''او مردود! توبہ کیوں نہیں کرتا؟ توبہ کرلو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بڑی ہی کریم ہے۔''

شیطان نے جواب دیا:

''قاضی جی میں تو ازل کا مردود ہوں' توبہ کس طرح کروں؟''

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جیؒ فرمایا کرتے:

''شیطان نے بھی ''قاضی جی'' کہہ کر ان کا احترام کیا۔''

قاضی جیؒ نے اپنی زمین میں ایک قبر تیار کر رکھی تھی جہاں پہروں ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ ان کی خواہش تھی کہ مرنے کے بعد وہ اسی قبر میں دفن ہوں لیکن 1970ء میں جب اہلیہ کی وفات ہوئی تو یہ قبر اسے نصیب ہوئی۔ حضرت جیؒ اس موقع پر احباب کے ہمراہ لیٹی تشریف لے گئے اور دو روز تک وہیں قیام فرمایا۔ قاضی جیؒ کو تشفی دیتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

''الحمدُ للہ' آپ کی آزمائش ختم ہوئی۔ آپ نے شب و روز بہت خدمت کی تھی۔''

قاضی جیؒ نے روتے ہوئے عرض کیا:

''حضرت! بیوی اپاہج تھی۔ رات بھر جاگتا' اس کی خدمت بھی کرتا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیحات کا بھی موقع مل جاتا۔ پچیس سال تک یہی معمول رہا لیکن اب شاید راتوں

کو اس طرح اٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کر سکوں۔''

لیکن اس کے بعد بھی قاضی جیؒ کے مجاہدوں میں کوئی کمی نہ آئی۔

قاضی جیؒ اگرچہ انتہائی عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن احباب کی آمد پر ان کی مہمان نوازی کا سماں دیکھنے سے تعلق رکھتا۔ کئی مرتبہ اہلِ خانہ کے ہمراہ ان کے گھر حاضری دی اور دھواں اگلتے ہوئے چولہے کے سامنے ان کے ساتھ بیٹھ کر مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ یہ دعوت کیا ہوتی! تنور کی روٹی' بکری کا دودھ اور اس میں دیسی شکر۔ ایک بار گھر میں دودھ نہیں تھا تو ایک پوتی یا شاید پڑپوتی کو آواز دی جو قریب ہی بکریاں چرا رہی تھی۔ اس نے قاضی جیؒ سے برتن لیا اور ایک بکری کا دودھ دوہنے کے بعد ان کو پیش کیا جس سے ہمارے لئے چائے تیار ہوئی۔

قاضی جیؒ کی عظمت کے تمام پہلو اپنی جگہ' لیکن ان کے لئے حضرت جیؒ کے الفاظ سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا۔ آپؒ نے متعدد بار فرمایا:

''اگر روزِ حشر اللہ کریم نے مجھ سے پوچھا' کیا لائے ہو تو میں اس کے حضور قاضی جیؒ کو پیش کر دوں گا۔''

حضرت جیؒ کی ایک محفل میں قاضی جیؒ مراقب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت امیر المکرّم بھی اس موقعہ پر موجود تھے۔ آپؒ نے حضرت امیر المکرّم سے فرمایا:

''قاضی جیؒ کی منازل کا خیال کرو' وہ ہر وقت اپنے ہی اسباق میں گم رہتے ہیں۔''

حضرت امیر المکرّم نے عرض کیا:

''قاضی جیؒ چھڑی پکڑے ہوئے اپنی منزل کی طرف

رواں دواں ہیں۔ اپنے سبق سے دھیان نہیں ہٹاتے۔
قرونِ اُولیٰ کے حضرات کی مثال ہیں۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''ساری جماعت ایک طرف اور قاضی جیؒ ایک طرف' پھر بھی ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔''

قاضی جیؒ کو سلسلہ عالیہ کی ترویجِ نو میں خشتِ اول کی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت جیؒ ان کے ہاں لیٹی تشریف لے جاتے' کئی مرتبہ قیام بھی فرمایا اور آبادی سے دور اس مقام پر اللہ اللہ کرنے کی خاطر ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی۔ قاضی جیؒ کو اللہ تعالیٰ نے بلند منازل عطا فرمائیں لیکن ان سب خصوصیات کے باوجود حضرت جیؒ نے ترویجِ سلسلہ کی ذمہ داری کبھی ان کے سپرد کی نہ انہیں صاحبِ مجاز بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قاضی جیؒ اکثر حالتِ سُکر میں رہتے جب کہ روحانی تربیت کے لئے صاحبِ حال ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت جیؒ نے قاضی جیؒ کی حالتِ سُکر کے بارے میں فرمایا:

''یہ شخص پڑھا لکھا ہوتا تو میرے ساتھ چلتا۔ بس انوارات میں ڈوبے رہتے ہیں' منازل پر چلتے ہیں لیکن منصب کے اہل نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ مجاذیب یا وہ اہل اللہ جو اکثر حالتِ سُکر میں رہتے ہیں' ان سے مخلوقِ خدا کی تربیت کا کام نہیں لیا جاتا اور بلندئ منازل کے باوجود انہیں منصب عطا نہیں کئے جاتے جو دراصل باطنی نظام کے مختلف عہدے اور ذمہ داریاں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ انتظامی امور کے متعلق حضرت امیر المکرمؒ کو ہدایات دے رہے تھے جبکہ قاضی جیؒ قریب ہی بیٹھے مراقبات میں گم تھے۔ حضرت جیؒ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''قاضی جی' جماعت کی یہ ذمہ داریاں آپ پر نہ ڈال دیں!''

قاضی جیؒ نے عرض کیا:

''اونٹوں کا بوجھ اونٹ ہی اٹھا سکتے ہیں' اسے مرغوں پر نہ ڈالیں۔''

حالتِ جذب میں قاضی جیؒ کے مشاہدات اکثر ان کی اپنی کیفیات سے متاثر ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ نے مٹی کی ایک ڈھیری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی جیؒ کو اس طرف متوجہ فرمایا تو قاضی جیؒ نے عرض کیا:

''حضرت! بہت تیز انوارات ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کسی خاص ولی کا مرقد ہے۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''قاضی جی' وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ آپ کو اپنی توجہ سے وہ جگہ منوّر نظر آتی ہے۔''

ساتھیوں کی تربیت کے دوران بعض اوقات قاضی جیؒ سے کوئی ایسی بات صادر ہو جاتی جو موقع و محل کے مطابق درست نہ ہوتی۔ میجر غلام محمد ایک مرتبہ ذکر میں ان کے ساتھ شریک ہوئے تو قاضی جیؒ نے انہیں وہ منازل بھی طے کرا دیں جو ان کے لئے قبل از وقت تھیں اور ابھی مزید مجاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اضطراری مجاہدے کی صورت دورِ ابتلا شروع ہو گیا'

مصائب پیش آئے جن میں سے ایک' اُن کی تنزلی بھی تھی۔

یہی صاحب ایک مرتبہ بلوچستان کے علاقے میں کیمپ پذیر تھے۔ چھٹی کے دوران قاضی جیؒ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا تو انہیں بتایا کہ جہاں ان کا کیمپ ہے اس علاقے میں سانپ وغیرہ کی کثرت ہے' کوئی وظیفہ بتائیں۔ قاضی جیؒ کے بتائے ہوئے وظیفہ پر عمل شروع کیا تو اگلی صبح شامیانے کے چاروں طرف حفاظتی کھائی میں سانپ' بچھو اور کئی دوسرے حشرات الارض جمع دیکھے۔ یہی ماجرہ بار بار پیش آیا تو وظیفہ چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپؒ متبسم ہوئے اور فرمایا:

> ''تو بھی سادہ تے قاضی جی بھی سادہ۔ قاضی جی نے جو وظیفہ بتایا تھا اس سے کشتیٔ نوح والی صورت پیدا ہوگئی یعنی حشرات الارض اکٹھے تو ہو گئے لیکن سلامتی کے ساتھ' وہ ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاتے تھے۔ سانپوں سے وعدہ کرتے ہو کہ تمہیں امن اور سلامتی ملے گی اور جب وہ سلامتی کی امید پر آتے ہیں تو تم انہیں مار دیتے ہو۔ قاضی جی سے وظیفے پوچھو گے تو یہی حال ہوگا۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے خود وظیفہ تلقین فرمایا۔ اس بات کو پچیس سال گزر چکے ہیں لیکن میجر صاحب کے سامنے اب تک کوئی سانپ نہیں آیا۔

ایک مرتبہ سیرِ کعبہ کے مراقبہ کے دوران حالتِ سُکر میں اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے:

> ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ! میں تجھ سے راضی ہوں۔

تو نے بہت فضل کیا' بڑی عمر دی' اپنا نام لینے کی توفیق دی لیکن ایک عرض ہے۔ جس طرح میں تجھ سے راضی ہو گیا' ہنج ہی بار میرے تھیں راضی تھی ونجیں (اسی طرح تو بھی مجھ سے راضی ہو جا)۔"

پھر کہا:

"میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ساری مخلوق' جو تو نے بنائی ہے' اس میں سب سے بری چیز میرا نفس ہے۔"

حضرت جیؒ سے قاضی جیؒ کا رابطہ کب ہوا؟ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ قیامِ پاکستان سے کچھ ہی عرصہ قبل کا واقعہ ہے۔ حاجی محمد خان کی روایت کے مطابق جب وہ 1944ء کے حج میں قاضی جیؒ کے شریکِ سفر تھے' اس وقت قاضی جیؒ کا حضرت جیؒ سے رابطہ نہ ہوا تھا۔ وہ حضرت جیؒ سے 1947ء سے کچھ عرصہ قبل وابستہ ہوئے۔ حضرت جیؒ کی 1978ء کی ریکارڈ شدہ گفتگو سے اس کی توثیق بھی ہوتی ہے جس میں آپؒ نے فرمایا:

" حضرت صاحب (حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ) دی جا تے قاضی ہوراں پیش کیتا۔ دو ساتھی ہور پیش کیتے' ابتدا دی گل اے' تبدیلی ملک دوران...."

اس طرح حضرت جیؒ کے 1945ء میں صاحبِ مجاز بننے کے دو سال بعد قاضی جیؒ کو آپؒ کا پہلا براہِ راست شاگرد بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کے بعد ڈھلی کے حاجی محمد خان 1950ء میں آپؒ کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔اس طرح وہ روایات جن میں حضرت جیؒ سے قاضی جیؒ کی پہلی ملاقات کا زمانہ 1952ء بتایا جاتا ہے' درست نہیں۔

حاجی محمد خان

حاجی محمد خان کی حضرت جیؒ سے پہلی ملاقات کا پس منظر بھی قاضی جیؒ سے بہت حد تک مماثلت رکھتا ہے۔حضرت جیؒ ایک شرعی مقدمہ کے فیصلے کیلئے ڈھلی تشریف لائے جو تلہ گنگ میانوالی روڈ پر ایک قصبہ ہے۔حاجی محمد خان کا یہاں کے عمائدین میں شمار ہوتا تھا۔وہ نہ صرف مقدمہ میں حضرت جیؒ کے مشیر تھے بلکہ تین روز تک انہیں حضرت جیؒ کی میزبانی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت جیؒ نے جس طرح اس پیچیدہ شرعی مسئلہ کو حل کیا اور مقدمے کا فیصلہ فرمایا' اس سے حاجی محمد خان بہت متأثر ہوئے۔حضرت جیؒ رخصت ہونے لگے تو انہوں نے عرض کیا:

''مولوی صاحب آپ پرانے آدمی (جہاندیدہ) ہیں۔ تزکیۂ نفس کا کوئی حیلہ بتائیں۔کسی ایسے بندے کا پتہ دیں جو تزکیہ کر سکے۔''

حضرت جیؒ نے محمد خان کو بھی وہی جواب دیا جو انہوں نے قاضی جیؒ کو دیا تھا۔فرمایا:

''میں بندہ بن جاتا ہوں۔واپس جا کر خط لکھوں گا' اس پر عمل کریں۔''

مہینہ بعد حضرت جیؒ کا خط ملا جس میں آپؒ نے لکھا تھا کہ قاضی ثناء اللہؒ کی ڈھوک لیٹی میں مسجد بناؤں گا تو وہاں پہنچیں۔کچھ عرصہ بعد مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو حاجی محمد خان نے حضرت جیؒ کے ساتھ لیٹی میں ایک ہفتہ قیام کیا۔پھر

سکول میں تعطیلات ہوئیں تو آپؒ نے دو ہفتے کے لئے انہیں چکڑالہ بلایا جہاں صبح شام حضرت جیؒ کے ساتھ ذکر نصیب ہوا۔

حضرت جیؒ، حاجی محمد خان کے ساتھ بہت شفقت فرماتے۔ ایک مرتبہ آپؒ کو ان کی علالت کا پتہ چلا تو خیریت معلوم کرنے ڈھلی تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حاجی محمد خان صحت یاب ہو چکے ہیں اور کسی کام کے سلسلے میں کچھ روز کے لئے ڈھلی سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ شام ہو چکی تھی اور حضرت جیؒ کے لئے چکڑالہ واپسی ممکن نہ تھی، چنانچہ آپؒ کو مجبوراً ڈھلی میں ہی قیام کرنا پڑا۔

گرمیوں کا موسم تھا، گھر والوں نے عام دستور کے مطابق چھت پر چارپائی ڈال دی۔ حضرت جیؒ نے رات قیام فرمایا اور علی الصبح چکڑالہ روانہ ہو گئے۔ دو ایک روز بعد حاجی محمد خان واپس لوٹے تو حضرت جیؒ سے ملاقات نہ ہونے کا بہت افسوس ہوا۔ بیوی نے باتوں باتوں میں تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"آپ تو کہتے تھے کہ حضرت بہت بڑے بزرگ ہیں، رات بھر عبادت کرتے ہیں لیکن یہاں تو انہوں نے تہجد بھی نہیں پڑھی اور فجر کی نماز ادا کی ہے تو وہ بھی اس قدر تاخیر سے جب سورج نکلنے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا۔"

حاجی محمد خان نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا لیکن جب حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بیوی کی یہ بات بھی عرض کی۔ حضرت جیؒ نے تبسم فرمایا اور کہنے لگے:

"تمہاری بیوی سچ کہتی ہے، چھت پر پانی نہیں رکھا تھا اور

میرے لئے مناسب نہ تھا کہ نیچے اتر کر صحن سے پانی لوں
جہاں باقی اہلِ خانہ سو رہے تھے۔''

حضرت جیؒ کا یہ طرزِ عمل مزاجِ شریعت کے عین مطابق تھا۔ ایک مرتبہ آقائے نامدار ﷺ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ساتھ کھڑے تھے کہ پاس سے دو اصحاب کا گزر ہوا۔ اس وقت مکمل روشنی نہ تھی۔ آپ ﷺ نے ان اصحاب کو بلا کر فرمایا' میرے ساتھ میری زوجہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا' اگر آپ ﷺ نہ بھی بتاتے تو کوئی اور خیال دل میں نہیں آ سکتا تھا۔ فرمایا' شیطان دل میں شکوک بھی پیدا کر سکتا ہے اس لئے بتانا ضروری سمجھا۔ حضرت جیؒ اگر رات کے پچھلے پہر وضو کے لئے گھر کے صحن میں آتے تو شیطان کو وساوس پیدا کرنے کا موقع مل جاتا۔ ایسے میں حضرت جیؒ نے سنت نبوی ﷺ کے مطابق احتیاط کے پہلو کو مدِّ نظر رکھا اور چھت سے اس وقت اترے جب اجالا پھیل چکا تھا اور اہلِ خانہ بھی جاگ چکے تھے۔

حاجی محمد خان نے اٹھارہ سال تک مسلسل محنت کی لیکن کشفاً کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت جیؒ سے مایوسی کے عالم میں اپنی یہ حالت بیان کی تو آپؒ نے فرمایا:

''نظر نہیں آتا تو ذکر چھوڑ دو۔''

عرض کیا:

''ثواب ہے' بے حساب ہے۔ نہیں چھوڑتا' کچھ نظر آتا ہے
یا نظر نہیں آتا لیکن یہ تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں نہیں ہوں۔
روح اس مزاج کی نہیں کہ نظر آئے۔ توجہ رکھتا ہوں خواہ
نظر نہ آئے۔''

وہ حضرات جو سلوک طے کرتے ہوئے اس قسم کے مخمصوں کا شکار ہیں کہ کچھ نظر نہیں آتا' ان کے لئے حاجی محمد خان کا حضرت جیؒ کے ساتھ یہ مکالمہ رہنمائی اور تشفّی کا باعث ہوگا۔

حضرت جیؒ نے محمد خان صاحب کو تیسرے عرش تک مقامات کرائے۔ چونکہ انکشافات نہیں تھے اس لئے اکثر خواہش کرتے کہ حضرت جیؒ انہیں خوب توجہ دیں۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ جاتے ہوئے ایک مرتبہ دندہ شاہ بلاول میں حضرت لال شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کافی دیر تک ان کی خدمت میں عرض کرتے رہے کہ وہ حضرت جیؒ سے سفارش کریں کہ آپؒ انہیں خصوصی توجہ دیا کریں۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں قاضی جیؒ بھی موجود تھے۔ دورانِ ذکر حضرت جیؒ نے قاضی جیؒ پر خصوصی توجہ رکھی اور بار بار ان کا نام لے کر منازل پر چلاتے رہے۔

حضرت جیؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی پر خصوصی توجہ فرماتے تو لطائف اور مراقبات کے درمیان اس کا نام لے کر ہدایت فرماتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ دل تساہل اور عدمِ توجہی کا شکار ہوا تو حضرت جیؒ نام لے کر فرماتے' اور توجہ کے ساتھ۔ کچھ اسی طرح کے معاملات قاضی جیؒ کے ساتھ چلتے رہے۔ ادھر محمد خان پریشان تھے کہ حضرت لال شاہؒ سے درخواست تو وہ کرتے رہے اور توجہ قاضی جیؒ کو مل رہی ہے۔ ذکر کے بعد حضرت جیؒ سے یہ صورت حال بیان کی تو آپؒ نے فرمایا:

''مغالطہ لگا' سفارش تو انہوں نے کی تھی لیکن میں سمجھا یہ قاضی جیؒ کے لئے ہے' اچھا تو وہ آپ کے لئے کہہ رہے تھے۔''

کچھ عرصہ بعد حضرت جیؒ کے ایماء پر ڈھلی میں ایک دینی مدرسہ قائم ہوا۔ آپؒ مدرسہ کی مالی معاونت بھی فرماتے اور ڈھلی تشریف لاتے' یہاں مختصر قیام بھی فرمایا کرتے۔ اس وقت تک حضرت امیر المکرّم بھی سلسلۂ عالیہ میں آ چکے تھے اور ڈھلی میں حاجی محمد خان کے ہاں حضرت جیؒ کے ساتھ ایک محفل میں شریک تھے۔ حاجی محمد خان نے ایک شخص کی فوتیدگی کا تذکرہ کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''اللہ بخشے نیک آدمی تھا۔''

قاضی جیؒ نے عرض کیا:

''حضرت! نماز روزہ کرتے تو اسے کبھی ہم نے دیکھا نہیں' کیسا نیک آدمی تھا۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''قاضی جی وہ زمانے گئے جب نیک آدمی نماز روزہ کیا کرتے تھے' اب تو فحاشی اور بدکاری سے بچے رہنا بھی نیکی اور دینداری ہے۔''

حضرت امیر المکرّم کے الفاظ میں' قاضی جیؒ' حضرت جیؒ کا وہ شاہکار تھے جو قرونِ اولیٰ کے اہل اللہ سے کسی طور بھی کم نہیں۔

گوہرِ مراد

ایک مردِ کوہستانی' عمر بائیس سال' سروقد' وادئ ونہار کے عام باسیوں کے برعکس سرخ وسپید چہرہ' مردانہ وجاہت اور بانک پن' اس پر مستزاد شکاری لباس' نشانہ اتنا پختہ کہ ریوالور سے پرندوں کا شکار معمول کا کھیل تھا۔ یہ نوجوان اعوان ہونے کے ناطے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس میں قتل مقاتلے برسوں کا معمول تھا۔

جوانی کی اٹھان کے ساتھ ساتھ اس کی جوانمردی مخالفین کی نگاہوں میں کھٹکنے لگی۔ کئی مقابلے بھی ہوئے لیکن جلد ہی یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ اس جوان مرد سے نبرد آزما ہونا کارِ دارد ہے۔ سوا چھ فٹ قد کا یہ کڑیل جوان اور کینیڈا ساخت کی 280 راس رائفل' دنیا کی طویل ترین مار کرنے والی واحد رائفل جو سٹیل بلٹ فائر کرسکتی ہے' یہ نوجوان اوراس کی رائفل مخالفین پر ہمیشہ بھاری ثابت ہوئے۔ ایک مرتبہ آتشیں اسلحہ سے لیس ایک گروہ نے پیش قدمی کی لیکن بروقت اطلاع ملنے پر اس نوجوان نے مخالفین کے سامنے اورعقب میں فائر کیے۔ رائفل کی دہشت ناک آواز اس بات کا اعلان تھی کہ اگر آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو خود ذمہ دار ہو گے۔ کلر کہار پولیس اسٹیشن کو مطلع کیا گیا اور 15 کلومیٹر سے پولیس نفری کی آمد تک وقفے

وقفے سے اس کا فائر جاری رہتا تاکہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس پر کئی پوشیدہ وار بھی ہوئے لیکن مخالفین کی ہر تدبیر ناکام ہوئی یہاں تک کہ نہ صرف خاندان بلکہ پورے علاقے میں اس نوجوان کی دلیری کی دھاک بیٹھ گئی۔

مخالفین جب ناکام ہو گئے تو اس سے نپٹنے کے لئے علاقہ کے نامی لوگوں سے رابطہ کیا گیا جن میں سے ایک معروف نام محمد خان ڈھرنالی کا تھا۔ وہ مقابل آیا تو اس نوجوان کی طرف سے جواباً 280 رائفل سے فائر ہوا جس کی منفرد آواز اپنی پہچان رکھتی تھی۔ محمد خان نے اس رائفل کی آواز کو پہچانا' یہ رائفل تو پنجاب میں ایک ہی شخص کے پاس تھی! خطۂ ونہار کے موضع سیتھی کے ملک محمد اکرم اعوان کے پاس' جو اس کا ذاتی دوست تھا' گویا دھوکے میں اسے اپنے ہی دوست کے مقابل لایا گیا تھا۔ اس طرح یہ نوجوان ناقابلِ تسخیر ہی رہا البتہ محمد خان ڈھرنالی کا یہ تعلق اس کے کام آ گیا۔ قریباً چالیس سال بعد جب اس کا انتقال ہوا تو ملکی سطح کی شخصیات اور علماء کی موجودگی میں نمازِ جنازہ کی امامت کا فریضہ جس شخص کے سپرد ہوا' وہ یہی نوجوان تھا جس کی رائفل کی آواز سن کر پاسداریٔ تعلق نے محمد خان ڈھرنالی کے ہاتھ روک لئے تھے۔

یہ نوجوان اگرچہ واجبی سی دینی تعلیم حاصل کر سکا لیکن حمیتِ دینی سے مالا مال تھا۔ بزرگانِ دین سے انتہائی عقیدت تھی۔ قرب وجوار میں جب کسی معروف عالم یا بزرگ کی آمد کی خبر ملتی تو ملاقات کئے بغیر نہ رہتا۔ مشہور پیر صاحبان اور علماء سے ملنے کے لئے طویل سفر کئے' کئی خانقاہوں پر حاضری دی لیکن جس کم یاب جنس کی اسے تلاش تھی وہ کہیں نظر آئی نہ کوئی شخصیت اسے متاثر کر سکی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت جیؒ ایک جیّد عالم اور جری مناظر کی

حیثیت سے علاقہ بھر میں متعارف ہو چکے تھے۔

موضع سیتھی سے چند کوس کے فاصلہ پر چکوال خوشاب روڈ کا مشہور قصبہ پدھراڑ واقع ہے۔ یہاں ہر سال اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کے مابین مناظرہ ہوتا جسے علاقائی سطح پر بہت اہمیت دی جاتی۔ فریقین دور دراز کے دیہات سے جتھوں کی صورت شریک ہوتے لیکن راستے میں کوئی تصادم ہوتا نہ جلسہ گاہ میں بدامنی۔ یہ ایک طرح کا علمی دنگل تھا جس میں برتر دلیل کا فریقِ مخالف بھی اعتراف کرتا۔ 1958ء کے مناظرے میں اہلِ تشیع نے اپنی طرف سے مولوی اسماعیل گوجروی کو بلایا تو اس کے مقابل اہلِ سنت کی طرف سے حضرت جیؒ کو مدعو کیا گیا۔

حضرت جیؒ کے بارے میں اس نوجوان نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ غائبانہ عقیدت بھی پیدا ہو چکی تھی لیکن اب تک ملاقات نہ ہوئی تھی۔ آپؒ کی تشریف آوری کا سنا تو جلسہ شروع ہونے سے پہلے پدھراڑ پہنچا اور آپؒ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے قیام گاہ کا پتہ کیا۔ یہ لوہاروں کا ایک گھر تھا۔ معلوم ہوا کہ آپؒ مکان کی چھت پر ایک کوٹھڑی میں آرام فرما ہیں۔ کچا مکان' گارے سے بنی ہوئی سیڑھیاں اور چھت پر بمشکل چھ فٹ بلند ایک کوٹھڑی' چھوٹا سا دروازہ جس کا ایک کواڑ کھلا تھا۔ اندر نگاہ ڈالی تو سادگی کا عظیم پیکر دیکھنے میں آیا۔ مختلف آلات کاشت کاری' ہلوں کے دستے' پھالے وغیرہ اور ٹوٹے پھوٹے ناکارہ سامان کے ساتھ ایک کھردری چارپائی' جس پر پرانی سی دری اور نیم میلا تکیہ' اس بستر پر عام سے لباس میں حضرت جیؒ آرام فرما تھے اور ململ کا ایک پٹکا سا چہرے پر ڈال رکھا تھا۔

وہ نوجوان حیران کھڑا سوچتا رہا کہ اس وقت کا جیّد عالم اور مانا ہوا

مناظر لیکن دستار نہ جبہ' نزاکت نہ تفاخر۔ نہایت بے تکلفی سے بوریے پر آرام کا یہ انداز اسے بہت اچھا لگا لیکن جلال ایسا تھا کہ انہیں جگانے کی جرأت نہ کر پایا۔ آیا تو ملاقات کے لئے تھا لیکن دبے پاؤں واپس لوٹا' اگرچہ اس کا مزاج اس طرح کے آداب وقیود کا عادی نہ تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد مسجد میں حضرت جیؒ کی زیارت ہوئی لیکن یہاں ایک اور بات سامنے آئی۔ آپؒ نے ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ اہلِ تشیع کا جلسہ جا کر سنے اور تقاریر کے اہم نکات نوٹ کر لائے۔ آپؒ کا مطمعٔ نظر یہ تھا کہ اگر صرف ان کے اپنے مذہب کی بات ہوئی تو الجھنے کا فائدہ نہیں' ہاں ان کی طرف سے اگر مذہب اہلِ سنت والجماعت پر اعتراضات کئے گئے تو ان کا مدلل جواب دیا جائے گا۔ گویا جوابی تقریر دوسرے روز متوقع تھی اور وہ بھی شیعہ مناظر کے طرزِ عمل سے مشروط۔ حضرت جیؒ کی پہلے روز کی تقریر صرف اصلاحِ احوالِ امت کے موضوع پر تھی۔ نماز اور وضو کے مسائل کا بیان تھا' امتِ مسلمہ کی حالتِ زار کا ذکر فرمایا لیکن اس تقریر میں آپؒ کی زبان مبارک سے ایک ایسی بات بھی نکل گئی جو اس نوجوان نے پہلی مرتبہ سنی تھی۔ بیسویں صدی کے اس الحادی دور میں حضرت جیؒ پورے اعتماد کے ساتھ فرما رہے تھے:

''مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ میں تزکیۂ باطن کی تربیت کر سکتا ہوں' حتیٰ کہ روحانی تربیت کرنے کے بعد طالب کی روح کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کر کے اسے نبیٔ اکرم ﷺ سے روحانی طور پر بیعت بھی کرا سکتا ہوں۔ اگر کسی میں طلب ہے تو آئے اور اپنا دامن اس دولت

سے بھرلے مگر یاد رکھو! میں آنے والے کو اندھیری کوٹھڑی
میں بند کر دوں گا' شب و روز ذکرِ الٰہی کرنا ہوگا' خوراک
سادہ اور محدود دوں گا اور وہ خود دیکھ لے گا۔''

کہاں آقائے نامدار ﷺ کا مبارک دور اور کہاں کفر والحاد کا یہ زمانہ' درمیان میں صدیوں کے فاصلے حائل لیکن کس اعتماد کے ساتھ دعوت دی گئی تھی۔ کوئی ہے؟ جو ان فاصلوں کو پاٹتے ہوئے درِ اقدس ﷺ پر حاضری کا طلب گار ہو۔ لوگوں نے اس اعلان سے کیا مطلب اخذ کیا؟ اسے حقیقت جانا یا استعارے کنائے کی زبان۔ لیکن اس نوجوان نے اعتماد و یقین کے بلند ترین درجہ کو پالیا۔ جو کہا گیا اسے تعلّی سمجھا نہ استعارہ۔ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضری سے بڑھ کر اور کیا عالی مقام ہو سکتا تھا۔ حضرت جیؒ فرما رہے تھے' کوئی ہے جو اس مقام کا طالب ہو اور اس نوجوان کو خود سپردگی کا فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔ جلسہ کا ماحول تھا' اس روز علیحدگی میں بات کرنے کا موقع نہ مل سکا تو اگلے روز حاضری کے عزم کے ساتھ واپسی کی راہ لی۔

راستے میں کچھ لوگ عادتاً اس روز کے جلسہ پر تبصرہ کرنے لگے۔ وہ تفننِ طبع کے لئے آئے تھے اور پھبتیوں کی توقع رکھتے تھے لیکن حضرت جیؒ کی خالصتاً اصلاحی تقریر سے ان کا یہ شوق پورا نہ ہوا تو کہنے لگے:

''بھئی اس عالم کا کیا فائدہ' اس نے تو شیعوں کے مقابلے
میں کوئی بات ہی نہیں کی۔ صرف نماز روزہ کی تلقین کرتا رہا
اور مسائل بیان کرتا رہا۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔''

حضرت جیؒ کے خلاف یہ بے سروپا گفتگو وہ نوجوان زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا اور بولا:

''تمہارا اندازہ درست نہیں' یہ بہت عظیم انسان ہے۔ اس
نے وہ بات کہی ہے جو اس وقت ہم سب کی ضرورت ہے۔''

وہ لوگ اس نوجوان کا مفہوم سمجھے نہ یہ ان کے بس کی بات تھی لیکن اس کے تیور دیکھ کر خاموش ہونا پڑا۔ حضرت جیؒ نے اس روز کی تقریر میں درِ اقدس ﷺ کی حاضری کے متعلق جو کہا تھا وہ اسے کیا سمجھ سکتے۔ یہ بات شاید انہوں نے سنی ہی نہ ہو اور کیسے سن پاتے! اس کے لئے تو قلب کی اہلیت درکار تھی اور پورے جلسے میں شاید ہی کوئی قلب حضرت جیؒ کے اس پیغام کو سمجھ پایا لیکن اس نوجوان کے دل میں یہ بات کھُب گئی۔ وہ اگلی صبح کا منتظر رہا کہ اسے کب دوبارہ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری نصیب ہو تو اپنے دل کی بات کہہ سکے۔

دوسرے روز حاضر ہوا تو حضرت جیؒ کی محفل کا رنگ بدلا ہوا پایا۔ معلوم ہوا کہ شیعہ مقرر نے اپنے جلسہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہلِ سنت پر تند و تیز اعتراضات کئے ہیں جن کا اس روز جواب دیا جائے گا۔ اہلِ سنت کا جلسہ ایک دوسری مسجد میں تھا جو امام باڑے کے قریب تھی۔ آج حضرت جیؒ کے چہرے سے جذبات کی گرمی عیاں تھی۔ شیعہ مقرر کی حد سے بڑھی ہوئی گستاخی نے اس مردِ حُر کو جواب دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ جلسہ شروع ہوا تو حضرت جیؒ نے ابتدائیہ کلمات میں فرمایا:

''شیعہ حضرات کے مقرر نے بے ہودہ اعتراضات کر کے
اپنی دانست میں بڑا تیر مارا ہے مگر خوب سن لو! میں بفضل
اللہ ان کے جوابات بھی مدلّل طور پر دوں گا اور پھر مجھے
حق ہے کہ سوال بھی کروں۔ شیعہ عالم کو چاہئے کہ وہ اپنے

مذہب کو ثابت کرنے کے لئے ان کا جواب دے مگر خوب سن لو! یہ شیعہ عالم بھاگ جائے گا اور میرے سوالات کا جواب نہ دے سکے گا۔ شیعہ حضرات کو چاہئے کہ اسے جانے نہ دیں۔''

جلسہ شروع ہونے کے ساتھ ہی حضرت جیؒ کا یہ اعلان اس نوجوان کے لئے چونکا دینے والا تھا۔ کس اعتماد کے ساتھ کہا جا رہا تھا کہ شیعہ عالم بھاگ جائے گا' گویا حضرت جیؒ اس کو مقابلے کے میدان سے فرار ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ جلسہ ختم ہوا تو اس کی تصدیق بھی ہو گئی کہ شیعہ مقرر ظہر سے پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔ حضرت جیؒ نے اس کے اعتراضات کے بہت مدلّل جواب ارشاد فرمائے لیکن جو سوالات آپؒ نے کئے تھے وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت کی طرح اپنی جگہ قائم رہے۔ ان کا جواب کسی کے بس کی بات تھی نہ اس شیعہ مقرر کے لئے ممکن' جو حضرت جیؒ کے فرمان کے عین مطابق راہِ فرار اختیار کر چکا تھا۔

مولوی اسماعیل یوں تو مانا ہوا شیعہ مناظر تھا لیکن خوب جانتا تھا کہ حضرت جیؒ کے سوالات کا جواب دینا ممکن نہیں۔ مناظروں میں بارہا اس کا حضرت جیؒ سے سامنا ہوا اور ہر بار اسے لاجواب ہونا پڑا۔ یہاں بھی آپؒ کا چیلنج اس قدر جارحانہ تھا کہ مقابلے میں ٹھہرنے کی ہمت نہ ہوئی اور اس نے موقع پا کر فرار کی راہ لی۔

پدھراڑ کا جلسہ ختم ہوا تو حضرت جیؒ منارہ تشریف لائے۔ اس کے بعد علاقہ کے مختلف دیہات میں آپؒ کی اصلاحی تقاریر کا پروگرام ہفتہ بھر جاری رہا۔ اس دوران یہ نوجوان مسلسل حضرت جیؒ کے ساتھ رہا۔ آمد و رفت

پاپیادہ تھی۔ وادی کی اونچی نیچی پگڈنڈیوں میں یہ نوجوان حضرت جیؒ کا ہمسفر تھا لیکن دل کی بات زبان پر لانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ آخر ایک روز موقع پا کر عرض کیا:

''حضرت! آپ نے جو دعوت' تصوّف کے لئے دی ہے' میں تو اس کا طالب ہوں۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''یہ مشکل کام ہے۔ زندگی بھر کی خواہشات نچھاور کرنا پڑتی ہیں۔''

پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً

بیشک بادشاہ جب کسی شہر کو فتح کرتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور روسا ذلیل ہو جاتے ہیں۔ (النمل۔34)

آپؒ نے مزید فرمایا:

''یہ عشقِ الٰہی ہے اور بہت بڑا بادشاہ ہے۔ جب یہ دل کو فتح کرتا ہے تو بہت تباہی مچتی ہے اور خواہشات کی دنیا زیروزبر ہو جاتی ہے۔''

اس کے ساتھ ہی بات ختم ہو گئی۔ حضرت جیؒ کا دورہ مکمل ہوا تو انہیں بس پر سوار کرایا اور بوجھل دل سے رخصت کیا لیکن اس کے بعد دل کی بے قراری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ منزل کی جھلک دیکھ لینے کے بعد اب مزید رکنا ممکن نہ تھا۔ چند روز گزرے تو حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ

حاضری کے ارادے سے روانہ ہوا۔ تلہ گنگ میانوالی روڈ پر ڈندہ شاہ بلاول تک بس کا سفر تھا اور وہاں سے چکڑالہ تک 13 کلومیٹر پیدل راستہ لیکن دل کی ایک بے کلی تھی جو اسے اڑائے لئے جا رہی تھی۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچا تو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ حضرت جیؒ نے حالِ دل دیکھتے ہی فرمایا:

''تم بہت بروقت آئے ہو۔ دراصل اس کام کے لئے یہی عمر ہوا کرتی ہے۔''

پھر اس نوجوان نے عمر بھر کے لئے اسی کام کا بیڑہ اٹھا لیا۔ شب و روز' ماہ و سال اس میں لگا دیئے۔ سفر و حضر میں حضرت جیؒ کے ساتھ ہوتا۔ ڈندہ شاہ بلاول سے چکڑالہ جاتے ہوئے آپؒ گھوڑے پر سوار ہوتے اور وہ رکاب تھامے' لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ساتھ چلتا۔ اسی طرح ایک مدّت گزر گئی اور سلوک کی منزلیں طے ہوتی گئیں۔ وہ اوروں کے لئے نشانِ منزل بنا۔ اس کے ڈیرہ کو حضرت جیؒ کا مستقر بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ موسم گرما میں چکڑالہ جب شدید گرمی کی لپیٹ میں ہوتا' آپؒ وادیٔ ونہار کے اس پُرفضا مقام پر طویل قیام فرماتے۔ آپؒ کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے اسے علم لدُنّی سے نوازا۔ قرآن فہمی عطا کی اور قوتِ بیان ملی۔ پھر اس نے خاندانی دشمنیوں کو صلح و آشتی میں تبدیل کیا۔ حالات بہتر ہوئے تو زمینداری کو سنبھالا۔ کاروبار میں ہاتھ ڈالا تو اس میدان میں بھی کامیابی عطا ہوئی۔ اب حضرت جیؒ کے سفر کے لئے اس کی گاڑیاں حاضر تھیں۔ حضرت جیؒ کے متعلقین کے لئے اس کا گھر لنگر خانہ بنا۔ کئی سال گزر گئے لیکن کبھی کبھی اس کے دل میں حضرت جیؒ کے پہلے روز کے الفاظ کی بازگشت گونج اٹھتی:

''مگر یاد رکھو میں اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دوں گا......
خوراک سادہ و محدود دوں گا...... اور زندگی بھر کی
خواہشات نچھاور کرنا پڑتی ہیں۔''

کھرے لوگوں کا ہر معاملہ کھرا ہوتا ہے۔ ان کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بھی معاملہ کرتے ہیں تو بالکل کھرا' جس میں ذرہ بھر کھوٹ نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہ ہر توبہ کی تہ میں ہوسِ گناہ کی تلچھٹ موجود رہے۔ یہ نوجوان بھی بلا کا کھرا تھا' شیشے کی طرح شفاف۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں صاف صاف اور کھری بات بلاکم و کاست کہہ ڈالی:

''حضرت! اچھی سے اچھی سواری کا شوق ہے۔ ایک نہیں
دو بیویاں ہیں۔ اس فقیری میں زندگی کی نعمتوں کو خیر باد
کہنا ہے تو یہ فقیری ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہاں' آپ
سے اس تعلق کو چھوڑنا بھی ممکن نہیں' فقیری نہ سہی تو اس
تعلق کو نباہنے کی اجازت دیں۔''

جواب میں حضرت جیؒ نے فرمایا:

''تم فقیری بھی کرو گے اور شاہی بھی۔ تم حضرت خواجہ
عبیداللہ احرارؒ کی مثل فقیری کرو گے لیکن شاہانہ رنگ میں۔''

بظاہر یہ جملہ اس نوجوان کی تشفی اور دلجوئی کے لئے تھا لیکن آج سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے اس وقت کے شیخ' حضرت امیرالمکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی حضرت جیؒ کے اس فرمان کی ہوبہو تصویر ہیں جسے حضرت جیؒ ایک زمانہ قبل دیکھ چکے تھے۔ آج شاہی بھی ہے اور فقیری بھی' حضرت جیؒ کے الفاظ کے عین مطابق:

''مثلِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ''

ایک مرتبہ حضرت امیر المکرّم کی شانِ امارت دیکھ کر قاضی جیؒ دبی زبان سے کہنے لگے:

''آپ کی گاڑی بہت شاندار ہے۔ لباس بہت اچھا ہے۔ گھڑی بہت خوبصورت ہے۔''

شاید وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ یہ چیزیں فقیری سے میل نہیں کھاتیں۔ حضرت امیر المکرّم نے قاضی جیؒ کے درویشانہ لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''قاضی جی' اس بھگل (گلیم یا لبادہ) کے ساتھ تو فقیری آسان ہے لیکن امارت کے ساتھ فقیری نباہنا بہت مشکل ہے۔''

حضرت امیر المکرّم کی شخصیت کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جو صرف ان ہی کا طرۂ امتیاز ہیں لیکن ان میں سے تین خصوصیات ایسی ہیں جن کا حضرت جیؒ کے حوالے سے یہاں تذکرہ ضروری ہوگا' تصدیق' تعلق اور تربیت۔

تصدیق:

شاید حضرت جیؒ کے ساتھ حضرت امیر المکرّم کی پہلی ملاقات کو صرف اسی تناظر میں دیکھا جائے کہ ایک دیہاتی نوجوان ایک مشہور و معروف عالم کی تقریر سننے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو معمول کی یہ ملاقات آئندہ تعلق کی بنیاد بن گئی' بالکل اسی طرح جیسے کسی بھی نئے تعلق کے پیچھے کوئی عام سا واقعہ یا کوئی اتفاقی حادثہ ہوتا ہے۔ روز مرّہ کا یہ اصول اس ملاقات پر صادق نہیں آتا جو اپنے احوال اور واردات کے لحاظ سے حضرت امیر المکرّم کا ایک منفرد اعزاز ہے۔ ان کا یہ امتیاز پہلی ہی ملاقات میں حق الیقین کی حد تک

حضرت جیؒ کے اعلام کی وہ فوری تصدیق ہے جو صرف شانِ صدیقیت ہی کا ایک پرتَو ہے۔

حضرت جیؒ کے شاگردِاول ہونے کا شرف قاضی ثناء اللہؒ (لیٹی والے) کو حاصل ہے لیکن ایک عرصہ تک وہ یہ باور کرنے سے قاصر رہے کہ انہیں جس رہبر کی تلاش تھی وہ حضرت جیؒ ہی تو تھے۔ قاضی جیؒ نے ایک عرصہ تک آپؒ کو صرف ایک مولوی اور مناظر جانا لیکن آپؒ کی شخصیت کے باطنی پہلو کا اس وقت تک ادراک نہ کر پائے جب تک حضرت جیؒ نے خود اپنی پہچان نہ کرادی۔ ان کے بعد ڈھلی والے حاجی محمد خان کا حضرت جیؒ سے تعلق قائم ہوا تو ان کے لئے قاضی جیؒ کی ذات' جو علاقہ بھر میں اپنے ورع وتقویٰ کے لئے مشہور تھی' حضرت جیؒ پر اعتماد کی دلیل بنی۔

اسی طرح حضرت جیؒ کے ابتدائی متعلقین میں ایک اور نام بھی ہے' مولوی سلیمان۔ 1956ء میں بلکسر کے مناظرہ کے بعد حضرت جیؒ کا جب کبھی چکوال سے گزر ہوتا' آپؒ مولوی سلیمان کے ہاں کچھ دیر ضرور رکتے۔ بعد میں یہ صاحب بہت تیز صاحب کشف مشہور ہوا لیکن 1956ء سے 1960ء تک حضرت جیؒ کی شخصیت کا باطنی پہلو اس کی نگاہ سے اوجھل رہا۔ اسی طرح ہر بڑے نام کے ساتھ کچھ یہی صورت نظر آتی ہے کہ اس وقت مانا جب مانے بغیر چارہ نہ تھا۔ حضرت جیؒ کے الفاظ میں:

''میں نے بڑے بڑوں کو ڈنڈے کے زور سے منوایا ہے۔''

اس کے برعکس حضرت امیر المکرّم کچھ دیکھ کر یا کسی اور کو دیکھ کر نہیں آئے۔ انہوں نے صرف اور صرف حضرت جیؒ کو دیکھا' کوئی دلیل نہ کرامت' کشف نہ مشاہدہ۔ حضرت جیؒ کو دیکھا اور بلا تامل مان لیا کہ یہ ہستی غلط بیانی

نہیں کرسکتی۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی نسبت سے آپؒ نے جو فرمایا ہے وہ حقیقت ہے۔ اتنی بڑی بات کہ میں طالب کی روح کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کر کے اسے نبیٔ اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر روحانی طور پر بیعت کرا سکتا ہوں لیکن اسے ماننے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت محسوس کی نہ ذاتی مشاہدہ کی طلب ہوئی۔ بس شیخ کو دیکھا' پیغام سنا اور مان لیا۔ ان کا یہ دیکھنا دل کی نگاہ سے تھا۔ انہوں نے حضرت جیؒ کو ایک عالم یا ایک مناظر کی حیثیت سے نہیں' بلکہ دربارِ نبوی ﷺ کے ایک ایسے سفیر کی حیثیت سے پہچانا جو زمان و مکان کے فاصلوں کو طے کرانے کے بعد ایک طالب کو روحانی طور پر آقائے نامدار ﷺ کے حضور پیش کرسکتا تھا۔

یہاں چشمِ تصور میں لنگر مخدوم کا وہ منظر سامنے آ جاتا ہے جب حضرت جیؒ پہلی مرتبہ اپنے شیخ حضرت سلطان العارفینؒ کی قبر کے روبرو مؤدّب بیٹھے تھے کہ اچانک حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی آواز سکوت کو توڑتی ہے:

''حضرت دریافت فرما رہے ہیں کہ مولوی صاحب امتحاناً آئے ہیں یا ارادتاً؟''

اس ایک سوال کے ساتھ ہی حضرت جیؒ اعتماد علی الشیخ کے بلند ترین مقام کو پا لیتے ہیں۔ اگرچہ امتحاناً آئے تھے لیکن دل کی کیفیت فوراً تبدیل ہوگئی اور دوسرے ہی لمحے ارادت کا اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس فوری تصدیق کی ایک نسبت صدیوں قبل اس وقت سے بھی ہے جب نبیٔ آخرالزماں ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا بھر کے مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا تو اس کی تصدیق میں لحظہ بھر بھی توقف نہ ہوا۔ یا اس فوری تصدیق کی نسبت' اس واقعہ

سے نظر آتی ہے جب کفار نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا' کیا تو نے ایک نئی خبر سنی ہے؟ تیرا دوست تو شب بھر میں بیت المقدس سے ہوتا ہوا آسمانوں کا چکر لگا آیا ہے؟ بغیر کسی توقف کے انہوں نے صرف اس قدر پوچھا' کیا یہ بات آپ ﷺ نے خود کہی ہے اور اگر ایسا ہے تو بلاشبہ درست ہے۔

یہ مقامِ تصدیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا امتیاز ہے' البتہ اس کا ایک پرتو' ہلکی سی جھلک ان اہل اللہ کے ہاں بھی دیکھنے میں آتی ہے جنہیں مقامِ صدّیقیت نصیب ہوا۔ شاید اسی لئے حضرت جیؒ سے جب حضرت سلطان العارفینؒ نے دریافت فرمایا کہ آپ امتحاناً آئے ہیں یا ارادتاً تو امتحان کو ارادہ اور شک کو یقین میں تبدیل ہونے میں لحظہ بھر بھی توقف نہ ہوا کیونکہ وہ مستقبل کے صدیق تھے۔ اسی طرح حضرت امیر المکرّم نے روزِ اوّل ہی اعتماد علی الشیخ کا وہ اعلیٰ ترین مقام پا لیا جو مستقبل کے صدیق کی شان کو لازم تھا اور حضرت جیؒ کے ہزاروں متعلقین میں سے یہ صرف ان ہی کا اعزاز تھا۔

تعلق با الشیخ

جس طرح اعتماد علی الرسول ﷺ ایمان کی شرطِ اوّل ہے اسی طرح اعتماد علی الشیخ تصوّف کا لازمہ ہے۔ اگر شیخ پر اعتماد کا واسطہ ذاتی کشف یا کسی اور شخص کا کشف ہے تو ان دونوں صورتوں میں اعتماد علی الشیخ بالواسطہ ہوگا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں شیخ پر اعتماد کی بنیاد کوئی درمیانی واسطہ ہو وہاں شیخ سے تعلق دیرپا نہ ہو سکا اور واسطے کے مجروح ہونے کے ساتھ ہی شیخ سے اعتماد بھی اٹھ گیا۔ شیخ کے ساتھ ابتداء ہی سے بلاواسطہ اعتماد ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا لیکن اسے حاصل کئے بغیر استقامت محال ہے۔ شیخ پر اعتماد کے مختلف واسطوں میں کمزور ترین واسطہ کشف ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں کشف'

اعتماد کا ذریعہ بنا، شیخ سے تعلق زیادہ دیر تک شیطانی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کی سب سے بڑی مثال مولوی سلیمان تھا جسے کشفاً حضرت جیؒ کے احوال دیکھ لینے کے باوجود کسی اور صاحب کے ہاں مراقبۂ استحضار کی صورت میں چمک دکھائی دی تو شیخ سے تعلق مجروح ہو گیا۔

حضرت امیر المکرّم کی ایک امتیازی شان یہ بھی ہے کہ ایک طویل عرصہ تک انہیں انکشافات سے محفوظ رکھا گیا۔ حضرت جیؒ اور ان کے مابین کبھی کوئی اور شخص درمیانی واسطہ نہ بنا۔ اس طرح روزِ اوّل ہی سے ان کا اپنے شیخ سے تعلق بلا واسطہ تھا جو مضبوط چٹان کی طرح ہمیشہ غیر متزلزل رہا۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے الفاظ میں:

''یہ سلسلے کے لئے چٹان ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اس چٹان کو ابلیس کی قوت نہ ہلا سکے گی۔''

اسی طرح حضرت جیؒ کے یہ الفاظ اُن کے مضبوط تعلق بالشیخ کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں:

''اگر ساری جماعت بھی مجھے چھوڑ دے، تو بھی یہ شخص مجھے کبھی نہ چھوڑے گا۔''

اعتماد اور محبت لازم وملزوم ہیں۔ اگر اعتماد کی گہرائی دیکھنا ہو تو دل سے گواہی لیں کہ محبت کس درجہ کی ہے۔ حضرت امیر المکرّم کی حضرت جیؒ سے بے پناہ محبت کا اظہار قدم قدم پر ہوا۔ یہاں صرف دو ایسے واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ابتدائی دور سے ہے۔

حضرت امیر المکرّم صرف انسانوں سے ہی نہیں بلکہ پالتو جانوروں سے بھی اس طرح محبت کرتے ہیں کہ وہ بھی ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں انہیں اپنے پالتو ہرن کی موت کی خبر دی گئی تو ہزاروں میل دور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور پھر غبارِ راہ☆ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔ اسی طرح انہوں نے ایک اڑیال پالا ہوا تھا۔ بڑا ہوا تو سوچا کیوں نہ اسے سنتِ ابراہیمؑ کے مطابق قربان کر دیا جائے۔ پھر خیال آیا کہ اس قدر محبوب تحفہ شیخ کی خدمت میں پیش کروں تا کہ وہ اسے قربان کریں۔ اڑیال کو حضرت جیؒ کے پاس چکڑالہ چھوڑ آئے تو اس نے کھانا پینا موقوف کر دیا۔ ایک روز حضرت جیؒ کے داماد نے کیسٹ پر حضرت امیر المکرّم کی تقریر لگا دی تو یہ آواز اڑیال کو مانوس لگی' دیر تک سنتا رہا اور پھر چرنا شروع کر دیا لیکن زیادہ عرصہ جدائی برداشت نہ کر سکا۔ ایک دن اچانک گرا اور مر گیا۔ اڑیال کی اس محبت سے اس کے مالک کی محبت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن اس کے مقابل شیخ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنے محبوب اڑیال کی گردن پر حضرت جیؒ کے ہاتھوں چھری چلنے کو اظہارِ محبت کا ایک انداز سمجھا۔

مالی قربانی اس مادی دور میں مشکل ترین کام ہے۔ حضرت جیؒ کو ایک مرتبہ کچھ رقم کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت امیر المکرّم کو معلوم ہوا تو اپنی گاڑی راولپنڈی بھجوا دی اور سود و زیاں کا حساب کئے بغیر ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ اسے اتنی ہی رقم پر بیچ آئے جو حضرت جیؒ کی ضرورت تھی' کم نہ زیادہ۔ اصل قیمت تو کہیں زیادہ تھی لیکن مطلوبہ قیمت پر یہ گاڑی اسی روز فروخت ہو گئی۔ ڈرائیور جب حضرت جیؒ کی خدمت میں رقم لے کر حاضر ہوا تو آپؒ نے حسبِ سابق پوچھا' کیا گاڑی احاطے میں کھڑی کر دی ہے تا کہ

☆ حضرت امیر المکرّم کے بیرون ملک دوروں کی روداد جو 'غبارِ راہ' کے نام سے شائع ہوئی۔

بچوں کی شرارتوں سے محفوظ رہے لیکن ڈرائیور خاموش رہا۔ دوتین بار پوچھنے کے بعد صورتِ حال بتائی تو حضرت جیؒ نے ایک آہ بھری اور پھر دیر تک فضا میں دیکھتے رہے۔ کس قدر دعائیں ہوں گی جو آپؒ نے حضرت امیرالمکرّم کے لئے کی ہوں گی۔ آج ان کی فقیری میں امیری اور سواری کے لئے جدید ترین گاڑیاں' یہ حضرت جیؒ کی دعا ہی تو ہے۔ حضرت امیرالمکرّم کو حضرت جیؒ کی بے پناہ شفقت ملی۔ آپؒ انہیں اپنا "مخلص ومحبوب روحانی بچہ" کہا کرتے۔ اس ضمن میں حضرت جیؒ کے یہ الفاظ بھی قولِ فیصل کا درجہ رکھتے ہیں:

"تم سارے میرے مرید ہو' صرف اکرم میری مراد ہے۔"

تربیت

تصدیق اور تعلق کے بعد اگلا مرحلہ تربیت کا تھا۔ اس میں بھی حضرت امیرالمکرّم کے ہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اب یہ ایک امر واقع ہے کہ حضرت جیؒ کے بعد سلسلہ کا بارِ امانت انہیں تفویض ہوا۔ اس ذمہ داری کے لئے انہیں اس طرح تیار کیا گیا کہ روزِ اوّل ہی سے حضرت جیؒ کی مستقل رفاقت کی صورت میں تربیت کا عمل شروع ہو گیا جو آخر وقت تک جاری رہا۔ ان کی تربیت اس وقت شروع ہوئی جب حضرت جیؒ اپنی ذات میں تنہا تھے لیکن جس شخص نے حضرت جیؒ کے بعد ان کے مشن کو سنبھالنا تھا' اسے نہ صرف تصدیق میں اوّلیت کا شرف ملا' اعتماد علی الشیخ میں کمال حاصل ہوا بلکہ مستقل تربیت کے لئے روزِ اوّل ہی سے حضرت جیؒ کی رفاقت نصیب ہوئی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کے عین مطابق تھی۔ اس طرح ایک طویل مدت تک انہوں نے

حضرت جیؒ کے زیرِ تربیت رہتے ہوئے نہ صرف تعلیماتِ نبوی ﷺ حاصل کیں بلکہ انعکاسی طور پر علم لدُنّی سے بھی نوازے گئے۔

مولانا محکم الدّین فاضل دیوبند حضرت مدنیؒ کے براہِ راست شاگرد تھے۔حضرت امیر المکرّم کا درسِ قرآن دو تین روز سنا تو پوچھنے لگے' یہ کہاں سے فارغ التحصیل ہیں؟ وہ یہ بات ماننے کو ہرگز تیار نہ تھے کہ انہوں نے کسی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ اس قرآن فہمی کے باعث حضرت امیر المکرّم کا مفسرینِ کرام میں شمار ہوا جسے حضرت جیؒ کی ایک کرامت تسلیم کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی کوتاہ عقل نے بنوری ٹاؤن سے حضرت امیر المکرّم کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کے لیے یہ سوال لکھ بھیجا کہ حضرت جیؒ کے بعد' جو کہ ایک جید عالم تھے' کیا وہ ان کی جگہ شیخِ طریقت کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے کسی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ وہاں کے مفتی صاحب نے بغیر کسی لمبی چوڑی تشریح کے دوٹوک جواب لکھ بھیجا کہ جو شخص پچیس سال تک مسلسل حضرت جیؒ کے زیرِ تربیت رہا جو اپنی ذات میں ایک عظیم یونیورسٹی تھے' اسے کسی اور مدرسے میں شاگردی کی ضرورت نہیں۔

حضرت امیر المکرّم کا ایک اور امتیاز ترویجِ سلسلہ کی نسبت سے بھی ہے جس کا ذکر اگلے ابواب میں کیا جائے گا۔

ترویجِ سلسلۂ عالیہ

1958ء تک حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ چار مختلف ادوار میں منقسم نظر آتی ہے۔ 1904ء سے 25-1924ء تک لڑکپن، پہلی شادی اور ملازمت کا دور، جس کے متعلق بہت کم معلومات میسر ہیں۔ یہ دور ایک نیک طبع دیہاتی نوجوان کی زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے، پاک بازی اور غیرت وحمیت جس کا طرۂ امتیاز تھی۔ 25-1924ء کے بعد قریباً ایک عشرہ حضرت جیؒ کی ظاہری تعلیم کا دور ہے۔ اس دور میں آپؒ نے کسی ایک جگہ مستقل قیام نہیں فرمایا بلکہ حصولِ علم کے لئے مہاجرت کی صورت رہی۔ یہ مہاجرت اس منشائے نبوی ﷺ کی عملی صورت نظر آتی ہے کہ علم حاصل کرو خواہ چین بھی جانا پڑے۔ اُس دور میں جہاں کہیں کسی جیّد عالم کی خبر ملی، آپؒ نے وہاں کا رخ کیا۔ بالآخر مدرسہ امینیہ دہلی سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد 35-1934ء میں آپؒ نے درس وتدریس کا آغاز فرمایا۔

حضرت جیؒ کی باطنی تربیت 1942ء میں شروع ہوئی جس کے ابتدائی تین سال آپؒ کا مستقل قیام لنگر مخدوم میں رہا۔ اس کے بعد بھی کئی سال تک آپؒ کا یہ معمول رہا کہ سال میں ایک ماہ اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر ذکر وفکر میں گزارتے۔ سال کے باقی

گیارہ مہینوں میں بھی درس وتدریس، اور تصنیف وتالیف کی مصروفیات کے باوجود آپؒ کا زیادہ وقت ذکرواذکار اور مراقبات میں ہی بسر ہوتا۔

مراقبہ فنافی الرسول ﷺ کے دوران حضرت جیؒ کو ناموسِ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دفاع کا عندیہ ملا تو اس کے ساتھ ہی مناظرانہ دور کا آغاز ہوا۔ یہ دور کم وبیش 1950ء سے 1960ء تک کے عشرہ پر محیط ہے۔ اس دور کے آخر میں مناظرانہ استدلال کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ کی زبانِ مبارک سے کبھی کبھار آپؒ کے احوالِ باطنی بھی بطور دلیل ظاہر ہو جاتے۔ 1957ء میں ملتان کے مناظرے میں پہلی مرتبہ اپنے خطاب کے دوران آپؒ نے فرمایا:

"کوئی ہے جو دربارِ رسالت ﷺ میں ابوبکر وعمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہم نشین دیکھنے کا طالب ہو۔"

ملتان کے اس مناظرے میں آپؒ کی شخصیت کے باطنی پہلو کا ادراک کسی کے نصیب میں تھا نہ کسی کو یہ چیلنج قبول کرنے کی ہمت ہوئی۔ اس کے بعد 1958ء میں پدھراڑ ضلع خوشاب کے مناظرے میں آپؒ نے یہی بات ایک دوسرے پیرائے میں بیان فرمائی:

"طالب کی روح کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کر کے اُسے نبیٔ اکرم ﷺ سے روحانی طور پر بیعت کرا سکتا ہوں۔ اگر کسی میں طلب ہو تو آئے اور اپنا دامن اس دولت سے بھر لے۔"

لیکن اس مرتبہ یہ دعوت رائیگاں نہ گئی۔ حضرت امیرالمکرّم پدھراڑ کے اس جلسہ میں پہلی مرتبہ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

آپؒ کے یہ الفاظ سنے تو اُن کے سامنے حضرت جیؒ کی شخصیت کے باطنی پہلو سے حجاب اٹھ گیا۔ فوراً آگے بڑھے اور آپؒ کا دامن تھام لیا جو ترویجِ سلسلۂ عالیہ کی نسبت سے ایک نہایت اہم واقعہ تھا۔

حضرت جیؒ سے قاضی جیؒ کی ملاقات تو 1947ء سے کچھ عرصہ قبل ہوئی تھی لیکن اگلے سبق کے لئے انہیں ایک سال بعد حاضر ہونے کا حکم ملا۔ اس طرح قاضی جیؒ شاگردِ اوّل تو تھے لیکن اعزازِ رفاقت نہ حاصل کر سکے۔ حضرت جیؒ اپنی ذات میں تنہا رہے اور قاضی جی اپنے اسباق پختہ کرنے میں مگن۔ کچھ یہی صورت حال حاجی محمد خان (ڈھلی والے) کی بھی تھی جو چند سال بعد حضرت جیؒ سے وابستہ ہوئے۔ ان حضرات کے حلقۂ ذکر میں آنے کے باوجود حضرت جیؒ کو ایسا کوئی رفیق نہ مل سکا جو ترویجِ سلسلۂ عالیہ کے مرحلے میں آپؒ کا ممد ومعاون بن سکے۔

حضرت امیرالمکرّم پدھراڑ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہفتہ بھر آپؒ کے ساتھ رہے۔ حضرت جیؒ واپس لوٹے تو بمشکل چند روز گزرنے کے بعد آپؒ کی خدمت میں دوبارہ چکڑالہ حاضری دی۔ اس کے بعد یہ معمول بن گیا کہ حضرت جیؒ خود انہیں اپنی مصروفیات سے مطّلع فرماتے۔ علاقائی دورہ ہوتا یا دور دراز کا سفر' وہ حضرت جیؒ کے شریکِ سفر ہوتے' خادم بھی' رفیق بھی اور محافظ بھی۔

1958ء سے 1960ء تک دو سال کا عرصہ اس طرح گزرا کہ یہ کارواں انہی دو ہستیوں پر مشتمل رہا۔ ابھی تک دعوتِ عام کا اذن نہیں ملا تھا لیکن حضرت جیؒ کے ساتھ حضرت امیرالمکرّم کی مستقل رفاقت کی صورت ایک مختصر ترین جماعت وجود میں آ چکی تھی۔ یہ دور حضرت جیؒ کی زیرِ نگرانی اب

حضرت امیر المکرّم کی تربیت کا دور تھا تاکہ وہ مستقبل میں آپ کی معاونت کی ذمہ داری سنبھال سکیں۔ انہیں دو سال تک انفرادی طور پر حضرت جیؒ کی خصوصی صحبت میسر آئی، کبھی سفر میں، کبھی حضر میں، کبھی حضرت جیؒ کے ہاں چکڑالہ میں اور کبھی آبادی سے دُور اُن کے ڈیرہ پر۔

حضرت امیر المکرّم یہ حقیقت جان چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس نعمتِ عظمیٰ سے نوازا ہے وہ صرف انہی کا حصہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے۔ پدھراڑ کے جلسے سے واپسی پر راستے میں کچھ لوگوں نے جب حضرت جیؒ کے متعلق بے سروپا گفتگو شروع کی تھی تو انہوں نے دوٹوک الفاظ میں ان پر واضح کر دیا تھا کہ اس عظیم انسان نے جو بات کہی ہے وہ ہم سب کی ضرورت ہے۔ حضرت جیؒ کے دل میں عالمِ انسانیت کے لئے جو درد تھا، حضرت امیر المکرّم اسے محسوس کر چکے تھے۔ ان کا بس چلتا تو منارہ کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر، دامنِ کوہ سڑک سے گزرنے والی ہر سواری کو روک کر اور اہلِ دیہہ کو بلا کر ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتے کہ اگر تم لوگ دینوی اور اخروی فلاح چاہتے ہو تو حضرت جیؒ کا دامن تھام لو لیکن ابھی اس اعلانِ عام کا وقت نہیں آیا تھا۔

حضرت امیر المکرّم تو اس انتظار میں تھے کہ کب انہیں اجازت ملے اور وہ آگے بڑھ کر اپنے دل کی بات دنیا کے سامنے رکھ سکیں۔ جب اہلِ دیہہ اور ہم نشینوں کو ان کی زندگی کے معمولات میں واضح تبدیلی نظر آئی تو سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس طرح بغیر کچھ کہے بات چل نکلی۔ حضرت جیؒ کی طرف سے ابھی تک دعوتِ عام کی اجازت نہ تھی لیکن ان سے رہا نہ گیا۔ ایک روز اپنے قریبی عزیز ملک خدا بخش کو ساتھ لئے چکڑالہ حاضر

ہوئے۔ پہلے تو حضرت جیؒ متردِّد تھے کہ خدا بخش ابھی کم عمر ہے' تصوّف کو کیا سمجھ پائے گا لیکن سفارش ایسی تھی کہ بالآخر اظہارِ شفقت فرمایا اور یہ نوجوان بھی نوازا گیا۔

ایک روز حضرت جیؒ ذکر کرا رہے تھے کہ ملک خدا بخش کی نگاہِ بصیرت یک بارگی روشن ہوگئی۔ وفورِ انوارات کا نظارہ دیکھا تو یہ صورتِ حال آپؒ کی خدمت میں عرض کی۔ قاضی جیؒ کے بعد وہ دوسرے خوش نصیب تھے جنہیں حضرت جیؒ کی توجہ سے قوتِ مشاہدہ نصیب ہوئی۔ اس کے بعد انہیں بھی حضرت امیر المکرّم کے ہمراہ چکڑالہ میں حاضری کی اجازت مل گئی۔ اب وہ ذکر میں حضرت امیر المکرّم کے ساتھی بھی تھے۔ ہر ایک لطیفہ پر ضربوں کا سلسلہ گھنٹہ بھر جاری رہتا۔ مجاہدے سے بھرپور یہ ایسا طویل ذکر ہوتا جس سے در و دیوار میں ارتعاش محسوس ہوتا اور ذکر کے بعد لطائف کے مقامات توجہ کی شدت سے اس طرح درد کرتے گویا ان میں میخیں ٹھونک دی گئی ہوں۔

حضرت جیؒ 1945ء سے صاحبِ مجاز تھے اور حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگردوں کو ذکر کرانے پر بھی مامور تھے لیکن آپؒ کے شاگردِ اول قاضی ثناءاللہؒ لیٹی والے ہی تھے جو 1947ء میں آپؒ سے وابستہ ہوئے۔ اس کے ایک عشرہ بعد حضرت امیر المکرّم حلقۂ ذکر میں شامل ہوئے لیکن سلسلۂ ذکر عمداً محدود رکھا گیا۔ 1942ء سے 1958ء کا دور دراصل حضرت جیؒ کے سولہ سالہ مجاہدہ کا دور تھا۔

1958ء میں جب حضرت امیر المکرّم کی حضرت جیؒ سے وابستگی سے قبل آپؒ ان ہزاروں عقیدت مندوں کے باوجود جو آپؒ کو صرف عالم اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتے تھے' اپنے دوروں اور شب و روز کے معمولات

میں تنہا تھے لیکن جب حضرت امیر المکرّم وابستہ ہوئے تو اس کے بعد آپؒ کسی سفر میں کبھی تنہا نہ دیکھے گئے۔ آپؒ ہوتے اور حضرت امیر المکرّم' مختصر ترین جماعت جس کے امام حضرت جیؒ تھے۔ یہ ترویجِ سلسلۂ عالیہ کا آغاز تھا۔

1960ء میں مزید چند خوش نصیب بھی حضرت جیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ ان میں چکوال کے حافظ عبدالرزاق بھی تھے جنہیں ترویجِ سلسلۂ عالیہ کے لئے اپنی قلمی خدمات پیش کرنے کی سعادت ملی۔

چکڑالہ اگرچہ حضرت جیؒ کی جائے ولادت تھی لیکن یہاں کے لوگوں کو آپؒ کے احوال دیکھ لینے کے باوجود سلسلۂ عالیہ میں آنے کی توفیق کم ہی نصیب ہوئی۔ ایک بار مقامی لوگوں سے مسجد بھر گئی اور جب آپؒ نے توجہ دی تو وہ دیواروں سے ٹکریں مارنے لگے۔ اہلِ محلہ میں سے کچھ لوگوں کو مسجد کی سمت تیز روشنی نظر آئی تو سمجھے کہ آگ لگ گئی اور پانی کی بالٹیاں لے کر دوڑے۔ یہاں کا ایک شخص غلام محمد چور اور اجرتی قاتل تھا۔ اس نے چند یوم آپؒ کے ساتھ ذکر کیا تو جرائم سے توبہ کی اور آبادی سے دور ڈیرے پر سکونت اختیار کر لی۔ ایک عمر رسیدہ شخص بابا میاں احمد بہت پرانے ذاکر تھے اور کسی اللہ والے کی توجہ سے انہیں لطیفۂ قلب حاصل تھا۔ لطیفۂ قلب رک جاتا تو حضرت جیؒ کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کرتے اور قلب دوبارہ جاری ہو جاتا۔ آپؒ کی موجودگی سے پورا محلّہ نمازی بن گیا۔ ان سب باتوں کا چکڑالہ میں تذکرہ بھی ہوتا لیکن مقامی لوگ آپؒ سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے کہ خاندان کے لوگ تصوّف کے مخالف تھے۔ کبھی کبھی آپؒ تفریحاً فرمایا کرتے' یہ لوگ کہتے ہیں سب مل کر دوزخ کے راستے پر جا رہے تھے' درمیان میں اس نے راستہ کیوں بدل لیا! حضرت جیؒ کی رفاقت ان لوگوں کے بس کی بات نہ تھی۔

لسانِ شیخ

1934ء کی ایک مبارک ساعت' حضرت سیّد پیر مہر علی شاہؒ کی روح پرور محفل میں ایک نوجوان حاضر ہوا جو حافظِ قرآن بھی تھا۔ پیش کرنے والے مریدِ خاص نے عرض کیا:

''حضرت! اسے بیعت کر لیجئے لیکن یہ کچھ متردّد ہے۔''

پیر گولڑویؒ نے فرمایا:

''میں متردّد کو بیعت نہیں کرتا۔''

دوسرے روز محفلِ سماع میں بجتا قوال بغیر ساز کے نعت پڑھ رہا تھا اور حضرت گولڑویؒ آنکھیں بند کئے ذکرِ حبیب ﷺ میں غوطہ زن تھے۔ یہ نوجوان آج پھر ان کے روبرو تھا۔ حضرت گولڑویؒ نے اچانک آنکھیں کھولیں تو نگاہ سیدھی اس پر پڑی۔

''فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا''

اس ایک نگاہ سے دل کی دنیا میں ایسی ہلچل مچی کہ بے قرار ہو کر آگے بڑھا' شاہ صاحب کا ہاتھ تھام لیا اور بیعت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔

سات سال بعد 1941ء میں جماعت اسلامی کے مرکز دارالاسلام پٹھانکوٹ (انڈیا) میں ایک تربیتی کورس کا انعقاد ہوا۔ ایک ماہ کے اس تربیتی

کورس کے انسٹرکٹر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی تھے۔ وہی حافظِ قرآن نوجوان اب جماعت اسلامی چکوال کے امیر کی حیثیت سے اس تربیتی کورس میں شریک تھا۔ کورس کے اختتام پر شرکاء میں حسبِ قابلیت اسناد تقسیم ہوئیں کہ فلاں صاحب فلاں شعبہ میں تبلیغ کے اہل ہیں اور فلاں صاحب فلاں شعبہ میں۔ تعلیم یافتہ طبقہ کے الگ مبلغ تجویز ہوئے اور کاروباری طبقہ کے الگ لیکن اسے جو سرٹیفکیٹ ملا اس پر درج تھا کہ وہ بلا کسی تخصیص کے ہر مکتبِ فکر اور ہر شعبہ میں تبلیغ کی اہلیت رکھتا ہے۔

یہ تھے حافظ عبدالرزاق' جماعت اسلامی کے ابتدائی دور کے اہم رکن جنہیں دارالاسلام پٹھانکوٹ کے اس کورس کی تکمیل پر راولپنڈی ڈویژن کا قیّم مقرر کرتے ہوئے پوری ڈویژن میں دوروں کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ ذمہ داری اپنی جگہ' لیکن حافظ عبدالرزاق' حضرت سیّد مہر علی شاہؒ کی روح پرور محفل کی جھلک فراموش نہ کر سکے۔ ان لمحوں کی یاد نے ستایا تو ان کے جانشین کی خدمت میں خط لکھا' حضرت! مجھے اللہ اللہ کرنا سکھائیں لیکن اس کا شاید ابھی وقت نہیں آیا تھا' خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ بہرکیف وہ جوت جو ایک عارف باللہ نے ان کے دل میں جگائی تھی' سلگتی رہی اور کسی اللہ والے کی تلاش جاری رہی۔

1960ء میں حافظ عبدالرزاق چکوال ڈگری کالج میں بطور لیکچرر تعینات تھے۔ ان کی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ بطور قیّم جماعت اسلامی دیگر سرگرمیاں بھی جاری تھیں لیکن اکثر شامیں مقامی سکول کے عربی ٹیچر مولوی سلیمان اور دیگر چند دوستوں کے ہمراہ شطرنج کھیلنے میں بسر ہوا کرتیں۔ زندگی اسی ڈگر پر چل رہی تھی کہ یکایک ان کا پارٹنر مولوی سلیمان شطرنج کی بیٹھک

سے غائب ہوگیا۔

اس سے قبل مولوی سلیمان کا سرسری ذکر کیا جا چکا ہے۔ وہ تلہ گنگ کے ایک مدرسے میں عربی کا استاد تھا۔ حضرت جیؒ دو مرتبہ وہاں تشریف لے گئے۔ ان ملاقاتوں میں وہ آپ کی علمیت سے انتہائی متأثر ہوا۔ 1956ء میں حضرت جیؒ نے مناظرہ بلکسر میں خطاب فرمایا۔ مولوی سلیمان اس زمانے میں چکوال منتقل ہو چکا تھا' وہ حضرت جیؒ کا خطاب سننے کے لئے بلکسر پہنچ گیا۔ مناظرے کے اختتام پر اس نے آپؒ سے درخواست کی کہ چکوال سے گزرتے ہوئے اسے ملاقات کا شرف بخشا جائے۔ اس کے بعد حضرت جیؒ کا معمول بن گیا کہ چکوال سے گزرتے ہوئے آپؒ اس کے ہاں کچھ دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔

1960ء میں حضرت جیؒ تین روز کے لئے بلکسر تشریف لائے تو اطلاع پا کر مولوی سلیمان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت حضرت جیؒ نے اپنے چہرۂ مبارک پر کپڑا ڈال رکھا تھا اور بظاہر استراحت فرما رہے تھے لیکن حالتِ مراقبہ میں تھے۔ مولوی سلیمان کی آمد پر چہرے سے کپڑا اٹھایا تو نگاہ سیدھی مولوی سلیمان پر پڑی۔ یہ بھی کچھ ایسی ہی صورتحال تھی جو 1934ء میں حافظ عبدالرزاق کے ساتھ پیر مہر علی شاہؒ کی محفل میں پیش آئی تھی۔ حضرت جیؒ جس عالم میں تھے اس کی ایک جھلک دیکھی تو مولوی سلیمان کے ہوش جاتے رہے۔ آپؒ نے یہ حالت دیکھی تو ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

''آ گئے ہو' باہر چلو۔''

باہر آ کر علیحدگی میں لطائف بتائے۔ پھر فرمایا' کشمیر جا رہا ہوں واپسی پر توجہ دوں گا۔ حضرت جیؒ کا یہ ضلع باغ (آزاد کشمیر) کا وہ دورہ تھا

جس میں حضرت امیرالمکرّم پانچ دن تک آپؒ کے شریکِ سفر رہے۔ واپسی پر چکوال پہنچے تو حسبِ وعدہ مولوی سلیمان کو ذکر میں بٹھایا اور توجہ دی۔ مولوی سلیمان کے اس پہلے ذکر میں حضرت امیرالمکرّم بھی حضرت جیؒ کے ساتھ تھے۔ مولوی سلیمان حضرت جیؒ کی توجہ برداشت نہ کر سکا اور ہفتہ بھر حالت غیر رہی۔ شطرنج کا رسیا تھا لیکن اس پہلی توجہ کے ساتھ ہی یہ شغل تمام ہوا۔

شطرنج کی بیٹھک سے مولوی سلیمان کی مسلسل غیر حاضری حافظ عبدالرزاق کے لئے حیران کن تھی۔ سبب دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ایک اللہ والے سے تعلق قائم ہو چکا ہے جس کے بعد ان مشغلوں کی احتیاج باقی نہیں رہی۔ اللہ والے کی تلاش تو حافظ صاحب کو بھی تھی' گلہ کیا کہ انہیں کیوں نہیں بتایا۔

مولوی سلیمان نے جواب دیا:

''پروفیسروں کو اللہ والوں سے کیا غرض؟''

پروفیسر صاحب نے انتہائی دکھ سے کہا:

''مجھے بتا کے تو دیکھا ہوتا!''

حضرت جیؒ کی چکوال آمد پر حافظ عبدالرزاق حاضرِ خدمت ہوئے لیکن پہلی نظر میں آپؒ کی سادگی دیکھ کر متاثر نہ ہو سکے۔ عام زمینداروں کا سا لباس زیب تن تھا اور وضع قطع سے عالم نظر آتے تھے نہ پیر۔ کچھ دیر بعد علمی گفتگو چھڑ گئی تو سمجھ آئی کہ حضرت جیؒ تو علم کا سائیکلو پیڈیا تھے لیکن جس بات نے حافظ صاحب کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر دیا وہ کوئی فلسفہ' حکمت و دانش نہیں' بلکہ تین لفظوں پر مشتمل ایک سادہ سا جملہ تھا لیکن معانی اور کیفیات سے بھرپور۔

اس وقت حضرت جیؒ کی محفل میں دو صاحبان پہلے سے موجود تھے'

ایک تو مرد دیہاتی جوان (ملک خدا بخش) اور دوسرے ایک لمبے تڑنگے جوانِ **رعنا** (امیر المکرّم) جن کے انداز گفتگو میں غضب کی بے تکلفی' بے باکی اور **اپنائیت تھی**۔ حضرت جیؒ سے کہنے لگے:

''حضرت! ایہہ (ملک خدا بخش) تے ہک ململ دا چولا' تساں دو واریں تھبو کیا تے چٹا سفید ہو گیا۔ ایہ بھورا (اپنے متعلق) جے تساں کھمب کیتا تے تاں منساں۔''

(ملک خدا بخش تو ایک ململ کا کرتہ تھا' دو ہاتھ لگنے سے سفید ہو گیا' اس بھورے کو بھی یعنی مجھے بھی سفید کر دیں گے تو مانوں گا۔)

اس وقت ملک خدا بخش کے مزاج کی سادگی اور یکسوئی کی وجہ سے انکشافات شروع ہو چکے تھے لیکن حضرت امیر المکرّم کے ہاں یہ صورت نہ تھی حضرت جیؒ ان کی اس بے تکلفی سے بہت محظوظ ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

''**اللہ قادر ہے۔**''

حافظ صاحب سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیسے حضرت ہیں کہ ''اللہ قادر ہے'' کہہ کر اپنی ذات کی مکمل نفی کر دی۔ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ میں کوشش کروں گا لیکن انہوں نے تو سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا۔ گویا اپنے ہاتھ میں تو کچھ ہے ہی نہیں۔ تین الفاظ میں تصوّف کی حقیقت بیان کر دی۔ یہی توحید' یہی مقامِ فنا فی اللہ اور یہی مقامِ رضا' یعنی اپنے اختیار سے دستبردار ہو کر اپنی باگ ڈور مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دو جو ہر چیز پر قادر ہے۔

حافظ عبدالرزاق ابھی تک حضرت جیؒ کے اسی جملے میں کھوئے ہوئے

تھے کہ مولوی سلیمان نے عرض کیا:

''حضرت! یہ پروفیسر صاحب بھی اللہ اللہ سیکھنا چاہتے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''چھوڑو مولوی جی' پروفیسراں نوں کی لگے انہاں گلاں نال (مولوی صاحب چھوڑیں پروفیسروں کو ان باتوں سے کیا سروکار)۔''

حافظ صاحب دینی اور دنیوی' دونوں علوم سے مالا مال تھے۔ انتہائی بذلہ سنج اور حاضر جواب' علمی گفتگو میں دلائل کا سیلاب رواں ہوتا جس کے سامنے کوئی ٹھہر نہ سکتا۔ اس پر طرہ یہ کہ جماعت اسلامی کے اساسی رکن اور راولپنڈی ڈویژن کے قیم لیکن ایک اللہ والے کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے قابلِ اعتنا ہی نہ سمجھا۔ اہل اللہ کے معاملات بھی عجیب ہوتے ہیں۔ شفقت فرمانے پر آتے ہیں تو عامی بھی نوازے جاتے ہیں لیکن بے نیازی ایسی کہ نگاہ کبھی خواص کی طرف بھی نہیں اٹھتی۔ یہ بے نیازی بھی اکثر عطا کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے اور جس دل میں عُجب کی صورت خود پرستی موجود ہو' اس کے لئے معرفت کا پہلا سبق ثابت ہوتی ہے۔

حضرت جیؒ کے یہ الفاظ دل کے بتکدے پر ضربِ ابراہیمی ثابت ہوئے۔ جس قلب میں اپنا ہی بت بٹھا رکھا ہو اور انسان اس کی پرستش میں لگا رہے خواہ یہ علمی فضلیت کا بت ہو' ورع وتقویٰ کا یا عبادت گزاری کا' اس کا ذکرِ الٰہی سے کیا سروکار۔ ان بتوں کی موجودگی میں قلب' اللہ کا مسکن نہیں بن سکتا۔ حضرت جیؒ کے یہ الفاظ حسبِ حال تھے کہ مکتبِ طریقت میں

والے سے پہلے بھول جاؤ کہ تم بڑے عالم ہو' زاہد ہو' اونچی شان وشوکت والے ہو' کوئی پروفیسر ہو یا اعلیٰ افسر ہو۔ تم تو عدم سے وجود میں آئے اور كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ تمہارا انجام ہے' یہاں ذاتی تفاخر اور فضیلت کا بھرم کیسا؟ مولوی سلیمان نے اصرار کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''انہیں شام کے ذکر میں بٹھا لینا۔''

شام کے حلقۂ ذکر میں حافظ صاحب شریک ہوئے تو حضرت جیؒ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ دل کے بت کدے پر زد پڑی تو اک زلزلہ سا آیا اور وجد طاری ہو گیا۔ کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی لیکن اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہاں کچھ ہے ضرور' اور یہ وہی تو ہے جس کی ایک مدت سے حافظ صاحب کو تلاش تھی۔ چھبیس سال قبل حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے ان کے دل میں اللہ سے تعلق کا جو بیج بویا تھا' وہ حضرت جیؒ کی توجہ سے پھوٹ پڑا۔ جس طرح وہ ابتداء میں حضرت گولڑویؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے متردّد تھے لیکن اک نگاہِ پُر اثر کے نتیجے میں لپک کر ان کا ہاتھ تھام لیا' اسی طرح آج بھی وہ حضرت جیؒ کی سادگی دیکھ کر پہلی نظر میں تو متردّد تھے لیکن دورانِ ذکر توجہ ملی تو حضرت جیؒ کے دامن کو ایسا تھاما کہ پھر اسی چوکھٹ کے ہو کر رہ گئے۔

منارہ کے بعد اب چکوال میں مولوی سلیمان اور حافظ عبدالرزاق پر مشتمل دوسرا حلقۂ ذکر قائم ہوا۔ یہ دونوں حضرات چکوال کی معروف شخصیات میں سے تھے۔ شطرنج کی بیٹھک سے اٹھے اور ذکرِ الٰہی کی محفل سجا لی تو حلقۂ یاراں کو تعجب ہوا کہ اس انقلاب کے پیچھے کونسا ہاتھ کارفرما ہے۔ ان کے اس تجسس نے یہ رنگ دکھایا کہ حضرت جیؒ چکوال تشریف لاتے تو ایک نیا شخص چشم براہ ملتا تاکہ خود اس انقلاب آفریں ہستی سے مل کر اپنا تجسّس دور

کر سکے لیکن جو بھی آیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس طرح چکوال کے حلقہ ذکر میں رفتہ رفتہ مزید احباب شامل ہوتے چلے گئے۔

اسی سال حضرت جیؒ کو دعوتِ عام کا اذن ملا تو چکوال میں کھلے بندوں محافلِ ذکر منعقد ہونے لگیں۔ ابتداء حافظ صاحب کے پر اثر اور مدلل خطاب سے ہوا کرتی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حافظ عبدالرزاق کا ڈگری کالج جہلم میں تبادلہ ہو گیا۔ اب وہ حضرت جیؒ کے حکم پر ہر ہفتے چکوال آتے اور محافلِ ذکر میں حسبِ معمول خطاب فرماتے۔ 1963ء میں انہیں حضرت جیؒ کی مشہور تصنیف ''دلائل السلوک'' مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1964ء میں دلائل السلوک کی اشاعت ہوئی تو شعبہ تصنیف مستقل طور پر حافظ صاحب کے سپرد ہوا جس کے بعد وہ حضرت جیؒ کے افکار کی اشاعت میں دن رات اس طرح مصروف ہو گئے کہ تصنیف و تالیف ان کی زندگی کا عنوان بن گیا۔ 1979ء میں انہوں نے حضرت جیؒ کی قومی سطح پر معروف کتاب ''نفاذِ شریعت اور فقہ جعفریہ'' کو مرتب کیا۔ اس میں فقہ جعفریہ کی تاریخ کے حوالے سے حافظ صاحب کی طرف سے ایک اضافی باب بھی تھا جو حضرت جیؒ کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ آپؒ یہ دیکھ کر انتہائی خوش ہوئے اور فرمایا:

''مشائخ کو ایسے آدمی، اللہ کریم کی طرف سے ملتے رہے جو ان کی لسان ہوتے جیسے حضرت شمس تبریزؒ کو مولانا رومؒ عطا ہوئے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ مجھے تُو عطا کیا گیا۔''

اِذنِ عام

1981ء میں حضرت جیؒ کا ایک انٹرویو ریکارڈ کرتے ہوئے سوال کیا گیا:

''حضرت! روحانی سلسلہ کی ترویج کس طرح ہوئی؟''

آپؒ نے فرمایا:

''چکوال میں حافظ صاحب حلقۂ ذکر میں آئے' حکیم فضل کریم' پٹواری صاحب' پھر اور لوگ آئے۔ انہاں اگوں بھنڈی پائی' اگوں چکوالیاں شور مچایا۔ (ان چکوال والوں نے اس کے بعد شور مچا دیا)۔''

ایک اور موقع پر حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میں تو اطمینان سے اللہ اللہ کر رہا تھا' ان چکوالیوں نے مجھے نشر کر دیا۔''

پروفیسر حافظ عبدالرزاق بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے دبی زبان میں عرض کیا:

آں روز کہ ماہ شدی' نمی دانستی
کہ انگشت نمائے ہمہ عالمیاں خواہی شد

(جس روز تو چاند بنا تھا تجھے خبر نہ تھی کہ سارے عالم کی انگلیاں تیری طرف اٹھیں گی)۔

ایک مرتبہ یہی بات حضرت جیؒ نے بھی ایک اور رنگ میں فرمائی:

''میں ایک زمیندار آدمی ہوں۔ اگر کوئی شخص باہر سے آ کر میرے پاس بیٹھ جائے اور مجھے جانتا نہ ہو تو وہ مجھے مولوی بھی نہ سمجھے گا صوفی تو دور کی بات ہے۔لباس' میری گفتگو' چال چلن' میں نے تصنع کبھی نہیں کیا۔ ظاہری نمود کا کبھی خیال نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حُسنِ ذاتی عطا فرمایا ہے۔ بڑی بڑی تسبیحیں' رومال' چوغے' ان میں فقیری نہیں' یہ پوشیدہ بھی نہیں رہ سکتی' خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔

نِکو رو تابِ مستُوری ندارد
اگر بندی سرِ رَوزن بر آرد

مولانا جامیؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''زلیخا'' میں لکھا ہے' خوبصورت چہرہ ہو' دروازے بند کر دو تو روشندانوں سے ظاہر ہو جائے گا۔

مولوی جو باتیں کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ میں زندہ ہوں' کئی کہتے ہیں کہ اس نے تصوّف ظاہر کر دیا ہے۔

کوئٹہ میں مولانا عبدالقادر ڈھروی سے ایک معروف گدی نشیں نے میرے متعلق کہہ دیا کہ بات تو کوئی نہیں لیکن مولوی صاحب نے اظہار کچھ زیادہ ہی کر دیا ہے۔

مولانا زیرک ہیں' کہنے لگے حضرت! یہ تو بتائیں تصوّف کے آپ بھی قائل ہیں اور لوگوں کو بتاتے بھی ہیں۔ کیا یہ دین ہے یا دین سے علاوہ کوئی چیز ہے؟

جواب دیا: ہاں دین ہے۔

مولانا نے فوراً کہا کہ دین کو چھپانے والا تو لعنتی ہے۔ گویا پھر تو حضرت نے جو کیا ہے بہت اچھا کیا ہے۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ

اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتے رہو۔

(والضحیٰ۔11)

''اس تصوّف کے انعام کو بیان کرنے والا' اس نعمت کا اظہار کرنے والے کو شرحِ صدر ہو جاتا ہے۔ ہم نے تبلیغ کی' مناظرے کئے' درس و تدریس کے رسالے شائع کئے۔ سارے چلے گئے اور بے لوث گئے' اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ طمع نہ تھا لیکن فائدہ کوئی نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ فائدہ ہوا ہے اور جس کو فائدہ نہیں ہوتا ہم کہتے ہیں پیچھے ہٹ جاؤ' ہمارے ساتھ چلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یا سیدھا مسلمان بن کر رہو' محمد رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلو۔''

چکوال میں ترویجِ سلسلۂ عالیہ

چکوال میں مولوی سلیمان اور حافظ عبدالرزاق کے مشاغل میں انقلابی تبدیلیوں کے بعد ان کا حلقۂ احباب حضرت جیؒ کی طرف متوجہ ہوا۔ ان

میں سے جو بھی طلبِ صادق لے کر آیا' آپؒ کی شفقت سے محروم نہ رہا۔ کچھ لوگ ناقدانہ نقطۂ نظر سے بھی قریب آئے لیکن یہاں اتباعِ شریعت اور تصوّف کا اصل نقشہ دیکھنے کے بعد وہ بھی حلقۂ ذکر میں شامل ہو گئے۔ ان دنوں حضرت جیؒ کی ہدایت تھی کہ عام لوگوں سے سروکار نہ رکھا جائے اور صرف اپنی اصلاح پر توجہ دی جائے لیکن اسکے باوجود ذاکرین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اس طرح چکوال میں رفتہ رفتہ ترویجِ سلسلۂ عالیہ کے لئے حالات سازگار ہوتے چلے گئے۔

بالآخر دربارِ نبوی ﷺ سے ہدایت ملی تو حضرت جیؒ نے ذاکرین کی جماعت ترتیب دینے کا فیصلہ کیا جو ترویج سلسلۂ عالیہ کا باقاعدہ آغاز تھا۔ یہ فیصلہ غالباً 1960ء میں کیا گیا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے بعد قریباً پانچ سو سال تک سلسلۂ اویسیہ زیرِ زمین پانی کی طرح مستور رہا۔ اب اذنِ عام ملا تو حضرت جیؒ کے ذریعے اس کے احیاء کا عمل شروع ہوا۔ چکوال میں احباب کی خاصی تعداد ہر شام مولوی سلیمان کے ہاں ذکر کے لئے جمع ہو جاتی جن میں سے اکثر تہجد کے ذکر میں بھی شریک ہوتے۔ چکوال میں ان لوگوں کے اجتماعی اذکار کا خوب چرچا ہوا تو ایک قلیل عرصہ میں سلسلۂ ذکر عوامی سطح پر خاصا معروف ہو گیا۔

چکوال کے مضافات میں موہڑہ کورچشم میں بھی حضرت جیؒ کا وسیع حلقۂ اثر تھا جہاں آپؒ اپنے استاذ مولانا محمد اسماعیلؒ سے ملاقات کے لئے اکثر تشریف لے جاتے۔ ان کے فرزند مولانا اکرام الحق' جو صاحبِ علم اور حضرت جیؒ کے عقیدت مند تھے' حلقۂ ذکر میں شامل ہوئے تو کچھ ہی روز بعد انوارات کو ایک دھارے کی صورت قلب میں داخل ہوتا ہوا محسوس کرنے

لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر موہڑہ کورچشم میں ان کے حلقۂ اثر میں بھی ذکر شروع ہو گیا۔ یہاں آپؒ کے زمانۂ طالب علمی کا ایک دوست سرور نامی دوکاندار تھا۔ یہ شخص موہڑہ کورچشم کی مسجد میں دورانِ ذکر احباب کی گریہ زاری پر اعتراض کرتا کہ تم لوگ ہماری نمازیں خراب کرتے ہو لیکن کچھ عرصہ بعد جب اس پر حقیقتِ حال واضح ہوئی تو اس نے حضرت جیؒ سے گلہ کیا کہ آپؒ نے اتنا عرصہ اس نعمت کو اپنے تک کیوں محدود رکھا۔ جس روز اس نے خود ذکر شروع کیا' نگاہِ بصیرت سے نوازا گیا۔ احوال کے مشاہدے سے اس پر اکثر حالتِ گریہ طاری ہو جاتی جس پر احباب اسے یاد دلایا کرتے کہ ایک وقت تھا کہ اسی گریہ سے تمہاری نمازیں خراب ہوتی تھیں اور اب خود اس قدر گریہ زاری کرتے ہو کہ دورانِ ذکر ہماری توجہ بٹ جاتی ہے۔

ذکر کی پہلی مجلس میں سرور کو اس قدر قوی مشاہدات نصیب ہوئے کہ ذکر ختم ہوا تو بیان کرنے سے رہ نہ سکا۔ کہنے لگا کہ دورانِ ذکر حضرت جیؒ کے قلبِ اطہر سے تیز روشنی کا ایک دھارا ریل گاڑی کے انجن کی لائٹ کی طرح ایک لمبے سے شخص کے سینے میں داخل ہوتا تھا اور وہاں سے بہت سی روشنیوں میں تقسیم ہو کر باقی احباب کے سینوں کو منور کرتا تھا۔ سرور نہیں جانتا تھا کہ وہ ''لمبا شخص'' کون ہے۔ وہ حضرت امیر المکرّم تھے۔ ذکر کے دوران حضرت جیؒ کے قلب سے انوارات ان کے قلب سے ہوتے ہوئے دوسروں کے قلوب تک ان کی استطاعت کے مطابق منتقل ہوتے۔ انوارات کی ترسیل کا یہ مشاہدہ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا تھا کہ عام لوگوں میں چونکہ حضرت جیؒ کی توجہ کی براہِ راست تاب لانے کی ہمت نہ تھی' اس لئے شروع ہی سے حضرت امیر المکرّم کی ذات کو ایک درمیانی واسطے کی حیثیت حاصل تھی۔ اس

محفل میں مولوی سلیمان اور حافظ عبدالرزاق بھی موجود تھے لیکن واسطہ حضرت امیرالمکرّم ہی بنے' گویا ابتداء ہی سے انہیں حضرت جیؒ کی نیابت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

چکوال میں امداد حسین شاہ نے ذکر شروع کیا تو اس کے بھائی ظہور شاہ نے کبھی بدعت اور کبھی وہابیت کی تہمت لگا کر مخالفت شروع کر دی۔ امداد شاہ نے حضرت جیؒ کی تشریف آوری پر اپنے بھائی کو دعوت دی کہ ایک رات حضرت جیؒ کے ساتھ قیام کرو اور اگر کوئی فعل خلافِ شریعت دیکھو تو بے شک گلے میں پٹکا ڈال دینا۔ ظہور شاہ امتحاناً رات کے ذکر میں آن بیٹھا۔ کچھ دیر تو ناقدانہ نگاہ سے جائزہ لیتا رہا' پھر خود بھی ذکر میں شامل ہو گیا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو امداد شاہ نے بھائی سے پوچھا' سناؤ کیا خیال ہے؟ اس نے متأسف ہو کر جواب دیا:

"خیال کیا ہے' کچھ ساتھیوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا' پھر کچھ ساتھیوں کو دربارِ نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اب اس کے بعد کیا کہوں؟"

یہ مشاہدہ نہ صرف ظہور شاہ کے لئے حلقۂ ذکر میں شمولیت کا سبب بنا بلکہ کئی اور لوگ بھی اسے دیکھ کر اللہ اللہ کرنے لگے کیونکہ ایک عرصہ تک اس شخص کی مبینہ مخالفت کے بعد اس کا اعترافِ حقیقت اور خود ذکر کا آغاز احباب کے لئے ایک قوی دلیل تھی۔

اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود چکوال کے ان احباب کی تربیت حضرت جیؒ کی اولین ترجیح تھی۔ کبھی آپؒ موہڑہ کورچشم تشریف لے جاتے تو چکوال سے احباب اس مضافاتی گاؤں میں حضرت جیؒ کے ساتھ ذکر میں

شامل ہوتے۔ حضرت امیر المکرّم کے ہاں سیتھی میں ان کے ڈیرہ پر قیام فرماتے تو احباب کی خاصی تعداد وہاں بھی حضرت جیؒ کے ہمراہ ہوتی۔ آپؒ کے بعد چکوال میں روزانہ صبح وشام مجلسِ ذکر ہوتی۔ حافظ عبدالرزاق ڈگری کالج جہلم میں تبدیل ہوئے تو آپؒ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ چکوال آئیں اور اجتماعی ذکر میں احباب کے سامنے ذکر اللہ کے موضوع پر بیان کریں۔ جس روز حافظ صاحب کا ہفتہ وار بیان ہوتا' نئے احباب کو خاص طور پر مدعو کیا جاتا۔ حافظ صاحب کے مدلّل بیان کے بعد کیفیات سے بھرپور محافلِ ذکر نئے احباب کے لئے دعوت کا مؤثر ذریعہ تھیں۔

ہر ساتھی بذاتِ خود اپنے اہلِ خانہ کے لئے بھی ایک دعوت تھا جس کی زندگی میں مثبت تبدیلیوں کو دیکھ کر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ رفتہ رفتہ چکوال کے کئی گھرانوں میں سلسلۂ ذکر شروع ہو گیا۔ گھر کے سربراہ کے ہمراہ خواتین اور بچے ذکر میں شامل ہوتے تو قلبی صفائی کی وجہ سے ان میں سے اکثر کو مشاہدات نصیب ہو جاتے جو یقین و اعتماد کا سبب بنتے۔ مختلف مقامات پر اگرچہ انفرادی سطح پر خواتین کا ذکر شروع ہو چکا تھا لیکن موہڑہ کورچشم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہاں 63-1962ء میں خواتین کا پہلا حلقۂ ذکر قائم ہوا جس میں خواتین کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی۔

چکوال کے حافظ غلام جیلانی ہائی سکول میں استاد تھے اور اپنے علمی پس منظر کی بنا پر لائبریری کے انچارج بھی تھے۔ یہ صاحب کئی سال سے ملک کے ایک معروف آستانے سے وابستہ تھے لیکن راہِ سلوک سے نا آشنا۔ 1963ء میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی تو عرض کیا:

"حضرت! کئی سال سے ایک جگہ بیعت کر رکھی ہے لیکن

کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اللہ اللہ سیکھنے کا شوق ہے۔"

حضرت جیؒ نے اک نگاہ اس طالب پر ڈالی تو طلب صادق موجود پائی۔ آپؒ نے فرمایا:

"میں سنگریزے اکٹھے کر رہا ہوں۔ شاید ان میں سے کوئی ہیرا نکل آئے جو اپنی اور میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔"

کچھ دیر خاموش رہے' پھر فرمایا:

"بیٹا دیکھو! ایک ہے علاج' دوسرا ہے پرہیز۔ علاج کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب پرہیز کیا جائے۔ علاج ہے اسمِ ذات' پرہیز ہے سنت خیرالانام ﷺ۔ اگر آپ یہ کرسکیں تو میں وہ سمندر پیش کروں گا جو قیامت تک ختم نہ ہو۔"

جیلانی صاحب حلقۂ ذکر میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تیز مشاہدات اور کلام بِالاَرواح سے نواز دیا۔ حضرت جیؒ کو معلوم ہوا تو آپؒ نے اس میدان میں ان کی خصوصی تربیت فرمائی۔ چکڑالہ قبرستان میں ڈھیری والے فقیر سے کلام کروائی تو انہوں نے بتایا کہ دہلی سے فیض حاصل کرنے کے بعد یہاں آیا تھا۔ حضرت جیؒ کے کم سن صاحبزادے امین الدین بھی یہاں دفن تھے جن سے آپؒ کو بے حد پیار تھا اور بعد میں نواسے کا بھی یہی نام رکھا تھا۔ روح چونکہ روزِ الست سے عاقل و بالغ ہے' برزخ میں ایک شیرخوار بچہ بھی کلام کرسکتا ہے کیونکہ وہاں جسم' روح کے تابع ہوتا ہے۔ حضرت جیؒ کے صاحبزادے سے معلوم ہوا کہ والدہ نے نہلا کر اچھے کپڑے پہنائے تو باہر سے ایک عورت آئی جس نے ایسی نظرِ بد سے دیکھا کہ دل پھٹ گیا اور اچانک موت واقع ہوگئی۔

حافظ غلام جیلانی دیرینہ تعلقات کی بنا پر کبھی کبھی سابقہ آستانے پر بھی حاضری دیا کرتے تھے تاہم ان کے دل میں عرصہ سے یہ خلش چلی آ رہی تھی کہ یہ لوگ قبر کے تعویذ کو بوسہ کیوں دیتے ہیں۔ جیلانی صاحب نے آستانے کی لائبریری کے انچارج سے' جو خود بھی ایک معروف عالم تھے' فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'دُرِّ مختار' کے حوالے سے اس عمل کی شرعی حیثیت بیان کی تو انہوں نے کہا:

''کس وہابی سے مل کر آ رہے ہو' چلو اس مسئلے کی شرعی حیثیت خلیفہ صاحب سے پوچھ لیتے ہیں۔''

جیلانی صاحب نے جواب دیا:

''ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں صاحبِ مزار سے خود بھی دریافت کرسکتا ہوں۔''

یہ واقعہ حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا:

''اپنے اندر وہ اہلیت پیدا کرو کہ صاحبِ مزار کے ہاتھ کو بوسہ دے سکو۔ پتھر چومنے سے کیا فائدہ''؟

کتبِ تصوف کے مطالعہ کے بعد فلسفہ طرازی تو ایک فیشن بن چکا ہے لیکن کچھ کہنے کی بجائے عملاً کر دکھانا اصل چیز ہے۔ حضرت جیؒ کا یہ فرمان ایک حقیقت ہے جس کے سینکڑوں شاہد آج بھی موجود ہیں۔ جن خوش نصیبوں کو آقائے نامدار ﷺ کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی' وہ حضرت جیؒ کے ان الفاظ کو کبھی نہیں بھول سکتے۔

''آگے بڑھو' حضور ﷺ ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ دستِ اقدس کو دونوں ہاتھوں سے تھام لو' بوسہ دو' آنکھوں سے لگاؤ...''

ان ایمان افروز لمحات کی یاد زندگی کا اثاثہ ہے۔ ان حسین گھڑیوں کا خیال آتے ہی روح میں آج بھی ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اور آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ ان احباب کی خوش بختی کا کیا کہنا جنہیں روحانی طور پر دستِ اقدس کو بوسہ دیتے ہوئے نگاہِ بصیرت سے آقائے نامدار ﷺ کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔

حضرت جیؒ کے فرمان کے مطابق حافظ عبدالرزاق جہلم سے ذکر کے سلسلے میں ہر ہفتہ چکوال تو آتے لیکن جہلم میں انہوں نے ذکر وفکر کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھا۔ 1963ء میں ڈگری کالج جہلم کے نئے پرنسپل اشرف صدیقی پشاور سے تبدیل ہو کر آئے تو حافظ صاحب کی ایک نئی ڈیوٹی لگ گئی۔ پرنسپل صاحب کی طرف سے حکم تھا کہ حافظ صاحب اپنا زیادہ وقت ان کے دفتر میں گزارا کریں۔ وجہ دریافت کی تو صدیقی صاحب اشک بار ہو گئے اور کہنے لگے:

''مجھے زندگی بھر سکون نہیں ملا لیکن جس روز تمہارے ساتھ ملاقات ہوئی' سکون کا پہلا جھونکا نصیب ہوا۔ اب جو وقت تمہارے ساتھ گزارتا ہوں' خود کو جنت میں محسوس کرتا ہوں۔''

حافظ صاحب نے حضرت جیؒ کی خدمت میں یہ صورت حال عرض کی تو آپؒ نے فرمایا:

''اس کی وجہ سمجھ لینی چاہئے تھی۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا؟

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ
اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

وہ لوگ جو ایمان لائے' ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ جان لو' اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔(الرعد۔28)

تو جس شخص کا دل ذاکر ہو' اس کے پاس بیٹھنے سے بھی یہی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ ذکرِ قلبی کا اثر ہے اور ایسا ضرور ہونا چاہئے تھا۔ تعجب کی بات تو تب تھی اگر ایسا نہ ہوتا۔''

پرنسپل صاحب کا معمول تھا کہ اتوار کی چھٹی لاہور میں بسر کرنے کے بعد پیر کی صبح ریل کار سے جہلم پہنچتے اور سیدھے کالج آ کر اسمبلی میں شامل ہو جاتے۔ ایک مرتبہ وہ لاہور سے واپس لوٹے تو آتے ہی حافظ صاحب کا ہاتھ تھام لیا اور فرطِ جذبات سے سب کے سامنے اس پر بوسہ دینے لگے۔ حافظ صاحب انہیں دفتر میں لے آئے اور اس عجیب حرکت کی وجہ دریافت کی تو پرنسپل صاحب نے شکایت بھرے لہجے میں کہا:

''تم نے مجھے اب تک دھوکے میں کیوں رکھا لاہور پہنچ کر ایک ٹیکسی لی تو اس کا ڈرائیور درویش شکل وصورت کا نظر آیا۔ میں نے پوچھا' کیا تمہارا کسی اللہ والے سے تعلق ہے؟ تو وہ بولا' پہلے آپ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ ڈگری کالج جہلم کا سن کر کہنے لگا' آپ کس لئے تلاش کر رہے ہیں' آپ کے پاس تو رہنمائی کے لئے پہلے ہی ایک شخص موجود ہے۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ تو اس نے تمہارا نام لیا۔ اب تو راز فاش ہو گیا ہے

لیکن اس سے پہلے تم نے کیوں نہیں بتایا''؟

اس کے بعد جہلم میں حافظ عبدالرزاق کے ساتھ اشرف صدیقی بھی ذکر کرنے لگے۔ اس سے قبل وہ ذہنی دباؤ اور بے سکونی کی وجہ سے روزانہ پیتھوڈین کے انجکشن لگوایا کرتے تھے لیکن ذکر شروع کیا تو اس مصیبت سے نجات مل گئی۔ حافظ صاحب کا راز فاش کرنے والے ٹیکسی ڈرائیور مولوی فضل حسینؒ تھے جو کچھ عرصہ قبل لاہور میں پیر مانے جاتے تھے لیکن ان دنوں کسبِ معاش کے لئے ٹیکسی چلایا کرتے تھے۔ انہیں لاہور میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولوی فضل حسینؒ

مولوی فضل حسینؒ کا ابتدائی تعلق سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ سے تھا اور حضرت فضل علی قریشیؒ کے خلفاء میں سے تھے جن کے متعلق حضرت جیؒ نے فرمایا کہ اس زمانے (1963ء) میں پاکستان اور ہندوستان میں جو آدمی کچھ علمِ تصوّف لئے پھرتے ہیں وہ بھی حضرت فضل علی قریشیؒ کے فیض یافتہ ہیں ورنہ یہ چیز تو دنیا سے نابود ہو چکی ہے۔ مولانا عبدالغفور مدنیؒ بھی حضرت فضل علی قریشیؒ کے خلیفہ تھے۔ شیخ کے وصال کے بعد انہوں نے مولوی فضل حسینؒ کو سلسلۂ نقشبندیہ اور قادریہ، دونوں میں خلافت عطا فرمائی تو وہ پاکستان آکر لاہور (سلامت پورہ) میں آباد ہو گئے اور لوگوں کی اصلاح کا فریضہ سنبھال لیا۔

کچھ عرصہ بعد ارادہ کیا کہ مدینہ منورہ چلا جاؤں اور بقیہ زندگی وہیں بسر ہو جائے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا' واپس چلے جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں تردّد

تھا' دو تین روز گزر گئے تو پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ مولانا مدنیؒ کے لہجے میں سختی تھی۔ فرمانے لگے:

''تم ابھی تک یہاں ہو؟ میں تمہیں واپسی کے لئے نہیں کہہ رہا' نبی اکرم ﷺ حکم فرما رہے ہیں۔''

اس وقت تو سمجھ نہ آئی کہ یہ حکم کس لئے دیا گیا تھا لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ واپسی پر ان سے لاہور میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج کا کام لیا جانے والا تھا اور آگے چل کر متحدہ عرب امارات میں بھی انہوں نے یہی کام سرانجام دینا تھا۔

پاکستان آئے تو مولوی فضل حسینؒ اکثر حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر اذکار و مراقبات میں مشغول رہتے۔ یہ 1963ء کا اوائل تھا اور سلسلۂ عالیہ' منارہ اور چکوال کے گردونواح میں خاصہ متعارف ہو چکا تھا۔ اس علاقے کے ایک شخص محمد امین نے مولوی فضل حسینؒ کے یہ معمولات دیکھے تو ان سے حضرت جیؒ کا تذکرہ کیا جس کے بعد مولوی صاحب کی آپؒ سے براہِ راست خط و کتابت شروع ہوگئی۔ اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے حقیقت قرآن تک روحانی مقامات طے کرنے کا ذکر کیا تو آپؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

''جناب کے انوار سیرِ قرآنی تک بوجہِ توجہؒ جناب کے شیخ کے واصل ہوئے۔ آپ نے حقیقتِ قرآن بزرگانِ دین سے سنا ہے۔ اصل میں مقام حقیقتِ قرآن' حقیقتِ کعبہ' حقیقتِ صلوٰۃ' یہ منازل دائرہ محمدیہ ﷺ میں آتے ہیں جو ولایتِ مخصوص رسولِ اکرم ﷺ ہے۔ باقی انبیاء کا حصہ منازل اولوالعزمی تک ختم ......''

مولوی فضل حسینؒ صاحب کشف تھے اور حقیقت آشنا۔ سمجھ گئے کہ بات وہی تھی جو حضرت جیؒ نے بیان فرما دی' یعنی انوارات کی صورت انہیں صرف سیر نظری☆ حاصل تھی لیکن یہ مقامات ان کی پہنچ سے ماوریٰ تھے۔

مولوی صاحب نے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی لیکن آپؒ نے فرمایا کہ وہ فی الحال خط و کتابت جاری رکھیں' وقت آنے پر بعد میں بلایا جائے گا۔ اپنے بارے میں حضرت جیؒ نے جس حد تک کسرِ نفسی کا اظہار فرمایا وہ ماشما کے لئے مقامِ فکر ہے جو راہِ سلوک میں دو قدم چلنے کے بعد اپنی بزرگی کے جھنڈے گاڑنے لگتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا:

''حضرت! میں پیر نہیں ہوں' نہ بیعت لیتا ہوں۔ بیعت اگر خدا کو منظور ہو تو رسولِ خدا ﷺ سے کراتا ہوں۔ نہ ہی دل میں کبھی کوئی خیال گزرا۔ میں تو اپنے آپ کو کتے سے زیادہ رذیل جانتا ہوں' پیری کے قابل نہیں۔''

مولوی فضل حسینؒ خود پیر تھے' بیعت لیتے تھے۔ اپنے متعلقین کو وعظ و تلقین کرتے' چند وظائف بھی بتا دیتے لیکن کیا وہ بیعتِ طریقت کی اہلیت بھی رکھتے تھے؟ کیا وہ طالب کو سلوک بھی طے کرا سکتے تھے؟ یہ وہ سوال تھے جن کا جواب انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ یہی سوال' ہر وہ شخص جو پیر کہلاتا ہو اور بیعتِ طریقت کا دعویدار ہو' اپنے قلب پر پیش کرے اور اگر جواب نفی میں ہو تو اسے چاہیئے کہ لوگوں کو اپنے دَر کا پابند بنانے کی

☆ سیر نظری کی مثال ایسے ہے جس طرح انسان کو اجرامِ فلکی کا مشاہدہ تو حاصل ہے اگرچہ وہ اس سے لامتناہی فاصلوں پر ہیں اور اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ اسی طرح کسی مقام سلوک تک پہنچے بغیر صرف اس کا مشاہدہ نصیب ہو جائے تو اسے سیر نظری کہتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت جیؒ نے فرمایا کہ روح کی نظر کروڑوں میلوں تک نہیں' اربوں میلوں تک جاتی ہے۔

بجائے اس جگہ کا راستہ دکھائے جہاں یہ نعمت بٹتی ہے۔

مولوی فضل حسینؒ نے بھی وہی کیا جو ہر ایسے شخص کو کرنا چاہئے جو پیری کے جھوٹے زعم میں مبتلا ہونے کی بجائے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔ جسے یہ ڈر ہو کہ روزِ محشر وہ ان متعلقین کو کیا جواب دے گا جو اس کے پاس اس جنسِ گراں مایہ کے طلب گار بن کر آئے جس سے وہ خود محروم تھا لیکن اس نے اپنے آستانے کا بھرم قائم رکھنے کے لئے ان سادہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کئے رکھا۔

مولوی فضل حسینؒ نے اپنے آستانے پر ایک اجتماع کا اہتمام کیا جس میں تمام مریدین کو شرکت کی ہدایت کی۔ وہ سماں دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا جب مولوی فضل حسینؒ ان کے سامنے آنسوؤں کی شہادت کے ساتھ یہ اعتراف کر رہے تھے کہ منازلِ سلوک طے کرانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اگر ان کے مریدین طلبِ صادق کے ساتھ اس راستے پر چلنا چاہتے ہوں تو وہ بھی ان کے ہمراہ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوں' جو اُن کے پیرو مرشد کے بھی رہنما ہیں۔

ہر آستانے کے پیچھے ایک بڑا نام ملتا ہے اور آبا و اجداد کی شہرت پر یہ آستانے قائم ہیں لیکن آج ہے کوئی ایسا گدی نشین؟ جو مولوی فضل حسینؒ کی طرح' جن کے پاس دو بڑی ہستیوں کا عطا کردہ خرقۂ خلافت تھا' اپنے عقیدت مندوں کے سامنے اس اعتراف کی اخلاقی جراُت رکھتا ہو۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

وہ جو دل کی دنیا کو سنوارنے کا ملکہ رکھتے تھے' جن کی توجہ دردِ دل کا علاج ہوا کرتی تھی' جن کی صحبت صد سالہ طاعتِ بے ریا کا بدل تھی' آج ان

کے نام پر آستانے تو چل رہے ہیں لیکن وہاں دوائے دردِ دل بانٹنے والا کوئی نہیں ملتا۔

حضرت فضل علی قریشیؒ کے مزار پر سالانہ اجتماع میں مولانا عبدالغفور مدنیؒ بھی شریک ہوتے اور مولوی فضل حسینؒ بھی جنہیں ان دونوں ہستیوں کی خلافت حاصل تھی۔ حضرت جیؒ نے 1963ء کے ایک مکتوب میں مولوی فضل حسینؒ کو لکھا کہ جب وہ اپنے شیخ حضرت فضل علی قریشیؒ کے مزار پر اجتماع میں شریک ہوں تو مولانا مدنیؒ سے ملاقات کریں اور ان سے عرض کریں کہ اگر وہ بندہ کے پاس تشریف لائیں تو آپؒ ان کو بحیثیت خادم آگے چلانے کے لئے تیار ہیں۔ آپؒ نے یہ بھی فرمایا:

> ''کوئی آدمی جس کو صحیح تڑپ سلوک کی ہو اور استعداد بھی حصول کی رکھتا ہو تو اس کو میرا پتہ دینا۔ ہاں مولانا عبدالغفور سے بات کرنا کہ کیا یہ ناجائز ہے کہ جب اپنے سلسلہ میں سلوک حاصل نہیں ہوسکتا تو دوسری طرف جائیں۔''

1964ء کے ایک مکتوب میں حضرت جیؒ نے اپنے سابقہ مکتوب کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھا:

> ''باقی میں نے جو درخواست پیش کی تھی' حضرت عبدالغفور مدنی مدظلہ کی خدمت میں پیش کرنا' وہ مبنی برخلوص تھی کہ یہ چیز یعنی علمِ باطنی وسلوک دنیا سے اپنا مقام کھو بیٹھا ہے' اس علم کا بازار بے رونق ہو چکا ہے' اس کے متلاشی وطالب نابود ہو چکے ہیں' اس کی دکانیں بند ہو چکی ہیں' اس بنا پر

عرض کی تھی کہ اگر ان کو تلاش ہو یا طلب ہو تو ناامیدی نہ
پیدا کریں مگر ہے محال۔''

حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کا مستقل قیام مدینہ شریف میں تھا لیکن حضرت جیؒ کو اس زمانے میں حرمین شریفین کی حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ اس طرح ان سے آپؒ کا براہِ راست رابطہ تو نہ ہوا لیکن ان تک آپؒ کے احوال مولوی فضل حسینؒ کے ذریعے پہنچے۔ شاید یہ درمیانی واسطہ کافی نہ تھا چنانچہ حضرت جیؒ کی اس دعوت کے جواب میں پیش رفت نہ ہو سکی۔ مولانا مدنیؒ نے 1969ء میں رحلت فرمائی تو انہیں جنت البقیع میں سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں میں جگہ ملی۔ مولوی فضل حسینؒ نے حضرت جیؒ کو ان کی رحلت کی خبر دی تو آپؒ نے برزخ میں خیال کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت مدنیؒ برزخ میں بہت خوش بیٹھے ہیں۔''

اسی طرح حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ساتھ حضرت جیؒ کے شاگرد قاضی ثناء اللہؒ (لیٹی والے) کی ملاقات کے بعد حضرت جیؒ کے باطنی احوال مولانا لاہوریؒ پر بھی منکشف ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ آپؒ سے رابطہ نہ کر پائے۔ یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان ہستیوں تک حضرت جیؒ کے احوال جن درمیانی واسطوں کے ذریعے پہنچے وہ ان کے مقام و مرتبت کے مطابق نہ تھے کیونکہ دعوت کی اثر پذیری کے لئے داعی کی موزونیت بھی ضروری ہے۔ یہ بات مندرجہ ذیل واقعہ سے کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر رابرٹ ڈی کرین جو اسلام قبول کرنے کے بعد امریکہ میں ڈاکٹر فاروق عبدالحق کرین کے نام سے متعارف ہوئے' معاشیات اور قانون کے پی ایچ ڈی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک عرصہ تک مڈل ایسٹ میں امریکہ کے

سفیر رہے جس کے بعد آٹھ سال تک وائٹ ہاؤس میں امریکی صدور کے مشیر رہے۔ ان کا امریکہ میں احبابِ سلسلہ سے رابطہ ہوا تو فرمانے لگے کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت تو پاتا ہوں لیکن حضور ﷺ کی نہیں' جبکہ یہ حدیث شریف مجھ تک پہنچی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور ﷺ سے محبت نہ کرے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ تصوّف حاصل کریں جس کے لئے انہیں پاکستان جانا ہوگا۔ اگرچہ کچھ عرصہ بعد سلسلۂ عالیہ کے ایک وفد نے امریکہ کا تبلیغی دورہ کیا لیکن ان سے ڈاکٹر فاروق عبدالحق کی ملاقات کی بجائے حضرت امیر المکرّم کے دورۂ امریکہ کا انتظار کیا گیا تا کہ ڈاکٹر صاحب کی بلند پایہ شخصیت کے مطابق ان کی براہِ راست حضرت امیرالمکرّم سے ملاقات ہو سکے۔ اگلے سال ڈاکٹر فاروق عبدالحق کی حضرت امیرالمکرّم سے ملاقات ہوئی تو وہ پاکستان آئے اور دارالعرفان میں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ براہِ راست حضرت امیرالمکرّم کے زیرِ تربیت رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی لگن کا یہ عالم تھا کہ اس عرصہ میں انہوں نے ایک دن بھی سیر و سیاحت میں ضائع نہیں کیا اور پورا وقت ذکر و فکر میں بسر کیا۔

دورانِ تربیت ڈاکٹر فاروق عبدالحق کے مشاہدات شروع ہوئے تو وہ خاصے بے تاب تھے کہ اپنی اس حالت سے کسی کو آگاہ کریں لیکن جو صاحب ان کی تربیت پر مامور تھے' ان کی عدم دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سیدھے حضرت امیرالمکرّم کے پاس پہنچے اور شکایت کی:

"Look Shaikh, I wanted to tell him that I had seen angels but he paid no response."

(شیخ دیکھئے! میں اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے فرشتوں

کا مشاہدہ کیا ہے لیکن یہ میری بات سنتا ہی نہیں)

حضرت امیر المکرّم نے فرمایا:

"It is a routine matter here."

(یہاں یہ معمول کی بات ہے)

آخر ایسا کیوں نہ ہوتا' آقائے نامدار ﷺ کا فرمان ہے کہ ملائکہ اہلِ ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے' اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے۔ پھر ملائکہ ذاکرین کو آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر فاروق عبدالحق کو یکسوئی کے عالم میں ذکر وفکر نصیب ہوا تو ملائکہ کے ورود کا مشاہدہ کیا جو اس فرمانِ نبوی ﷺ کے عین مطابق تھا۔

ڈاکٹر فاروق عبدالحق☆ کی علمیت اور مرتبے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ ان کی حضرت امیر المکرّم سے براہِ راست ملاقات ہونی چاہیئے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ تصوف اور سلوک کی اصل دعوت صحبتِ شیخ ہے' بات چیت یا دلائل نہیں۔ یہ انعکاسی طور پر قلب کو متاثر کرنے والی کیفیات ہوتی ہیں جو صرف صحبتِ شیخ کے ذریعے ہی نصیب

☆ ڈاکٹر فاروق عبدالحق جو بعض اوقات پرانے تشخص کے حوالے سے اپنا نام بطور "Bob Crane فاروق" لکھتے ہیں' اس وقت AMERICAN MUSLIM COUNCIL کے روحِ رواں ہیں اور حضرت امیر المکرّم سے رہنمائی کے لئے ان کی خط وکتابت جاری رہتی ہے۔ 1991ء میں ناظمِ اعلیٰ کے دورہ امریکہ کے دوران ان کے تعاون سے امریکی مسلمانوں کے لئے سلسلۂ عالیہ کا مختصر تعارف THE NAQSHBANDIAH OWAISIAH ORDER By Abu Talha لکھا گیا۔ اس وقت نیومیکسیکو میں Center for Civilizational Renewal Naqshbandiah Owaisiah Order سے ڈاکٹر صاحب کا علمی اور تحریری کام جاری ہے۔

ہوتی ہیں۔ بارہا یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ محض صحبت شیخ نے وہ کام کر دکھایا جو کسی دلیل یا وکیل کے ذریعے ممکن نہ تھا۔

جتنی قد آور کوئی شخصیت ہو گی اسی پایہ کا داعی بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات دعوت کی حقانیت کے باوجود ایک قد آور شخصیت کے سامنے ایک عام شخص کی دعوت مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت لاہوریؒ بلند پایہ عالم تھے لیکن ان سے حضرت جیؒ کے تعارف کا ذریعہ قاضی جیؒ بنے جن کے متعلق آپؒ اکثر کہا کرتے' کاش یہ شخص عالم بھی ہوتا۔ اسی طرح حضرت عبدالغفور مدنیؒ سے حضرت جیؒ کے تعارف کا ذریعہ مولوی فضل حسینؒ تھے جو خود ان سے اجازت یافتہ تھے۔ اگر ان حضراتِ گرامی کو حضرت جیؒ کی براہِ راست صحبت ملتی تو یقیناً اثرات مختلف ہوتے۔ اصل بات عطائے الٰہی ہے' تقسیم کے فیصلے بھی اس کے اپنے ہیں' کسی خوش نصیب کو ایک نعمت عطا ہوتی ہے تو کسی کو دوسری۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

یہ عطائے الٰہی ہے جس کو چاہے عطا فرما دے (المآئدہ۔54)

دورِ حاضر میں تصوّف کو عملی دین کا بائی پاس اور جنت میں داخلے کا شارٹ کٹ سمجھ لیا گیا ہے۔ مولوی فضل حسینؒ کے گرد عقیدت مندوں کا انبوہ بہت جلد چھٹ گیا لیکن اب مخلصین ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ انہوں نے ایک ایک فرد کو دعوت دی۔ شیخ محمد صدیق' حفظ الرحمٰن' حکیم محمد صادق اور کئی دوسرے عقیدت مند ان کے گرد اکٹھے ہو گئے جو شب بیدار تھے' صبح و شام ان کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے اور قرآن وحدیث کے راستہ پر چلتے ہوئے قربِ الٰہی کے متمنی تھے۔

سلامت پورہ میں مولوی فضل حسینؒ کے آستانے پر اب مرغ پلاؤ نہیں بلکہ فاقہ مستی تھی۔ وہ راتوں کو اللہ اللہ کراتے اور دن کو لاہور کی سڑکوں پر ٹیکسی چلاتے۔ احباب کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھنے لگی یہاں تک کہ سلامت پورہ میں ان کے گھر کی جگہ ناکافی ہوگئی۔ لاہور میں ذاکرین کا تعلق شہر کے مختلف حصوں سے تھا۔ احباب کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ عرصہ بعد مسجد حنفیہ اکھاڑہ بوٹا مل کو ذکر کا مرکز مقرر کیا گیا جو اس وقت بھی لاہور کے بہت سے مراکزِ ذکر میں سے قدیم ترین مرکز ہے۔ حضرت جیؒ نے کئی مرتبہ لاہور تشریف آوری پر اسی مرکز میں قیام فرمایا۔

1963-64ء میں لاہور کے حلقۂ ذکر میں خاصی وسعت ہوئی۔ مولوی فضل حسینؒ احباب کی وارداتِ قلبی سے حضرت جیؒ کو آگاہ رکھتے اور ابتدائی تربیت کے بعد انہیں آپؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ ان احباب میں سے حکیم محمد صادق کو حضرت جیؒ نے 1964ء میں چکوال بلوایا اور استعداد دیکھتے ہوئے دربارِ نبوی ﷺ میں روحانی بیعت کے لئے پیش کر دیا۔ اس مبارک مجلس کی رُوداد نہ صرف احباب دیکھ رہے تھے بلکہ حکیم محمد صادق خود بھی مشاہدہ کر رہے تھے کہ کس طرح انہیں دستِ اقدس کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی سعادت ملی' کس طرح جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو سلسلۂ عالیہ کے جدامجد ہیں' مصافحہ کیا' کس طرح سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو اولیائے کرام کے شیخ ہیں' مصافحہ کی سعادت ملی اور پھر اس دربارِ عالی سے انہیں کیا کیا تحائف عطا ہوئے۔ لاہور میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج میں شیخ محمد صدیق اور حفظ الرحمٰن نے مولوی فضل حسینؒ کی خصوصی معاونت کی۔

مریدین کے سامنے اظہارِ حقیقت کے بعد مولوی فضل حسینؒ نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ پیری مریدی کی جگہ ٹیکسی چلانا پڑی اور اہل وعیال کے حصہ میں فاقے آئے۔ ایک مرتبہ میجر غلام محمد حاضر خدمت ہوئے تو مولوی صاحب نے چائے تک نہ پوچھی۔ میجر صاحب ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ یہ کیسے اللہ والے ہیں جنہوں نے مسافر کا اکرام تک نہیں کیا کہ مولوی صاحب نے ان کے دل کی حالت کو بھانپ لیا اور کہنے لگے:

"آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ ابھی تک چائے تک نہیں پوچھی۔ جب تک تو پیر خانہ چلتا رہا' انواع واقسام کی دعوتیں ہوا کرتی تھیں لیکن اب پورا گھر فاقے سے ہے۔"

یہ دنیوی نعمتیں تو گئیں لیکن ان کے بدلے میں مولوی فضل حسینؒ نے جو پایا' اس کی قدر و منزلت حضرت جیؒ کے ان الفاظ کے بعد مزید کسی وضاحت کی محتاج نہیں جو آپؒ نے ان کی وفات پر پسماندگان کو تحریر فرمائے:

"آپ (مولوی فضل حسینؒ) عالمِ برزخ میں خوب اچھے حال پر ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ !

مکن گریہ برگورِ مقبول دوست
بر اُو خُرمی کُن کہ مقبولِ اوست

مقبولِ خدا دوست کی قبر پر مت رونا بلکہ خوشی کرو کہ وہ خدا کا مقبول بن گیا۔"

ڈلوال میں حلقۂ ذکر

1963ء میں حضرت امیر المکرّم ڈلوال (ضلع چکوال) کے مڈل سکول میں بطور مدرس تعینات ہوئے۔ وہاں کے عمائدین کو دعوتِ ذکر دی تو

ان میں سے راجہ محمد یوسف اور راجہ عبدالمالک نے ذکر شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب برپا ہوا جو دیکھنے والوں کے لئے باعث حیرت اور دعوت کا مؤثر ذریعہ بنا۔ یہاں کے ذاکرین میں سے ایک صاحب شراب کشید کیا کرتے تھے لیکن ذکر کی برکات کے سبب اس شغل سے جلد ہی تائب ہو گئے۔

اس سے قبل ڈلوال کو یہ شرف حاصل تھا کہ 1933ء میں یہاں حضرت جیؒ کی دستار بندی ہوئی تھی لیکن اب ڈلوال کو یہ شرف بھی ملا کہ منارہ اور چکوال کے بعد یہ تیسری جگہ تھی جہاں احباب کے دو اجتماعات منعقد ہوئے لیکن حضرت امیر المکرمؒ کے نورپور تبادلے کے بعد اجتماعات کا سلسلہ ان کے موضع سیتھی کے مضافاتی ڈیرے پر منتقل ہو گیا۔ اس کے بعد بھی حضرت جیؒ کئی مرتبہ ڈلوال تشریف لائے اور احباب کے ہمراہ مختصر قیام فرمایا۔

کراچی اور کوئٹہ:

کراچی میں سلسلۂ عالیہ کے تعارف کا ذریعہ فوجی حضرات بنے جس کے نتیجے میں حضرت جیؒ نے 1966ء میں یہاں کا پہلا دورہ کیا۔ ان واقعات کا تفصیلی ذکر الگ باب میں کیا جائے گا۔ جہاں تک کوئٹہ یا بلوچستان کے دیگر شہروں کا تعلق ہے' دعوت کی ابتدا علماء سے ہوئی جس کا مؤثر ترین ذریعہ دلائل السلوک تھی۔ کوئٹہ میں چلتن مارکیٹ کی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر ڈیرہوی تک دلائل السلوک اور سلسلۂ عالیہ کی دعوت پہنچی تو ان کی مسجد میں پہلا حلقۂ ذکر قائم ہوا۔ مولانا ڈیرہوی کی دعوت پر حضرت جیؒ 1967ء میں پہلی مرتبہ کوئٹہ تشریف لائے اور اسی مسجد میں قیام فرمایا۔ آپؒ کے اس دورہ میں ڈیری فارم مسجد کے خطیب قاری یار محمد بھی سلسلۂ عالیہ

سے منسلک ہوئے۔ اس کے بعد آپؒ نے کوئٹہ کے دوروں میں ہمیشہ قاری صاحب کی مسجد میں قیام فرمایا۔

1968ء میں حضرت جیؒ نے کوئٹہ کا تیسرا دورہ فرمایا۔ اس دورہ میں آپؒ نے ڈیری فارم کی مسجد میں نمازِ عصر پڑھائی تو راجہ محمد یوسف نے کشفاً دیکھا کہ کراماً کاتبین نے اس نماز کا اندراج کمتر درجہ میں کیا ہے۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ واسکٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ حدیث پاک کے مطابق گریبان بند کرنے کی تلقین ہے خواہ کانٹے ہی کیوں نہ لگانے پڑیں۔ اس کے بعد حضرت جیؒ احباب کو اکثر تلقین فرمایا کرتے کہ نماز ادا کرتے ہوئے واسکٹ کے بٹن بند رکھا کریں کیونکہ لباس کو اس کے قاعدے کے مطابق پہننے کا حکم ہے۔

حضرت جیؒ اپنے دوروں میں اس بات کا اہتمام فرماتے کہ خوراک حلال اور طیّب ہو۔ اسی دورے میں ایک فوجی صوبیدار کے گھر خواتین کے ذکر کا پروگرام بھی رکھا گیا۔ ذکر کے بعد جب چائے پیش کی گئی تو آپؒ نے صرف ایک آدھ بسکٹ پر اکتفا کیا اور چائے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ آپؒ کی اتباع میں کسی بھی ساتھی نے چائے نہ پی۔ بعد میں قاری یار محمد نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ چائے بناتے ہوئے دودھ پھٹ گیا تھا اور عجلت میں قریبی یونٹ کے لنگر کا دودھ استعمال کیا گیا۔

1968ء کے دورہ میں ڈلوال ضلع چکوال کے ایک شخص عنایت اللہ نے حضرت جیؒ کو کھانے پر مدعو کیا۔ آپؒ نے دریافت فرمایا' کیا کام کرتے ہو؟ اس شخص نے جب بتایا کہ بینک منیجر ہوں تو آپؒ نے اس کی دعوت قبول نہ کی اور فرمایا:

''نوکری چھوڑ دو' میں دعا کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ تمہیں دین کی سمجھ عطا کرے گا۔''

اگلے سال حضرت جیؒ کوئٹہ تشریف لائے تو اس نے اپنی درخواست دوبارہ پیش کی۔ آپؒ نے پھر وہی سوال دہرایا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ بدستور بینک کی نوکری کر رہا ہے تو سختی سے فرمایا کہ نوکری چھوڑ دو' میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں دین کی سمجھ عطا کرے گا۔ آپؒ کے ان الفاظ کا اس پر اس قدر اثر ہوا کہ بقیہ دورے میں آپؒ کے ساتھ رہا' ذکر شروع کر دیا' داڑھی کی سنت چہرے پر سجالی اور جب حضرت جیؒ واپس لوٹے تو نوکری چھوڑ کر ایران سے ہوتا ہوا جرمنی چلا گیا۔ وہاں اسے بہت اچھی ملازمت مل گئی' میڈیکل کا ایک کورس بھی کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس قدر خوش حال کیا کہ جب کئی سال بعد واپس لوٹا تو ڈلوال میں تین دینی مدرسے قائم کئے' ایک عورتوں کے لئے اور دو مردوں کے لئے' جن کا نگران وہی سابق بینک منیجر ہے لیکن اب ڈاکٹر عنایت اللہ' حضرت جیؒ کی دعا کے نتیجے میں دین کی سمجھ کے بدولت۔

1968ء کے دورہ میں ڈلوال ہی کا ایک 18 سالہ نوجوان راجہ منظور احمد' حضرت جیؒ کے سامنے پیش ہوا۔ کوئٹہ میں اپنے ایک عزیز کے ہاں مقیم تھا لیکن اس کا کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا ایک عیسائی گھرانے میں تھا اور دین کی سمجھ تھی نہ عمل کی رغبت۔ اس کے حالات دیکھتے ہوئے حضرت جیؒ اپنی چائے میں سے ایک دو گھونٹ اسے پلا دیتے یا باقی ماندہ کھانا اسے کھلا دیتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دو روز بعد گھر سے بستر اٹھا لایا۔ حضرت جیؒ نے خود اس کے لئے مٹھائی منگوائی اور دینی تعلیم کے لئے قاری یار محمد کا شاگرد بنا دیا۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ حاضر ہوتا رہا اور اقربیت تک منازل طے کیں۔ کالج

کی ٹیم کے ساتھ سوات گیا لیکن وضو کرتے ہوئے دریا میں گرا اور شہادت پائی۔ حضرت جیؒ سے عرض کیا گیا تو فرمایا:

"جہاں ہے ٹھیک ہے' اسے تلاش نہ کریں۔"

یہی ہوا' اس کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا لیکن ہر کوشش بے سود رہی۔ زندگی کی مہلت تو طے شدہ تھی' حضرت جیؒ کی صحبت نصیب ہوئی تو جواں عمری میں ہی ولایت سے سرفراز ہوا۔

دلائل السلوک

1963ء کو بجا طور پر ترویجِ سلسلۂ عالیہ کا سال قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈھلی، چکوال، موڑہ کورچشم اور ڈلوال میں احباب کی کثیر تعداد صبح وشام اجتماعی ذکر میں شریک ہوتی۔ جو شخص بھی ذکر کا آغاز کرتا، اس کی زندگی کی روش اچانک تبدیل ہو جاتی۔ مولوی اکرام الحق، حافظ عبدالرزاق اور مولوی سلیمان جیسے اہلِ علم جب حضرت جیؒ کے عقیدت مندوں کی صف میں نظر آنے لگے تو لوگوں کے تجسّس میں اور بھی اضافہ ہوا۔ لوگ تصوّف کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جن میں علماء بھی شامل تھے۔ بعض وہ بھی تھے جن کے علم نے انھیں صرف یہ سکھایا تھا کہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اس پر بدعت کی تہمت لگا دیں۔

سوال طالبعلمانہ ہوتے یا جاہلانہ، حضرت جیؒ قرآن و حدیث کی روشنی میں علمی دلائل کے ساتھ ہر شخص کی تشفی فرماتے اور جس کسی کے دل میں حق کی ذرہ بھر بھی طلب ہوتی، وہ آپؒ کی محفل سے نامراد نہ اٹھتا۔ علمی دلائل کے بعد محفلِ ذکر ہوتی جس میں اکثر خوش نصیب ذکر اللہ کی برکات کا انوارات و تجلیات کی صورت خود مشاہدہ کرتے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ علی الاعلان اعتراض کرنے والوں کو حضرت جیؒ کی توجہ ملی تو عین الیقین کی کیفیت لے کر

اٹھے اور دعوت کا ذریعہ بن گئے۔ایسے ہی ایک شخص ظہور شاہ کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

ذاکرین اگرچہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں دعوت اور ترویج سلسلہ کا مؤثر ذریعہ تھے لیکن ہر ذکر کرنے والا یہ اہلیت نہیں رکھتا تھا کہ ذکر وفکر اور سلوک کے بارے میں لوگوں کے اشکال دور کر سکے۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ کی روز افزوں ترویج کے ساتھ یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ حضرت جیؒ کی تعلیمات کو تحریری طور پر عوام الناس اور طلب رکھنے والوں تک پہنچایا جائے۔1963ء میں حافظ عبدالرزاق کی روحانی بیعت ہوئی تو انہیں دربارِ نبوی ﷺ سے ''قلم'' عنایت فرمایا گیا۔اس موقعہ پر حضرت جیؒ نے فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے آپ سے کوئی تحریری کام لیا جائے گا۔''

کچھ عرصہ بعد آپؒ نے خبر دی کہ مشائخ (حضرت سلطان العارفینؒ) کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ سلوک پر ایک ایسی کتاب لکھی جائے جسے اس موضوع پر سند کا درجہ حاصل ہو۔آپؒ نے حافظ صاحب سے فرمایا:

''مشائخ کا حکم مل گیا' اب لکھنا شروع کرو۔''

اس ہدایت کے بعد حضرت جیؒ نے سلوک کے حوالے سے مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا جو ساتھ ساتھ ایک رجسٹر میں درج کرتے گئے۔ یہ حوالہ جات قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی تحریروں سے سلوک کے موضوع پر ایسے دلائل تھے جو دورِ حاضر کا اہم تقاضا تھا۔

ماضی میں سلوک کو ''احسان'' کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا جو حدیثِ جبریل کی روشنی میں دین کی روح ہے۔مختلف مذاہبِ فقہ سے وابستگی

کے ساتھ ساتھ ہر شخص کسی نہ کسی سلسلۂ تصوّف سے بھی وابستہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کی تصانیف میں سلوک کی تعلیم کا ذکر تو ملتا ہے لیکن ان ادوار میں اس کے جواز پر بحث کی ضرورت پیش آئی نہ دلائل اکٹھے کئے گئے۔ اگر کبھی فلاسفہ کے زیرِ اثر سلوک کے خلاف بات کی گئی تو اس کے جواب میں علمی مباحث کی بجائے عملی سلوک پیش کیا گیا لیکن آج کا دور جب سلوک کا سرے سے انکار کر بیٹھا تو حضرت جیؒ نے عملی سلوک کا نقشہ پیش کیا اور اس کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے اِشکال رفع کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں دلائل کی زبان میں بھی بات کی۔

دلائل السلوک کو مرتب کرنے کی ذمہ داری حافظ عبدالرزاق کے سپرد ہوئی۔ حضرت جیؒ نے انہیں کتاب کا مواد دیا اور خود ابواب قائم کئے۔ حافظ صاحب ان ملفوظات کو ترتیب دینے کے بعد آپؒ کو سناتے اور حسبِ ضرورت آپؒ اس میں اضافہ و تبدیلی فرماتے۔ حافظ صاحب نے مختلف مقامات پر حواشی کا بھی اضافہ کیا جو حضرت جیؒ کی منظوری کے بعد کتاب میں شامل کئے گئے۔

اُن دنوں حافظ صاحب گورنمنٹ ڈگری کالج جہلم میں تعینات تھے اور دلائل السلوک کی پروف ریڈنگ کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔ اسی کالج میں ایک نئے لیکچرر سیّد بنیاد حسین شاہ تبدیل ہو کر آئے جو انتہائی ماڈرن اور سینما بینی کے رسیا تھے۔ مزاج کے اختلاف کی وجہ سے وہ حافظ صاحب سے خاصے کشیدہ خاطر رہتے۔ حافظ صاحب کو ایک رات ان کے مکان پر گزارنا پڑی۔ حسبِ معمول پچھلے پہر تہجد کے بعد ذکر کیا تو صبح سیّد بنیاد حسین شاہ کو بدلا ہوا پایا۔ معلوم ہوا کہ وہ حافظ صاحب کے ذکر کے معمول سے متاثر ہیں اور

ان کے شیخ کے پاس جانا چاہتے ہیں اگرچہ کچھ اعتراضات بھی رکھتے تھے۔ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ کو دیکھتے ہی ان پر گھٹن سی طاری ہوگئی۔ شام ذکر کی محفل ہوئی جس کے بعد حضرت جیؒ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ حافظ صاحب نے شاہ صاحب سے کہا کہ صبح روانگی سے پہلے اپنے اِشکال رفع کر لینا لیکن جواب ملا کہ اب کوئی اِشکال باقی نہیں' عشاء کی نماز میں حضرت جیؒ کی قرأت سنی تو مولانا رومؒ یاد آ گئے' گھٹن بھی دور ہوگئی اور تمام اِشکال رفع ہو گئے۔ حضرت جیؒ کی توجہ سے جہاں قلوب کی حالت بدل جاتی تھی' آپؒ کی قرأت میں بھی وہ تاثیر تھی جس کے نتیجہ میں دل کی دنیا زیر و زبر ہو جاتی۔ بنیاد حسین شاہ کی فکر میں تبدیلی کا باعث بھی حضرت جیؒ کی پرسوز اور روح پرور قرأت تھی۔ صبح رخصت ہونے لگے تو حضرت جیؒ نے بتایا کہ جب تم چکڑالہ آ رہے تھے تو حضرت لال شاہؒ (دندہ والے شاہ صاحب) نے خبر دی تھی کہ اس حلیہ کا ایک آدمی آ رہا ہے' اسے خصوصی توجہ دیں۔

سیّد بنیاد حسین شاہ واپس جہلم لوٹے تو حافظ صاحب کے ساتھ وہ بھی دلائل السلوک کی پروف ریڈنگ میں شریک ہو گئے۔ ایک روز کالج کے پرنسپل اشرف صدیقی نے ان دونوں کو پروف ریڈنگ کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے' تم اس فن کے آدمی نہیں ہو' یہ کام میں کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے پروف ریڈنگ کا کام سنبھال لیا۔ مناصب کے بارے عبارت نظر سے گزری تو حافظ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے شیخ کس منصب پر ہیں۔ حافظ صاحب نے لاعلمی کا اظہار کیا تو کہنے لگے' میں بتاؤں وہ قطبِ وحدت ہیں۔ جب یہ بات حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کی تو

آپؒ نے فرمایا' بڑا ذہین آدمی ہے اس نے کتاب پڑھ کر سمجھ لیا۔ اشرف صدیقی حضرت جیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو داڑھی کو زیبِ چہرہ کر لیا۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوئے بلکہ اپنے کمرے میں حافظ صاحب کی اقتداء میں نمازِ تراویح کا اہتمام کیا اور یہ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ انہیں قرآن سننا نصیب ہوا۔ جلد ہی وفات پائی لیکن دلائل السلوک کی پروف ریڈنگ ان کے لئے نجات کا ذریعہ بن گئی۔

دلائل السلوک کا پہلا ایڈیشن 1964ء میں طبع ہوا تو یہ کتاب ترویجِ سلسلۂ عالیہ کا انتہائی مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں حضرت جیؒ نے سلوک کے موضوع پر قرآن و حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ دلیل کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ کی تحریر میں وہ اعتماد اور تیقّن بھی شامل ہے جو ذاتی مشاہدے اور حق الیقین کے بغیر ممکن نہیں۔ آپؒ چونکہ ان دونوں سے مالا مال تھے' دورانِ مطالعہ کتاب کی اثر پذیری بذات خود ایک دلیل کی صورت محسوس کی جاسکتی ہے۔

جس چیز کی سمجھ نہ آئے اس پر اعتراض عام دستور ہے۔ ایسے ہی ایک معترض نے حافظ عبدالرزاق سے خط وکتابت شروع کر دی اور ہر جواب کے بعد نیا اعتراض وارد ہو جاتا۔ یہ صاحب درس نظامی کے سند یافتہ تھے اور ایک بزرگ کے مجاز بھی تھے۔ دلائل السلوک میں ''شیخِ کامل کی پہچان'' کے عنوان کے تحت حضرت جیؒ کے دیئے ہوئے معیار پر خود کو پرکھا تو اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ شاید ان کی تنقیص میں لکھا گیا ہے۔ اعتراضات انتہائی سوقیانہ انداز میں کرتے مثلاً تم کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہو حالانکہ کشف تو شیطان کو بھی ہوتا ہے۔ حضرت جیؒ کو علم ہوا تو آپؒ نے فرمایا' کیوں ایک

عرصہ سے اس کے ساتھ الجھ رہے ہو اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ آج میں ایک خط لکھواتا ہوں جس کے بعد اعتراضات کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اس کو میری طرف سے لکھو:

''میرا آپ کے ساتھ مناظرہ ہو گا۔ مقام منارہ ہو گا۔ ثالث آپ مقرر کریں گے۔ ملک کے جس عالم سے چاہیں مدد لیں مگر مناظرہ میں بولنا صرف آپ کو ہو گا۔ دوسری طرف سے صرف میں بولوں گا اور کسی سے مدد نہیں لوں گا۔ موضوع مناظرہ یہ ہو گا کہ میں آپ سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مفہوم پوچھوں گا اور علوم الٰہیہ کی رُو سے آپ کے جواب پر جو اعتراض ہو سکتے ہیں، وہ کروں گا۔ اگر آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی بتانے میں کامیاب ہو گئے تو میں ہار مان لوں گا۔''

اس خط کے بعد ایک سال سے جاری اعتراض برائے اعتراض کا یہ سلسلہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا، البتہ اس کے اعتراضات کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ حضرت جیؒ نے دلائل السلوک کے دوسرے ایڈیشن میں کافی اضافے کئے اور ساتھ ہی مختلف اعتراضات کے جواب بھی شامل کر دئیے تاکہ اگر کوئی شخص تصوّف کے بارے میں اس طرح کی ذہنی الجھنوں کا شکار ہو تو اس کی رہنمائی ہو سکے۔

حضرت جیؒ کی ایک ریکارڈ شدہ کیسٹ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ دلائل السلوک کا ایک نسخہ سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد اصغر پٹھان کے ذریعے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ تک پہنچا تو کہنے لگے، میں نے یہ کتاب دیکھی ہے۔ ہندوستان کی سرحد میں تین دینی تحریکیں چلی ہیں۔ پہلی دفعہ شیخ سرہندیؒ نے

چلائی تھی' پھر شاہ ولی اللہؒ کی تحریک ۔ چونکہ وہ قلمی تھی اس لئے کامیاب نہیں ہوئی اور پھر اس شخص (حضرت جیؒ) نے آ کر۔ یہ میں مانتا ہوں کہ شیخ سرہندیؒ سے یہ تحریک کم نہیں ہے مگر اس میں تصوّف ہے۔ اگر تصوّف نہ ہوتا تو یہ تحریک چلتی۔

مولانا مودودیؒ کی اس رائے کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت جیؒ نے فرمایا:

''تصوّف کے بغیر نہ تحریک چلتی ہے' نہ کامیاب ہوتی ہے۔ جس کا جی چاہے کر کے دیکھ لے۔ سوائے اس کے خلوص نہیں ہوتا۔''

دلائل السلوک میں تحریر ہے کہ جب حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوگئی تو وہ اہلِ ایمان اور بچوں کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے جہاں ان کا وصال ہوا اور بیت اللہ کے دروازے کے نیچے ان کی قبر مبارک ہے۔ اس پر ایک شخص نے حضرت جیؒ پر اعتراض کیا کہ ہود علیہ السلام کی قبر اب بھی وہاں موجود ہے جس جگہ وہ پیدا ہوئے اور جہاں ان کی قوم ہلاک ہوئی لیکن آپؒ نے حوالہ دیا ہے کہ وہ بیت اللہ کے دروازے پر ہے۔ حضرت جیؒ نے جواب دیا:

''میں اندھوں کی بات نہیں کر رہا' میں آنکھوں والوں کی بات کر رہا ہوں۔ تم تو اندھے ہو' تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ پوری امت محمدیہ ﷺ کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کے مدفن کے علاوہ کسی نبی کی قبر کا علم نہیں۔ دنیا میں جس طرح حضور ﷺ مبعوث ہوئے' سورجِ محمدی ﷺ چمکا' تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں ختم ہوگئیں' برزخ میں جب

آپ ﷺ پہنچے سب کی قبریں وہاں سے ختم ہوگئیں۔ باقی معاملہ یہ ہے کہ میں اپنی بات کر رہا ہوں' آپ کی بات تو نہیں کر رہا۔ ہم نے سینکڑوں قبریں دیکھیں جن میں کوئی چیز نہیں۔لوگ قبریں بنا بیٹھے ہیں۔ پختہ کرنے اور جھنڈے بلند کرنے کے بعد پوجا پاٹ شروع کر دیتے ہیں۔ اپنے لئے ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں۔لوگوں کی بات اور ہے۔''

نومبر 1976ء میں پہلی مرتبہ دلائل السلوک کا انگریزی ترجمہ "An Objective Appraisal of the Sublime Sufi Path" کے نام سے شائع ہوا۔اب اس ترجمہ کا تیسرا ایڈیشن TASAWWUF (by Abu Talha) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ دلائل السلوک کے اس ترجمہ کو مغرب میں تصوف کے موضوع پر ایک سند کی حیثیت حاصل ہے۔ایک امریکن نومسلم شکیر عبدالرحمٰن ایک عرصہ سے باطنی نظام میں مناصب کی ترتیب کے بارے میں تجسّس کا شکار تھا۔ مختلف کتب کے مطالعہ کے باوجود اس کی تشفی نہ ہوسکی لیکن جب اسے دلائل السلوک کے انگریزی ترجمہ کے مطالعہ کا اتفاق ہوا تو اس کے تمام شکوک رفع ہو گئے۔اس نے حضرت جیؒ سے خط وکتابت کا آغاز کیا لیکن اسے دارالعرفان کی حاضری اس وقت نصیب ہوئی جب آپؒ دنیا سے رخصت فرما چکے تھے۔

اجتماعات

حضرت جیؒ کی تعلیمی، تبلیغی اور مناظرانہ سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اجتماعات بھی زندگی کا معمول بن چکے تھے لیکن سلسلۂ عالیہ کی نسبت سے جس پہلے اجتماع کا ذکر ملتا ہے وہ لنگر مخدوم میں 1947ء میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں آپؒ کے ساتھ قاضی جیؒ کے علاوہ دو ساتھی اور بھی تھے جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

آپؒ کے ارشاد کے تحت قاضی جیؒ نے لیٹی میں مسجد تعمیر کی تو کبھی کبھی آپؒ یہاں قیام فرماتے۔ ذکر و فکر کے لئے جنگل کا یہ سماں حضرت جیؒ کو بہت پسند تھا۔ احباب آپؒ کے ہمراہ ہوتے تو یہاں بھی اجتماع کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اسی طرح آپؒ ڈھلی تشریف لے جاتے تو حاجی محمد خان کے زیر اثر چند مقامی لوگ بھی ذکر میں شریک ہو جاتے۔ اس کے علاوہ چکڑالہ میں احباب کی حاضری بھی ایک مستقل معمول بن چکا تھا۔

یہ ابتدائی دور کے اجتماعات تھے جن کے لئے کوئی وقت مقرر تھا نہ دعوت عام دی جاتی۔ اس کے علاوہ احباب کی خواہش ہوتی کہ حضرت جیؒ کے تبلیغی اور مناظرانہ دوروں میں بھی شریک ہوں لیکن مقامی لوگوں کے محدود وسائل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپؒ اس کی اجازت نہ دیتے یا ہدایت

فرماتے کہ اپنا کھانا ساتھ لائیں۔

حضرت امیرالمکرّم 1958ء میں حضرت جیؒ سے وابستہ ہوئے تو چکڑالہ کے شدید گرم موسم کے برعکس وادیٔ ونہار میں سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر موضع سیتھی کے مضافات میں ان کا ڈیرہ ڈھوک ٹلیالہ اپنے خوشگوار موسم اور جنگل کے پرسکون ماحول کی وجہ سے اجتماعات کے لئے انتہائی موزوں جگہ تھی۔ 1960ء سے قبل چونکہ ترویجِ سلسلہ کا آغاز نہ ہوا تھا اس لئے ابتداء میں حضرت جیؒ یہاں تنہا تشریف لاتے' البتہ حضرت امیرالمکرّم کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ملک خدا بخش کو بھی آپؒ کی صحبت میں ذکر وفکر نصیب ہو جاتا۔

چکوال میں حلقۂ ذکر قائم ہوا تو یہاں محدود پیمانے پر اجتماعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مقامی ساتھی زیادہ ہوتے جن کے لئے طعام وقیام کے انتظامات کی بھی ضرورت نہ تھی جبکہ باہر سے آنے والے چند احباب مسجد میں قیام پذیر ہوتے۔ 1960ء میں ترویجِ سلسلہ کے اذنِ عام کے بعد احباب کی تعداد میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہوا کہ ان کی اجتماعی تربیت کے لئے باقاعدہ اجتماعات کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

سالانہ اجتماعات کا آغاز:

حضرت امیرالمکرّم کا ڈیرہ ڈھوک ٹلیالہ اگرچہ آبادی سے ہٹ کر تھا لیکن خوشاب چکوال روڈ پر اڈہ نورپور سے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہونے کے باعث احباب کی دسترس میں تھا۔ حضرت جیؒ نے عام اجتماعات کے لئے اس جگہ کو پسند فرمایا تو 1961ء میں یہاں سلسلۂ عالیہ کا پہلا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ حافظ عبدالرزاق' مولوی سلیمان اور خود حضرت امیرالمکرّم کا تعلق

چونکہ شعبۂ تعلیم سے تھا اس لئے یہ اجتماع گرمیوں کی تعطیلات میں دس روز تک جاری رہا جس میں قریباً پندرہ ساتھی شریک ہوئے۔ جنگل کا سماں' پرسکون فضا اور حضرت جیؒ کے ہمراہ شب و روز کے ذکر و اذکار سے اگلے وقتوں کے صوفیاء کی یاد تازہ ہو جاتی۔ پتھروں' کچی اینٹوں اور گارے سے تعمیر شدہ اس ڈیرہ سے ملحق ایک بڑا سا جوہڑ تھا جس میں بارشوں کے موسم میں ذخیرہ شدہ پانی سال بھر کے لئے کافی ہوتا۔ حضرت جیؒ اور احباب یہی پانی وضو کے لئے استعمال کرتے اور دیہی طریقے سے صفائی کے بعد یہی پانی کھانا پکانے اور پینے کے کام آتا۔

1962ء کا اجتماع بھی اسی ڈیرہ پر منعقد ہوا لیکن 1963ء میں حضرت امیر المکرّم کی تبدیلی ڈلوال ہو گئی تو آئندہ دو سال کے اجتماعات ڈلوال میں منعقد ہوئے جن میں منارہ' چکوال' موہڑہ کورچشم اور مضافاتی علاقوں کے علاوہ لاہور تک سے احباب شریک ہوئے۔ ان اجتماعات کی میزبانی کا شرف بھی حضرت امیر المکرّم کے حصہ میں آیا۔ 1964ء میں حضرت امیر المکرّم جب نور پور سیٹھی واپس آ گئے تو آئندہ اجتماعات حسبِ سابق ان کے ڈیرہ پر منعقد ہونے لگے۔ 1965ء سے 1968ء تک سالانہ اجتماعات اسی ڈیرہ پر منعقد ہوئے جن کا دورانیہ دس سے پندرہ روز اور شرکاء کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہوتی۔

حضرت امیر المکرّم نے 1965ء میں شعبۂ کان کنی میں قدم رکھا تو حضرت جیؒ نے نہ صرف برکت کے لئے دعا کی بلکہ اس کاروبار میں محدود پیمانے پر شرکت بھی فرمائی۔ آپؒ کے ہاں چکڑالہ میں احباب کی آمد و رفت خاصی بڑھ چکی تھی۔ اکثر ساتھی شبِ جمعہ یہاں گزارتے تاکہ آپؒ کے ساتھ

مغرب اور تہجد کا ذکر مل جائے اور جمعۃ المبارک کا خطاب بھی سن سکیں لیکن ملازم پیشہ حضرات عموماً اتوار کی چھٹی سے فائدہ اٹھاتے۔ اس طرح ہفتہ میں دو مرتبہ چکڑالہ میں اجتماع کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ مناظرانہ اور علمی سرگرمیوں کے سلسلے میں علماء کی آمد و رفت الگ سے جاری رہتی۔ حضرت جیؒ چکڑالہ کے زمینداروں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن بارانی زمین کی پیداوار اس قدر نہ تھی کہ احباب کی مستقل آمد و رفت کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ آپؒ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ دین کے حوالے سے اخراجات کے لئے کبھی چندہ اکٹھا نہ کیا۔ حضرت امیر المکرّم نے مائننگ کا آغاز کیا تو حضرت جیؒ نے اپنی جمع شدہ پونجی کے علاوہ چکڑالہ میں اپنے قریبی تعلق والوں سے قرض لے کر ان کے ساتھ کاروبار میں حصہ ڈالا تاکہ نفع کی رقم سے چکڑالہ میں احباب کی آمد و رفت کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ 1969ء تک یہ اخراجات ایک ہزار روپے سے تیرہ سو روپے ماہوار تک پہنچ چکے تھے جو اس زمانے کے حساب سے ایک خطیر رقم تھی۔ نفع و نقصان کی مد میں جمع تفریق سے قطع نظر حضرت امیر المکرّم نے ہمیشہ خیال رکھا کہ چکڑالہ میں احباب کی مسلسل آمد و رفت حضرت جیؒ کے لئے اضافی بوجھ نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر المکرّم کے کاروبار میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ 1969ء میں کاروباری انتظامات کے لئے نور پور اڈہ پر باقاعدہ دفتر قائم کیا گیا۔ یہ دفتر برلبِ سڑک ہونے کی وجہ سے احباب کی آمد و رفت کے لئے انتہائی موزوں تھا اور جگہ بھی خاصی کشادہ تھی۔ ڈھوک ٹلیالہ میں پانی کا مسئلہ تو تھا ہی لیکن نئے احباب کے لئے جنگل میں پہنچنا بھی دشوار تھا۔ چنانچہ 1969ء کا سالانہ اجتماع ڈھوک کی بجائے نور پور اڈہ پر منعقد ہوا جو

18 جون سے 2 جولائی تک جاری رہا۔

اجتماع منارہ

نور پور اڈہ میں یوں تو احباب کو ہر طرح کی سہولت میسر تھی لیکن جنگل کے ڈیرہ جیسا سکون کہاں؟ ساتھیوں کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اجتماع کا انعقاد ڈیرہ جیسی مصروف جگہ (اڈہ) پر ممکن نہ رہا۔ نئے احباب کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں اور ملک کے دور دراز علاقوں بشمول کراچی اور بلوچستان سے تھا۔ ان کے لئے اجتماع کا دورانیہ طویل رکھا گیا تاکہ وہ اپنی سہولت اور مصروفیات کے مطابق شروع' درمیان یا آخر میں' جب چاہیں شریک ہوسکیں۔ البتہ یہ بات طے شدہ تھی کہ سالانہ اجتماع موسم گرما کی تعطیلات میں منعقد ہوا کرے گا اور اس کی میزبانی ہمیشہ حضرت امیرالمکرّم کے حصہ میں آئے گی۔

1970ء کے سالانہ اجتماع کے لئے مڈل سکول منارہ پر نظر پڑی تو حضرت امیرالمکرّم کے اثر ورسوخ سے دوران تعطیلات سکول کی عمارت کے استعمال کی اجازت مل گئی۔ 1970ء میں 4 جولائی سے 19 جولائی تک منارہ سکول میں پہلا اجتماع منعقد ہوا۔ منارہ سکول کی عمارت کا درمیانی اور نسبتاً چھوٹا کمرہ حضرت جیؒ کی رہائش کے لئے وقف تھا جس کے ایک کونے میں آپؒ کے لئے وضو کا انتظام ہوتا اور دروازے اور کھڑکی کے مابین آپؒ کی چارپائی ہوتی۔ اجتماعی اذکار اور دیگر مصروفیات کے دوران جب بھی موقعہ ملتا' حضرت جیؒ کے گرد ساتھیوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا کہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے احباب کو دروازے کے سامنے برآمدے میں بیٹھنا پڑتا۔ دن کے اذکار حضرت جیؒ کے کمرے سے متصل بڑے کمرے اور برآمدوں میں ہوتے۔

سورج ڈھلتا تو آپؒ سکول کے صحن میں تشریف فرما ہوتے اور اسی جگہ مغرب کے بعد ذکر کے لئے صفیں ڈال دی جاتیں۔

سکول کا صحن ناہموار تھا' زمین پتھریلی اور جابجا ابھرے ہوئے نوکیلے پتھر لیکن ذکر کے دوران اونچی نیچی جگہ اور نوکیلے پتھروں کا احساس تک نہ ہوتا البتہ ذکر ختم ہونے پر معلوم ہوتا کہ ضربوں کے نتیجے میں جسم کے بعض حصے زخمی ہو چکے ہیں۔ یہ ذکر کی برکات تھیں کہ ان نوکیلے پتھروں پر ساتھیوں کو وہ سکون ملتا کہ نمازِ عشاء کے بعد اسی جگہ بستر کے بغیر سو جاتے۔

منارہ سکول میں قیام اوّل تا آخر ایک مجاہدہ تھا۔ جون' جولائی کی مختصر راتیں' عشاء سے تہجد تک بمشکل نیند پوری ہوتی۔ تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد نمازِ فجر تک ذکر کی طویل نشست ہوتی۔ نمازِ فجر کے بعد اشراق تک حضرت امیر المکرّم کا درس قرآن ہوتا جس کا اپنا ہی ایک انداز تھا' لفظی نہ مروّجہ سلیس ترجمہ۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں قرآنِ حکیم کا مفہوم اس طرح بیان کرتے جو سیدھا دل میں اتر جاتا۔

تہجد سے اشراق تک کے معمولات منارہ سکول سے قریبی جامع مسجد میں ہوتے۔ واپسی پر سکول میں ایک پیالی چائے اور رات کی بچی کھچی روٹی کے ایک آدھ ٹکڑے کے ساتھ ناشتہ' چاشت کے بعد طویل ذکر اور گیارہ بجے کے قریب طعام جو قلیل النوم کے بعد قلیل الطعام کا نمونہ پیش کرتا۔ روٹی اور شوربے میں دال کے چند دانے یا سبزی کی ایک آدھ قاش' یہی کھانا حضرت جیؒ بھی تناول فرماتے۔ وہ احباب اپنے آپ کو انتہائی خوش نصیب سمجھتے جنہیں حضرت جیؒ کی چارپائی سے متصل جگہ ملتی اور آپؒ کی چھوڑی ہوئی ترکاری یا روٹی کا ایک آدھ نوالہ مل جاتا۔

سنتِ نبوی ﷺ کی اتباع میں حضرت جیؒ حفظ مراتب کا خیال رکھتے اور خاص طور پر آپؒ کے ہاں یہ اہتمام کھانے کے موقع پر نظر آتا۔ بطور اکرام بعض احباب کو حضرت جیؒ کی طرف سے بلاوا آتا اور انہیں آپؒ کے قریب دستر خوان پر بٹھایا جاتا لیکن کھانا انہیں بھی وہی ملتا جو باہر دوسرے احباب میں تقسیم کیا جاتا۔ پانی کے لئے بڑے بڑے کٹورے جنہیں بیک وقت کئی ساتھی استعمال کرتے' الگ برتنوں کا کوئی تصور تھا نہ احباب میں کوئی امتیاز' سب ساتھی کہلاتے خواہ دنیوی اعتبار سے ان میں بُعد المشرقین ہو۔ ایک ہی جگہ ذکر وفکر' ایک ہی جگہ اٹھنا بیٹھنا اور مشترک برتنوں میں خورد ونوش البتہ ہر شخص ان احباب کی دلی عزت کرتا جو سلسلۂ عالیہ کے سابقون میں شمار ہوتے۔ ان کی طرف سے بھی نئے احباب کے لئے بے پناہ شفقت کا اظہار ہوتا' وہ ایک ایک ساتھی کو الگ سے وقت دیتے اور اسباقِ سلوک پختہ کرنے میں دن رات ان کے ساتھ محنت کرتے۔

دن کے کھانے کے بعد قیلولہ' لیکن فرشی بستر پر گرمی اور پنکھے نہ ہونے کی وجہ سے مکھیوں کی بھرمار کے باوجود سخت مجاہدوں کے نتیجے میں ایسی نیند آتی کہ نمازِ ظہر کے لئے جاگنا مشکل ہو جاتا۔ نماز کے بعد حضرت جیؒ کی خدمت میں صحبتِ شیخ کا پیریڈ ہوتا اور اسی دوران چائے بھی تقسیم کی جاتی۔ اس کے بعد ذکر' تلاوتِ قرآن اور دیگر معمولات' جو نمازِ عصر تک جاری رہتے۔ نماز کے بعد پھر ذکر' گویا سارا دن محافلِ ذکر جاری رہتیں' کبھی اجتماعی اور کبھی انفرادی لیکن اس مصروف پروگرام کے دوران انتہائی قیمتی وقت وہ ہوتا جو حضرت جیؒ کی صحبت میں گزرتا۔ صحبتِ شیخ میں اگر کوئی عالم موجود ہوتا تو اس کے ساتھ حضرت جیؒ کی گفتگو خالص علمی نوعیت کی ہوتی لیکن عام

ساتھیوں کے لئے آپؒ کی خاموش توجہ جاری رہتی جس کے سہارے صدیوں کے روحانی فاصلے پل بھر میں طے ہو جاتے۔ ایسی ہی ایک نشست میں حضرت جیؒ نے ایک ساتھی کو ہاتھ کا اشارہ کیا کہ وہ کھڑکی کی چٹخنی اوپر چڑھا دے لیکن روحانی طور پر آپؒ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ جونہی آپؒ نے ہاتھ اوپر اٹھایا' اس ساتھی کی روح ایک ہی جست میں سالک المجذوبی طے کر گئی۔

یہ غالباً 1976ء کے سالانہ اجتماع کی بات ہے' حضرت جیؒ نے دنیا اور آخرت کے اوقات کا موازنہ کرتے ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت 259 میں اللہ تعالیٰ اور حضرت عزیر علیہ السلام کے مابین گفتگو کا حوالہ دیا:

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ (اللہ تعالیٰ نے پوچھا تو کتنے دن اس حالت میں رہا)

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ (اس نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم)

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں تو اس حالت میں سو برس رہا ہے)

قاضی جیؒ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ فوراً بول اٹھے:

''حضرت جیؒ! میں نے حضرت عزیر علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ آپ نے جو یہ جواب دیا تھا کہ میں دنیا میں ایک دن یا اس کا حصہ رہا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سو سال تک رہے تو انہوں نے جواب دیا' مجھے غلطی لگی۔ میں نے آخرت کے وقت کے حساب سے جواب دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کے وقت کے حساب سے سوال پوچھا تھا جس کے مطابق سو سال گزر چکے تھے۔''

حضرت جیؒ نے قاضی جیؒ سے فرمایا:

''آپ نے ٹھیک دیکھا۔''

حضرت جیؒ کی محفل سے اٹھے تو ساتھیوں نے قاضی جیؒ کو گھیر لیا۔ ایک ساتھی نے حضرت عزیر علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے لاہور کے فلاں ساتھی (نام لیا) سے ملتا ہے۔

''اچا جیا' وتنا رہنا' پتلی پتلی داڑھی اے۔''

(وہ ساتھی لمبے قد کا ہے' آتا رہتا ہے' داڑھی گھنی نہیں ہے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا ذکر چھڑا تو کہنے لگے:

''چوتھے آسمان پر ہیں' مقام خفی پر ملتے ہیں۔''

پھر کہنے لگے:

''آہستہ آہستہ مختلف مقامات کرتا رہتا ہوں۔ ہر مقام پر کچھ دیر ٹھہر جاتا ہوں۔ بھول جاتا ہوں' ان پڑھ ہوں' مولوی تو نہیں ہوں۔''

ایک ساتھی نے انبیاء علیہم السلام سے رابطہ کی بات کی تو کہنے لگے:

''انبیاء علیہم السلام سے کبھی رابطہ ہو جاتا ہے۔ ان کے مقام پر روح چلی جاتی ہے۔ گاہے گاہے موسیٰ علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام' نوح علیہ السلام' بڑی ہستیوں سے گاہے گاہے تعارف ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم پڑھتے ہوئے ہو جاتا ہے۔ جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن میں آیا ہے' ان میں کسی کی جانب توجہ کریں تو ان تک انوارات کی قطار بن جاتی ہے۔ یہ سارا نور ہی نور ہے'

گل آ کھنے دی کوئی نئیں ۔''

کسی نے سوال کیا' کیا آپ نے جنت کی بھی سیر کی ہے؟ تو قاضی جیؒ کہنے لگے:

''کبھی نہیں گیا' دیکھتا ہوں ۔ اس سے اوپر جگہ ڈھونڈ لی ہے ۔خزانے پر جاتا ہوں ۔''

ایک ساتھی نے وضاحت چاہی' جنت کے اوپر وہ کون سی جگہ ہے تو قاضی جیؒ بے ساختہ ہنس پڑے اور کہنے لگے:

''یہ تو ظاہر اور حاوی ہے' خدا کی ذات' رب العالمین ۔ اس لئے کسی چیز کی طرف اب کبھی توجہ نہیں کی ۔ روح کی رفتار بڑی تیز ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامت رکھے ۔ میں سو رہا ہوں' باتیں کر رہا ہوں' میں اس وقت آپ سے باتیں کر رہا ہوں' میرا ساتھی یہیں بیٹھا ہے ۔کلمہ شریف پڑھا کرو ۔ لا یہاں کہو' الا اللہ وہاں کہو' محمد الرسول اللہ ﷺ روضۂ اطہر پر کہو' اللہ تعالیٰ کے سامنے کون سی حالت ٹھیک ہے ۔ ادھر کوئی سمجھ نہیں آتی' انسان کا وجود جب آخر وہاں پہنچتا ہے' پہلے مقامات پر پتہ چلتا ہے' روح نظر آتی ہے' ادھر روح بھی نظر نہیں آتی ۔''

یہ باتیں عالمِ سکر میں تھیں اور اکثر ساتھیوں کی سمجھ سے بالا' محفل پر خاموشی چھا گئی ۔ (اتفاقاً یہ تمام گفتگو ریکارڈ کر لی گئی)

ایک دفعہ قاضی جیؒ معمول کے مطابق حوائجِ ضروریہ کے لیے قریبی کھیتوں میں گئے ۔ استعمال کے لئے زمین سے مٹی کا ڈھیلا اٹھایا لیکن اسے

دیکھتے ہی فوراً پھینک دیا۔ دوسرا ڈھیلا اٹھایا پھر تیسرا' غرض جس ڈھیلے کو اٹھاتے اسے واپس زمین پر پھینک دیتے۔ قاضی جیؒ کی پریشانی بڑھتی گئی۔ حضرت جیؒ نے دور سے یہ ماجرا دیکھ کر ساتھیوں سے کہا' ذرا دیکھو آج قاضی جیؒ کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ قاضی جیؒ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا' یا حضرت! استعمال کے لئے جو ڈھیلا اٹھاتا ہوں' اسے تسبیح کرتے ہوئے پاتا ہوں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا۔ قاضی جیؒ' آپ کو معلوم نہیں ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان' اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ آج آپ نے کشفاً ان کی تسبیحات کو سن لیا۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ
وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ

اس کی تسبیح ساتوں آسمان اور زمین کرتے ہیں اور جو کچھ
ان میں ہے اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح اس کی
حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

(بنی اسرائیل۔44)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ کنکروں کی تسبیح پڑھنے کو اکثر حضور ﷺ کا معجزہ بیان کیا جاتا ہے حالانکہ یہ آپ ﷺ کا معجزہ نہیں کیونکہ کنکر تو ہر وقت تسبیح پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا معجزہ تو اس سے بڑا ہے کہ انسانی سماعت کو ان کی تسبیحات کا سننا نصیب ہو گیا۔ قاضی جیؒ کے معاملے میں مٹی کے ڈھیلوں کا تسبیح پڑھنا اس فرمانِ الٰہی کے عین مطابق تھا لیکن کرامت یہ ہوئی کہ اجتماعی ذکر اور حضرت جیؒ کی مسلسل توجہ سے قاضی جیؒ نے کشفاً ان

کی تسبیحات کو سن لیا۔ اسی طرح جب حضرت جیؒ مراقبۂ عبودیت کرواتے تو وَالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ○ (ستارے اور درخت' سبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہیں۔ الرحمٰن۔6) کی تلاوت کے ساتھ ہی ساتھیوں کی ایک کثیر تعداد چشمِ بصیرت سے مشاہدہ کرتی کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہے۔

نمازِ عصر کے بعد احباب کو حضرت جیؒ کی صحبت میں زیادہ دیر بیٹھنے کا موقع نہ ملتا کہ شام کے کھانے کا اعلان کر دیا جاتا جس کی صورت دن کے کھانے سے مختلف نہ ہوتی۔ یہ کھانا مغرب سے قبل تناول کیا جاتا اور نمازِ مغرب کے بعد حسب معمول محفل ذکر' نمازِ عشاء اور آرام۔ منارہ کے اجتماع میں یہ شب روز کے معمولات کی ترتیب تھی۔

منارہ سکول کے ان اجتماعات میں پانی کی شدید قلت بھی مجاہدے کی ایک صورت ہوا کرتی۔ فرض نماز کے علاوہ وضو کی اجازت نہ تھی اور اکثر احباب ایک ہی وضو سے ظہر سے عشاء تک کے معمولات ادا کرتے۔ گرمی کے اس موسم میں غسل کا تصور محال تھا البتہ غسلِ واجب کی صورت میں صرف تین کوزے پانی استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ اس وقت یہ احساس ہوتا کہ فقہاء کا مقرر کردہ یہ پیمانہ ضرورت کے عین مطابق ہے' کم نہ زیادہ۔ ہر ساتھی پانی کے استعمال میں خود ان ضوابط کو اپنے اوپر نافذ کرتا۔ مسجد کے خادم بھی اگرچہ احباب پر نظر رکھتے لیکن اکثر ساتھیوں کو یہ علم ہی نہ ہوتا کہ وہ ان کی نگرانی کر رہے ہیں البتہ کوئی نیا ساتھی پانی کے استعمال میں اسراف کرتا تو ان کی تلقین سے پتہ چلتا کہ یہاں کوئی نگران بھی ہے۔

حضرت امیر المکرّم بعض اوقات ٹرک کے ذریعے کلر کہار کے چشموں

سے پانی منگواتے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پانی کے تمام ذخیرے ختم ہو جاتے۔ایسی صورت میں مسجد سے اعلان کیا جاتا کہ بستی والے ذاکرین کے لئے وضو کے پانی کا انتظام کریں۔ایسے موقع پر محلّہ والوں کا ایثار دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔مرد' عورتیں' بچے اپنے اپنے گھروں سے پانی لئے مسجد پہنچتے اور ٹینکی میں اپنا حصہ ڈال کر مہمانوں کی خدمت کا حق ادا کرتے۔اگر کسی گھر میں پانی کی قلت ہوتی تو وہاں سے کوئی بچہ ایک کٹورے میں تھوڑا سا پانی لئے اپنا حصہ ڈالنے ضرور آتا۔اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ذاکرین کی یہ جماعت بستی والوں کے لئے کوئی بوجھ تھی۔ پانی کی شدید قلت کی صورت میں منارہ کے لوگ اس بات کا انتظار کرتے کہ کب یہ اللہ اللہ کرنے والے اجتماع کے لئے منارہ کے سکول میں اکٹھے ہوں اور ان کی آمد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارشوں کا نزول ہو اور اکثر یہی ہوا کرتا۔ چالیس روز کے اس اجتماع کے دوران نہ صرف پانی کی ضرورت ہمیشہ پوری ہوتی بلکہ لوگ آئندہ بارشوں تک پانی ذخیرہ بھی کر لیتے۔

ابتدائی چند سال تو روشنی کے لئے مٹی کے تیل کی لالٹینوں پر گزارا ہوتا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت امیر المکرّم نے جنریٹر کا انتظام کر لیا تو بجلی کے قمقموں سے نہ صرف سکول میں روشنی ہوتی بلکہ سکول سے مسجد تک کا راستہ بھی روشن کر دیا جاتا۔

جولائی 1970ء میں منارہ سکول میں منعقد ہونے والے سلسلۂ عالیہ کے پہلے سالانہ اجتماع کا دورانیہ صرف دو ہفتے تھا لیکن تاریخی اعتبار سے یہ اجتماع خاص اہمیت کا حامل ہے۔اس اجتماع کے ساتھ ہی منارہ کو علم وعرفان کی روشنی پھیلانے والے ایک مینارۂ نور کی حیثیت حاصل ہوگئی۔قریباً ایک عشرہ تک

منارہ سکول کو سالانہ اجتماعات کے انعقاد کی سعادت ملی جس کے بعد اسی علاقہ میں دارالعرفان کی صورت میں سلسلۂ عالیہ کا مستقل مرکز قائم ہوا۔ اسی اجتماع کے دوران دربارِ نبوی ﷺ میں حضرت جیؒ نے حج کا معاملہ پیش کیا تو صرف بلاوا ہی نہیں آیا بلکہ حاضری کیلئے حکم ملا خواہ کوئی بھی راستہ اختیار کرنا پڑے۔

1971ء کے اجتماع کے دوران حافظ عبدالرزاق کو شدید بیماری نے آن گھیرا' یہاں تک کہ انہیں حضرت امیرالمکرّم کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ کئی روز بعد بیماری کا زور ٹوٹا تو حضرت جیؒ تشریف لائے اور ایک روحانی منصب ملنے پر مبارک دی۔ حافظ صاحب نے رو کر عرض کیا:

''حضرت! میں اس کا اہل کہاں ہوں؟ نہ قابلیت' نہ علم' نہ معرفت' نہ عمل۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

دادِ اُو را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

(قبولیت کیلئے استعداد شرط نہیں بلکہ استعداد قبولیت سے مشروط ہے۔)

1972ء میں منارہ کے سالانہ اجتماع کا دورانیہ ایک ماہ تھا۔ جس کا آغاز 15 جولائی کو ہوا۔ حضرت جیؒ کے ایک مکتوب کے مطابق اس اجتماع میں تقریباً دو ہزار احباب شریک ہوئے جن میں سے بعض پورا عرصہ مقیم رہے جبکہ ساتھیوں کی آمدورفت مستقل جاری رہی' کوئی چار دن رہا کوئی کم وبیش۔ اس سال جو انعاماتِ باری کی بارش رفقاء پر ہوئی وہ اس سے پہلے نہ ہوئی تھی۔ حضرت جیؒ نے اس اجتماع کے متعلق فرمایا کہ تمام مناصب باقی سلاسل

سے منتقل ہو کر ہمارے سلسلہ میں آ گئے ہیں اور اسی سال حضور ﷺ کی طرف سے عمرہ کی صورت میں دوسری مرتبہ حاضری کی ہدایت ملی۔

اسی سال ایئر فورس کے ایک افسر ہادی حسین شاہ کے ذریعے پشاور میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج ہوئی اور وہاں سے ایک جماعت نے ان کے ہمراہ اجتماع میں شرکت کی۔ اسی طرح مردان (گڑھی کپورہ) کے صوبیدار محمد اسحٰق کے ہمراہ مردان اور اس کے گرد و نواح کے لوگ ایک جماعت کی صورت میں شریک اجتماع ہوئے۔ بلوچستان کے ضلع لورالائی سے بھی ایک جماعت آئی۔ کاغان سے مولانا فضل الرحمٰن نے اجتماع میں شرکت کی جن کی واپسی پر ان کے ہمراہ مولوی سلیمان اور حافظ عبدالرزاق نے کاغان کا دورہ کیا اور اس علاقے میں سلسلۂ عالیہ کا حلقہ قائم ہوا۔ اس اجتماع میں آزاد کشمیر کے مفتی بھی شریک ہوئے۔ ان کے ایماء پر اجتماع کے بعد احبابِ سلسلہ نے آزاد کشمیر اور گلگت کے دورے کئے جہاں سلسلۂ عالیہ کی ترویج ہوئی۔

1973ء سے سالانہ اجتماع کا دورانیہ پہلی مرتبہ چالیس روز مقرر کیا گیا۔ چونکہ گلگت اور بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں بھی سلسلۂ عالیہ کے حلقے قائم ہو چکے تھے' اس اجتماع میں بلوچستان کی جماعت کے علاوہ حضرت جیؒ کے الفاظ کے مطابق ''چین اور روس کی سرحدوں'' سے بھی ساتھی شریک ہوئے۔ اجتماع کا آغاز 19 جولائی کو ہوا جس کے اختتام پر حضرت جیؒ نے کاغان کا دورہ فرمایا۔

1961ء سے 1970ء تک سالانہ اجتماع کے انعقاد کے لئے مقامات کی تبدیلیوں سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ میزبان کی موجودگی کو مدنظر رکھا گیا۔ حضرت امیر المکرّم جہاں موجود ہوتے' اجتماع بھی اسی جگہ

منعقد ہوتا۔ اس طرح میزبانی کی جو سعادت روزِ اوّل ان کے حصہ میں آئی' وہ مستقل ان کا امتیاز رہی۔ ساتھیوں کی خدمت سے ان کی لگن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ گرم سالن کا بڑا سا دیگچہ سر پر رکھے' ایک ہاتھ سے اسے تھامے اور دوسرے ہاتھ پر روٹیوں کی ایک بڑی سی چنگیر اٹھائے چلے آ رہے تھے کہ ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر ہاتھ بٹانا چاہا۔ حضرت امیر المکرّم جو ایثار کی علامت ہیں' خدمت کے معاملے میں کسی اور کی شرکت پر آمادہ نہ ہوئے اور یہ کہہ کر انکار کر دیا:

''تم سمجھتے ہو کہ میں کیلا چھیل کر اب تمہارے منہ میں ڈال دوں گا! یہ بوجھ میں خود ہی اٹھاؤں گا۔''

خیر' فقیر

حضرت امیر المکرّم نے 1959ء میں اپنے عزیز ملک خدا بخش کو حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کیا تو وہ کم عمر تھے اور دعوتِ عام کی ابھی اجازت نہ ملی تھی لیکن سفارش ایسی تھی کہ آپؒ نے انہیں بھی سلسلۂ عالیہ میں قبول فرمایا۔ قریباً ایک عشرہ بعد ذکر و فکر کی وجہ سے ان کی شخصیت میں اس قدر تبدیلی آ چکی تھی کہ دین سے گہرا لگاؤ بچپن میں طے شدہ رشتہ کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا گیا۔ حضرت جیؒ نے یہ صورتحال دیکھی تو چکوال کے حافظ غلام جیلانی کے گھرانے کی دینداری دیکھتے ہوئے ملک خدا بخش کی نسبت ان کے ہاں طے کر دی۔ ایک ایسا خاندان جہاں غیروں میں رشتے ناتے کا تصور بھی نہ ہو' سلسلۂ عالیہ کی نسبت سے طے پانے والے اس رشتہ کو کس طرح برداشت کرتا۔ اہلِ خاندان کی طرف سے شدید ردعمل کا اظہار ہوا اور ان کے گھرانے کا ایک طرح سے مقاطعہ ہو گیا۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی ملی کہ اگر یہ

شادی خاندان سے باہر ہوئی تو دیکھیں گے کہ خدا بخش کی ہمشیرہ کی شادی کس طرح خاندان میں ہو سکے گی۔

حضرت جیؒ کو معلوم ہوا تو آپؒ نے فرمایا کہ اب دونوں کی شادی سلسلۂ عالیہ ہی میں ہو گی۔ ملک خدا بخش کی بات تو طے شدہ تھی لیکن ان کی ہمشیرہ کا رشتہ کہاں ہو گا؟ یہ بات واضح نہ تھی اگرچہ اس امر میں کسی کو شک نہ تھا کہ آپؒ کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔ منارہ میں 1970ء کا اجتماع منعقد ہوا تو حسبِ دستور میزبان حضرت امیر المکرّم ہی تھے جبکہ کھانا ملک خدا بخش کے ہاں تیار رہوا۔ اس طرح ان کی ہمشیرہ کو بھی حضرت جیؒ اور ساتھیوں کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ انہی دنوں ان کے رشتے کے لئے چند تجاویز آئیں لیکن ہر مرتبہ قاضی جیؒ کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا:

''اس بی بی کا ستارہ بہت بلند ہے۔ یہ رشتہ اس کی شان کے مطابق نہیں۔''

اجتماع کے دوران جب ملک خدا بخش کا عقد حافظ غلام جیلانی کی دختر سے ہوا تو حضرت جیؒ نے اس موقعہ پر ان کی ہمشیرہ کے لئے حضرت امیر المکرّم کا نام تجویز فرمایا۔ حضرت امیر المکرّم پہلے سے شادی شدہ تھے اور صاحبِ اولاد بھی۔ ملک خدا بخش کی ہمشیرہ مُتَرَدِّد تھیں کہ ان حالات میں یہ رشتہ کیونکر ممکن ہے جبکہ سیتھی کے لوگ سخت مزاج بھی مشہور تھے۔ دیہاتی زندگی اور اعوان برادری کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے یہ خدشات بجا تھے لیکن حضرت جیؒ کا فرمان بھی مقدّم تھا۔ تاہم حضرت جیؒ کی خدمت میں جب ان خدشات کا اظہار کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا:

''یہ رشتہ تو ہو کر رہے گا لیکن اس میں جو آسودہ حالی اور

دنیا و آخرت کی خیریں نظر آ رہی ہیں' ان کا وقت آنے پر
ہی پتہ چلے گا۔''

رشتہ طے پانے میں کچھ پس و پیش ہوئی لیکن آخر کار حضرت جیؒ کا فرمان پورا ہو کر رہا۔ منارہ میں حضرت امیر المکرّم نے 1970ء کے اجتماع کے فوراً بعد اپنی ذاتی رہائش تعمیر کی اور چند ماہ بعد ان کا عقد ثانی ہو گیا۔ دوسری شادی پر اہل خاندان کی طرف سے بھی سخت ردِّ عمل ہوا لیکن حضرت امیر المکرّم نے اس کا ذرہ بھر اثر نہ لیا۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ یہ رشتہ شیخ کا تجویز کردہ ہے اور ملک خدا بخش کی ہمشیرہ کو حضرت جیؒ نے اپنی عزیز ترین بیٹی سمجھ کر ان کے عقد میں دیا ہے' اب اس رشتے کو خاندان میں وہی عزت و تکریم ملنی چاہیئے جو اس کے شایانِ شان ہے اور پھر ایسا ہو کر رہا۔ حضرت امیر المکرّم کو حضرت جیؒ اپنا محبوب روحانی بیٹا کہا کرتے تھے لیکن اب معاملہ چہیتی بیٹی کے گھر کا بھی تھا' چنانچہ اس خوش بخت گھرانے پر آپؒ کی توجہ ہمیشہ سایہ فگن رہی۔

یہ عقد اس امر کا بھی اعلان تھا کہ قبیلوں' خاندانوں' ذات پات' حسب و نسب' عزت و عظمت اور شہرت و امارت کی دنیا میں' جہاں رشتوں کی بنیاد صرف دنیوی پیمانے بن چکے ہیں' اس رشتہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ عظیم تعلق تھا جو سلسلۂ عالیہ کی نسبت سے دونوں گھرانوں کو عطا ہوا۔ اس رشتہ کی اتباع میں سلسلۂ عالیہ میں کئی عقد ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں۔

طیّب رزق

مناظرانہ دور میں حضرت جیؒ نے ایک گاؤں میں قیام فرمایا تو آپؒ کے سامنے جو کھانا پیش کیا گیا' وہ کسی بے نمازی عورت کا پکا ہوا تھا۔ آپؒ کے

انکار پر کسی دوسرے گھر سے کھانا آیا لیکن آپؒ نے وہ بھی نہیں کھایا حتیٰ کہ ایسا کوئی گھر نہ مل سکا جہاں کوئی ایک خاتون بھی نمازی ہو۔ یہ واقعہ گاؤں والوں کے لئے ایسا عبرت آموز ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنے گھر کی خواتین کو نماز کا پابند بنا دیا۔ خوراک کے بارے میں حضرت جیؒ کی اس قدر احتیاط کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ اجتماعات میں ذاکرین کو ایسا کھانا ملے جو حلال اور طیب کے معیار سے کسی طرح بھی کم ہو۔

حضرت جیؒ نے جب کبھی علمی دلائل کے بعد چیلنج فرمایا کہ آپؒ فریقِ مخالف کو ان حقائق کا مشاہدہ بھی کرا سکتے ہیں تو اس کے ساتھ یہ شرط بھی عائد فرمایا کرتے کہ چیلنج قبول کرنے کی صورت وہی کچھ کھانا ہوگا جو آپؒ کھلائیں گے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حلال اور طیب رزق کے بغیر کشف اور مشاہدہ ممکن نہیں۔ اسی طرح سلوک طے کرنے کے لئے بھی رزق حلال شرطِ لازم ہے۔ رزق جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے' حلال کمائی سے گوشت خریدا جائے اور ذبیحہ کی تمام شرائط بھی پوری ہوں لیکن کھانا پکانے والے بے دین ہوں یا کھانا مستعمل برتنوں میں کھایا جائے یا بازار سے کھانے کی ایسی چیز منگوائی جائے جس پر بازاری ماحول کے اثرات ہوں تو ایسا رزق حلال ہونے کے باوجود طیب کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔

اجتماعات کے دوران ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ اس بات کا پورا اہتمام کیا جاتا کہ ساتھیوں کو جو کھانا ملے وہ حلال ہو اور طیب بھی۔ اناج' دالیں اور سبزیاں' حضرت امیر المکرّم کی خود کاشت کردہ ہوتیں۔ دودھ اپنے مویشیوں کا ہوتا اور کھانا پکانے والے بھی ذاکرین ہوتے۔ 1970ء کے اجتماع میں کھانا ملک خدا بخش کے گھر تیار ہوا لیکن پکانے والی ان کی ہمشیرہ تھیں جو خود

ذاکرہ تھیں۔ 1971ء اور اس کے بعد منارہ سکول کے تمام اجتماعات میں کھانا پکانے کی سعادت ہمیشہ ان کے حصہ میں آئی لیکن اب صورت یہ تھی کہ حضرت امیر المکرّم کھانا تیار کرنے میں خود ان کی مدد کرتے، کبھی لکڑیاں سلگاتے اور کبھی کھانا پکانے میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ اجتماعات میں احباب کی تعداد بڑھ جانے کی صورت میں صوفی فیروزالدین اور روشن دین بھی کھانا پکانے میں مدد کرتے۔ یہ بزرگ بھی سلسلۂ عالیہ سے وابستہ تھے۔

منارہ کے اجتماعات میں گوشت بہت کم پکایا جاتا البتہ جب کبھی حضرت امیر المکرّم شکار کے لئے جاتے تو واپسی پر ہرن کے گوشت سے ساتھیوں کی ضیافت کرتے۔ شکار، اللہ تعالیٰ کی ایسی عطا ہے جس کی تلاش میں کبھی پوری رات جنگل میں گزرتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہ چلتے ہوئے اچانک سامنے آجاتا ہے۔ شکاری صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے بھروسے پر نکلتا ہے اور اگر شکار مل جائے تو اس کی عطاء سمجھتا ہے۔ منارہ کے ابتدائی اجتماعات میں کثرت سے احباب کو اللہ تعالیٰ کی یہ عطاء نصیب ہوتی۔

ان اجتماعات میں کثرتِ مشاہدات یا بلند منازل کے حصول کا سبب حضرت جیؒ کی توجہ اور وہاں کی پاکیزہ خوراک بھی تھی جس کے لئے حضرت امیر المکرّم کے خصوصی اہتمام اور ان کی اہلیہ محترمہ (اماں جی) کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

الوداعی خطاب

اجتماعِ منارہ کے اختتام پر حضرت جیؒ احباب سے خطاب فرماتے جس کے بعد رقت سے بھرپور اجتماعی دعا ہوتی۔ آپؒ کا خطاب احبابِ سلسلۂ عالیہ کے لئے عمومی ہدایات پر مشتمل ہوتا۔ یہاں حضرت جیؒ کے 1978ء کے

سالانہ اجتماع کا الوداعی خطاب من وعن پیش کیا جاتا ہے جو مستقل افادیت کا حامل ہے اور آنے والے ادوار میں بھی سلسلۂ عالیہ کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ؕ

تم بہترین امت ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں کے لئے نکالی گئیں، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران۔110)

میم واؤ میم نون تشریف نیست
لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

(میم واؤ میم نون میں کوئی خوبی نہیں، لفظ مومن ایک تعریف کے سوا اور کچھ نہیں)

ایں آن سعادت است کہ حسرت بُرد برآں
جو یانِ تختِ قیصر و ملکِ سکندری

(یہ وہ سعادت ہے کہ اس کی حسرت ان لوگوں کو بھی ہے جو تخت قیصر و ملک سکندری کی تلاش میں سرگرداں ہیں)

دوا میں اثر نہیں، بولنے کی قوت نہیں، عرض اتنی ہے:

امتِ محمدیہ ﷺ ساری کی ساری، قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ساری کی ساری امت محمدیہ ﷺ کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کرے، دوسروں کو دین کی طرف رہنمائی کرے اور دین کی طرف ان کو

دعوت دے۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تمہیں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو اچھے کام بتاؤ اور برے کاموں سے روکو کیونکہ تم خود ایماندار ہو اور مومن ہو۔

ہم جو یہاں اکٹھے ہوتے ہیں' یہاں ہماری کوئی زمین نہیں' ہمارے مکان کوئی نہیں' یہاں رشتہ بھی ہمارا کوئی نہیں' قوم بھی ہماری کوئی نہیں۔ یہاں کیوں آتے ہیں؟ گھربار چھوڑتے ہیں' بیوی بچوں کو چھوڑتے ہیں' کاروبار چھوڑتے ہیں' خرچ کرتے ہیں' پتھروں پر پڑے رہتے ہیں' ان پتھروں پر کیوں پڑے رہتے ہیں؟ محض اللہ کی رضا کے واسطے' اللہ کو راضی کرلیں' اللہ ہم سے راضی ہو جائے' رسول اللہ ﷺ راضی ہو جائیں۔ ہماری عاقبت درست ہو جائے' سنور جائے' ٹھیک ہو جائے۔

اس واسطے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ سال ابھی باقی ہے' آئندہ اجتماع سال بعد ہوگا۔ اس کوشش میں سارے ساتھیوں کا یہ فرض ہے کہ جو کچھ یہاں سے لے کر جا رہے ہیں' اسے ضائع نہیں کرنا۔ اسٹیشن ماسٹر کا کام ہوتا ہے ٹکٹ دے دینا لیکن مسافر کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت خود کرے۔ ٹکٹ ملے تو پھر اس کی حفاظت خود کرنی ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ (سٹیشن ماسٹر) ساتھ چلے اور اس کی حفاظت کرے۔ جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی حفاظت کریں۔

حفاظت ساری کی ساری بند ہے اتّباعِ شریعت میں۔ آقائے نامدار ﷺ کی جوتیوں کی دھول میں سے ملے گی' اس کے بغیر کہیں سے نہیں ملے گی۔

نماز کی بڑی پابندی کریں' سخت پابندی کرنی ہے۔ نماز نہیں چھوڑنی اور ارکان میں بڑا اعتدال رکھا کریں' میں بار بار سمجھاتا بھی رہتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نہیں' لوگوں کو بھی دعوت دو' تبلیغ کرو' ذکرِ الٰہی کے بغیر ہم نے کوئی حیلہ نہیں دیکھا کہ انسان کی اصلاح ہو سکے۔ جب باطن خراب ہوتا ہے تو اس کا اثر آہستہ آہستہ ظاہر پر پڑتا ہے اور ہوتے ہوتے ظاہر خراب ہو جاتا ہے۔ اس واسطے ذکرِ الٰہی بتایا گیا ہے۔ لطائف' جنہیں قلب حاصل ہے وہ قلب کرتے رہیں۔ جنہیں باقی لطائف حاصل ہیں' لطائف زور سے کریں اور ہمیشہ کرتے رہیں۔ اس کے بعد رہ گئے اوپر والے مقامات' آہستہ آہستہ' اسی طرح ہیں۔ جو طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے وہی بتاؤ۔

اور ہر علاقے کا ہر ایک جگہ کا جو امیر ہے یہ اس کا فرض ہے کہ لطائف کرانے کے بعد مراقباتِ ثلاثہ' سیرِ کعبہ تک۔ اگر زیادہ نہیں تو مراقباتِ ثلاثہ' دوائرِ ثلاثہ کرانے کے بعد میرے پاس آئے۔ یہ ہر امیر کا' ہر اس صاحبِ مجاز کا فرض ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے اور وہ صاحبِ مجاز ہے۔ جہاں جہاں بھی کوئی آدمی ہو'

یا (ذکر) کراتا ہے اور اس کو یہ قوت حاصل ہے تو وہ اس طریقہ سے کرے۔

اس کے بعد رہ گیا یہ قصہ کہ مرکز پہلے چکوال تھا۔ پھر بھی کوشش کی کہ وہیں رکھیں لیکن کسی خاص وجہ سے وہاں نہیں رکھا گیا۔ کیونکہ حافظ صاحب نے کہا کہ مرکز یہی (منارہ) ہونا چاہئے' اس واسطے اب مرکز مقرر ہو گیا۔ اِدھر سے آؤ تو سیدھے یہیں چلے آؤ' اُدھر سے آؤ تو سیدھے یہیں چلے آؤ۔ سارے ایک بھائی بن کر رہو۔ انگلیاں علیحدہ علیحدہ' سر علیحدہ' ناک علیحدہ' کان علیحدہ علیحدہ' منہ ہے' پیر ہیں' ہاتھوں کی انگلیاں ہیں لیکن بدن کے کسی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے بدن کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہی آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ایک انگلی کو تکلیف پہنچتی ہے' سارا بدن بے آرام ہو جاتا ہے۔ آپ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (آپس میں رحمدل) کا نمونہ پیش کریں۔ بھائی بھائی ہو۔ جہاں رہو' آپس میں پیار اور محبت۔ ایک کو اگر تکلیف پہنچے' نقصان ہو جائے تو اس کی امداد کرو۔ اگر وہ غلطی کر بیٹھا تو اس غلطی سے ہٹاؤ۔ تم سے برا ہوا' اس طرح نہ کر' اس طرح کر۔ اس وجہ سے میں نے اتنی گزارش کر دی ہے' سب سے پہلی چیز اتّباعِ شریعت ہے۔

جو ساتھی نئے آئے ہو' جو ترقی نہیں ہوتی ہے یا نقصان ہو جاتا ہے تو سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ جو

شرائط' تصوف اور سلوک کی ہیں' ان کی سمجھ کوئی نہیں ہوتی' پتہ نہیں ہوتا۔ سب سے بڑا رکن تصوّف کا' سلوک کا' منازلِ سلوک کا' یہ تو موت کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ کیا چیز ہے؟ وہ شعر جو میں نے پڑھا تھا یہ وہ چیز ہے' یہ وہ سعادت' کامیابی اور نیک بختی ہے کہ کسریٰ' قیصر اور سکندر ذوالقرنین کے تخت کے چاہنے والے بھی اس چیز کی تلاش میں تڑپ تڑپ کر گئے کہ اللہ کرے ہمیں بھی مل جائے۔ حقیقت بھی یہی ہے' یہ اتنا مستغنی کر دیتی ہے اگر پوری طرح حاصل ہو جائے۔ سب سے بڑی چیز دنیا میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علومِ شریعت عطا کر دے' اس کے بعد پورا پورا علمِ باطنی عطا کر دے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر حکومت کوئی نہیں' اس سے بڑھ کر دولت کوئی نہیں' اس سے بڑھ کر کامیابی کوئی نہیں۔

افسوس ایسے لوگ دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں اور ان کی زندگی میں' ان کی موجودگی میں لوگ فتوے کفر کے دیتے رہتے ہیں' برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ لوگ قریب نہیں لگتے۔ جب مر جاتے ہیں تو ابلیس کہتا ہے ان کی قبر پوجو' یہ بڑا ولی اللہ ہے۔

تو سب سے پہلے کوشش یہ کرنی ہے' اِتبّاعِ شریعت۔ یہ سمجھ رکھو خواہ نجبا ہوں' خواہ نقبا ہوں' خواہ اوتاد ہوں' خواہ ابدال' خواہ قطب ہوں تو خواہ غوث ہو۔ خواہ قیوم'

خواہ فرد ہوں۔ خواہ قطبِ وحدت ہو تو خواہ صدیق ہو۔ یہ مناصب سارے کے سارے جو قربِ الٰہی کے مناصب ہیں' یہ میرے آقا ﷺ کی جوتیوں کی دھول میں سے ملتے ہیں' باہر سے کوئی نہیں ملتے۔ بالکل یہ خیال رکھنا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ تصوّف میں شیخ کے ساتھ خلوصِ قلبی ہو' دل میں کدورت نہ رہے۔ خلوصِ قلبی کی وجہ سے (فیض) پہنچے گا۔ اگر دل میں کدورت ہو تو ہزار سال لگے رہو' کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہ معاملہ بہت نازک سا ہے۔

اب ہمارے حالات' مناصب میں تغیر و تبدل پیدا ہو چکا ہے۔ ترقی بڑی شروع ہو چکی ہے بفضل اللہ۔ ابتدائی دور میں ہوئی یا اب فتوحات شروع ہو چکی ہیں۔ تو میرے واسطے بھی سب دعا کریں۔ دعا یہ کریں اللہ تعالیٰ مجھے صحت دے اور میری عمر کو دراز کرے ...... آمین! اس کی وجہ یہ ہے کہ جس روز میں دنیا سے رخصت ہوا'

تساں لوگ وت ڈانگو ڈانگ نہ ہو ونجو۔

جس دیہاڑے میں دنیا تو وہنا گیا'

تساں وت ڈانگو ڈانگ نہ ہو ونجو کدیں۔

(جس روز میں دنیا سے رخصت ہوا'

تم لوگ کہیں دست وگریبان نہ ہو جاؤ)

انتشار نہ پیدا ہو جائے۔ میری موجودگی میں ایک تسبیح کے منکوں کی طرح سارے جکڑے ہوئے ہو۔ اکٹھے

اس طرح بیٹھے ہو' تو جس وقت میں درمیان سے نکل گیا' اس وقت پھر یہ حالت نہ رہے گی۔ ہر ایک کے دماغ میں آنے لگتا ہے کہ وہ بھی استادوں کا شاگرد ہے جی' وہ بھی استادوں کا شاگرد ہے۔ یہ بھی سمجھ لو' مثلاً چوٹی والے آدمی ہیں اکرم صاحب ہو گئے' حافظ صاحب ہو گئے' کرنل صاحب ہو گئے' بیگ صاحب ہو گئے یا اور چند ایک ساتھی بڑے قابل ہیں' یہ بھی تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ جس طرح تم ہو اسی طرح یہ بھی ہیں۔ یہ بڑے ہیں ان کا احترام تمہارے اوپر ضروری ہے۔ بڑا بھائی کاروبار کرتا ہے' چھوٹوں کو پیش کرتا ہے' مال پہنچاتا ہے' رزق پہنچاتا ہے لیکن باپ نہیں بن جاتا۔ وہ بھی بھائی' تم بھی بھائی' تم چھوٹے ہو وہ بڑا ہے۔ احترام والد کی طرح کرنا پڑتا ہے' بڑے بھائی کا احترام ضروری ہے۔ احترام نہ ہو تو فیض نہیں ہوتا۔ اس واسطے جو شخص بھی فیض لینا چاہتا ہے' جس شخص نے تمہیں توجہ شروع کی' باہر رہتے ہو' باہر معمول کوئی کراتا ہے' اس کا احترام ضروری ہے۔ بغیر احترام' تصوّف سارے کا سارا ہے ہی ادب' اس میں دوسری کوئی چیز نہیں۔ احترام اور ادب کے بغیر یہ چیز ملتی ہی نہیں لیکن تم اٹھ کر کہو یہ فعل کر۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تو امیر ان سے لڑ پڑا۔ اس نے آگ جلا کر کہا اس میں چھلانگ لگاؤ تو سارے تیار ہو گئے۔ ایک نے اٹھ کر کہا' اسی آگ

سے بھاگ کر تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا' اب یہ پھر آگ ہی میں گراتا ہے' ہم بالکل داخل نہیں ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کریں گے۔

ایک شخص فعلِ ناجائز کرتا ہے' کوئی شخص بھی اٹھ کر جو میں بتا چکا ہوں اس کے خلاف بتاتا ہے۔ اسے کہیں میاں ایسا نہیں۔ منتر پڑھو' جنتر پڑھو' کچھ کرو' الگ پڑھتے رہو۔ معمول یہی کچھ ہے۔ لطائف عبادات میں داخل ہیں۔ مراقبات عبادات میں داخل ہیں۔ آگے سالک المجذوبی یہ ساری کی ساری عبادات میں داخل ہے۔ اس سے اوپر جس قدر چلتے چلے جاؤ' سب عبادات میں داخل ہے۔ پتہ عبادات کا لگے گا جب تمہاری موت ہوگی۔

اس کے بعد رہ گیا قصہ۔ وقت ہے' قرآنِ کریم کی تلاوت کرو' نفی اثبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کثرت سے کرو۔ درود کی کثرت کرو' پیغمبر ﷺ پر درود بھیجو۔ استغفار پڑھو۔ اگر اکٹھی سو مرتبہ نہیں پڑھی جاتی' صبح کے ساتھ 20 مرتبہ پڑھ لو' 20 ظہر کے ساتھ 20 عصر کے ساتھ 20 مغرب کے ساتھ 20 عشاء کے بعد' 100 ہو جائے گی' استغفار پڑھو۔ سوتے وقت لازمی طور پر دس بار' بیس بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھ لو اور ساتھ سورۃ اخلاص پڑھو' بس یہی طریقہ۔

ہاں اگر کسی شخص کو تنگدستی کی صورت پیش آئے تو

میری طرف سے اپنی پوری جماعت کو اجازت ہے:

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم

درود شریف اول جتنا پڑھ سکو آخر پڑھ سکو' یہ پڑھتے رہو۔ کچھ مدت کے بعد اِنْ شَآءَ اللّٰهُ یہ تمہاری تکلیف رفع ہو جائے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اجتماعی دعا کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَتُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالْصَلٰوةُ وَالْسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

اللہ تو اسلام کا بول بالا فرما' اللہ تو ہمیں اسلام کا خادم بنا' اللہ تو ہمیں دین پر استقامت عطا فرما' اللہ تو ہمیں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی جوتیوں کا خادم بنا۔ اللہ تو ہمیں سلف صالحین کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اللہ تو اپنی......(کچھ دیر سکوت کی حالت پھر رقت طاری ہوگئی)...... ہمارے ساتھ اللہ تو وہ فعل کر جس کا تو مستحق ہے۔ ہمارے ساتھ وہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں......تو ہمارے حال پر رحم فرما' اللہ ہمیں دین کا خادم بنا' اللہ جب تک زندہ ہیں تیرے دین کے خادم رہیں' اللہ زندہ رہیں تیرا نام لیتے رہیں اور تو ہمیں طاقت دے' توفیق دے کہ ہم غیروں کو' دوسروں کو' جو شیطان کے چنگل اور پنجے میں آچکے ہیں' تجھ سے ٹوٹ چکے ہیں' اللہ ان کو

جوڑنے کی' تیرے ساتھ جوڑنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔

اللہ ہم کمزور ہیں تو خود ہمارے حال پر رحم فرما۔

الٰہی ہم کمزور ہیں' اللہ ہم کمزور ہیں' تو ہمارے حال پر رحم فرما۔ ہم گنہگار ہیں' بدکار ہیں' تو حال پر رحم فرما۔

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰی اِتِّبَاعِ نَبِیِّنَا وَ اِتِّبَاعِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ وَ مَھْدِیِّیْنَ.....''

1980ء کا سالانہ اجتماع منارہ سکول کا آخری اجتماع تھا۔ حضرت جیؒ 21 اگست کو بعد از نماز فجر احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس موقع پر آپؒ نے دوران گفتگو فرمایا:

''اس امت میں ابھی تک صرف دو صدیق گزرے ہیں' امام احمد بن حنبلؒ اور امام غزالیؒ۔ مشائخ برزخ آگے چلنے کے متمنی ہیں۔ حضرت رفاعیؒ مقامِ تسلیم اور حضرت غوث بہاؤالحق بھیرہ والے مقامِ رضا پر پہنچ کر قانع ہو گئے۔ حضرت پیر صاحبؒ (غوثِ اعظمؒ) کی پرواز قوی ہے اور ساتھ چلتے ہیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ' جن کی منازل اس امت میں سب سے بلند ہیں' تیسرے حجابِ الوہیت میں فوت ہوئے ہیں۔ مجھے تمام کے تمام حجابات طے کرتے ہوئے پندرہ برس لگے اور یہ تمام مصائب و آلام سے پُر ہیں۔

دورِ حاضر کے علماء میں سے مفتی محمد شفیعؒ' مولانا ادریس کاندھلویؒ اور مولانا غرغشتیؒ کے حالاتِ برزخ

بہت اچھے ہیں۔''

یکم ستمبر 1980ء کو سالانہ اجتماع' منارہ سکول سے دارالعرفان منتقل ہوا۔

اجتماعات لنگر مخدوم

تاریخِ تصوّف میں بلندترین منازل حاصل کرنے کے باوجود حضرت جیؒ کی اپنے اولین مکتبِ طریقت سے جذباتی وابستگی عمر بھر قائم رہی۔ 1942ء سے 1945ء تک لنگر مخدوم میں آپؒ کے مستقل قیام کا عرصہ ہے لیکن اس کے بعد بھی یہ معمول رہا کہ سال میں ایک ماہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر قیام فرماتے۔ عموماً یہ دینی مدارس میں چھٹیوں کے دن ہوا کرتے تھے۔ چکڑالہ کی چٹی مسجد میں حضرت جیؒ کے زیرِ تعلیم طلباء سال کے اسباق مکمل کرنے کے بعد گھروں کو چلے جاتے تو آپؒ پوری تعطیلات لنگر مخدوم میں بسر کرتے۔ بعد میں احباب نے آپؒ کی معیت میں یہاں آنا شروع کر دیا تو قیام کی مدت پہلے ہفت روزہ اور پھر سہ روزہ کر دی گئی۔

طالب والا پتن سے حضرت جیؒ کے ہمراہ ایک مختصر سی جماعت سامان سروں پر اٹھائے پانچ کلومیٹر کی مسافت پیدل طے کرتے ہوئے مزار تک پہنچتی۔ اجتماع کے عرصہ کے لئے سامان خورد ونوش بھی ساتھ ہوتا۔ آپؒ تاکید فرماتے کہ مخدوم حضرات یا مقامی لوگوں کو آمد کی خبر نہ کی جائے تا کہ کسی قسم کی مہمان نوازی یا ملاقاتوں کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے اور جو عرصہ مشائخ کی معیت میں مزار پر بسر ہو ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں گزرے۔ 1960ء میں اذنِ عام کے بعد اگرچہ احباب کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا لیکن لنگر مخدوم آنے کی اجازت صرف ان احباب کو تھی جن کی روحانی بیعت کی توثیق کے

لئے حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں حاضری ضروری ہوتی یا وہ احباب جنہیں آپؒ خصوصی طور پر طلب فرماتے۔

اپریل 1964ء میں حضرت جیؒ لنگر مخدوم تشریف لائے تو اس اجتماع میں پہلی مرتبہ دس پندرہ احباب شریک تھے۔ یہ اجتماع ترویجِ سلسلۂ عالیہ کے لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل تھا۔ حضرت سلطان العارفینؒ نے حضرت جیؒ کو 1945ء میں اپنا مجاز مقرر کیا تھا لیکن اب ترویجِ سلسلہ کے اذنِ عام کے بعد ضرورت محسوس کی گئی کہ آپؒ کی اعانت کے لئے مزید مجازین کا تقرر ہو۔ حضرت امیر المکرّم مسلسل چھ سال سے آپؒ کے زیرِ تربیت تھے جبکہ چکوال کے مولانا سلیمان، حافظ عبدالرزاق اور مولوی اکرام الحق قریباً تین چار سال سے ذکر کر رہے تھے۔ مؤخر الذکر تینوں صاحبان کے پاس علمِ ظاہری تھا جبکہ حضرت امیر المکرّم نے براہ راست آپؒ کی صحبت میں نہ صرف علمِ ظاہری حاصل کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علمِ لَدُنّی سے بھی نوازا تھا۔ حضرت جیؒ نے ان احباب کو حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اجازتِ خلافت طلب کی۔ ان چاروں حضرات کے بارے میں حضرت جیؒ نے فرمایا:

> ''یہ چار اشخاص مشائخ کے مقرر کردہ ہیں جس طرح میں مشائخ کا مقرر کردہ ہوں۔ فرق یہ ہے کہ یہ بالواسطہ ہیں، میں بلاواسطہ ہوں مگر سلسلہ کو آگے چلانے میں میرا شریک بنا دیا ہے۔''

ان کے بعد کسی کو حضرت سلطان العارفینؒ کا مجاز مقرر کیے جانے کی سعادت نہ مل سکی۔ حضرت جیؒ نے حضرت امیر المکرّم کے نام اپنے ایک

مکتوب میں اس حاضری کی روداد ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

''جس دن اس عاجز نے آپ کو اور مولانا سلیمان کو حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں اجازتِ توجہ کے لئے پیش کیا تھا تو عرض کی تھی کہ یہ بچہ نوجوان ہے' جرار بھی ہے' تو جواب ملا تھا کہ یہ سلسلہ کے لئے چٹان ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ! اس چٹان کو ابلیس کی قوت نہ ہلا سکے گی۔ یہ جواب تھا کہ یہ بچہ ہے۔

جراری کا جواب قوتِ توجہ میں ظاہر فرمایا۔ آپ کو قوت عطا ہوئی وہ مولانا کو نہیں دی گئی باوجودیکہ وہ عالم تھے' نیک وصالح تھے' گو میرے بعد مشائخ نے بشرطِ زندگی☆ ان کو سلسلے کا شیخ مقرر فرمایا تھا مگر قوتِ توجہ بندہ کے بعد آپ کو عنایت فرمائی ہے۔''

حضرت امیر المکرّم کی توثیقِ بیعت تو لنگر مخدوم میں 1964ء کے اس اجتماع سے قبل ہو چکی تھی لیکن باقی احباب کی توثیقِ بیعت اسی موقع پر ہوئی۔ حافظ عبدالرزاق نے جب تینوں احباب کے مقابلے میں اپنی حالت پر غور کیا تو حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا:

''حضرت میں اس قابل کہاں؟ بدنام کنندہ' نیکونامے چند۔''

حضرت جیؒ نے قدرے سکوت کے بعد فرمایا:

''حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اب انسان

☆ مولوی سلیمان کی سلسلہ عالیہ سے علیحدگی اور پھر حضرت جیؒ ہی کے زمانے میں وصال کو دیکھتے ہوئے یہاں ''بشرطِ زندگی'' کے الفاظ بہت معنی خیز نظر آتے ہیں' جبکہ 1983ء میں حضرت امیر المکرّم کو یہ مقام سونپا گیا تو اللہ تعالیٰ کی شان' اس وقت آپؒ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا نہ ہوئے۔

بنے ہیں' اللہ تعالیٰ کی دین (عطا) کا نقشہ آگے دیکھیں۔''

اسی اجتماع میں ایک دلچسپ واقع بھی پیش آیا۔ مولانا عبدالحق جوہر آبادی کچھ عرصہ سے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کے باوجود اِشکال کا شکار رہتے تھے۔ حضرت جیؒ لنگر مخدوم سے متصل چنگڑانوالہ قبرستان میں خود بھی تشریف لے جاتے اور احباب کو بھی ہدایت فرماتے کہ وہاں قطب صاحبؒ کی خدمت میں ضرور حاضری دیں۔ مولانا عبدالحق جوہرآبادی اس اجتماع میں شریک ہوئے تو حضرت جیؒ نے نورپور کے ایک شخص بابا رمضان کو ہدایت فرمائی کہ وہ مولانا کو قطب صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرے۔ بابا رمضان نے قبر کے سامنے پہنچ کر خیال کیا تو حضرت قطبؒ علیینؒ میں اپنے مقام پر تھے۔ بابا رمضان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا:

''قبر میں تو نہیں ہیں۔''

مولانا عبدالحق کے دل میں فوراً خیال گزرا کہ پھر وہی کشف کا کھیل لیکن اسی لمحے کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان سے ایک ستارہ سا ٹوٹا اور سیدھا قبر میں اتر گیا' اس کے ساتھ ہی بابا رمضان نے کہا' ہاں اب آ گئے ہیں۔

مولانا کا قلب تو وساوس کی زد میں تھا لیکن شاید طلبِ صادق کام آ گئی۔ اس مشاہدے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عین الیقین کی صورت میں نہ صرف استقامت عطا فرمائی بلکہ اس کے بعد انہیں خود بھی کشف نصیب ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملات بھی نرالے ہیں۔ مولانا کو حضرت قطبؒ کی خدمت میں پیش کرنے اور پھر ان کی نگاہِ بصیرت وا ہونے کا سبب بننے والا شخص بابا رمضان نورپور کا کورا ان پڑھ دیہاتی تھا۔

اس سال حضرت جیؒ نے خصوصاً تاکید فرمائی تھی کہ کوئی ساتھی لنگر مخدوم

جائے نہ کسی مقامی شخص کو آپؒ کی آمد کی اطلاع دے لیکن حکیم بشیر سے اس حکم کی خلاف ورزی ہوگئی۔ وہ گاؤں میں چائے وغیرہ کے لئے گیا تو مخدوم صاحبان کو حضرت جیؒ کی آمد کی اطلاع ہوگئی اور لوگ ملاقات کے لئے آنے لگے۔ آپؒ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور صرف دو رات قیام کے بعد اجتماع برخاست کر دیا۔

اجتماع ختم ہوا تو حضرت امیر المکرّم اور راجہ محمد یوسف نے ملتان جانے کا پروگرام بنایا۔ حضرت جیؒ سے اجازت طلب کی تو آپؒ نے فرمایا کہ حضرت غوث بہاؤالحقؒ کی خدمت میں حاضری دیں تو میرا سلام عرض کریں۔ یاد رہے کہ راہِ سلوک میں چوتھے عرش سے نویں عرش تک کا سفر حضرت جیؒ نے حضرت غوث بہاؤالحقؒ کی معیّت میں طے کیا تھا۔ جب حضرت جیؒ کا سلام پیش کیا گیا تو انہوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور سلسلۂ عالیہ کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت ترقی دے گا۔ پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ 1964ء کے اس اجتماع میں حضرت جیؒ کے ساتھ صرف درجن بھر ساتھی تھے لیکن 1983ء کے اجتماع میں ہزاروں کا مجمع تھا۔ بسیں اور گاڑیاں اس قدر تھیں کہ مزار کے قرب وجوار میں پارکنگ ممکن نہ تھی اور لنگر مخدوم گاؤں کے آس پاس خصوصی انتظامات کرنا پڑے۔

حضرت امیر المکرّم نے حضرت غوث بہاؤالحقؒ کے مزار پر حاضری کے بعد جب حضرت شاہ رکن الدین عالمؒ کے مزار پر حاضری دی تو یہاں ایک دوسری صورت سے واسطہ پڑا۔ وہ اس بات پر حیرت زدہ تھے کہ برزخ میں یہ حضرات کس طرح آن پہنچے۔ اس عالم میں ان کے ہاں گرمجوشی کی بجائے حیرت کا عالم نظر آیا۔ راجہ محمد یوسف نے حضرت امیر المکرّم کی خدمت

میں یہ کیفیت بیان کی تو انہوں نے قبر پر انگلی رکھتے ہوئے عرض کیا:

''حضرت! آپ سے فیض لینے نہیں آئے۔ فیض کے لئے اپنا ڈانگ والا زمیندار شیخ ہی کافی ہے۔''

حضرت جیؒ کے حوالے کے ساتھ ہی صورتِ حال تبدیل ہو گئی۔ شفقت سے پیش آئے اور فرمایا' معلوم نہ تھا آپ ان کے سلسلہ سے ہیں' ان سے دعا اور مزید ترقی کی درخواست کریں۔

1965ء کے اجتماع میں احباب کی تعداد خاصی بڑھ چکی تھی لیکن حسبِ سابق کھانے وغیرہ کا انتظام خود ہی کیا گیا۔ 7 ستمبر کی صبح یہ تین روزہ اجتماع برخاست ہوا تو مزار کے بالکل قریب سے لڑاکا جہاز گزرے جو ایک غیر معمولی صورت تھی۔ اس وقت یہ خبر نہ تھی کہ ہندوستان 6 ستمبر کو پاکستان پر حملہ کر چکا ہے۔ سرگودھا پہنچے تو حالات معلوم ہوئے۔ واپسی پر حضرت جیؒ نے چند ساتھیوں کے ہمراہ جوہر آباد میں مولانا عبدالحق کی مسجد میں ایک رات قیام فرمایا اور یہاں کے احباب کو خصوصی وقت دیا۔

لنگر مخدوم کے سالانہ اجتماعات عموماً ستمبر اکتوبر میں منعقد ہوا کرتے۔ عموماً چاندراتوں کا خیال رکھتے ہوئے پروگرام اس طرح سے طے کیا جاتا کہ تہجد کے معمولات کے لئے پچھلے پہر کی چاندنی میسر ہو۔ انتظامی دشواریوں کی وجہ سے ابتداء میں صرف مخصوص ساتھیوں کو پروگرام سے مطلع کیا جاتا اور احباب اپنا کھانا خود پکاتے۔ مقامی لوگوں کو ان اجتماعات کی خبر نہ دی جاتی اور اگر کسی صورت پتہ چل بھی جاتا تو حضرت جیؒ ان لوگوں کو کھانے وغیرہ کی تکلیف دیتے نہ ملاقاتیں پسند فرماتے۔ اِس وقت مخدوم صاحبان یہاں آنے والے زائرین کی جو خدمت کرتے ہیں' ابتدائی دور میں یہ صورت نہ تھی۔

اسی علاقے کے مولانا نذیر احمد مخدوم نے حضرت جیؒ سے مناظرانہ دور میں فنِ مناظرہ کی تربیت حاصل کی تھی۔کئی مناظروں میں انہوں نے کتابوں سے حوالہ جات پیش کرنے میں آپؒ کی معاونت کی بلکہ 1956ء کے مناظرہ کالووال میں نوٹس لینے کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد تھی۔مولانا کا تعلق دیوبند کے ایک ایسے مکتبِ فکر سے تھا جس نے بدعت اور شرک کی مخالفت میں حیات النبی ﷺ اور حیاتِ برزخیہ تک کا انکار کر دیا تھا اور دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیبؒ جیسی شخصیت کے ذاتی دورے اور افہام و تفہیم کی کوششوں سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا تھا۔دورانِ تعلیم مولانا نذیر احمد کے سامنے حضرت جیؒ کی زبان مبارک سے بعض اوقات ایسی بات نکل جاتی کہ میدانِ بدر میں یہ واقعہ اس طرح سے ہوا یا فلاں صحابی سے آپؒ نے یہ سوال کیا تو اس کا یہ جواب ملا' لیکن آپؒ کے مداح ہونے کے باوجود مولانا کے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے لگتے۔

1958ء میں وہ دارالمبلغین سرگودھا میں بطور استاذ تعینات ہوئے لیکن حال یہ تھا کہ عشاء اور فجر کی نماز کی پرواتک نہ کرتے۔ایک دن ان کے والد نے مشورہ دیا کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرلو تو یہ حالت بدل جائے گی۔یکے بعد دیگرے تین معروف گدیوں سے رشتۂ بیعت استوار کیا لیکن حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔مایوس ہوکر زبان سے نکل گیا کہ دنیا میں کوئی حالت بدلنے والا ہے ہی نہیں۔ان کے والد نے حوصلہ دیا' اللہ والوں سے زمین خالی نہیں' چنگڑانوالہ جاؤ' مخدوم برہان الدینؒ کے مزار پر تلاوت کرو اور استخارہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی طلب کرو۔

والد کے حکم کو مقدم جانتے ہوئے مولانا نذیر احمد مخدوم بادلِ نخواستہ

چنگڑانوالہ تو چلے آئے لیکن ان کی متشددانہ سوچ میں اس بات کی قطعاً گنجائش نہ تھی کہ مخدوم برہان الدینؒ کے مزار پر تلاوت کے بھی کوئی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ تین دن بعد مولانا نے خواب میں دیکھا کہ مخدوم خاندان کے پانچوں بزرگ قبروں سے باہر نکلے۔ عین اسی وقت حضرت جیؒ سرخ گھوڑے پر سوار مغرب سے تشریف لائے۔ ان بزرگوں نے مولانا کا ہاتھ حضرت جیؒ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے عرض کیا:

''یہ ہمارا بیٹا ہے' اس کی اصلاح فرمائیں۔''

گھر آکر والد صاحب کو خواب سنایا تو انہوں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کے لئے کہا۔ ان دنوں حضرت جیؒ کا لنگر مخدوم آنے کا پروگرام تھا۔ معلوم ہوا کہ آپؒ 15 شعبان کو ظہر کی نماز مسلم بس سروس کے اڈہ والی مسجد میں پڑھائیں گے۔ جس کے بعد مختلف مقامات سے آنے والے احباب کے ہمراہ لنگر مخدوم روانہ ہوں گے۔

مولانا نذیر احمد حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے سرگودھا پہنچے تو اس وقت آپؒ مسجد کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ مولانا نے صحن میں نماز ادا کی۔ حضرت جیؒ کے متعلق دل میں طرح طرح کے شکوک و وساوس تھے۔ حفاظت کے لئے اپنے اوپر آیت الکرسی کا دم کیا اور حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے ہاتھ پکڑ کر ساتھ بیٹھنے کو فرمایا تو مولانا نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ حضرت جیؒ نے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر فرمایا:

''میں تجھے پہلے سے جانتا ہوں لیکن اس وقت جن پانچ مشائخ نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے' مجھے ان کی بڑی حیا ہے۔''

حضرت جیؒ کا یہ ارشاد سنا تو مولانا نذیر احمد مخدوم پسینہ پسینہ ہو گئے' دل کی پہلے جیسی حالت رہی نہ وہ متشددانہ نظریات۔ کسی دلیل کی ضرورت پیش آئی نہ کوئی سوال باقی رہا۔ مولوی تو ایک عرصہ سے تھے لیکن اب حقیقت شناس بنے کہ دین کی اصل تعلیم یہی ہے' آقائے نامدار ﷺ کا فیض جاری و ساری ہے اور اسے بانٹنے والے اہل اللہ کے وجود سے زمین کا سینہ کسی لمحہ بھی خالی نہیں ہوتا۔ حضرت جیؒ کے ساتھ وہ بھی **1968**ء کے اجتماع میں شریک ہوئے۔ آپؒ نے انہیں خود لطائف بتائے اور توجہ دی۔ سحری کے ذکر میں دیکھا کہ آسمان سے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ان کی گود میں گر رہے ہیں۔ اس مشاہدے کے ساتھ ہی نگاہِ بصیرت روشن ہو گئی۔

مولانا نذیر احمد مخدوم کے سلسلۂ عالیہ میں آنے کے بعد لنگر مخدوم کے اجتماع میں یہ تبدیلی آئی کہ مقامی لوگ بھی ذکر و فکر میں شریک ہونے لگے۔ مخدوم خاندان کے سرکردہ افراد نے اجتماع میں حاضری دینا شروع کر دی اور پھر کچھ عرصہ بعد اجتماعات کے انتظامی امور خود سنبھال لئے جس کے لئے حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے ایماء پر ان کے شاگرد تحصیلدار وزیر علی نے حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کے نام خاصی زمین وقف کر رکھی تھی۔

سلسلۂ عالیہ حضرت جیؒ کو منتقل ہونے کے بعد **1972**ء میں منارہ کے سالانہ اجتماع میں کثرت سے احباب کی روحانی بیعت ہوئی جن کی توثیق کے لئے اب انہیں حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر پیش کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تاہم اس سال لنگر مخدوم کا اجتماع حسبِ سابق منعقد ہوا لیکن آئندہ سال اجتماع نہ ہو سکا۔ **1974**ء میں بھی یہی صورت پیش آئی تو ایک ساتھی کو خواب میں حضرت سلطان العارفینؒ نے فرمایا:

''حضرت نے میرے پاس بھنگی چرسی چھوڑ دیئے' خود نہیں آتے۔''

حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو 1975ء سے ان اجتماعات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ اجتماع کے لئے باہر سے آنے والے ساتھی سرگودھا میں بس اڈہ کی مسجد میں اکٹھے ہوتے اور ایک بس کی سواریاں مکمل ہونے کے بعد لنگر مخدوم کے لئے روانہ ہو جاتے۔ یکے بعد دیگرے بسوں کی روانگی کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا۔ حضرت جیؒ جمعرات کو لنگر مخدوم پہنچتے اور سیدھے حضرت سلطان العارفینؒ کے مرقد پر حاضری دیتے۔ کچھ دیر مراقبہ کی صورت رہتی جس کے بعد مسجد کے صحن میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی قبر پر حاضری دیتے۔ ہفتہ کی صبح جب اجتماع برخاست ہوتا تو مشائخ کی قبروں پر حاضری کا یہی عمل دہرایا جاتا۔

ہر شہر اور علاقے کی جماعت حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں اجتماعی صورت میں بھی حاضری دیتی۔ جماعتوں کو پیش کرنا پرانے احباب اور بالخصوص ان ساتھیوں کی ذمہ داری تھی جو نگاہِ بصیرت رکھتے تھے۔ بعض احباب کے لئے حضرت سلطان العارفینؒ خصوصی ہدایات بھی فرماتے جس کا تعلق بالعموم روحانی معاملات سے ہوتا لیکن کبھی کبھی کسی ذاتی پہلو کے بارے میں بھی تاکید فرمائی جاتی جس سے پیش کرنے والے صاحب بھی لاعلم رہتے جبکہ ان کے ارشاد کا اصل مفہوم صرف متعلقہ آدمی ہی سمجھ سکتا۔ دن کے اوقات میں احباب ٹولیوں کی صورت میں چنگڑانوالہ قبرستان میں حضرت قطبؒ' مخدوم برہان الدینؒ اور دیگر اہل اللہ کی خدمت میں بھی حاضری دیتے۔

ان اجتماعات کے دوران لنگر مخدوم میں دو شب کا قیام حضرت جیؒ کا مستقل معمول رہا۔ مغرب اور تہجد کے طویل اجتماعی ذکر آپؒ خود کراتے لیکن باقی اوقات میں بھی احباب انفرادی یا اجتماعی طور پر ذکر کا سلسلہ جاری رکھتے۔ کئی ساتھی پوری رات ذکر میں بسر کرتے۔ لنگر مخدوم میں ایک شب قاضی جیؒ کے قریب بستر لگانے کا اتفاق ہوا۔ مشکل سے نصف شب گزری ہو گی کہ قاضی جیؒ نے ذکر شروع کر دیا۔ اِکا دُکا ساتھی شریک ہوتے رہے۔ قاضی جیؒ مراقبات کے ساتھ ساتھ اکثر بے خودی کے عالم میں جو کچھ دیکھ رہے ہوتے' بیان کرنا شروع کر دیتے۔ منازلِ سلوک طے کرتے ہوئے ایک ایک مقام کی منظر کشی ہو رہی تھی۔ مقامات بدلتے رہے لیکن قاضی جیؒ کے ساتھ کون چل سکتا تھا۔ ان منازل سے اپنی ہستی پر نظر ڈالی اور فرمانے لگے:

''تم کیا ہو' گنہ گار' بدمعاش' کمینے ہو' ذلیل ہو۔''

اس کے بعد بہت دیر تک اپنی تحقیر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کا تذکرہ کرتے رہے۔

جمعۃ المبارک کی نماز مزار کے ساتھ وسیع احاطہ میں ادا کی جاتی جس کی وسعت میں مسلسل اضافے کے باوجود ہر سال یہ جگہ تنگ پڑ جاتی۔ ان اجتماعات کا ایک اہم پروگرام حضرت امیر المکرم کا پہلی رات کا خطاب ہوا کرتا تھا۔

واپسی پر حضرت جیؒ مخدوم صاحبان کے ہاں ایک رات کوٹ میانہ میں قیام فرماتے۔ یہاں کے مخدوم مختار احمد ایک عرصہ سے نشہ کی علت میں اس بری طرح گرفتار تھے کہ اکثر گلیوں میں گرے پڑے ملتے۔ ہر طرح کے جتن کئے گئے لیکن کوئی فرق نہ پڑا۔ ان کی والدہ نے حضرت جیؒ سے دعا کی درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا کہ 1975ء کے سالانہ اجتماع پر بھیج دو۔ دس بارہ روز

منارہ میں رہے۔ واپس لوٹے تو نہ صرف نشہ کی علت ختم ہو چکی تھی بلکہ ذکر شروع کر دیا اور چہرہ پر سنتِ خیر الانام ﷺ سجانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ مخدوم مختار احمد کے نشہ چھوڑنے کا چرچا ہوا تو ایک شیعہ نوجوان کے لئے بھی درخواست کی گئی۔ جب بہت اصرار ہوا تو آپؒ نے فرمایا:

''بھجے ہوئے دانے وی کدی جمے نیں؟'' (کیا بھنے ہوئے دانے بھی کبھی اگتے ہیں؟)

اجتماعات لنگر مخدوم کے حوالے سے یہاں ایک ایسے واقعہ کا تذکرہ غیر مناسب نہ ہوگا جس کا تعلق اگرچہ حضرت جیؒ کے وصال کے بعد 1994ء کے اجتماع سے ہے۔ اس اجتماع میں مشہور دینی عالم ڈاکٹر غلام مرتضٰی ملکؒ نے حاضری دی تو حضرت امیر المکرّم نے انہیں مشائخ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کہا۔ ساتھیوں کے ہجوم کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو جوتا نہ ملا تو ننگے پاؤں ہی چل پڑے کہ اس وجہ سے حاضری میں تاخیر کیوں ہو۔ ذکر کے بعد انہیں حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں پیش کیا تو ان پر گریہ کی حالت طاری ہوگئی۔ اس حاضری کے دوران محسوس ہوا کہ حضرت سلطان العارفینؒ ان سے کچھ فرما رہے ہیں۔ مزار سے اٹھے تو راقم نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت سلطان العارفینؒ نے غالباً عربی میں آپ سے کچھ فرمایا تھا۔ کہنے لگے:

''بتا دوں' انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا تھا:

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَایَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ.

یہ ان لوگوں کی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا۔''

حسنِ لطافت

ان اجتماعات میں گرانقدر علمی محافل اور حضرت جیؒ کے بصیرت افروز فرمودات کے ساتھ ساتھ آپؒ کی شگفتہ مزاجی اور حسنِ لطافت کا بھی اظہار ہوتا۔ 1977ء یا 1978ء کے لنگر مخدوم کے اجتماع میں حضرت جیؒ احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ذرا فاصلے پر قاضی جیؒ جن کی عمر اس وقت 125 سال سے کم نہ ہوگی' پیوند لگے ہوئے جائے نماز پر حالتِ مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت جیؒ فرمانے لگے' قاضی جیؒ نے بائیس سال میں لطیفۂ قلب کیا لیکن آگے بتانے والا کوئی نہ تھا' اب دیکھو خواجہ خضر بنے بیٹھے ہیں۔ اس وقت سالک المجذوب ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قاضی جیؒ کے نفس کی بات چل نکلی۔ قاضی جیؒ نفس کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے' حضرت جیؒ نے اس قدر شگفتہ انداز میں بیان فرمایا کہ محفل بار بار کشتِ زعفران بنی۔ اتفاقاً یہ گفتگو ریکارڈ ہوگئی جس سے حضرت جیؒ کی حسّ لطافت کو خوب محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آپؒ کے الفاظ میں:

> ''قاضی جی نے اپنے نفس کے متعلق بتایا' میں سارے روزے اِیہاں سُکّا ٹُکر دِتّا (اس کو سوکھی روٹی کھلائی) ایس آکھیا چاء (اس نے کہا چائے)۔ میں کیا چاء گھِن' سُکّا ٹُکر دیساں چاء منگدا۔ (میں نے کہا یہ لو' سوکھی روٹی دوں گا' چائے مانگتا ہے۔)
>
> جب قاضی جی سے پوچھا یہ سوکھی روٹی کھاتے کس طرح تھے تو کہنے لگے' چکا دودھ گھِن کے' پانی چاء نمک ڈالتا' سارے آکھدے مٹھا پا' آکھیا اے منگدا'

میں ایساں نہیں دینا (سب کہتے میٹھا ڈالو' میں کہتا چونکہ نفس مانگتا ہے اسے نہیں دوں گا)۔''

اس پر احباب کافی دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔ حضرت جیؒ پھر فرمانے لگے:

''میں نے قاضی جی سے کہا' چنگا ہویا' ایساں چنگے ٹکرے او (خوب' آپ نے اس سے خوب سلوک کیا)۔ ہن کجھ مریندے او' میدانِ قیامت ایہہ تساں پکڑنا' ایہہ خدا کول پٹ سی' میڈ ے تے ظلم ہونا۔ (اب تو شغل لگا رکھا ہے' میدانِ قیامت میں یہ آپ کو پکڑے گا' خدا سے فریاد کرے گا میرے اوپر ظلم ہوا)۔

قاضی جی نے میری اس بات کا جواب دیا'نئیں ایہہ خرکیا جی' میں بوؤں دینا' ایساں میں بوؤں رجینا' بوؤں دانہ پایئے تے ول ٹیلنے مرینا (نہیں جی یہ خرمستیاں کرتا ہے' میں اسے بہت دیتا ہوں' بہت کھلاتا ہوں' زیادہ دانہ ڈالیں تو پھر دولتیاں جھاڑتا ہے)۔

اس پر حاضرین ایک بار پھر خوب محظوظ ہوئے۔

احباب کے ساتھ ایک محفل میں تصوّف کے موضوع پر گفتگو کا سلسلہ خاصی دیر سے جاری تھا۔ نام نہاد تصوّف اور مروجہ پیری مریدی کی خرابیوں کا ذکر آیا تو حضرت جیؒ نے ایک پیر کی مثال دی جس سے تمام احباب خوب محظوظ ہوئے۔ آپؒ فرمانے لگے:

''سرگودھا کے پاس ایک جگہ ہے' ادھر خنزیر فصل اجاڑتے

تھے۔ وہاں ایک پیر گیا داڑھی منڈا' نماز روزہ کوئی نہیں'
بھنگ وغیرہ پیتا تھا۔اسی طرح کے اس کے مرید تھے۔گاؤں
والے آئے اور کہنے لگے' پیرا' ادھر رات کوخنزیر آتے ہیں'
فصل نہیں چھوڑتے۔ مہربانی کروکوئی تعویذ دوادھر باندھ
دیں۔خنزیر فصل خراب نہ کریں۔پیر نے کہا' تعویذ خنزیروں کو
نہیں روکتے تم کوئی بلہی کتے (Bull Dog) رکھو۔گاؤں
والے کہنے لگے' پیرا ہمارے لئے بلہی بھی تو اور تازی بھی تو۔"

حضرت جیؒ کی خدمت میں ایک مولوی صاحب حاضر ہوئے جنہیں سوئے حافظہ کی شکایت تھی۔ حضرت جیؒ سے عرض کیا کہ انہوں نے تفسیر ابن کثیر شروع کی ہے اور مطالعہ بھی کرتے ہیں لیکن ذہنی کمزوری کی وجہ سے بھول جاتے ہیں۔کوئی وظیفہ ارشاد فرمائیں۔حضرت جیؒ نے فرمایا:

"ہر نماز کے بعد سر پر دایاں ہاتھ رکھ کر 11 مرتبہ پڑھیں
یَا حَافِظُ یَاحَافِظُ......"

اور سب سے بڑا علاج ہے ترک المعاصی۔امام
شافعیؒ کے شیخ نے سوئے حافظہ کے علاج کے لئے بتایا'
گناہ چھوڑ دو کیونکہ علم اللہ کا فضل ہے اور اللہ کا نور ہے۔
اللہ کا فضل شامل حال نہیں ہوتا معاصی کے ساتھ۔

اور اس کے بعد منقّہ اور بادام کے پانچ پانچ دانے'
رفتہ رفتہ دس تک بڑھا دیں' سوتے وقت۔منقّہ کا بیج نہ نکالیں'
ساتھ ہی کھالیں۔ اِنْ شَآءَ اللہ دماغ ٹھیک رہے گا۔"

اس کے بعد کچھ دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ بات ختم ہوئی تو

مولوی صاحب نے دوبارہ دریافت کیا:

''حضرت منقّہ کے سات دانے؟''

حضرت جیؒ اس سوال پر خوب محظوظ ہوئے اور فرمانے لگے:

''ایک مرتبہ جلسہ کے لئے پوٹھوہار گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی خدمت میں ابھی حاضر نہ ہوا تھا' پرانی بات ہے۔ وہاں ایک پیر تھے' رکناں والے۔ پیر صاحب کہنے لگے' استاد جی آپ کو ایک تماشہ دکھائیں' یہ مولوی صاحب آ گئے ہیں۔ وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ پیر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا' آپ کا نام کیا ہے؟

اوہ بُھلی گچھا ای (اوہ! بھول گیا ہوں)

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جیؒ فرمانے لگے:

''ابھی منقّہ کا بتایا تھا اور ابھی بُھلی گچھے ای''

اعتکافِ رمضان المبارک

1975ء تک چکوال میں سلسلۂ عالیہ کے ایسے احباب کی تعداد خاصی بڑھ چکی تھی جو اپنے اپنے محلّہ کی مساجد میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں سنّت اعتکاف کرتے۔ ان احباب نے رمضان المبارک سے قبل طے کیا کہ الگ الگ مساجد میں اعتکاف کی بجائے کسی ایک ہی مسجد میں معتکف ہوا جائے تاکہ ذکر و اذکار بھی اجتماعی صورت میں کئے جا سکیں۔ دوسرے شہروں کے ساتھیوں کو اطلاع ہوئی تو وہاں سے بھی کئی احباب اعتکاف کیلئے چکوال پہنچے اور اس طرح 1975ء میں چکوال کی مسجد مجدّدیہ میں قریباً 25 احباب اجتماعی اعتکاف میں شریک ہوئے۔ حضرت جیؒ نے

اسے پسند فرمایا اور 1978ء کے اعتکاف میں ایک یوم کے لئے خود بھی تشریف لائے لیکن 1979ء میں مولوی سلیمان کے سلسلۂ عالیہ سے اخراج کے ساتھ ہی چکوال میں اجتماعی اعتکاف کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

اسی سال حضرت جیؒ نے چکوال کی بجائے منارہ کو سلسلۂ عالیہ کا مرکز مقرر فرماتے ہوئے احباب کو ہدایت فرمائی کہ وہ آئندہ کسی بھی پروگرام کے لئے آئیں تو براہِ راست منارہ پہنچیں۔ اس سے قبل 1970ء سے منارہ سکول میں سلسلۂ عالیہ کے سالانہ اجتماعات کا آغاز ہو چکا تھا۔ اب حضرت جیؒ کے اس اعلان کے بعد لازم ٹھہرا کہ رمضان المبارک میں اجتماعی اعتکاف بھی منارہ ہی میں کیا جائے۔ حسب سابق طعام اور انتظامی امور حضرت امیر المکرّم کے ذمہ تھے لیکن اجتماع کی نسبت معتکف حضرات کی تعداد چونکہ کم تھی' انہوں نے یہ ذمہ داری اہلِ خانہ کے سپرد کی اور خود بھی معتکف ہو گئے۔ اسی اثناء میں اطلاع ملی کہ حضرت جیؒ منارہ آنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو حضرت امیر المکرّم نے اعتکاف ختم کیا اور آپؒ کو چکڑالہ سے لانے کیلئے روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت جیؒ کا مستقل معمول رہا کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ منارہ ہی میں گزارتے۔ اگرچہ آپؒ حضرت امیر المکرّم کے گھر اپنے مخصوص کمرے میں قیام فرماتے لیکن احباب کے ساتھ مسجد میں بھی خاصا وقت بسر کرتے۔

سنتِ اعتکاف کے لئے ساتھیوں کی تعداد چالیس پچاس سے شروع ہوئی لیکن بعد میں قریباً تین سو تک پہنچ گئی۔ آخری عشرہ میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مختلف شہروں سے اجتماعی صورت میں احباب کی آمد و رفت بھی جاری رہتی' بالخصوص حضرت جیؒ کی اقتداء میں نمازِ جمعتہ المبارک اور جمعتہ الوداع کی ادائیگی کے لئے احباب کی بہت بڑی تعداد منارہ پہنچ جاتی۔ 1982ء میں

سالانہ اجتماع منارہ سکول کی بجائے دارالعرفان میں منعقد ہوا تو اس سال سے اجتماعی اعتکاف کا سلسلہ بھی وہیں منتقل ہو گیا جو تب سے اب تک جاری ہے' البتہ اس وقت دارالعرفان کی وسعتِ اعتکاف کے لئے آنے والے احباب کی تعداد کے لحاظ سے سمٹ چکی ہے۔ یہاں کا اعتکاف پردوں اور چادروں کے مابین بٹی ہوئی کسی مسجد کا نقشہ نہیں بلکہ حرمین شریفین میں اعتکاف کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ یہاں ہر شخص معتکف ہوتا ہے سوائے ان احباب کے جنہیں انتظامی ذمہ داریوں کی وجہ سے سنتِ اعتکاف کی بجائے نفلی اعتکاف کی ہدایت کی جاتی ہے۔ یہ احباب فارغ وقت میں نفلی اعتکاف کی نیت کر لیتے ہیں لیکن زیادہ وقت احباب کے لئے سحری وافطاری کے وسیع انتظامات میں صرف کرتے ہیں۔

اس اعتکاف میں ہر ساتھی ایک اجتماعی پروگرام کے تابع ہوتا ہے۔ طویل ذکر واذکار کے ساتھ ساتھ دینی تعلیمات کے پروگرام بھی ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ آخر میں باقاعدہ امتحان ہوتا ہے اور کامیاب احباب کو اسناد دی جاتی ہیں۔ دوران اعتکاف کثرتِ ذکر وفکر' قلّتِ کلام اور قلّتِ نوم کا لازمی نتیجہ مشاہدات ومحسوسات کی صورت میں نکلتا ہے جس میں سے ہر ساتھی حسب استطاعت اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ اس عالم میں لیلۃ القدر نصیب ہوتی ہے اور کئی احباب اس کے ادراکات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اگرچہ ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن دارالعرفان کا اعتکاف آج بھی حضرت جیؒ کے زمانے کے اس اعتکاف کا نقشہ پیش کرتا ہے جو منارہ کی مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا۔ آپؒ لاٹھی ٹیکتے ہوئے حضرت امیر المکرّم کے گھر سے مسجد کی جانب قدم بڑھاتے تو معتکف احباب حدودِ مسجد میں آپؒ کی قدم

بوسی کے انتظار میں قطار در قطار کھڑے ہوتے۔ آپؒ کی آمد پر ذکر کیلئے صفیں بن جاتیں اور پھر مراقبات کے دوران ساتھیوں کی ارواح پرندوں کی طرح غول در غول اس طرح عالمِ بالا کی سرحدیں عبور کرتیں کہ متقدمین اولیاء کرامؒ بھی حیرت زدہ ہوتے' یہ کون لوگ ہیں جن کی راہ میں اس عالم کے حجابات بھی حائل نہیں ہوتے۔

ماہانہ اجتماعات چکڑالہ

حضرت جیؒ کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے احباب کی خاصی تعداد جمعرات کو ہی چکڑالہ پہنچ جاتی جبکہ کچھ ساتھی اتوار کی چھٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہفتہ' اتوار یہاں گزارتے۔ باقی ایام میں بھی حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کے لئے ساتھیوں کی آمد و رفت جاری رہتی۔ ابتدائی دور میں حضرت جیؒ کا معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد محلّہ کی مسجد میں طویل ذکر کرتے۔ باہر سے آنے والے احباب کوشش کرتے کہ وہ مغرب کے ذکر میں آپؒ کے ساتھ شامل ہو سکیں۔ اس ذکر کے لئے مسجد کا جنوب مشرقی کونہ مخصوص تھا جہاں آپؒ نے اکیلے اور احباب کے ہمراہ سالہا سال ذکر کیا۔ آپؒ فرمایا کرتے' اگر میں موجود نہ بھی ہوں تو اس جگہ ذکر کرنے سے اسی طرح فائدہ ہوگا جس طرح میرے ساتھ ذکر کرنے میں فائدہ ہے۔ حضرت جیؒ کی رحلت کے کئی سال بعد مسجد کے اس کونہ میں ذکر کرنے کا اتفاق ہوا تو حسبِ سابق وہی کیفیات محسوس ہونے لگیں۔ محلّہ کی اس مسجد کی امامت' جملہ انتظامات اور اخراجات بھی آپؒ ہی کے ذمہ تھے۔

1970ء تک چکڑالہ میں احباب کی آمد و رفت خاصی بڑھ چکی تھی۔ حضرت جیؒ کے ہاں کوئی ملازم نہ تھا اس لئے اکثر اوقات خود ہی ساتھیوں کی

تواضع فرماتے۔ جب تک آپؒ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم کم سن تھیں وہ آپؒ کا ہاتھ بٹاتیں لیکن بعد میں یہ فریضہ بابا نور محمد نے سنبھال لیا۔ کھانے کے علاوہ ساتھیوں کے لئے بستر وغیرہ کا انتظام بھی کیا جاتا۔ ایک صاحب موسمِ سرما کی نصف شب چکڑالہ پہنچے تو یہاں کی شدید سردی کی وجہ سے اپنے گرد مسجد کی صف لپیٹ کر رات بسر کی۔ حضرت جیؒ کو صبح خبر ہوئی تو آپؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا' اس موسم میں نصف شب یہاں پہنچیں اور ساتھ کمبل بھی نہ لائیں تو یہی ہونا چاہیئے تھا۔ ساتھیوں کی روز افزوں تعداد کے باوجود حضرت جیؒ نے کبھی ان کی آمدورفت کا برا منایا نہ آپؒ کی شفقت میں کوئی کمی آئی بلکہ بسا اوقات میانوالی کے ''مکھڈی حلوے'' سے بھی تواضع فرمائی گئی۔

1976ء میں میجر عبدالقادر (ستارہ جرأت) چند احباب کے ہمراہ پہلی مرتبہ چکڑالہ آئے تو حضرت جیؒ نے ان ساتھیوں کو اس طرح چائے پیش فرمائی کہ ایک ہاتھ میں چائے دانی تھی اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں چائے کے کپ پرو رکھے تھے۔ چائے پیش کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

''جب یہاں چائے مل ہی جانا تھی تو راستے میں نحوست
والی چائے پینے کی کیا ضرورت تھی؟''

دورانِ سفر ان لوگوں نے چکوال کے قریب راستے کے ایک ہوٹل سے چائے پی تھی۔ میجر عبدالقادر' حضرت جیؒ کے بارے میں براہِ راست معلومات حاصل کرنے کے لئے پہلی مرتبہ چکڑالہ آئے تھے۔ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت جیؒ پر ان کے سفر کا حال منکشف ہو گیا جس کے بعد مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہ رہی۔

اوائل 1976ء میں معمول کے مطابق احباب کی چکڑالہ آمد پر

آپؒ نے فرمایا:

''مہینہ میں کم از کم ایک مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضری بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔ گھڑی کی چابی کی طرح' اس سے باطنی استعداد پھر سے بحال ہو جاتی ہے۔''

چکڑالہ میں احباب کی مسلسل آمد و رفت اور تعداد میں اضافہ کی وجہ سے انتظامی مسائل پیدا ہونے کے علاوہ حضرت جیؒ کا تصنیف و تالیف کا کام بھی متاثر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپؒ کے اس ارشاد کی روشنی میں طے پایا کہ چکڑالہ میں اجتماعی حاضری کیلئے ہر مہینہ کا دوسرا اتوار مقرر کر لیا جائے' احباب ہفتہ کی شام چکڑالہ پہنچ جائیں اور اتوار کی صبح اجتماعی دعا کے بعد واپسی ہو۔ اس طرح یہ ماہانہ اجتماع مختلف علاقوں سے آنے والے احباب کے مابین نہ صرف رابطہ کا ذریعہ ہوگا بلکہ باہمی مشاورت سے مختلف اجتماعی امور اور حضرت جیؒ کے تبلیغی دوروں کے پروگرام بھی یہیں طے پا سکیں گے۔ حضرت جیؒ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور 13' 14 مارچ 1976ء کو چکڑالہ کا پہلا ماہانہ اجتماع منعقد ہوا لیکن اس کے باوجود انفرادی طور پر چکڑالہ میں احباب کی آمد و رفت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ حضرت جیؒ دوسرے تمام پروگراموں پر اس اجتماع کو فوقیت دیتے اور اگر چکڑالہ سے باہر جانے کا پروگرام ہوتا تو اجتماع کے اختتام پر دورے کا آغاز فرماتے۔

حضرت جیؒ کے گھر کا وسیع احاطہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ بیرونی حصہ ساتھیوں کے لئے مخصوص تھا جبکہ اندرونی حصہ ذاتی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا۔ بیرونی حصہ کے اطراف میں دو کچے کمرے ہوا کرتے تھے جو باہر سے آنے والے احباب کے تصرف میں ہوتے اور کمروں کے درمیان

وسیع صحن احباب کی نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا۔ گھر کے اندرونی حصہ میں داخلے کا دروازہ بھی اسی صحن میں کھلتا تھا۔

باہر والے صحن میں کھجور کے پٹھوں سے بنی ہوئی ایک کھردری چارپائی پڑی ہوتی۔ احباب کی آمد پر حضرت جیؒ عموماً اسی چارپائی پر تشریف رکھتے لیکن بستر یا تکیہ وغیرہ سے بے نیاز۔ چارپائی سے متصل صفیں بچھ جاتیں لیکن بعض ساتھی قریب ہی درخت کے کٹے ہوئے ایک تنے پر بیٹھ جاتے جسے اس محفل میں صوفہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ایک مرتبہ ضلع ہزارہ کے علاقے ڈاڈر کی مشہور شخصیت اور پیپلز پارٹی کے سابق صوبائی وزیر ہارون بادشاہ نے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری دی تو اسے بھی یہیں بیٹھنا پڑا۔ حضرت جیؒ نے تصوّف کے بارے میں اس کے اشکال کو رفع فرمایا لیکن حلقۂ ارادت میں اس کی شمولیت کا باعث اس نشست گاہ کی یہی سادگی تھی جس کا اس نے واپسی پر اعتراف کیا' کسی شان وشوکت کا اظہار نہ کسی معروف شخص کی آمد پر خصوصی اہتمام' جو اکثر روایتی گدیوں اور آستانوں پر نظر آتا ہے۔

چکڑالہ میں ماہانہ اجتماعات شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد محسوس کیا جانے لگا کہ ساتھیوں کی رہائش کے لئے مزید کمرے تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔ طلوعِ آفتاب کے تھوڑی ہی دیر بعد دھوپ کی تمازت میں اس قدر اضافہ ہو جاتا کہ صحن میں حضرت جیؒ کے ساتھ نشست زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکتی۔ مشورہ ہوا کہ احباب کے زیرِ تصرف بڑے کمرے کو گرا کر مزید وسعت کے ساتھ پختہ تعمیر کر دیا جائے۔ حضرت جیؒ سے اس کی اجازت طلب کی گئی تو آپؒ نے یہ شرط عائد کر دی کہ تعمیر پر اٹھنے والے تمام اخراجات آپؒ خود برداشت کریں گے۔ ساتھیوں کا بڑا کمرہ تعمیر ہوا تو اس سے متصل

لائبریری کو بھی اس جواز پر پختہ کرلیا گیا کہ اس طرح کتابوں کا نایاب ذخیرہ دیمک وغیرہ سے محفوظ ہو جائے گا لیکن لائبریری سے متصل حضرت جیؒ کے ذاتی کمرے کی باری آئی تو آپؒ نے سختی سے روک دیا:

''خبردار! آگے میرا کمرہ ہے' یہ کچا ہی رہے گا۔ اس عارضی دنیا میں پختہ عمارت تعمیر کرنا میرے نزدیک دانش مندی نہیں۔''

حضرت جیؒ کا یہ ذاتی کمرہ سادگی اور قناعت کا فقید المثال نمونہ تھا۔ سرکنڈوں کی چھت اس قدر نیچی تھی کہ ہاتھ اوپر اٹھائیں تو اس سے ٹکرا جائے۔ چھت کو سہارا دینے کے لئے درمیان میں درخت کے ناتراشیدہ تنے کا ایک ستون ایستادہ تھا۔ اس ستون اور دیوار کے درمیان صرف اس قدر جگہ تھی جہاں ایک چارپائی سما سکے۔ چارپائی کے سرہانے کی جانب دیوار میں ایک طاقچہ سا بنا ہوا تھا جس میں دو تین کتابیں اور کچھ ادویات پڑی ہوتیں۔ کمرے کی دیواروں میں ہوا اور روشنی کے لئے کوئی کھڑکی تھی نہ روشن دان۔ ستون کے دوسری طرف ذکر و فکر اور نوافل کے لئے جگہ مخصوص تھی جہاں کھجور کے پتوں سے بُنا ہوا ایک جائے نماز پڑا ہوتا۔ احباب جب کبھی آپؒ کی خدمت میں جائے نماز کا تحفہ پیش کرتے' وہ اسی پر ڈال دیئے جاتے۔ اس طرح یہاں ہرن کی کھال کے جائے نماز بھی نظر آتے اور مخمل کے روایتی جائے نماز بھی جو احباب حج یا عمرہ سے واپسی پر آپؒ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرتے۔ تعداد میں اضافہ ہو جاتا تو آپؒ یہ جائے نماز ساتھیوں میں تقسیم فرما دیتے لیکن کھجور کے پتوں والا جائے نماز وہیں پڑا رہتا۔

حضرت جیؒ کے اس ذاتی کمرے میں بہت کم احباب کو جانے کا

موقع مل سکا۔ آپؒ کے اہلِ خانہ اس کمرے کی جھاڑ پونچھ یا لپائی کے لئے کہتے تو آپؒ اس کی بھی اجازت نہ دیتے۔ اہلِ خانہ نے سفارش کی کہ لائبریری کے بعد اس کمرہ کو بھی پختہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تو آپؒ نے سختی سے منع فرما دیا۔

''میں خود کچا' میرا کمرہ بھی کچا رہنے دو۔''

ایک مرتبہ حضرت جیؒ کی اہلیہ محترمہ نے اس کمرے سے حضرت جیؒ کے لگاؤ کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ جب آپؒ گھر سے باہر دوروں پر تشریف لے جاتے ہیں تو وہاں قیام کے بہترین انتظامات اور تمام سہولتوں کے باوجود اپنے ذاتی کمرے میں واپسی کے لئے بے تاب رہتے ہیں جہاں آپؒ نے قربِ الٰہی کی اکثر منازل طے کیں۔ آپؒ نے اس کمرے میں اپنا بیشتر وقت ذکر و فکر اور مراقبات میں بسر کیا اور آخر دم تک یہی پسند فرمایا کہ اس کمرے کی فضا کو جوں کا توں رکھا جائے' حتیٰ کہ یہاں کی مٹی کی جھاڑ پونچھ کی جائے نہ باہر سے مٹی لا کر اس کی لپائی کی جائے۔

یہ کمرہ حضرت جیؒ کی سادگی کا عکس تھا جو آپؒ کے ہاں زندگی کے ہر پہلو میں نظر آتی۔ ایک مرتبہ آپؒ کراچی کے دورہ پر روانہ ہونے لگے تو جو لباس زیبِ تن تھا' اس میں پیوند لگا ہوا تھا۔ اہل خانہ نے یہ جوڑا تبدیل کرنے کے لئے عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا:

''رہنے دو' ہمیں یہ عزت لباس سے نہیں' دین کی نسبت سے ملی۔''

وہ کمبل پوش!

چکڑالہ کے ماہانہ اجتماعات کے ابتدائی دور میں خرابیٔ صحت کے

باوجود حضرت جیؒ کی انتہائی کوشش ہوتی کہ تہجد کا ذکر احباب کے ساتھ کریں۔ بڑے کمرے کی تعمیر کے کچھ ہی عرصہ بعد چکڑالہ کے ایک ماہانہ اجتماع کا ذکر ہے کہ راقم جب تہجد کے لئے بیدار ہوا تو دیکھا کہ ایک کمبل پوش دائیں کونے میں مراقب ہیں جبکہ احباب کی اکثریت ابھی تک خوابیدہ ہے۔ حیرت ہوئی کہ یہ کون ساتھی ہیں جو سب سے پہلے بیدار ہوئے اور اب اس انہماک کے ساتھ مراقبات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ساتھی ایک ایک کر کے تہجد کے لئے بیدار ہوئے' وضو وغیرہ کے بعد تہجد سے فارغ ہوئے اور صفوں میں بیٹھ کر حضرت جیؒ کی آمد کا انتظار کرنے لگے تاکہ ذکر شروع ہو۔ اس حالت میں اچانک حضرت جیؒ کی آواز سنائی دی!

سُبْحَانَ اللّٰهِ

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ....

وہ کمبل پوش حضرت جیؒ تھے جو اس وقت سے یہاں مراقب تھے جب کہ احباب ابھی تک بیدار نہ ہوئے تھے۔ ہم کیا اور ہمارے ذکر وفکر کی کیا بساط؟ یہ کسی کے اشک تھے' یہ آپؒ کا نالۂ نیم شب تھا' یہ حضرت جیؒ کے مجاہدات تھے جو ہماری بھی عاقبت سنوارنے کا ذریعہ بن گئے۔

تہجد کے طویل ذکر کے بعد حضرت جیؒ کی اقتداء میں نمازِ فجر ادا ہوتی لیکن اس حالت میں کہ قراٴت کے دوران آپؒ کی آواز رقت میں ڈوب جاتی۔ ایک ہی آیت کو بار بار دُہراتے' کبھی ایک ہی لفظ کی تکرار ہوتی اور کبھی زبان سے پورا لفظ بھی ادا نہ ہو پاتا۔ گریہ کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتے تو ہچکیوں سے گلا رندھ جاتا۔ حضرت جیؒ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہوئے ان

کیفیات میں سے احباب نے بھی حسبِ مقدور اپنا حصہ وصول کیا اور اس طرح یہ نمازیں زندگی کی متاعِ عزیز بن گئیں۔ حضرت جیؒ کی مسلسل بگڑتی ہوئی صحت کی وجہ سے چکڑالہ کے ماہانہ اجتماع میں آپؒ کے ساتھ تہجد کا ذکر اور آپؒ کی اقتداء میں نماز فجر کی یہ بہاریں آخری چند سالوں میں صرف یادوں کی صورت میں باقی رہ گئیں۔ اگرچہ حضرت جیؒ کے بغیر تہجد کا ذکر ہوتا لیکن اس دوران آپؒ کی توجہ مسلسل حاصل رہتی۔ نوافلِ اشراق کی ادائیگی کے بعد آپؒ گھر کے اندرونی دروازے سے نمودار ہوتے لیکن اس حالت میں کہ عصا کے علاوہ کسی ایک ساتھی کا سہارا بھی لیا ہوتا۔ آپؒ کے لئے تھوڑا سا راستہ چھوڑ کر تمام ساتھی مل کر بیٹھتے لیکن استقبال کے لئے کسی کو کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔ گھنٹہ دو گھنٹے صحبت شیخ کی نشست ہوتی جس دوران بابا نور محمد ساتھیوں کی چائے سے تواضع کرتے۔ ایک خاص نسبت سے گڑ اور چینی کی آمیزش سے تیار اس چائے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ چائے کے لئے گڑ صوبہ سرحد سے منگوایا جاتا اور آپؒ ہدایت فرماتے کہ گڑ خریدنے سے پہلے چائے بنا کر دیکھ لیں کہ اس سے یہ دودھ پھٹ نہ جائے۔ مردان کا گڑ آپؒ کے معیار کے مطابق تھا جس کی فراہمی کی ذمہ داری کئی سال تک راقم کے سپرد رہی لیکن حضرت جیؒ نے ہمیشہ اس کی قیمت خود ادا فرمائی۔

ان اجتماعات میں علماء کی شرکت کی صورت میں حضرت جیؒ دیر تک علمی موضوعات پر گفتگو فرماتے اور علماء کے اٹھائے ہوئے نکات پر خوب روشنی ڈالتے۔ یہاں ماہ وسال کا تعین کئے بغیر تین ایسے اجتماعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں حضرت جیؒ کی خدمت میں علماء نے حاضری دی اور اجتماع کے آخر میں ظاہری بیعت کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر لوٹے۔

قاری سیّد ابراہیم شاہ ایک صاحبِ دل اور متقی عالم تھے۔ ایک مرتبہ اس شک میں مبتلا ہو کر خود کو سیّد کہلانا ترک کر دیا کہ آیا وہ سادات میں سے ہیں بھی یا نہیں لیکن خواب میں نانا حضور ﷺ کی طرف سے تشفّی ملی تو دوبارہ سیّد کہلانے لگے۔ شاہ صاحب حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ کے اجتماع میں حاضر ہوئے تو عقائد کے موضوع پر بات چل نکلی۔ ان کے دل میں اچانک خیال آیا کہ حضرت جیؒ اتنے بڑے عالم ہیں' یہ تو دین کا بہت بڑا کام کر سکتے تھے لیکن خواہ مخواہ تصوف کے چکر میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ عین اس موقع پر حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میں نے بڑے مناظرے کئے' بڑے مقابلے کئے' بڑے وعظ کئے لیکن لوگوں کو اس تیزی سے رشد و ہدایت نہیں ملی' جس قدر تیزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعے عطا ہوئی۔''

یہ جواب سنا تو فوراً تشفّی ہو گئی اور حضرت جیؒ سے ظاہری بیعت کے بعد واپس لوٹے۔ اس واقعہ کے قریباً بیس سال بعد حضرت جیؒ کی سوانح کے سلسلہ میں شاہ صاحب سے دریافت کیا:

''شاہ صاحب! آپ تو ہمیشہ سے ناقدانہ ذہن رکھتے تھے لیکن کس چیز نے آپ کو اس قدر متاثر کیا کہ پہلی ہی صحبت میں حضرت جیؒ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔''

فرمانے لگے:

''لطیفۂ قلب' حضرت بادشاہ گلؒ (اکوڑہ خٹک) سے حاصل کیا لیکن آگے نہ چل سکا کہ وہ فوت ہو گئے۔ مختلف

جگہوں پر گیا لیکن رہنمائی نہ ملی لیکن جب حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو صرف آپؒ کی صحبت میں بیٹھنے سے ہی تمام لطائف جاری ہو گئے۔ جس لطیفہ پر نگاہ ڈالتا' اسے اللہ اللہ کرتے ہوئے پاتا۔ ساتوں لطائف مل گئے جو اب تک ہیں۔ ذکر اب غذا بن چکا ہے۔''

شاہ صاحب سے اگلے اسباق کے متعلق بات کی تو فرمانے لگے:

''حضرت جیؒ سے لطائف مل گئے' اب انہی پر قانع ہوں۔ اگلے اسباق کی طلب نہیں۔''

اسی طرح فاضل درس نظامی قاری محمد طیّب جن کا تعلق فوج کی مذہبی امور کی برانچ سے تھا' حضرت جیؒ کی خدمت میں پہلی مرتبہ چکڑالہ کے اجتماع میں حاضر ہوئے تو دل میں طرح طرح کے سوالات تھے' ان لوگوں کے ہاں مکاشفات کا بہت چرچا ہے' آقائے نامدار ﷺ کے ہاتھ پر روحانی بیعت کا ذکر کرتے ہیں اور وہ بھی اس دور میں؟ طریقۂ ذکر میں زور زور سے سانس لینا اور جسم کو حرکت دینا' اس کے پیچھے کون سی سند ہے؟

قاری صاحب کے دل میں پہلا سوال کشف کے بارے میں تھا لیکن پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ حضرت جیؒ نے دوران گفتگو ایک شعر پڑھا:

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پائے پشتِ خود نہ بینم

(کبھی تو اونچے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور کبھی ان کو اپنے پاؤں کا اوپر والا حصہ بھی نظر نہیں آتا)

پہلا اعتراض تو ختم ہوا کہ یہاں کشف کو محض ثانوی حیثیت دی جا

رہی ہے' کبھی ہے اور کبھی نہیں' جس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی عطا پر ہے۔

روحانی بیعت کی بات چلی تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''چھوٹا بچہ ہو' وہ نکاح وغیرہ کیا سمجھے گا؟ یا جو مادر زاد اندھا ہو اسے کیا سمجھایا جا سکتا ہے جب صلاحیت ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں میرے ساتھ چالیس دن رہے' مجاہدہ وہ کرے جو میں کروں' وہ رزقِ حلال کھائے جو میں کھلاؤں۔ چالیس روز بعد اس کا سوال رہ جائے تو وہ کامیاب' میں ناکام۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے روحانی بیعت کے حق میں علمی دلائل بھی دیئے لیکن قاری صاحب کے لئے اب ان دلائل کی ضرورت نہ تھی۔ وہ صلاحیت والی بات خوب سمجھ چکے تھے جس کے بغیر انہیں اعتراض کا استحقاق نہ تھا۔ اگر یہ بات سمجھ لی جائے تو تصوّف سے نابلد احباب اس موضوع پر اعتراضات کو بازیچہء اطفال نہ بنائیں۔

طریقہء ذکر پر بات ہوئی تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میں کب کہتا ہوں اس طرح ذکر کرو' میں کہتا ہوں ذکر کرو۔ بدعت تب بنے گا جب میں کہوں ذکر اسی طرح کرو ورنہ ذکر نہ ہوگا۔ اس طریقہء ذکر میں سانس اور جسم کی حرکت تو ممد و معاون ہے جس طرح آٹا گوندھتے ہوئے جسم کی حرکت ایک فطری عمل ہے۔''

حضرت جیؒ دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے لیکن جب موضوع بدلا تو اس وقت تک قاری صاحب کے دل کی حالت بھی تبدیل

ہو چکی تھی۔

دورانِ گفتگو حضرت جیؒ نے قاضی جیؒ کے ایک مکاشفہ کا ذکر کیا جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک بزرگ سبز لباس پہنے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہیں کہ انہیں اب جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت جیؒ فرمانے لگے کہ میں نے قاضی جیؒ سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو ان کا جواب تھا کہ یہ اسلام ہے جو عرب سے نکلنے کی اجازت مانگ رہا ہے لیکن میں نے انہیں کہا' قاضی جی ایسا نہیں' اسلام تو عرب سے کب کا نکل چکا' اب پاکستان سے نکلنے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت جیؒ فرمانے لگے:

''جب نظر اٹھاتا ہوں' ساری دنیا کو خالی پاتا ہوں۔
صرف پہاڑی علاقے کابل کی طرف روشنی نظر آتی ہے۔''

موضوع بدلا اور حضرت جیؒ فرمانے لگے کہ متقدمین میں سے ایک بہت بڑے صوفی کی کتاب پڑھ رہا تھا۔ معاً دل میں خیال آیا کہ بہت بڑے بزرگ ہوں گے لیکن برزخ میں خیال کیا تو معذّب نظر آئے' بول بھی نہیں سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی اور عرض کیا کہ انہوں نے تو بہت کتابیں لکھی ہیں اور ہم ان کو بہت اللہ والا سمجھتے رہے ہیں لیکن ان کی یہ حالت! فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو یہ حالت کیوں ہوئی؟ ادھر متوجہ ہوا تو وہ بہت نقاہت سے بولے:

''اپنے کشف پر بہت اعتماد تھا' جب فرشتہ آیا اور روح
قبض کرنے لگا تو دو راستے سامنے آگئے' میں نے اپنے
کشف پر اعتماد کرتے ہوئے ایک راستے پر چلنے کے لئے

قدم اٹھایا تو تمام مقامات سلوک سلب ہو گئے کہ وہ راستہ غلط تھا۔ اگر اس راستے پر قدم رکھ دیتا تو ایمان بھی سلب ہو جاتا۔ تذبذب کی وجہ سے اب تک گرفتار ہوں۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ فرمانے لگے:

''میں نے حضور ﷺ سے درخواست کی تو آپ ﷺ نے توقف فرمایا' پھر آپ ﷺ نے اس کی طرف ایک نظر کی تو عذاب اٹھ گیا۔ اس کے بعد میں نے ان کے ساتھ خوب محنت کی اور انہیں فنافی الرسول تک مراقبات کرائے گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہ آگے بھی چلاؤں تو کہنے لگے کہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے' آگے جانے کی میرے اندر سکت نہیں۔''

قاری صاحب کے اندر مولوی والی رگ پھڑک اٹھی۔ خیال آیا کہ یہ تو اپنی بڑائی کی بات کی جا رہی ہے۔ معاً حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میں گناہگار' لاشے' دنیا میں سب سے گیا گزرا' کچھ بھی نہ تھا.........''

اور اس کے بعد حضرت جیؒ بہت دیر تک اپنی عجز وانکساری کا اظہار کرتے رہے۔

اس اجتماع میں مولانا' حضرت جیؒ کے بالکل روبرو بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے اپنے الفاظ میں حالت یہ ہوئی:

''جسم میں اس قدر حدّت محسوس ہونے لگی کہ دل چاہا تمام کپڑے پھاڑ ڈالوں۔''

قاری صاحب دل میں اعتراضات لے کر آئے تھے لیکن ظاہری بیعت کا موقع آیا تو وہ حضرت جیؒ کے ہاتھ پر بیعت میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے نظر آئے۔

ایک اور اجتماع میں راولپنڈی کے احباب کے ہمراہ حافظ مولانا محمد رفیق اشرفی' جو جنگ اخبار میں دینی مسائل کے جواب دیا کرتے تھے' حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موصوف ذیابیطس کے مریض اور ان دنوں ضعفِ بصارت کا شکار تھے۔ چکڑالہ کی شدید سردی اور حضرت جیؒ کے محلّہ کی چھوٹی سی مسجد میں سہولیات کے فقدان کے باوجود تہجد کے وقت ان کا جذبہ اور مجاہدہ قابل دید تھا۔ اشراق کے بعد حضرت جیؒ کی محفل شروع ہوئی تو انہوں نے یکے بعد دیگرے سوالات شروع کر دیئے۔ حضرت جیؒ نے سیر حاصل جوابات دیئے لیکن ایک سوال پر آپؒ نے محسوس کیا کہ اس میں اعتراض کا عنصر بھی شامل ہے۔ آپؒ نے جواب دینے کے بجائے اشرفی صاحب سے دریافت کیا:

''آپ یہاں کیا مقصد لے کر آئے ہیں؟''

انہوں نے فوراً عرض کیا:

''حضرت! بیعت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''پھر بطور معترض سوال نہ کریں بلکہ بطور سائل اپنا شک رفع کریں۔''

یہی آدابِ شیخ کا تقاضا ہے۔ وہ فوراً سمجھ گئے' سمع واطاعت کا رویہ اختیار کیا اور حضرت جیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت کے ساتھ

واپس لوٹے۔

ماہانہ اجتماع کے اختتام سے قبل حضرت جیؒ کی خدمت میں آئندہ ماہ کے پروگرام منظوری کے لئے پیش کئے جاتے۔ ایک مرتبہ ایک اشتہار کا تذکرہ ہوا جس میں آپؒ کی زیرِ صدارت ایک جلسہ کا پروگرام دیا گیا تھا۔ حضرت جیؒ کے نام کے ساتھ کسی نے اپنی دانست کے مطابق ''غوثِ زماں' قطبِ دوراں'' وغیرہ بطور القاب لکھ دیئے تھے۔ حضرت جیؒ نے سنا تو مسکراتے ہوئے فرمایا:

''غوث اور قطب تو اس وقت میرے قدموں میں بیٹھے ہیں۔''

راقم نے اردگرد نگاہ ڈالی تو یہی صورتحال تھی' وقت کے غوث بھی وہیں تشریف فرما تھے اور قطب حضرات بھی۔

ان روح پرور اجتماعات کے اختتام پر نئے آنے والے احباب حضرت جیؒ کے ہاتھ پر ظاہری بیعت کرتے جس کے بعد اجتماع اختتام پذیر ہوتا۔ حضرت جیؒ کے ساتھ چند ساعتیں گزارنے کے لئے احباب سینکڑوں میل کا سفر کرتے۔ آپؒ کی ہدایت تھی کہ دورانِ سفر ہوٹل کے کھانوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ بازاری اشیاء' ناپاک برتن' مشکوک ذبیحہ اور بے نمازی کھانا پکانے والوں کی نحوست کے اثرات اس سفر کی برکات سے محرومی کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ احباب گھر سے کھانا پکا کر ساتھ لاتے یا راستے میں پھل وغیرہ پر گزارا کرتے۔

ایک مرتبہ چند نئے ساتھیوں کی وجہ سے راستے کے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے رک گئے۔ یہ محرم کا پہلا عشرہ تھا۔ کھانے کے دوران ٹیپ ریکارڈر آن ہوا تو ہوٹل والوں کے عقائد کا پول کھل گیا۔ نحوست کے اثرات اس صورت

ظہور میں آئے کہ حضرت جیؒ کے گھر میں رات گزارنے کے باوجود تہجد کے لئے ایک بھی ساتھی بیدار نہ ہو سکا اور بمشکل طلوع آفتاب سے کچھ دیر قبل نمازِ فجر ادا کی۔ یہ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں اپنی نوعیت کی انوکھی حاضری تھی جس میں تہجد نصیب ہو سکی نہ اجتماعی ذکر۔ اسی وجہ سے سالک کے لئے ضروری ہے کہ خوراک کے معاملے میں انتہائی احتیاط برتے اور صرف رزقِ حلال ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ طیب رزق کا بھی اہتمام کرے۔

چکڑالہ کے ان اجتماعات میں حضرت جیؒ کی صحبت میں چند ساعتوں کی قدر و منزلت کا اندازہ صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نگاہِ باطن سے نوازا ہو۔ ایک مرتبہ احباب کا قافلہ صوبہ سرحد سے روانہ ہوا لیکن تلہ گنگ کے قریب (ڈھلی موڑ) پہنچے تو راستہ مسدود پایا۔ واپس لوٹے اور راولپنڈی چکوال کے راستے تلہ گنگ کا رخ کیا۔ بارش کی وجہ سے سڑک پر پھسلن تھی۔ ویگن سڑک سے کھیتوں میں اتر گئی جسے واپس لانے میں کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔ چکڑالہ پہنچے تو اجتماع برخاست ہونے والا تھا لیکن حضرت جیؒ کی صحبت میں اجتماع کی آخری چند ساعتیں مل گئیں اور دعا کے ساتھ واپسی کا سفر شروع ہوا۔ چند منٹ کی ملاقات کے لئے یہ طویل اور دشوار سفر کسی عام دیکھنے والے کو شاید دیوانگی نظر آئے لیکن اگر حقیقت کا ادراک ہو جائے تو صحبتِ شیخ کی چند ساعتیں پورے سفر پر بھاری نظر آئیں گی۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(ولیٔ کامل کی صحبت میں گزری ہوئی ایک گھڑی سو سالہ
بے ریا عبادت سے افضل ہے۔)

حجاباتِ برزخ کے اُس پار

صحبت شیخ کی محافل میں صاحبِ مشاہدہ احباب بھی اکثر موجود ہوتے۔ حضرت جیؒ مشاہدات اور روحانی کلام میں ان کی اصلاح و تربیت فرماتے۔ ایسی ہی ایک محفل میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت پیران پیرؒ کا ذکر آیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

"مسلک ویسے تو صوفیا کا ایک ہی ہے مگر طریقِ کار علیحدہ علیحدہ۔ پیر صاحبؒ بہت اونچی ہستی ہیں' بہت بلند۔ یہ (خواجہ معین الدین چشتیؒ) سلطان الہند ہیں اور وہ (حضرت پیرانِ پیرؒ) اُس ملک کے سلطان۔ لیکن اُن سے بھی ایک آدمی مجھے اونچا معلوم ہوا ہے' عراق میں۔

شافعی مذہب ہے۔ بہت بڑا فاضل ہے' بہت بڑا فقیہ۔ اب بھی روحانی طور پر جو کلام کرتا ہے' کتاب اور سنت کے مطابق کرتا ہے لیکن گم ہے۔ عام لوگوں کو پتہ نہیں۔

ادھر ریاست دیر میں ایک غوثؒ ہے۔ اس سے روحانی طور پر پوچھا کہ آپؒ سے پہلے بھی کوئی غوث گزرا' یا سب سے پہلے آپؒ آئے؟

انہوں نے فرمایا' دو مجھ سے پہلے بھی گزرے ہیں۔ انہوں نے اُس طرف (جانبِ عراق) اشارہ کیا۔ میرے ساتھ سلسلہ کے احباب تھے۔ میں نے کہا! اب دیکھ لو۔

عام لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ ان کے سامنے یہ چیزیں بیان بھی نہ کریں کیونکہ ان کے باپ دادا

نے یہ بات نہیں سنی۔ سارا مصنوعی معاملہ چلا آرہا ہے۔ اس وجہ سے پرہیز کرتا ہوں۔ عام آدمی ان باتوں کو سمجھتا نہیں۔

ریاست دِیر کے غوثؒ نے اُن کی طرف رہنمائی کی تھی۔ اُن سے پوچھا' آپ کے اور غوث صاحبؒ کے درمیان کیا فرق ہے؟ تو انہوں نے فرمایا' بڑا فرق ہے۔ پیر صاحبؒ نے ٹھیک فرمایا: قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقُبَتِھِمْ۔ اس کا مطلب ہی وہ نہیں جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ دوسرا' یہ انہوں نے اپنے دور تک کہا ہے۔ اب دور اور آ گیا ہے۔ یہ آپ (حضرت جیؒ) کے دور تک ہے۔ اس کے پیچھے ایک دور اور آ رہا ہے۔ یہ الگ الگ دور ہیں' یہ دور ہی الگ الگ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جس جگہ قدم رکھا' اس کے دائیں بائیں جس نے کیا' اس کی گردن ٹوٹ جائے گی' وہ دور ہو جائے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اولیاء اللہ کی گردن پر میرا پاؤں ہے۔

وہ بہت بڑی اونچی ہستی دیکھی۔ یہ ہستی کشمیر میں ہے۔ یہ پیر صاحبؒ کے بعد آئے ہیں۔ وہ سلوک کے جس دائرہ میں ہیں وہ غوث صاحبؒ کا دائرہ ہے لیکن یہ ابتداء میں اور پیر صاحبؒ انتہا میں۔ ہندوستان میں اس پائے کا کوئی آدمی نہیں۔ نظیر علی شاہؒ ان کا نام ہے۔''

ایک ساتھی نے پوچھا! ان کا مزار شریف کہاں ہے تو آپؒ نے فرمایا: ''کوئی پتہ نہیں لگتا۔''

ایک اور محفل میں حضرت جیؒ نے عراق کے مذکورہ گمنام غوثؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

''ایک غوث کی زیارت کرائی ہے عراق میں' ہم حیران ہو گئے کہ اس پائے کا بندہ یا امام حسن بصریؒ یا پھر یہ شخص۔ اس پائے کا آدمی نہ پیر صاحبؒ ہیں نہ کوئی اور۔ پیر صاحبؒ کی شخصیت تو بڑی گزری لیکن منازل کے لحاظ سے یہ بلند ہے۔

اب میرے دل پر خیال کرو! اب چلو' ادھر چلتے چلو۔ اب اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ بڑا فقیہ' بڑا فاضل' بڑا عالم ہے۔ بہت بڑا موٹا سر ہے۔ جوان بڑا ہے۔ حجاباتِ الوہیہ تک اُس کی منازل ہیں۔ موٹر میں ملاقات ہوئی ریاست قلات میں۔ پوچھو! یہ پیر صاحبؒ سے ایک سو سال پہلے ہوئے ہیں۔ گمنام ہی رہے' گمنام ہیں۔

اچانک ملاقات ہوئی ریاست قلات میں' موٹر میں جا رہے تھے۔ سمجھ آئی عراق میں ہیں۔ مختار صاحب سے بات کرائی تو انہیں کہنے لگے' تو بچہ ہے' تمہیں سمجھ نہیں' استاد آپ کریں (حضرت جیؒ خود بات کریں)۔ تو نہیں سمجھ سکتا۔''

اس موقع پر حافظ عبدالرزاق بولے:

''سبحان اللہ! جو سمجھتے ہیں' وہ آپ بات کریں۔''

حضرت جیؒ نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''میں نے کہا' بات کریں۔ کہنے لگے' بات یہ ہے کہ اب

آ گے۔ پوچھا' وت ںکنجے ؟ (کیسے ؟)۔ کہنے لگے حصہ بقدر
جُثّہ ہوتا ہے' مجھے بھی دیکھ لو۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا:

''بات یہ ہے کہ عجیب عجیب موتی اور ہیرے پیدا کئے۔
بہت ہی عجیب عجیب انسان' موتی اور ہیرے' یاقوت۔''

یہ کہتے ہوئے حضرت جیؒ کی آواز بھرّا گئی۔ آپؒ بہت دیر تک خاموش رہے' پھر بے خودی کے عالم میں فرمانے لگے:

''اب میرے دل پر خیال کرو! آگے چین تک تمام پہاڑ
ہی پہاڑ ہیں۔ اب میں وہاں پہنچا ہوں........۔(وقفہ)
بیٹھے ہوئے ہیں........(طویل وقفہ)
زبان نہیں سمجھی جاتی' عبرانی یا سریانی یا اس طرح
کی کوئی پہلی زبان' بنی اسرائیل سے ہیں........(طویل وقفہ)
پوچھیں کس دور میں آئے' اے اللہ کے نبی! کس دور میں یہاں
آئے؟ یہاں آبادی بھی کوئی نہیں' کس طرح یہاں آئے؟''

اس کے بعد دیر تک محفل پر سکوت کا عالم طاری رہا۔ ایک ساتھی نے پوچھا! ''آبادی تھی؟''

حضرت جیؒ نے فرمایا! ''تھی۔''

اس کے بعد دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر حضرت جیؒ نے عرض کیا:

''موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپؑ آئے؟''

وہ ساتھی' جو حضرت جیؒ کے ساتھ اس روحانی کلام میں شریک تھا' بولا ''پہلے۔''........بہت طویل وقفہ!

حضرت جیؒ نے دوبارہ عرض کہا:

''ابراہیم علیہ السلام کے تو بعد آئے ہیں! تائید فرمائی گئی۔''

حضرت جیؒ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا:

''اب آپ کو دکھاتا ہوں' میرے پیچھے چلے آئیں۔ میرے ساتھ ساتھ لگے رہو۔ یہ اب دیکھ لیں...... کتاب ان کے سامنے پڑی ہے۔ عبرانی یا سریانی' پڑھی کوئی نہیں جاتی۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ کی آواز ڈوب گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا:

''یہ بنی اسرائیل سے ہیں۔''

احباب کی ایک خصوصی محفل میں تکوینی امور کے متعلق فرمایا:

''ابدال ترقی کر کے قطب بنتے ہیں۔ قطبوں کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک جماعت ہے جس کا امورِ تکوینیہ سے تعلق ہے' دوسری ہے جس کا تعلق امورِ شریعہ سے ہے۔ ان کا سب سے بڑا قطبِ ارشاد ہے' امورِ شریعہ سے۔

معین الدین چشتیؒ قطبِ ارشاد ہوئے۔ قطب الدین بختیار کاکیؒ جو ان کے خلیفہ تھے' دہلی میں فوت ہوئے... اللہ اللہ! وہ قطبِ ارشاد ہیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندی جن کی بدولت آج ہم بھی مسلمان بیٹھے ہیں.... سیّد علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش قطبِ ارشاد ہیں۔ ان چار آدمیوں نے آکر ہندوستان میں دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ قطبِ ارشاد بہت بڑی ہستی ہوتی

ہے دین کے کاموں میں۔

دوسری طرف قطبِ ابدال ہے' یہ ہے ابدالوں کا سردار لیکن قطبِ مدار کے ماتحت ہوتا ہے۔ ان تمام کے وجودات قربِ قیامت ختم ہو جائیں گے۔ یہ مسلک ہے جماعتِ صوفیاءِ کرام کا۔ صوفیاء! یہ معمولی ہستی نہیں ہوتے' بڑے بڑے فاضل' مجتہد' مجدّد' نام لینا صوفی آسان ہے۔

قطبِ مدار دنیا کا ایک ستون ہے۔ اس کا وجود اس وقت ختم کیا جائے گا جس کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی۔ اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ سب ختم ہو جائیں گے۔

ترقی کر کے قطب' غوث بنتا ہے۔ غوث ترقی کر کے قیوم' قیوم ترقی کر کے فرد۔ یہ بہت بڑی چیز ہے۔ فرد ترقی کر کے قطبِ وحدت بنتا ہے۔ قطبِ وحدت ترقی کر کے صدیق بنتا ہے لیکن صدیق بہت کم ہوتے ہیں۔ اس سے آگے قربِ عبدیت کا ایک منصب ہے جو سوائے صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے' جو صداقت بھی ہے' قربِ عبدیت بھی ہے' اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔''

ان محافل میں حضرت جیؒ کی توجہ سے حجاباتِ برزخ کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ایک دو نہیں' متعدد صاحبِ بصیرت حضرات کو مشاہدہ نصیب ہوتا لیکن یہاں موجود کوئی بھی شخص کیفیات و برکات سے محروم نہ رہتا۔

؎ جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی   مرا با جانِ جان ہمراز کردی

افواجِ پاکستان میں
ترویجِ سلسلۂ عالیہ

افواجِ پاکستان میں سلسلۂ عالیہ 1963ء میں متعارف ہوا جس کی سعادت حافظ غلام قادری صاحب کے حصہ میں آئی۔ چکوال میں حافظ غلام قادری کے دونوں بھائی حافظ غلام جیلانی اور غلام یزدانی حضرت جیؒ کے حلقہ میں آئے تو انہوں نے قادری صاحب کو بھی ذکر کی دعوت دی۔ قادری صاحب کبھی کبھی محفلِ ذکر میں شریک ہوجاتے لیکن زیادہ راغب نہ ہو سکے البتہ وہ اس بات سے متاثر تھے کہ غلام یزدانی حضرت جیؒ کے حلقۂ ارادت میں آنے کے بعد دن کھیتی باڑی میں گزارتے لیکن تھکاوٹ کے باوجود رات کا ایک حصہ تہجد اور ذکرِ الٰہی میں بسر ہوتا۔ بھائی کی زندگی کا یہ نیا رخ قادری صاحب کے لئے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کا محرّک بنا۔

حافظ غلام قادری چکوال میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں بوچھال کا ایک ساتھی محمد امین اور مشہور نومسلم پروفیسر غازی احمد بھی موجود تھے۔ اسی محفل میں ان کے یونٹ کا نائب صوبیدار محمد شریف اپنی بیوی کی پریشانی لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش ہوا۔ محمد امین نے کشفاً بتایا

کہ ایک چڑیل اس کی بیوی کی تکلیف کا باعث ہے۔ حضرت جیؒ سے عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ میں کوئی عامل نہیں ہوں' جاؤ کسی عامل سے رجوع کرو۔

ذکر شروع ہوا تو صوبیدار شریف کو شمولیت کی دعوت نہ دی گئی۔ ذکر ختم ہونے پر اس نے گلہ کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ تم تو اس مقصد کے لئے آئے ہی نہ تھے۔ اس نے بار بار اصرار کیا تو حضرت جیؒ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا' لطائف کی نشاندہی کی اور طریقۂ ذکر بتانے کے بعد فرمایا' اگر ذکر جاری رکھو گے تو تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے ورنہ میرا نقصان تو نہ ہوگا۔

تین روز بعد یونٹ میں قادری صاحب کی صوبیدار شریف سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ پہلے روز ذکر کے دوران وہ چڑیل سامنے آ گئی تھی جس کی وجہ سے ذکر چھوڑنا پڑا۔ سحری کے وقت ذکر شروع کیا تو لائٹ بھی آن رکھی لیکن وہ پھر سامنے آ گئی۔ شدید گھبراہٹ کے باوجود جب ذکر جاری رکھا تو تھوڑی دیر بعد ایسی غائب ہوئی کہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔ صرف تین روزہ ذکر کے بعد صوبیدار شریف کی حالت یہ تھی کہ ذکر کے دوران قلب پر ٹیوب لائٹ کی طرح روشنی نظر آتی جس میں اسم ذات **اللہ** جلی حروف میں نظر آتا۔

قادری صاحب نے صوبیدار شریف کے یہ حالات دیکھے تو دل میں تیقّن پیدا ہو گیا کہ ذکر میں کوئی بات ضرور ہے۔ اب انہوں نے بھی ذکر شروع کر دیا جس کا آغاز صوبیدار شریف کے گھر سے ہوا۔ مزید احباب کی شمولیت کے بعد فوج کا یہ پہلا حلقۂ ذکر اگست 1963ء میں 502 ورکشاپ کی مسجد میں منتقل ہو گیا۔

کچھ عرصہ گزرا تو صوبیدار شریف نے مسجد کے مولوی کے پیچھے نماز

پڑھنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کی طرف خیال کرنے پر اس کا چہرہ بندر کی طرح نظر آتا تھا۔ نو واردانِ سلوک کے لئے یہ ایک نیا مسئلہ تھا۔ حضرت جیؒ کو خط لکھا تو آپؒ نے رویتِ اشکال کی وضاحت فرمائی۔

502 ورکشاپ کے علاقے میں ایک بزرگ مدفون ہیں' دورانِ ذکر احباب کا ان سے روحانی رابطہ ہوا تو فرمانے لگے کہ 35 سال میں حضرت بری شاہ لطیفؒ سے مراقبات ثلاثہ طے کئے تھے۔ تم نے جو سال بھر میں مسجدِ نبوی ﷺ تک مقامات حاصل کر لئے ہیں' تو یہ تم نے خود نہیں کئے بلکہ شیخ کی محنت کا نتیجہ ہیں جب کہ ہم نے خود محنت کی تھی۔

ابتدائی دور میں احباب کو کثرت سے مشاہدات نصیب ہوا کرتے تھے جو نہ صرف ان کے لئے باعثِ تقویت ہوتے بلکہ دعوتِ ذکر کا بھی سبب بنتے۔ یہی صورت 502 ورکشاپ میں پیش آئی۔ جو بھی ذکر شروع کرتا' شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہو جاتا۔ تہجد کی توفیق ملتی اور چند روزہ ذکر کے بعد داڑھی رکھنے کی سعادت بھی ملتی۔ تھوڑی ہی مدت بعد داڑھی والوں کی ایک الگ قطار نظر آنے لگی جس پر تجسّس لازم تھا۔ تحقیق کے لئے صوبیدار ایڈ جوٹنٹ کو ذمہ داری ملی لیکن ان کا احباب کے ساتھ ربط بڑھا تو خود بھی ذکر کرنے لگ گئے۔

کراچی:

پوسٹنگ فوجی زندگی کا ایک معمول ہے۔ کچھ عرصہ بعد 502 ورکشاپ کے ان ذاکرین کی پوسٹنگ ہونے لگی لیکن وہ جہاں بھی گئے' دعوت ذکر کا ذریعہ بنے۔ نئے یونٹ کی مساجد میں پاس انفاس کے طریقہ' ذکر کے بارے میں لوگوں کو تجسّس ہوتا اور عدم واقفیت کی بنا پر مخالفت بھی کی جاتی لیکن ہر نیا شخص ذکر شروع کرتا تو اس کی زندگی کا بدلتا ہوا نقشہ دوسروں کو سوچنے پر مجبور کر دیتا

کہ کچھ تو ہے جس نے بے نمازیوں کو شب بیدار بنا دیا' سینماؤں سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے گھر بٹھا دیا اور سنتِ مطہرہ کی پابندی نصیب ہوئی۔

1965ء میں قادری صاحب کا تبادلہ ماڑی پور' کراچی کی ایئر ڈیفنس ورکشاپ میں ہو گیا۔ یہاں آئے تو کراچی کے ماحول پر نحوست کے شدید اثرات سے پریشان ہو کر حضرت جیؒ کی خدمت میں صورتِ حال تحریر کی۔ آپؒ نے تلقین فرمائی کہ مندرجہ ذیل آیت کثرت سے تلاوت کیا کریں اور ساتھ ہی تشفی دی کہ امانت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' وہ حفاظت فرمائے گا اور تجھ سے کوئی کام لیا جائے گا:

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ط

بیشک جس نے آپؐ پر قرآن فرض کیا وہ آپؐ کو پھیر لے
جائے گا جہاں پھرنا چاہتے ہو۔ (القصص۔85)

کراچی میں مختلف مقامات پر ذکر کے مراکز قائم ہوئے۔ اسی دور میں حوالدار محمد صادق اور شیر علی حلقۂ ذکر میں شامل ہوئے جنہوں نے آگے چل کر افواج میں ترویجِ سلسلہ کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

1965ء میں بدین کے حلقۂ ذکر میں احباب کی تعداد خاصی بڑھ چکی تھی جن میں سے اکثر احباب کو باشرع دیکھ کر لوگ کہہ اٹھتے' یہ اتنی بڑی تعداد میں حاجی صاحبان کہاں سے آ گئے؟

1966ء میں حضرت جیؒ کو کراچی مدعو کیا گیا تو آپؒ نے عوام ایکسپریس کی لوئر کلاس میں سفر کیا۔ کراچی میں آپؒ کے ٹھہرانے کا مناسب انتظام بھی نہیں تھا۔ ایئر پورٹ کے قریب جے سی اوز کوارٹرز میں دس روز قیام فرمایا۔ اس دوران PNS ہمالیہ کی مسجد میں جمعہ کا خطاب فرمایا تو پاکستان نیوی

میں بھی حلقہ ذکر قائم ہو گیا۔ پاکستان نیوی کے حلقہ ذکر میں مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے احباب کی خاصی تعداد تھی۔ ان میں سے حضرت جیؒ نے جناب مزمل حق کو صاحبِ مجاز مقرر فرمایا جو 1972ء میں بنگلہ دیش منتقل ہو گئے۔

دعائے حزبُ البحر:

1966ء کے بعد حضرت جیؒ کا یہ معمول رہا کہ سال میں دو مرتبہ کراچی تشریف لاتے اور یہ دورے عموماً بہار اور خزاں کے موسم میں ہوا کرتے۔ ایک دورہ کے موقع پر آپؒ سے دعائے حزبُ البحر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا:

''چلو علامہ شاذلیؒ سے دریافت کر لیتے ہیں۔''

آپؒ نے توجہ فرمائی اور ان واقعات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی کہ کس طرح مخالف ہوا کی وجہ سے کئی روز تک علامہ شاذلیؒ کی کشتی سمندر میں لنگر انداز رہی یہاں تک کہ مصر سے جدہ تک حج کے لئے پہنچنا ممکن نہ رہا۔ ان حالات میں علامہ شاذلیؒ پر یہ دعا اِلقاء ہوئی تو انہوں نے فرمایا' بادبان کھول دو۔ کشتی روانہ ہوئی اور دو ہفتوں کا سفر چند دنوں میں طے ہوا۔

حضرت جیؒ سے سوال کیا گیا کہ دعا کے ساتھ جو اعتکاف' روزہ اور جَو سے افطار کی شرائط ہیں' ان کی کیا حیثیت ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

''علامہ شاذلیؒ فرما رہے ہیں کہ یہ شرائط بھی میری طرف سے ہیں لیکن آپ جسے چاہیں بغیر ان شرائط کے اجازت دے دیں۔''

اس کے ساتھ ہی قادری صاحب کو' جنہوں نے یہ سوال پوچھا تھا' حضرت جیؒ کی طرف سے شرائط کے بغیر دعا کی اجازت مل گئی۔ دعائے حزبُ البحر کے متعلق حضرت جیؒ نے فرمایا' موت کا لمحہ متعین ہے اور اگر وہ نہ آئی ہو تو اس

دعا کی برکت سے توپ کا گولہ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ 1968ء میں حوالدار صادق اور شیر علی کوئٹہ تبدیل ہوئے تو کوئٹہ انفنٹری سکول میں بھی حلقۂ ذکر قائم ہوگیا۔

فوجی افسران میں ترویج سلسلہ:

1968ء میں کوئٹہ میں ایک فوجی افسر کے ہاں سلسلۂ عالیہ کے ایک دیرینہ ساتھی حکیم بشیر کو لیفٹیننٹ احسن بیگ کی اقتداء میں نمازِ مغرب ادا کرنے کا موقعہ ملا۔ حکیم بشیر نے بیگ صاحب کے حسنِ قرأت کے حوالے سے حسنِ باطنی کا تذکرہ چھیڑ دیا جس کے حصول کے لئے انہیں ذکرِ الٰہی کی دعوت دی۔ محفلِ ذکر ہوئی تو اس میں لیفٹیننٹ احسن بیگ کے علاوہ کیپٹن محمد حنیف بھی شامل ہوئے۔ یہ پہلے فوجی افسر تھے جو حلقۂ ذکر میں آئے۔

1969ء میں ان دونوں کا تبادلہ رسالپور ہوا تو نہ صرف آرمی کی آفیسرز کلاس میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج ہوئی بلکہ ایئرفورس میں بھی حلقۂ ذکر قائم ہوگیا۔ ایئرفورس کے پہلے آفیسر ہادی حسین شاہ' حلقۂ ذکر میں آئے جب کہ میجر زین العابدین (حال بنگلہ دیش)' لیفٹیننٹ غلام محمد' کیپٹن محمد غوث' کیپٹن محمد رفیق اور کیپٹن عمر حیات کو بھی اسی زمانے میں سلسلۂ عالیہ میں شمولیت کی سعادت ملی۔ ان احباب کے ذریعے سلسلۂ عالیہ افواجِ پاکستان میں بہت تیزی سے متعارف ہوا اور جگہ جگہ حلقۂ ذکر قائم ہوئے۔ یہ احباب پوسٹنگ پر جس چھاؤنی میں بھی گئے' وہاں حضرت جیؒ کو دوروں کے لئے مدعو کیا جاتا۔ آپؒ انتہائی شفقت فرماتے ہوئے ساتھیوں کے پاس چند روز قیام فرماتے جس کے دوران مقامی مساجد میں آپؒ کے جمعۃ المبارک کے خطاب ہوتے اور نئے احباب کو آپؒ کی توجہ میں ذکر نصیب ہوتا جو دل کی دنیا کے لئے

انقلاب آفرین ثابت ہوتا۔

حضرت جیؒ کے الفاظ میں:

''انہیں ڈنڈے سے منوایا گیا، بدمست اونٹوں کو نکیل ڈالی اور شراب خانوں سے اٹھا کر ذکر کی محافل میں بٹھا دیا۔''

ان میں سے ہر ساتھی کے حلقۂ ذکر میں آنے کا پس منظر ایک الگ داستان ہے، حیرت انگیز اور سبق آموز۔

لیفٹیننٹ جی ایم' کلب کے رسیا' تنبولا کے پنڈال میں خواتین اور مردوں کے درمیان ان کے بلند بانگ قہقہے سب پر حاوی ہوتے۔ حضرت جیؒ رسالپور آئے تو انہیں ملاقات کی دعوت دی گئی۔

ملاقات' لیکن کس لئے؟

جی ایم! کیا اللہ والوں سے ملنا نہیں چاہئے؟

ملنا تو چاہئے۔

جی ایم پہنچے تو حضرت جیؒ وضو فرما رہے تھے۔ انتظار میں باہر کرسی پر بیٹھ گئے اور حسبِ عادت سگریٹ سلگا لیا۔ یہ لفٹین اپنی ہی ترنگ میں تھا۔ حضرت جیؒ تشریف فرما ہوئے تو انہیں پیش کیا گیا:

''حضرت! یہ لیفٹیننٹ غلام محمد ہے''۔

حضرت جیؒ نے سنی ان سنی کر دی۔ دوبارہ عرض کیا گیا:

''حضرت! یہ لیفٹیننٹ غلام محمد ہے۔''

آپؒ نے اک شانِ بے اعتنائی سے فرمایا:

''اسے بٹھا دو کہیں۔''

حضرت جیؒ کے ان الفاظ سے جی ایم کی دنیا میں زلزلہ برپا ہو گیا۔

جی ایم' لوگ جسے جانِ محفل کہتے ہیں' ایک اللہ والے کی نگاہ میں اس کی یہ عزت' بٹھا دو کہیں ! تو یہ ہے جی ایم کی حیثیت کہ وہ قابل اعتنا بھی نہیں !

ذکر شروع ہوا اور جی ایم اپنے آپ میں تحلیل ہوتا رہا۔ ذکر ختم ہوا تو انا کا بت ٹوٹ چکا تھا اور اب وہ پہلے والا جی ایم نہیں تھا۔ کلب سے اٹھا اور محافل ذکر میں حاضری کو معمول بنا لیا۔

کیپٹن غوث' بلا کے پا مسٹ جن کی گرل فرینڈ زقسمت کا حال معلوم کرنے کے چکر میں ان کے گرد منڈلاتی رہتیں۔ انوارات' مشاہدات کی باتوں کو افترا پردازی قرار دیتے' احباب کے ہوش وخرد کا مذاق اڑاتے اور ان پر پاگل پن کی پھبتیاں کستے۔

ایک روز خیال آیا کیوں نہ میں بھی اس محفل میں شرکت کروں جہاں' بقول ان لوگوں کے' انوارات کی بارش ہوتی ہے تاکہ ڈنکے کی چوٹ کہہ سکوں کہ انوارات' کشف' مشاہدات' یہ سب خالی باتیں ہیں۔

اردلی سے شلوار قمیض تیار کرائی' ٹوپی پہنی اور ذکر کی محفل میں آن وارد ہوئے۔ احباب نے دیکھا تو ششدر رہ گئے۔ ان کے شب و روز کے حالات کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ آتے ہی مطالبہ کیا کہ وہ انوارات جن کا تم لوگ کثرت سے ذکر کرتے ہو' آج مجھے بھی دکھاؤ۔

بتایا گیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جس کو چاہے انوارات وتجلیات کا مشاہدہ کرائے لیکن ذکر کے لئے آ ہی گئے ہو تو پہلے دو رکعت صلوٰۃِ استغفار پڑھ لو۔ اس شرط نے اللہ کے بندے کو الجھن میں ڈال دیا' سابقہ گناہوں سے توبہ تو کی جا سکتی ہے لیکن چھوڑنے پر وہ تیار نہ تھا۔ اللہ اکبر کہا اور اس کی بارگاہ میں کھڑا ہو گیا:

''یا اللہ! سابقہ گناہوں سے توبہ لیکن آئندہ پھر کروں گا۔''

یہی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آ گئی' ذکر شروع ہوا تو اس کا قلب انوارات سے دُھل گیا' رقت طاری ہوئی اور ایسا رویا کہ محفل ذکر میں ہر دل پسیج گیا۔ واپس لوٹا تو بے خودی کا عالم تھا' بے خیالی میں سگریٹ نکال کر سلگانے کے لئے ہونٹوں سے لگایا تو اندر کا انسان چیخ اٹھا:

''پھر وہی راستہ!''

سگریٹ اٹھا کر پھینک دیئے۔ گرل فرینڈز کے پیغام آئے تو ملنے سے انکار کر دیا۔ کسی نے ہمت سے کام لے کر آفیسرز میس کا رخ کیا تو بے رخی پائی۔ اب اسے لیفٹیننٹ جی ایم نے سنبھالا دیا اور وہ اس کے ہاں ذکر و فکر کے لئے منتقل ہو گیا۔ یہ انقلاب روزِ روشن کی طرح احباب کی نگاہوں کے سامنے واقع ہوا تو طلبِ صادق رکھنے والوں کو انقلاب آفرین ہستی کی تلاش ہوئی۔ پھر جو بھی حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچا اسے آپؒ کی شفقت ملی۔

کیپٹن غوث ایک مرتبہ حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ حاضر ہوئے تو آپؒ ظہر کے وقت وضو فرما رہے تھے۔ غوث نے باتوں باتوں میں اپنے والد کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت جیؒ وضو کرتے ہوئے رک گئے اور جائے تدفین کے متعلق پوچھا' توجہ فرمائی اور دریافت کیا' وہ پولیس میں تو نہیں تھے؟ عرض کیا' پولیس میں ہی تھے۔

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''جس نوعیت کا عذاب تھا وہ عموماً پولیس والوں میں دیکھا گیا ہے۔''

غوث نے دکھ سے عرض کیا' حضرت کچھ کریں تو آپؒ نے فرمایا:

''معاملہ کچھ کرنے سے اوپر جا چکا ہے' سیتھی چلے جاؤ۔
وہاں میرا ایک شاگرد مولوی محمد اکرم ہے' وہ آپ کی مدد
کرے گا۔''

ساتھ ہی ایک رقعہ حضرت امیر المکرّم کے نام تحریر فرمایا جس میں لکھا تھا:

''حامل عریضہ اپنے حلقہ میں ہیں' گو ایک ماہ سے داخل
ہوئے۔ ان کا والد فوت ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ
دیا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے' اس وقت سے سخت پریشان
ہیں۔ آپ دو تین گھنٹہ ان کو وقت دیں اور ان کے والد کو
لطائف کرائیں۔''

حضرت امیر المکرّم کی خدمت میں سیتھی پہنچ کر حضرت جیؒ کا پیغام دیا۔ ان کے برادر عزیز عبدالستار کی اتفاقیہ موت کا سانحہ کچھ ہی عرصہ قبل پیش آیا تھا اور لوگ تعزیت کے لئے آ رہے تھے۔ اگلے روز کسی عدالتی تاریخ کے سلسلہ میں چکوال جانے کا بھی پروگرام تھا۔ یہ حالات دیکھے تو غوث نے حضرت امیر المکرّم سے عرض کیا' حضرت میرے لئے کیا حکم ہے؟

انہوں نے فرمایا:

''جی ایچ کیو سے حکم لے آئے ہو اور اب پوچھتے ہو کیا
ارادہ ہے۔ میرا کوئی ارادہ باقی نہیں رہا۔''

حضرت امیر المکرّم اسی رات جوہر آباد پہنچے اور قبرستان گئے۔ ان کی آمد پر جنات' قبرستان سے نکل گئے کہ یہ کون سی مخلوق آ گئی جن کے سینوں سے روشنی نکل رہی ہے۔ قبر پر اِلقاء کیا' اندھیرا دور ہوا تو بولنے کی سکت آئی۔ لطائف کروائے لیکن دیکھا کہ وہ رخ پھیر کر بات کر رہے ہیں۔ وجہ دریافت

کی تو عرض کرنے لگے:

''مولانا سے حیا آتی ہے۔ میں پولیس میں تھا' یہ گذر رہے تھے تو میں بدتمیزی کر بیٹھا تھا۔''

حضرت امیر المکرّم نے غوث کو تشفی دی:

''خوش قسمت ہو' ان کے پاس رائی برابر ایمان تھا۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا تھا۔''

حضرت جیؒ احباب کی روحانی حالت پر بھی نظر رکھتے تھے۔ غوث پر ایک وقت ایسا آیا کہ ذکر چھوڑ بیٹھا تو آپؒ کا خط ملا:

''بیٹا! میں چند دن سے دیکھ رہا ہوں' تمہاری روحانی حالت خراب ہے۔ انسان ذرا اپنے آپ پر غور کرے۔ گندے قطرے سے پیدائش' کیڑوں نے کھا جانا ہے۔ درمیان میں خدا کو بھول گیا۔ انسان کی حالت ایسی ہے جیسے روٹی کے نوالے کے پیچھے کتا دم ہلاتے ہوئے چلا جاتا ہے۔ میری تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اسم بامسمّٰی بنائے۔''

حضرت جیؒ ایک ایک ساتھی کے لئے فکرمند رہتے۔ صرف غوث ہی کا نہیں' سبھی کا یہ معاملہ تھا کہ آپؒ کی دعا اور توجہ کے سہارے استقامت نصیب ہوتی۔ احباب کا آپؒ کس قدر خیال رکھتے تھے' اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ چکڑالہ میں غوث کو چائے نہ ملنے کی وجہ سے سردرد کی شکایت ہوئی تو حضرت جیؒ نے ہدایت فرمائی کہ فوجیوں کو چائے کی عادت ہوتی ہے اور اگر نہ ملے تو سردرد ہو جاتا ہے۔ آئندہ کھانے کے ساتھ چائے ضرور بنائی جائے کیونکہ اکثریت فوجی اور شہری لوگوں کی ہوتی ہے۔

69-1968ء کا عرصہ رسالپور چھاؤنی کے لئے انتہائی خوش نصیبی کا زمانہ تھا کہ حضرت جیؒ یہاں متعدد بار تشریف لائے۔ اکتوبر 1970ء میں آپؒ چکڑالہ سے کیپٹن زین العابدین کی گاڑی میں رسالپور کے لئے روانہ ہوئے تو آپؒ کے ساتھ قاضی جیؒ سمیت گاڑی میں قریباً سات آٹھ لوگ تھے۔ دورانِ سفر تلہ گنگ کے قریب مراقبات شروع تھے کہ زین العابدین بھی مراقبات میں شامل ہوگیا اور گاڑی سیدھی ایک درخت میں جا لگی۔ اس حادثہ میں حضرت جیؒ کے ہونٹ اور ہتھیلی کی پشت پر چوٹ لگی۔ رسالپور پہنچ کر ساتھیوں نے ایکسرے کے لئے کہا تو قاضی جیؒ نے بتایا کہ ایک ہڈی میں تھوڑا سا نشان ہے۔ جب ایکسرے کرایا تو واقعی Hair Line Fracture تھا۔

حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ رسالپور میں تشریف فرما تھے کہ مفتی غلام صمدانی بھی سرگودھا سے بس کے ذریعے رسالپور پہنچ گئے۔ سفر کے دوران ان کے ساتھ رویتِ اَشکال کا ایک واقعہ بھی پیش آیا تھا جو حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ مفتی صاحب حالتِ مراقبہ میں تھے کہ ان کا خیال بس کے سٹیئرنگ کی طرف چلا گیا۔ یہ دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی کہ اس کے ساتھ ایک بندر لپٹا ہوا عجیب عجیب حرکتیں کر رہا ہے۔ بس کے مسافر حیران ہوئے کہ باباجی کو اچانک کیا ہوا؟ مفتی صاحب کو سٹیئرنگ کا نام نہیں آتا تھا اور وہ حضرت جیؒ کو بتا رہے تھے کہ بس میں جو گول گول چیز ڈرائیور کے پاس ہوتی ہے' اس کے ساتھ ایک بندر عجیب عجیب حرکتیں کر رہا تھا۔ مفتی صاحب کی اس سادگی سے حاضرینِ مجلس خوب محظوظ ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد نیل آرمسٹرانگ کے چاند پر اترنے کا ذکر چھڑ گیا تو حضرت جیؒ نے کہا چلیں انہی باباجی سے پوچھ لیتے ہیں جو بس کے سٹیئرنگ کو

''گول گول'' کہتے ہیں۔ آپؒ نے مفتی صاحب سے کہا کہ میرے قلب پر خیال کریں اور جس طرف انوارات جا رہے ہیں بتاتے چلے جائیں۔ مفتی صاحب نے چاند گاڑی کا نقشہ کھینچا' خلا نوردوں کی ایک ایک حرکت' ان کا مٹی اٹھانا' غرض جزئیات تک بیان کر دیں۔ ملٹری کالج آف انجینئرنگ کے پروفیسر محمد اسلم جن کی پوری عمر انجینئرنگ پڑھانے میں بسر ہو گئی تھی اور وہ Third Dimension Theory کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے تھے' کہنے لگے کہ ان باباجی نے آرمسٹرانگ کے سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے کچھ ایسی تفصیلات بیان کی ہیں' جو خلا بازوں نے بھی نہیں بتائیں۔ اس محفل کے بعد پروفیسر صاحب حضرت جیؒ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ مسلسل اصرار کے بعد آپؒ کو اپنے گھر لے آئے اور اہل و عیال سمیت بیعت کی درخواست کی۔ حضرت جیؒ نے فرمایا' میں کوئی روایتی پیر نہیں ہوں' میں روحانی معلّم ہوں۔ اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت کے بعد انہیں دربارِ نبوی ﷺ میں حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس پر روحانی بیعت کراتا ہوں۔ پروفیسر صاحب کے گھر میں حضرت جیؒ کے سامنے بھرپور لوازمات کے ساتھ چائے پیش کی گئی لیکن آپؒ نے صرف ایک چیز کھائی۔ پروفیسر صاحب نے بتایا کہ یہ چیز میری بیٹی نے بنائی ہے جو پابندِ صوم و صلوٰۃ ہے جبکہ باقی سب اشیاء بازار سے منگوائی گئی ہیں۔

کیپٹن غوث کو رسالپور میں بمشکل چند ماہ گزارنے کا موقع ملا کہ 1969ء میں کاکول پوسٹنگ ہو گئی۔ یہاں حلقۂ ذکر قائم ہوا جس میں 50 سے زائد ذاکرین شامل تھے۔ کاکول سے کھاریاں اور پھر بھمبر تبادلہ ہوا جہاں فوجی حضرات کی خاصی بڑی تعداد سلسلۂ عالیہ میں شامل ہوئی۔

غوث کو ذکر اور داڑھی کے حوالہ سے 1972ء میں ایک کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ شادی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ بیوی سسرال آ کر بیٹھ گئی اور سب نے ایکا کر لیا کہ اس وقت تک رخصتی ممکن نہیں جب تک داڑھی صاف نہ ہو گی۔ یونٹ سے کمانڈنگ آفیسر نے بھی چھٹی پر بھیج دیا کہ داڑھی صاف کرائے بغیر واپس نہیں لوٹو گے۔ لاہور میں داڑھی کے بال ٹھیک کر رہے تھے کہ ہمشیرہ نے قینچی پکڑ کر داڑھی کتر دی۔ پہلے تو صدمہ ہوا لیکن پھر شیطان نے راستہ دکھایا کہ یہی دنیا والوں کا بھی مطالبہ ہے' جاؤ اور بیوی کو لے آؤ۔ ریلوے سٹیشن پر ہمشیرہ کو الوداع کہنے گئے تھے کہ چلتی گاڑی سے نیچے گرے اور ٹرین کی پٹری اور پلیٹ فارم کے درمیان پھنس گئے۔ پوری ٹرین گزر گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ ایک صاحبِ کشف ساتھی نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے سامنے یہ معاملہ رکھا تو جواب ملا:

''جن کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا چاہا' وہ قادر ہے
ان تک نہ پہنچنے دے اور جس اللہ کی خاطر اس نے پوری
دنیا سے ٹکر لی ہے' وہ قادر ہے کہ اسے موت سے بچا لے۔''

غوث نے کہا' میں سمجھ گیا ہوں اور پھر کچھ عرصہ بعد یہ رشتہ طلاق پر اختتام پذیر ہوا۔ حضرت جیؒ کو 1972ء کے منارہ کے اجتماع میں اس حادثہ کی خبر دی گئی تو آپؒ نے مشائخ سے بات کی۔ جواب ملا:

''ہم باخبر ہیں۔''

یہ حضرات خوش قسمت تھے کہ راہِ سلوک میں ان پر ابتلا کا وقت آتا تو حضرت جیؒ توجہ فرماتے' معاملہ مشائخ کے سامنے پیش ہوتا اور خصوصی دعائیں شاملِ حال ہوتیں۔ غوث کو آج بھی یقین ہے کہ داڑھی کے کترے جانے کے

بعد اگر وہ اس صورت حال سے مصالحت کر لیتا تو داڑھی رہتی نہ ذکر کی توفیق۔ اسے گوجرانوالہ چھاؤنی اور اوکاڑہ چھاؤنی میں ذکر کے اولین حلقے قائم کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی لیکن 1975ء میں سٹاف کالج کوئٹہ میں جس سطح پر کام کرنے کا موقع ملا' اس کی نظیر نہیں ملتی۔

1970ء میں قادری صاحب کی پوسٹنگ جہلم ہوگئی تو جہلم اور آزاد کشمیر کے نواحی علاقوں برنالہ' اعوان شریف' جلال پور جٹاں اور بھمبر وغیرہ میں تعینات مختلف یونٹوں میں ذکر کے حلقے قائم ہوئے۔ جہلم میں ماسٹر غلام رسول نے ذکر شروع کیا تو سول آبادی میں بھی فوجی احباب کی وساطت سے حلقۂ ذکر قائم ہوگیا۔

فروری 1971ء میں حضرت جیؒ کی فریضۂ حج سے واپسی ہوئی تو جہلم اور آس پاس کے تمام یونٹوں میں اطلاع ہوگئی۔ بھمبر سے آنے والے احباب نے وزیرآباد سے جہلم تک آپؒ کے ساتھ سفر کی سعادت حاصل کی۔ جہلم ریلوے سٹیشن پر احباب کی بہت بڑی تعداد جمع تھی۔ کچھ ساتھی عجلت میں یونیفارم میں ہی پہنچ گئے۔ ٹرین روانہ ہوئی تو یہ باوردی حضرات دور تک ٹرین کے ساتھ بھاگتے رہے اور پھر بہت دیر تک اشک بار نگاہیں دور افق میں گم ہوتی ہوئی ٹرین کا تعاقب کرتی رہیں۔

افواجِ پاکستان میں ترویجِ سلسلۂ عالیہ کا یہ باب ہندوستان میں اسیرانِ جنگ کے کیمپوں میں ذکر اور کوئٹہ سٹاف کالج کورس 1975ء کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

سلطان الہندؒ کے زیرِ سایہ:

دسمبر 1971ء کے اوائل میں میجر احسن بیگ کی پوسٹنگ کشتیہ

(مشرقی پاکستان) ہوگئی۔ 1971ء کی لڑائی کے بعد انہیں انڈیا منتقل کیا گیا تو دورانِ سفر فرار کا منصوبہ زیرِ غور آیا۔ استخارہ کیا تو دیکھا کہ احباب کی ایک جماعت مسجد میں درس و تدریس میں مصروف ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ احباب کے ساتھ رہ کر ان کی تربیت کا کام کیا جائے۔

اتفاق سے ان کے پاس دلائل السلوک کا ایک نسخہ بھی تھا۔ انڈین چھاؤنی ''گیا'' کے کیمپ نمبر 93 میں مختلف آفیسرز کو یکسوئی کے عالم میں اس کے مطالعہ کا موقع ملا تو حضرت جیؒ کا پیغام ان کے دل میں اتر گیا اور آفیسرز کی ایک کثیر تعداد نے اجتماعی ذکر شروع کر دیا۔ قید کے ابتر حالات میں سکونِ قلب عطا ہوا' کیفیات نصیب ہوئیں اور بعض احباب کو قوی مشاہدات بھی حاصل ہوئے۔ انہی میں ایک صاحب' میجر رشید تھے۔ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تو سابقہ واقعات نگاہِ بصیرت سے دیکھتے' سورۃ انفال پڑھتے تو غزوہ بدر کا نقشہ سامنے آجاتا' اصحابِ کہف کے حالات' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات قلب پر منکشف ہو جاتے۔ اسیرانِ جنگ کو پاکستان میں خط و کتابت کی اجازت ملی تو حضرت جیؒ سے خط و کتابت شروع ہوگئی۔ اس طرح خطوط کے ذریعہ انہیں آپؒ کی براہِ راست توجہ بھی نصیب ہوئی۔

ایک مرتبہ میجر رشید نے کشفاً حضرت جیؒ کی زیارت کی' تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آپؒ کے دائیں بازو کے بال مکمل طور پر سفید ہیں جبکہ بائیں بازو کے بال زیادہ تر سیاہ ہیں۔ انہوں نے ایک خط میں حضرت جیؒ کی خدمت میں یہ مشاہدہ بیان کیا تو آپؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

''واقعی میری داہنی جانب کے بال سفید ہیں۔ بندہ بوجہ استغراق' ماہ ہاڑ (جون) دھوپ میں صبح سے شام تک

جنگل میں پڑا تھا۔ اس پر لقوہ ہو گیا مگر حضور ﷺ نے ہاتھ پھیرا جس سے تین دن کے اندر اچھا ہو گیا مگر بال سفید ہو گئے' داہنی جانب کے۔''

توجہ کی صورت میں روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ ان کیمپوں میں درپیش مختلف فقہی مسائل بھی حل فرماتے۔ ایک خط میں آپؒ سے زمانۂ قید میں نمازِ کسر اور جمعۃ المبارک کے متعلق دریافت کیا گیا۔ آپؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

''حالتِ قید میں جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اگر پڑھا جائے تو ہو جائے گا۔ نماز البتہ پوری پڑھی جائے' چار رکعت نہ کہ دوگانہ۔ کیونکہ کسر نماز تو ان فوجوں کی ہے جو ملکِ کفار میں داخل ہوں' مسافرت میں ہوں اور ان کو علم نہ ہو کہ 15 دن ایک جگہ قیام ہوگا۔ جب ایک جگہ ملکِ ہند میں ہیں' آپ کو یقیناً معلوم ہے کہ قید 15 دن سے زائد ہوگی' پھر کسر کا کیا مطلب۔''

روحانی طور پر آپؒ نے یہ جماعت سلطان الہند حضرت معین الدین چشتیؒ کے سپرد فرمائی۔ ایک خط میں آپؒ نے تحریر فرمایا' یہ جماعت حضرت سلطان الہندؒ کی نگرانی میں ہے' وہ ہر طرح کی روحانی امداد فرما رہے ہیں' معمول میں شریک ہوتے ہیں' القاء کرتے ہیں۔ ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا:

''آپ کو بمعہ پوری جماعت برائے توجہ حضرت سلطان الہند حضرت معین الدین چشتیؒ کے سپرد کیا گیا ہے۔ مشائخِ برزخ سے گفتگو کی تھی' فرمایا آپ بے فکر رہیں۔ ہماری توجہ ان کے ہمراہ ہے۔ خاص کر سلطان الہندؒ نے فرمایا' یہ جماعت جب

تک اس ملک میں ہے میری جماعت ہے' آپ بے فکر رہیں۔
خود حضرت صاحب (حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ) نے فرمایا کہ میرا خیال ان کی طرف پورا پورا ہے۔''

ایک اور خط میں آپؒ نے حضرت سلطان الہندؒ کی طرف سے دی گئی تشفّی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''یہ جماعت جب تک ہندوستان میں ہے' میرے روحانی بچے ہیں' میری جماعت ہے' میں خود ان کی نگرانی کرتا ہوں' باقاعدہ معمول میں شریک ہوتا ہوں کبھی اپنی جگہ سے القاء کرتا ہوں۔''

ساتھیوں کی روحانی واردات سے آپؒ کو مسلسل آگاہ رکھا جاتا اور خطوط کے ذریعہ آپؒ رہنمائی فرماتے کہ اب انہیں اگلے مقامات پر چلایا جائے۔ اپنے ایک مکتوب میں حضرت جیؒ نے میجر احسن بیگ کو اجازت دی:

''جس ساتھی میں استعداد دیکھیں اسے سالک المجذوبی اور مراقبۂ موتُو کرادیں اور اگر زیادہ استعداد سمجھیں تو پھر منازلِ بالا تک مسجد میں لے جائیں' آگے نہ لے جانا۔''

ایک دوسرے خط میں آپؒ نے اجازت دی:

''میجر رشید احمد صاحب کو سالک المجذوبی اور مراقبۂ موتو بھی کرادیں' اگر ان میں ظاہری استعداد سمجھیں کہ اِتباعِ شریعت پوری ہے تو منازلِ بالا مسجد (مسجدِ نور) تک کرادیں۔''

حضرت جیؒ نے تاکید فرمائی کہ ایسے ساتھی کو فنا فی الرسول ﷺ نہ کرائیں جس کی داڑھی پوری نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ پھر بندہ پر ناراض ہوتے ہیں۔

حضرت جیؒ کی اجازت سے ستمبر 1972ء میں کرنل مطلوب حسین نے اس کیمپ میں دلائل السلوک کا انگریزی ترجمہ شروع کیا۔ اس ترجمے کو انتہائی باریک تحریر میں کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزوں پر لکھا گیا جنہیں پتلون کے پائینچوں میں سی کر مختلف احباب کے ذریعے پاکستان پہنچایا گیا۔

کیمپ نمبر 93 کے یہ احباب انتہائی خوش نصیب تھے کہ انہیں ہمہ وقت حضرت جیؒ، حضرت سلطان الہندؒ اور مشائخ کرامؒ کی توجہ حاصل رہی۔ حضرت جیؒ ساتھیوں کے خطوط کا فرداً فرداً جواب دیتے لیکن ہر خط میں دیگر احباب کا بھی تذکرہ ہوتا اور اس طرح پوری جماعت کو آپؒ کی شفقت اور توجہ ملتی۔ خطوط کے بارے میں آپؒ کے اہتمام کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ نے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ گذشتہ دو ماہ میں اٹھائیس خطوط ارسال کر چکا ہوں۔

حضرت جیؒ کا ہر مکتوب پند و نصائح کا خزانہ اور دائمی اہمیت کا حامل ہے لیکن چند مکتوب ایسے ہیں جنہیں یہاں من وعن نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ "حیاتِ طیبہ" کی دائمی افادیت کے پیش نظر ان سے مستقل طور پر استفادہ کیا جا سکے۔

کرنل قربان حسین کے نام

عزیزم شاہ صاحب! یہ دنیا فانی ہے۔ چند روزہ ہے۔ ہمارا دنیا میں آنا اور رہنا اپنے اختیار سے نہیں۔ یاد رکھنا فانی کے پیچھے باقی کو برباد نہ کرنا۔ بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو مٹی کے پیچھے سونے کو ضائع کر دے۔ مگر خلفاء اربعہ کی نسلِ خاص سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وخاص کر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنی جدی

میراث کو سنبھالیں۔

عزیزم! میں بھی سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑی سے ہوں۔ چونکہ یہ مناصب' قطبِ مدار' قطبِ ابدال' قطبُ الاقطاب' قطبِ ارشاد' غوث' افراد' قطبِ وحدت' صدیق یہ عموماً ان خلفاء کی اولاد میں ہی رہتے ہیں' ہاں شاذ و نادر جس پر خدا کی مہربانی ہو جائے' شیخ کی قلبی توجہ اس کی طرف ہو تو ان کو بھی مراتب سے حصہ مل جاتا ہے۔

عزیزم! نماز کی پابندی' تہجد تک نہ جانے پائے۔ اِتباعِ شریعت' اِتباعِ سنتِ خیر الانام ﷺ' ذکرِ دوام' مشائخ سے رابطہ قائم رکھنا۔ جن کو مشاہدات ہوئے ہیں' یاد رکھنا' وارث الانبیاء جو لوگ ہوئے ہیں' ان کو فرعونی' قارونی اور شدادی میراث کی طرف توجہ نہیں کرنی۔ ولی اللہ کو ایک اللہ ہی کافی ہے۔ ولی اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ دوسروں کی یا دوسری چیز کی طرف توجہ ہی کرے۔

خلافِ طریقہ بوَد اولیا
تمنا کنند از خدا ناخدا

آپ لیفٹیننٹ کرنل ہیں۔ اگر پوری دنیا کی حکومت آپ کو مل جائے تو بھی ولی اللہ کی جوتی کے برابر نہیں۔ آپ سے پہلے حضرت سکندر ذوالقرنین و سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری دنیا کے حاکم گزرے مگر ان کو دنیا کی کسی چیز نے خدا سے نہ روکا۔ عزیزم! دنیا ہو مگر خدا نہ بھول جائے۔ آپ طریقۂ رسول ﷺ' اتباعِ رسول ﷺ اور میراثِ رسول ﷺ کو نہ بھول جائیں۔

میں آپ کو اور تمام روحانی اولاد کو سپردِ خدا کرتا ہوں۔

عزیزو! قیدیوں کی رہائی کا سبب خدا کے نزدیک تم بنو گے۔ آپ کا

معاملہ اکثر دربارِ نبوی ﷺ میں پیش ہوتا ہے۔ آپ کی رہائی کا مسئلہ بھی تمام مشائخ کے سامنے پیش ہوتا ہے مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ روحانی طور پر آپ کے معمول میں کبھی کبھی شریک ہوتا ہوں۔ آپ کے ذکر کے حالات بھی دیکھے جاتے ہیں۔

کرنل فتح کے نام

عزیزم! یہ زندگی چندروزہ ہے۔ ہم مسلمان' خاص کر عارفین' نائب الانبیاء ہیں۔ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ آپ خیال رکھیں کہ جس طرح آپ فوج کے ملازم ہیں' اسی طرح آپ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی فوج کے ملازم بن گئے ہیں۔ پھر آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ نے اپنے خاص انعام سے نوازا ہے۔ صحیح علم ہے۔ اب آپ لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا۔ تو پھر آپ لوگوں کو دوگنا عذاب ہوگا۔ جس طرح آپ کو ہماری ملاقات کی تڑپ ہے اس طرح ہم کو بھی ہے مگر ہوگی وقتِ مقرر پر جو خدا کی طرف سے ہے۔ وہی مشکلات حل کرنے والا ہے۔

میں تمام جماعت کے رفقاء سے درخواست کرتا ہوں کہ چونکہ وقت بہت ہی نازک ہے' دورالحادی ہے' بے حیائی بڑھ گئی ہے' نافرمانی کی کوئی حد نہیں رہی' صلحاءِ اُمت آجکل سب سے زیادہ ذلیل وحقیر خیال کئے جاتے ہیں' اولادیں والدین کو قتل کر رہی ہیں' مسلمان حلال حرام کا قائل ہی نہیں رہا۔ خدا کا خوف' رسول ﷺ کا حیاء دل سے نکل چکا ہے۔ لوگ اخروی مؤاخذہ کے قائل ہی نہیں رہے۔ رسولِ خدا ﷺ سے جو روحانی تعلق تھا' وہ ختم ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے' ایک مال کی خواہ وہ قارون کے خزانہ سے مل جائے یا شداد کے خزانہ سے آجائے' دوم

عزت وکرسی کی' خواہ فرعون ونمرود کے دربار ہی سے مل جائے۔

عزیزو! قیامت یقینی آئے گی اور مرنا یقینی ہے۔ زندگی پوری کا حساب ضروری اور یقینی ہے' عقائد الکفر حد سے بڑھ چکے ہیں' دنیا قلبی امراض میں مبتلا ہو چکی ہے حتیٰ کہ دلوں پر موت واقع ہو چکی ہے۔ موت بدنی سے موت قلبی بہت بری ہے۔

یہ میجریاں' کرنیلیاں اور کپتانیاں اس میدان میں ہرگز کام نہ آئیں گی نہ ان کا سوال ہوگا نہ ہی تم کو کرنیل' میجر' کپتان کہہ کر بلایا جائے گا۔ یاد رکھنا' اعمالِ صالح کام آئیں گے۔ اوّل پیدائش کو دیکھیں۔ بعد موت کِرموں کا لقمہ ہوگا' مٹی کی غذا ہوگا۔

یاد رکھنا! دنیا ہمارا اصلی وطن نہیں۔ وطن جنت ہے یا جہنم ہے' دنیا مسافر خانہ ہے' برزخ جانا ہے' برزخ سے نکل کر میدانِ حشر میں 50 ہزار برس قیام کرنا ہے۔ کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ ان تمام چیزوں کا واحد علاج یادِ الٰہی ہے۔

عزیزو! جس راستہ پر میں نے لگایا ہے' جو اولیاء اللہ اور عارفین کا راستہ ہے اس پر پختہ رہیں۔ نیکیوں پر پھول کر فخر کر کے' بھول کر خدا سے دور نہ ہو جانا۔ یہ تمام کمالات تم کو خدا نے ہی دیئے ہیں' یہ تمہاری طاقت نہ تھی۔ اگر زندگی ہوئی اور ملاقات ہوئی تو کچھ مدت بعد اِنْ شَآءَ اللّٰہُ دنیا داروں کے حالات اصحابِ کشف کو برزخ میں دکھا دوں گا۔ مرزا غلام احمد و دیگر مرزائیوں کے برزخی حالات ایک ایک کر کے دکھاؤں گا۔

مختتم بات' مفسدین و فاسقین کے لئے آخرت نہیں' نہ اُخروی انعامات۔ آخرت صالحین کے لئے ہے۔ یاد رکھو! خدا کے بن جاؤ۔ ولی اللہ کو ایک اللہ کی ضرورت ہے۔

تمام رفقاء کو جمع کر کے سنا دیں۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے۔

کرنل مطلوب حسین کے نام

میں پوری جماعت کو عرض کروں گا کہ کمالات کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں' سوائے اِتباعِ محمدی ﷺ کے' کوئی دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے۔ ابدالیت' نجابئیت' اوتادیت' قطبیت' غوثیت' قیومیت' فردیت' قطب وحدت' صدیقیت اور اس سے آگے بھی مقامِ اسرار کہا جاتا ہے زبانِ سلوک میں' یہ تمام مناصب محمد رسول اللہ ﷺ کی جوتیوں کی خاک سے ملتے ہیں۔ یاد رکھنا یہ مناصب جو میں نے بیان کئے ہیں ان کے حصول کی دو ہی شرطیں ہیں۔ اوّل اِتباعِ شریعتِ محمد رسول اللہ ﷺ بمعہ اِتباعِ سنتِ رسول اللہ ﷺ۔ دوم ذکرِ دوام بمعہ ربط باِ الشیخ۔ چونکہ شیخ سے قلبی تعلق ہوتا ہے اور بہت ہی نازک تعلق ہوتا ہے' اس کا خیال کیا جائے۔

ابلیس لعین نے اپنی پوری جماعت کو جماعتِ صوفیہ کے خلاف مسلح کیا ہوا ہے اور صوفیاء کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بڑے بڑے آدمی گمراہ کر کے دنیا سے رخصت کئے۔ جو آدمی ذکر شروع کرنے کے بعد ترک کر دے اور طرح طرح کی حجت بازی کرے' حقیقت میں وہ اس آیت قرآنی کا مصداق ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا
فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝

جس نے رحمان کی یاد سے تغافل برتا' اس پر شیطان مسلط
ہو جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

(سورۃ زخرف۔36)

یکسوئی اور ذکرِ دوام کی وجہ سے ان ذاکرین میں سے اکثر کو مشاہدات نصیب ہوتے تھے لیکن جو احباب اس نعمت سے محروم تھے' حضرت جیؒ نے ان کی تشفی کے لئے ایک خط میں مشاہدات کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے لکھا:

''آپ مشاہدات کا خیال نہ کریں۔ آپ ذکرِ الٰہی پر مشغول رہیں۔ یہ جہاد ہے' غنیمت' جہاد کے تابع ہوتی ہے۔ کشف' الہام انعامِ الٰہی ہے' ٹھیک ہے بندہ کو پورے سترہ سال کوئی علم نہ تھا۔ میں نے فیض کا سلسلہ 24 سال بعد شروع کیا۔ آج تو میرے رب کا وہ انعام وفضل ہوا ہے کہ پوری دنیا کی حکومت میری جوتی کی دھول کے مساوی بھی میری نظر میں نہیں ہے۔ آج میں اپنے رب سے پہاڑ طلب کروں کہ سونا بنا اے میرے مولیٰ' تو بندہ کو خدا کا یقین ہے کہ پورا پہاڑ سونا بنا دے گا۔ یہ تمام کمال میرے رب کے ذکر کی برکت سے ہے۔ عزیزم! رب العلمین سے وہ محبت پیدا ہوئی' اس کی یاد سے ایک منٹ غفلت حرام سمجھتا ہوں۔ آپ بھی ذکر پر دوام کریں۔ تمام حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔''

ایک اور خط میں مشاہدات کے بارے میں آپؒ نے خبردار کیا:

''ہم دَورِ الحادی میں زندگی بسر کر رہے ہیں' حرام روزی' زمانہ رسول اکرم ﷺ سے دور ہو گیا۔ انوارات وتجلیاتِ باری تعالیٰ منقطع ہو گئے۔ ہر طرف گمراہی ہی گمراہی ہے۔ اس بنا پر کشف والہام پر بھی ظلمت چھا جاتی ہے۔ اس

واسطے کبھی کشف یا الہام پر پورا پورا بھروسہ نہ کرنا۔''

امان شاہ کے نام

اب آپ لوگ سلسلہ کی کڑی میں منسلک ہوئے اور اس جماعت میں آئے جس کو دنیا عارفین اولیاء اللہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے لئے شاہانِ دنیا حسرت کرتے چلے گئے۔ محمود غزنوی کابل سے چل کر خرقان گیا۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے تھوڑی سی جوَ کی باسی روٹی دی جو اس کے حلق سے نیچے نہ اترتی تھی مگر مارے ادب کھاتا تھا۔ آخر بوسیدہ کرتا لے کر واپس آیا اور اس کو دنیا کی تمام نعمتوں سے عظمیٰ خیال کیا۔ عزیزو! دنیا ایک فانی چیز ہے اور ولی اللہ کو صرف ایک اللہ کی ضرورت ہے۔ بس آپ لوگ کام کریں' ملازمت کریں لیکن خدا کو نہ بھول جائیں۔ عزیزم! یہ خمیازہ جو آپ بھگت رہے ہیں' یہ تمہارے بڑوں کے خدا کو بھول جانے کا نتیجہ ہے۔ نماز کی پابندی' ذکر پر دوام کرنا۔ نوافلِ تہجد ضائع نہ ہونے دینا۔ دل اور زبان پر یادِ خدا ہی ہو۔

چند خطوط سے اقتباسات

''خدا کے خاص بندے بن جاؤ اور ایسے بن جاؤ کہ دنیا کی کوئی چیز تم کو خدا سے غافل نہ کرنے پائے۔ میری آخری نصیحت ہے کہ عقائدِ اہلِ سنت والجماعت پر قائم رہنا۔ نماز کی سخت پابندی کرنا۔ ذکر پر دوام کرنا' موت ذکر پر ہی آئے۔ یاد رکھنا' تم کو برزخ والوں سے تعلق قائم ہوا' تم کو ملائکہ سے مناسبت پیدا ہوئی' تم کو روحوں سے کلام ہوئی ہے۔ اس وقت ہوئی جب تم روحانی بنے۔ روحوں سے مناسبت پیدا ہوئی ہے۔ اس دَورِ الحادی میں دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری نصیب ہوئی۔ تمہیں تمہارے مشائخ نے

بفضلِ خدا دنیا سے نکال کر برزخ میں جو قیامت ِصغریٰ ہے' پہنچایا۔ اگر زندگی ہوئی تو آپ کو بقیدِ حیات پوری جنت کی سیر کراؤں گا۔ بیٹو! یہ تمام برکات و کمالات ذکر کا نتیجہ ہیں اور اِتباعِ شریعت کا۔ یاد رکھنا اگر ذکرِ خدا تم سے دور ہو جائے تو یہ تمام کمالات آپ سے ختم ہو جائیں گے۔

آپ ملازمت کریں' ڈیوٹی پوری کریں ورنہ تنخواہ حلال نہ ہو گی مگر یہ نہ ہو کہ خدا بھول جائے' رسولِ اکرم ﷺ کی محبت چلی جائے۔ یاد رکھنا' کمالات کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں سوائے اِتباعِ محمدی ﷺ کے دروازے کے۔

یاد رکھنا' یہ جاہل فقیروں کا قول ہے' فقیری اور چیز ہے اور شریعت اور چیز' خیال کرنا۔ کوئی شخص دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور خلاف سنت عمل بھی کرتا ہے تو دربارِ نبوی ﷺ میں جانا اس کا کمال نہ ہوگا' وہ لے جانے والے کا ہوگا مگر خلاف سنت کی عزت قلبِ اقدس رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو گی۔

دنیا کو اپنا وطن نہ بنانا' وطن آپ لوگوں کا جنت ہے یا جہنم ہے۔ خیال کرنا' دنیا میں مکان بنایا جا رہا ہے جنت کا یا جہنم کا۔

زبان کو کثرتِ کلام سے' خرافات سے بچاؤ۔

جس کی نمازیں قضا ہو چکی ہیں' ان کی قضا ادا کرنا۔

اپنے ایک خط میں حضرت جیؒ نے ''مسلمان'' کی اس قدر جامع تعریف متعین فرمائی جو اس سے قبل نظر سے نہیں گزری:

> ''آپ لوگ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں' مسلمانوں کی نسل سے ہیں مگر یاد رکھنا مسلمان قوم اور وطن کا نام نہیں' مسلمان تو ایک صفت ہے جو اس سے موصوف ہو وہ مسلمان ہے۔''

حضرت جیؒ کو ہندوستان میں قید ان احباب سے کس قدر محبت تھی' اپنے کئی خطوط میں آپؒ نے اس کا اظہار فرمایا:

''دل آپ کی ملاقات کے لئے سخت بیتاب ہے۔ جس کی اتنی اولاد قید ہو وہ کب چین سے زندگی بسر کرسکتا ہے۔''

''بھلا بتاؤ جس شخص کی اتنی اولاد قید میں بند ہو' اس کو کیا چین مل سکتا ہے۔ آپ لوگوں کا خیال پوری جماعت کو ہے خصوصاً عالمِ برزخ میں مشائخ کو بھی' مگر بس کی بات نہیں۔ معاملہ طے ہو جاتا مگر کاش کوئی طے کرنے والا بھی ہوتا۔''

آپؒ کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پاکستانی جنگی قیدیوں کے زمانۂ قید میں غیر ضروری طوالت کے ذمہ دار اربابِ اقتدار تھے جو اس مسئلے کو حل کرنے میں مخلص نہ تھے۔ یہاں حضرت جیؒ نے اس عام سوچ کی تائید فرمائی کہ ان جنگی قیدیوں کے زمانۂ قید کی طوالت میں بھٹو حکومت کا بھی ہاتھ تھا۔

آپؒ نے اپنے ایک دعائیہ خط میں تحریر فرمایا:

''میں خود بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہوں مگر آپ جانتے ہیں کہ دعا انبیاء کی بھی قبول نہ ہوئی' میں کیا ولی کی کیا ہستی؟ خدا سے دور نہیں کہ وہ رحم و کرم فرما دے۔ خدایا رحم فرما کہ ان کو آزاد فرما۔ آمین''

پاکستان آمد پر ان ذاکرین میں سے چند احباب مئی 1974ء میں حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ میں حاضر ہوئے تو آپؒ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیات سے نوازا ہے:

(1) منازل بہت بلند عطا فرمائے' منصب کے ساتھ ساتھ۔
(2) باطنی روحانی فیض میں یہ عطیہ ملا کہ جس روح سے کہہ دوں کہ چلتی رہو' وہ چلتی رہے اور جس روح کو جہاں کہہ دوں' رک جاؤ تو وہیں رک جائے۔
(3) مجھ سے تعلق رکھنے والا کبھی فقیر نہیں رہے گا' غنی ہو جائے گا' بِفضلِ لِلّٰہ۔''

جولائی 1974ء میں 93 کیمپ کے ذاکرین جماعت کی صورت میں حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش ہوئے تو اس قدر کثیر تعداد میں باشرع افسروں کو دیکھ کر آپؒ بہت خوش ہوئے۔ آپؒ نے انہیں مراقبات کرائے اور روحانی بیعت کی تجدید ہوئی۔ ان احباب میں سے آپ نے کرنل مطلوب حسین' کرنل محمد حسن' میجر رشید' کیپٹن ہاشم بلوچ اور لیفٹیننٹ امان شاہ کو صاحبِ مجاز بنایا۔ لیفٹیننٹ امان شاہ کا تعلق کوہاٹ کے پیر گھرانہ سے تھا اور اس سے قبل اسی خاندان کے دو نوجوان حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے لیکن سلسلۂ عالیہ کی خدمت بجالانے کی سعادت امان شاہ کے حصے میں آئی۔

ساگر میں کیمپ نمبر 54 سب سے بڑا تھا جس میں تین صد سے زائد آفیسرز تھے۔ اس کیمپ میں کیپٹن علی کے ذمہ روزانہ کا درسِ قرآن تھا جس کے نتیجے میں تفہیم القرآن کے سترہ سیٹ منگوائے گئے۔ درسِ قرآن کا سلسلہ جب مکمل ہونے کو تھا تو کیپٹن علی کو احساس ہوا کہ اس قدر پڑھنے اور پڑھانے کے باوجود دل میں ایک خلا بدستور ہے۔ یہ علمی سرگرمیاں عقل و خرد کو جِلا تو بخشتی ہیں لیکن دردِ دل کا مداوا نہیں۔ ایسے میں حضرت امام غزالیؒ کی تصنیف کیمیائے سعادت کا ایک نسخہ ہاتھ لگا تو یہ خلا پر ہوتا نظر آیا۔

تصوف کا ذکر چھڑا تو ایک نیول افسر لیفٹیننٹ نذیر نے بتایا کہ پاکستان میں ایک بزرگ حضرت اللہ یار خان ہیں جنہوں نے تصوف کے موضوع پر دلائل السلوک کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور ذکرِ الٰہی کے ذریعے لوگوں کی باطنی تربیت کرتے ہیں۔

یہ ذکر کیسے ہوتا ہے؟

نذیر صاحب کو حضرت جیؒ کی چند محافلِ ذکر میں شرکت کا موقع ملا تھا۔ انہوں نے طریقہ ٔ ذکر بتایا' لطائف بتائے اور مسجد نبوی ﷺ تک مراقبات کی ترتیب بتائی۔ تھیوری کے بعد ذکر کا عملی نمونہ پیش کیا تو اب مشق کی باری تھی۔ نذیر صاحب کو ذکر کرانے کے لئے کہا تو وہ کہنے لگے کہ میں ذکر کرانے کی استعداد نہیں رکھتا' آپ لوگ خود کریں۔ چند افسران نے مل کر ذکر شروع کر دیا۔ یہ نقل تھی لطائف کی' مراقبات کی بلکہ مراقبہ ٔ مسجد نبوی ﷺ کی بھی لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ نقل پسند آ گئی۔ کیفیات کا ادراک ہونے لگا۔ کیمپ نمبر 54 کے یہ آفیسرز صرف اس قدر جانتے تھے کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی ایک برگزیدہ ہستی حضرت العلام مولانا اللہ یار خان ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کراتے ہیں' لطائف اور مراقبات کراتے ہیں جن کے یہ نام ہیں اور یہ سب کچھ اس طرح کیا جاتا ہے۔

عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ان تک حضرت جیؒ کا فیض پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں تھا جو بطریقِ اویسی پہنچا اور خوب پہنچا۔ اس کی سب سے بڑی پہچان یہ تھی کہ ذکر پر استقامت ملی جس کے اثرات مرتب ہونے لگے۔

یہ لوگ پاکستان پہنچے تو حضرت جیؒ کے متعلق معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کیمپ نمبر 93 کے ذاکرین کی طرح فوری طور پر حاضر خدمت نہ ہو سکے

لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے بھی اسباب پیدا فرمائے اور فرداً فرداً حاضری نصیب ہوئی۔

سٹاف کالج کورس (1975ء)

افواجِ پاکستان میں ترویجِ سلسلۂ عالیہ کے لحاظ سے کوئٹہ سٹاف کالج کورس 1975ء نہایت اہم ہے جس کے شرکاء میں میجر غوث بھی شامل تھے۔ فوج کے منتخب آفیسرز یہ کورس کر رہے تھے جن کے پیشِ نظر سنہری مستقبل تھا اور ان میں سے ہر ایک سبقت لے جانے کے لئے دن رات کوشاں۔ اس ماحول میں دعوت کا عمل انتہائی مشکل تھا لیکن غوث کے ہاں پر لطف عصرانوں کے ساتھ محافلِ ذکر شروع ہوئیں۔ سٹاف کالج کی ہمہ وقت پڑھائی اور بھاگ دوڑ میں یہ چند لمحے سکون بخش ملے تو اس کے بعد روز کا معمول بن گیا کہ سرِ شام ذکر کے لئے اکٹھے ہو جاتے۔ اس کے اثرات بھی جلد ظاہر ہونے لگے۔ ہر ساتھی کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو رہا تھا۔ کئی احباب نے داڑھیاں زیب چہرہ کر لیں۔ روزانہ ذکر کرنے والے احباب کی تعداد قریباً تیس تھی لیکن ہفتہ وار ذکر میں تعداد پچاس سے زائد ہوتی۔ ان میں مختلف یونٹوں کے فوجی ساتھیوں کے علاوہ خطیب حضرات، مولانا عبدالقادر ڈیرہوی، قاری یار محمد، بولان میڈیکل کالج کے پروفیسر صاحبان اور کئی سویلین احباب بھی شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ ای ایم ای یونٹ کے ایک خطیب بھی آ گئے جو مسلک کے اعتبار سے تصوّف کے قائل تھے نہ کسی اور شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے روادار۔ نمازِ مغرب کی امامت کے لئے انہیں مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا گیا تو اس کے بعد انہیں ذکر میں بھی بیٹھنا پڑا۔ اگلے روز دوپہر کے وقت غوث کے ہاں آن پہنچے اور کہنے لگے۔ رات خواب میں حضرت جیؒ کی زیارت ہوئی حالانکہ اس

سے پہلے ملاقات نہ تھی۔ ایڈریس لیا اور چکڑالہ میں حاضر خدمت ہوئے۔

سٹاف کالج میں اتنے احباب کا روزانہ اکٹھا ہونا اور پھر نئی داڑھیوں کی نمود' ہفتہ وار اجتماعات' یقیناً ان غیر معمولی سرگرمیوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک کیپٹن صاحب کی ڈیوٹی لگی۔ کچھ عرصہ ذکر میں بیٹھے تو خود بھی ذکر شروع کر دیا اور داڑھی زیب چہرہ کر لی۔ ایک دن پوچھنے لگے' سرکاری گاڑی پہ آتا ہوں لیکن اب آنے کا مقصد تبدیل ہو چکا ہے۔ انہیں مشورہ دیا گیا' اپنا کام بھی جاری رکھو اور اسی گاڑی پر آتے رہو۔

ایسے ایک دو نہیں' کئی واقعات ہیں۔ لوگ ان محافل میں سرکاری ڈیوٹی پر آئے لیکن یہاں اللہ کا ذکر ملتا' مراقبات کی بات ہوتی' برزخ اور عالمِ بالا کے حالات بیان کئے جاتے' انوارات وتجلیات کا ذکر ہوتا تو سوچنے لگتے کہ یہاں اس دنیا کی تو بات ہی نہیں کی جاتی۔ وہ خود بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور ذکر شروع کر دیتے۔

حضرت جیؒ مئی 1975ء میں کوئٹہ تشریف لائے تو ڈیری فارم کی مسجد میں دو ہفتے قیام رہا۔ سٹاف کالج سے احباب تہجد کے ذکر کے لئے اڑھائی بجے پہنچ جاتے اور نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد واپس لوٹتے۔ اسی طرح مغرب سے قبل حاضر خدمت ہوتے' شام کا ذکر کرتے اور نماز عشاء کے بعد واپس آتے۔ اس دورہ میں حضرت امیرالمکرّم بھی حضرت جیؒ کے ہمراہ تھے۔ ان کی ایک خصوصی نشست سٹاف کالج کے اساتذہ کے ساتھ ہوئی۔ سٹاف کالج میں آفیسرز کے علاوہ ان کے گھروں میں خواتین بھی ذکر کرتیں۔ ان کی خاطر ایک روز حضرت جیؒ سٹاف کالج تشریف لائے اور خواتین کو ذکر کرایا۔ اس موقع پر غوث

نے اپنی زوجہ کی دیرینہ بیماری کا ذکر کیا تو آپؒ نے توجہ کے ذریعے وہ بیماری سلب کی لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ مرض کا سبب موجود ہے اس لئے کچھ عرصہ بعد دوبارہ پیدا ہو جائے گی۔ آپؒ کے ارشاد کے مطابق ایک سال تک افاقہ رہا جس کے بعد بیماری حسب سابق عود آئی۔

مراقبۂ سلبُ الامراض:

چکڑالہ کی ایک محفل میں اس مراقبہ کا ذکر ہوا تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ قوی توجہ کے ذریعے بیماری سلب تو کی جا سکتی ہے لیکن فوری طور پر اسے القاء کی صورت اپنے سے دور نہ پھینک دیا جائے تو مرض سلب کرنے والا خود بھی متاثر ہوسکتا ہے۔ مراقبۂ سلبُ الامراض کی اثر پذیری کا ایک واقعہ خود راقم کے ذاتی علم میں ہے۔ کچھ عرصہ قبل منارہ میں حضرت امیرالمکرّم کے برادرِ نسبتی ملک خدا بخش کو دل کا شدید دورہ پڑا تو انہیں اے ایف آئی سی میں داخل کرا دیا گیا لیکن ہر ممکنہ طبی امداد کے باوجود سی سی یو میں حالت یہ تھی کہ مانیٹر پر نبض کی رفتار کبھی 60 ہوتی تو اگلے لمحے 160۔ کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود سینے میں درد کی شکایت بدستور تھی اور ڈاکٹروں کی رائے میں حالت مخدوش تھی۔ راقم نے حضرت امیرالمکرّم کو اطلاع دی تو اماں جی سے اکلوتے بھائی کی اس حالت پر ضبط نہ ہو سکا۔ ان کے اصرار پر حضرت امیرالمکرّم نے مراقبہ کیا لیکن مرض القاء کرتے ہوئے دارالعرفان میں بندریا کی طرف توجہ چلی گئی۔ اسی وقت خادم کو فون پر کہا' بندریا کی حالت دیکھ کر بتاؤ۔ اس نے دیکھا تو ساکت بیٹھی تھی لیکن ہاتھ لگایا تو بے جان جسم لڑھک گیا۔ ملک خدا بخش نہ صرف صحت یاب ہوئے بلکہ کئی سال گزرنے کے باوجود اس مرض کی دوبارہ شکایت نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس ان ہستیوں کو مشیتِ الٰہی کے سامنے انتہائی

بے بس بھی پایا کیونکہ ان مراقبات کی توفیق بھی اذنِ الٰہی کے بغیر نہیں ملتی۔
کوئٹہ کے اسی دورہ میں حضرت جیؒ نے ڈیری فارم کی مسجد میں احباب کے ساتھ ایک نشست میں فرمایا:

"1979ء میں روس افغانستان پر بھرپور حملہ کرے گا۔
وت روس ٹٹ جاسی تے منگ کے کھاسی (پھر روس ٹوٹ جائے گا اور مانگ کر کھائے گا)۔"

1975ء کی اس محفل میں اس وقت میجر غوث کے ساتھ میجر گلزار بھی تھے۔ حضرت جیؒ کے اس دورے کے فوراً بعد سٹاف کالج میں ایک مینا بازار منعقد ہوا جس میں انہیں پامسٹ بننا پڑا۔ انہوں نے روس کے بارے میں حضرت جیؒ کی پیشین گوئی میں رنگ آمیزی کی اور اپنے اسٹال پر بڑا سا پوسٹر لگا دیا:

THIRD WORLD WAR
1979
RUSSIA TAKES OVER AFGHANISTAN
WORLD UNITES TO FIGHT RUSSIA
RUSSIA BREAKS
THIRD WORLD WAR

امریکی اور برطانوی آفیسرز اس پوسٹر میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ پوچھنے لگے:

How do you Know?	تم کیسے جانتے ہو؟
When it will happen, you will see.	جب یہ ہوگا تم دیکھ لوگے۔
Who will win this war?	یہ جنگ کون جیتے گا؟
We will win this war.	یہ جنگ ہم جیتیں گے۔

آج روس کے بارے میں حضرت جیؒ کے ارشاد کی تعبیر اقوامِ عالم

کی تباہی کی داستانوں میں رقم ہو چکی ہے لیکن 1975ء میں سٹاف کالج کوئٹہ میں زیرِ تربیت امریکن اور برطانوی آفیسرز یقیناً اس مینا بازار کو یاد کرتے ہوں گے اور میجر گلزار کو بھی کہ اسے یہ خبر کس نے دی تھی؟

کچھ عرصہ بعد حضرت جیؒ کھاریاں تشریف لائے تو یہاں تعینات چند فوجی افسران آپؒ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ان میں چار بریگیڈیئر صاحبان بھی تھے۔ ذکر وفکر کے موضوع پر بات چل رہی تھی۔ ایک بریگیڈیئر صاحب نے اچانک حضرت جیؒ سے سوال کیا:

''یہ سب محنت تو آپ کر رہے ہیں لیکن یہ سفید ہاتھی جو ہماری مغربی سرحدوں پر آ گیا ہے' اس کے بارے میں آپ کیا کر رہے ہیں؟''

حضرت جیؒ نے چند لمحے خاموشی اختیار کی اور پھر فرمایا:

''ہمیں اس بارے میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تم اپنا کام کرتے رہو' اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دے گا۔''

یہ بریگیڈیئر صاحب اختلافِ رائے کا اظہار تو نہ کر سکے لیکن خندہ زن ہوئے۔ چند ہی سالوں میں جب حالات نے پلٹا کھایا تو اُس محفل کے عینی شاہد کیپٹن حبیب اللہ نے انہیں یہ واقعہ یاد دلایا۔ کہنے لگے:

''ہم تو مذاق کے موڈ میں تھے اور اس وقت یقین نہ تھا لیکن اب اپنی آنکھوں سے حضرت جیؒ کی بات پوری ہوتے ہوئے دیکھ لی ہے۔''

کورس مکمل ہونے پر یہ افسران اہم ذمہ داریوں پر تعینات ہوئے اور افواج میں ترویجِ سلسلہ کا مؤثر ذریعہ بنے۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

حضرت جیؒ نے قادیانیت کے بارے میں محکمہ جیل کی ملازمت کے دوران ہی مطالعہ کا آغاز کر دیا تھا جب کہ دینی تعلیم کا آغاز اس ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد فرمایا۔ آپؒ برصغیر میں فتنۂ قادیانیت کے خلاف علماء کی جدو جہد سے خود کو پوری طرح باخبر رکھتے۔ اس ضمن میں آپؒ نے سید مہر علی شاہ صاحبؒ کے ایک مناظرے کا ذکر کیا ہے جس میں عالمانہ رنگ کے ساتھ ساتھ ان کے باطنی تصرف کا پہلو بھی نظر آتا ہے جو صرف اولیاءِ کرام کا امتیاز ہوا کرتا ہے۔ خود حضرت جیؒ کی ذات سے بھی اس قسم کے تصرفِ باطنی کا اظہار رہوا۔ حضرت پیر گولڑویؒ کا یہ واقعہ حضرت جیؒ کے ریکارڈ شدہ الفاظ میں اس طرح سے ہے:

> ''سارے علماء نے حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ کی علالت کی وجہ سے منع کیا کہ وہ مناظرے کے لئے تشریف نہ لے جائیں لیکن انہوں نے فرمایا:
>
> میں ضرور جاؤں گا۔ شاید کہ کل میدانِ قیامت میں نبی کریم ﷺ میری شفاعت نہ کریں اور کہیں کہ میری عزت کا معاملہ پیش آیا تھا تو تو بیمار بنا بیٹھا تھا۔''

مناظرے کی شکل میں سوال وجواب کے لئے ابوالوفا شاہجہانپوریؒ کو نامزد کیا گیا۔ انہوں نے قادیانی مناظر سے سوال کیا:

انبیاء علیہم السلام کسی حکومت کے قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ اس کو پسند کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں' نہ کرنے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قانون ان کو ملتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں لیکن مرزا قادیانی نے انگریز کے قانون اور رواج کو پسند کیا ہے۔

قادیانی مناظر نے جواب دیا:

مسیلمہ کذّاب کے قاصد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو حضور ﷺ کے استفسار پر انہوں نے کہا کہ مسیلمہ کو ہم رسول سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اگر اس سے پہلے یہ رواج اور دستور نہ ہوتا میں تمہیں قتل کر دیتا کیونکہ یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ قاصد قتل نہیں کیا جاتا۔

اس واقعہ سے قادیانی مقرر نے ثابت کرنا چاہا کہ حضور ﷺ نے بھی اس موقع پر رواج کو پسند کیا تھا اور اگر مرزا نے کیا ہے تو کون سا جرم کر بیٹھا۔

اس پر وہ بند ہو گئے یعنی ان سے جواب بن نہ پڑا۔

شاہ صاحبؒ پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے' عالمِ جلال میں قادیانی مناظر سے کہا:

ارے جاہل تم کتب خانے کے سامنے کھڑے ہو کر

جھوٹ بولتے ہو۔ تمہیں یہ علم نہیں جس وقت رسول کریم ﷺ نے اس کو پسند کر لیا تو اس وقت وہ شریعت ہو گئی' دین ہو گیا پھر رواج کہاں رہا۔ جس وقت آپ ﷺ نے فرمایا' یہ دستور چلا آ رہا ہے اس کو میں قائم رکھتا ہوں' اس وقت وہ دین بن گیا۔ پھر رواج کہاں؟

مناظرے کے بعد شاہ صاحبؒ دروازے سے باہر نکلنے لگے تو وہ شخص بھی ساتھ ہی آ رہا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اس کو پکڑ لیا اور فرمانے لگے:

تم تو اچھے علم والے ہو۔ ایسے جاہل' مجہول اور بے دین کے پیچھے کیوں لگے ہو' ارے کذّاب کے پیچھے لگے ہو!

وہ آہستہ سے بولا:

نہیں جی میں تو اس کو نبی سمجھتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

اگر میں ابھی دکھا دوں کہ وہ جہنم میں پڑا ہے پھر مان لو گے۔ ابھی میں دکھا دوں گا وہ جہنم میں پڑا ہے۔

اس پر اس شخص نے کہا' میں اس کی استعداد نہیں رکھتا۔ ''

اولیائے کرام کی زبان سے منجانب اللہ بعض اوقات ایسے دعویٰ کا اظہار ہو جاتا ہے جس کا جواب ممکن ہوتا ہے نہ کوئی اسے آزمانے کی جرأت کر سکتا ہے۔ حضرت مہر علی شاہؒ کا یہ دعویٰ بھی اسی نوعیت کا تھا۔

ایسی ہی صورت مقدمہ بہاولپور کے دوران بھری عدالت میں پیش آئی۔ قادیانیوں کے خلاف یہ پہلا مقدمہ تھا جس میں انہیں کافر قرار دیا گیا۔

اس مقدمہ میں بھی مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ مسلمان فریقِ مقدمہ کی نمائندگی کررہے تھے جبکہ سیّد انور شاہ کاشمیریؒ دلائل دے رہے تھے۔ اچانک انہوں نے قادیانی وکیل کو للکار کر فرمایا:

''اگر چاہو تو میں عدالت میں یہیں دکھا سکتا ہوں کہ مرزا قادیانی جہنم میں جل رہا ہے۔''

حضرت سیّد انور شاہ کاشمیریؒ کا یہ دعویٰ' خاتم النبیین آقائے نامدار ﷺ کے وکیل اور نمائندے کی حیثیت سے تھا' عملی ثبوت طلب کرنے کی جرأت کون کرسکتا تھا۔

قادیانیوں کے خلاف ایک جلسہ میں حضرت جیؒ کی زبان سے بھی یہی بات نکل گئی کہ میں تمہیں مرزا قادیانی کا انجام اور قبر میں اس کی حالت دکھا سکتا ہوں۔

قرآن حکیم میں آقائے نامدار ﷺ کے مباہلہ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کے جواب میں عیسائی وفد کو میدان میں سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی یہ ان کا اعتراف شکست تھا۔ اس طرح مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے جب حضرت مہر علی شاہؒ' سیّد انور شاہ کاشمیریؒ اور حضرت جیؒ نے دلائل کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ مرزا قادیانی کا انجام اور قبر میں اس کی حالت دکھا سکتے ہیں تو قادیانیوں نے اس دعویٰ کو قبول کرنے کی بجائے فرار کا راستہ اختیار کیا جو بطور ان کے اعترافِ شکست' تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔

1963ء میں حضرت جیؒ کے اپنے علاقے میں قادیانی مذہب کے رد میں ایک یادگار جلسہ منعقد ہوا۔ پچنند' تلہ گنگ میانوالی روڈ پر ایک مشہور قصبہ ہے جہاں قادیانیوں کو دراندازہونے کا موقع مل گیا۔ نہ صرف چند بڑے

زمیندار مرتد ہوئے بلکہ ان کی وجہ سے کئی سادہ لوح دیہاتی بھی گمراہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے یہاں ایک خیراتی ہسپتال بنایا۔ آئندہ نسل کو گمراہ کرنے کے لئے سکول بھی قائم کیا۔ مردوں کے لیے تربیتی پروگرام شروع کئے اور عورتوں میں تبلیغ کے لئے دو خواتین مبلغ، ربوہ سے بھجوائی گئیں جو عورتوں اور مردوں، دونوں کے ایمان کے لئے برابر سم قاتل کا درجہ رکھتی تھیں۔

اس علاقے کا مرکزی قصبہ ہونے کی وجہ سے قادیانیوں کی نظر پچنند پر تھی جہاں سے اٹک، چکوال، تلہ گنگ، میانوالی اور خوشاب وغیرہ کے اضلاع میں پنجے گاڑنے کے لئے ایک ذیلی ربوہ تشکیل دیا جا سکتا تھا۔ قادیانیوں کے مذموم ارادوں کو بھانپتے ہوئے یہاں تحریکِ ختمِ نبوت کے جلسے بھی ہوئے لیکن اصلاح کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ پچنند کے ایک غریب شخص نے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ صورتِ احوال بیان کی تو آپؒ نے یہاں جلسہ رکھا۔ چکڑالہ سے چار سو سے زیادہ آدمی حضرت جیؒ کے ہمرکاب تھے۔ آپؒ کا فرمان تھا کہ اپنا اپنا کھانا ساتھ لے کر چلیں۔ اس جلسہ میں آپؒ کے متعلقین بھی شریک ہوئے۔

میزبان کی غربت کا یہ حال تھا کہ مختلف گھرانوں سے روکھی سوکھی مانگ کر باہر سے آنے والے مہمانوں کے کھانے کا بندوبست کیا گیا۔ رات زمین پر بسر ہوئی اور اگلی صبح جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت جیؒ کے ساتھ سٹیج پر حضرت امیر المکرّم اور قاضی جی بھی تشریف رکھتے تھے اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد نے آپؒ کو حصار میں لے رکھا تھا۔ اس جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان لوگوں کے سامنے ختمِ نبوت کے دلائل دیئے جاتے تو دیہاتی سامعین سمجھ نہ پاتے، چنانچہ مقامی لوگوں کی ذہنی سطح کے

مطابق مرزا قادیانی کی اپنی تحریروں کے حوالوں سے اس کی شخصیت' کردار اور عقائد کا ایسا نقشہ کھینچا کہ اس قصبہ کے لوگ قادیانیت سے تائب ہو گئے۔

اس نقشہ میں حضرت جیؒ نے آخر میں جو رنگ بھرا وہ محمدی بیگم کے متعلق مرزا قادیانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی منکوحہ ہے۔ آسمانوں پر نکاح خواں خود اللہ تعالیٰ اور گواہ اس کے فرشتے ہیں اور اسے وہ جنت میں ملے گی۔ حوالوں کے ساتھ اس کا یہ دعویٰ پیش کرنے کے بعد حضرت جیؒ نے فرمایا:

"زمیندارو' تم خود ہی بتاؤ' نکاح خدا نے پڑھا' گواہ فرشتے اور نکاح پڑھا گیا نبی کا' پھر لے کون گیا؟ دوبیگھوں کا زمیندار' جو نبی کی بیوی اٹھا لے گیا۔ خدا بھی دیکھتا رہا' نبی بھی دیکھتا رہا' فرشتے بھی دیکھتے رہے لیکن جٹ گھِن کے بیٹھا نبی کی زنانی کو۔ اب خدا کہتا ہے تمہیں جنت میں دوں گا' واہ! اب دنیا میں کیا زنا ہوتا رہا؟ نہیں ہوتا رہا؟"

سامعین نے کہا! ہاں ہوتا رہا۔

حضرت جیؒ نے اپنے مخصوص میانوالی لہجے میں کہا:

"پھر او دھل گئی ناں!"

یہ اندازِ بیاں انتہائی کارگر ثابت ہوا۔ گاؤں کے لوگ تائب ہوئے' قادیانی مبلغ عورتیں واپس ربوہ سدھاریں اور پچنند کو ربوہ ثانی بنانے کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

اسی طرح ٹھٹھے والی (ضلع میانوالی) میں ایک قادیانی مبلغ نے کچھ زمین خریدی اور گردونواح کے علاقے میں تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت جیؒ نے وہاں ایک جلسہ رکھا جو دس بجے قبل دوپہر سے نمازِ ظہر تک جاری رہا۔ اس میں

آپؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اس طرح تصویر کشی کی کہ اس کے بعد قادیانی مبلغ خجالت کے ساتھ وہ علاقہ چھوڑ گیا۔

حضرت جیؒ کا یہ خصوصی اعزاز بھی ہے کہ آپؒ نے قبر میں مرزا قادیانی کی حالت دکھانے کے بارے میں صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ عملاً یہ کر بھی دکھایا جو ردِّ قادیانیت کے لئے اہل اللہ کے دعووں کے باب کا حرف آخر ہے۔

حضرت جیؒ ایک قادیانی خاندان کے تائب ہونے اور دوبارہ مسلمان ہونے کا واقعہ بھی اکثر بیان فرمایا کرتے تھے جو آپؒ کے اپنے الفاظ میں مختلف مواقع پر ریکارڈ کر لیا گیا۔ یہ واقعہ انتہائی عبرت آموز اور تذبذب کے شکار قادیانیوں کے لیے ذریعۂ ہدایت بن سکتا ہے۔ لیفٹیننٹ رفیق احمد' جو بعد میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے' ایک قادیانی افسر تھے۔ ان کا دادا مرتد ہوا جس کے نتیجے میں پورا خاندان قادیانی ہو گیا اور انہوں نے بھی اسی ماحول میں آنکھ کھولی۔ ایک فوجی کورس کے دوران ان کا احبابِ سلسلہ سے رابطہ ہوا تو عقائد پر بحث کی بجائے انہیں ذکر کی دعوت دی گئی جو ہمیشہ سے صوفیاء کا طریقہ رہا ہے۔ لیفٹیننٹ رفیق نے قلبی ذکر شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے طلبِ صادق کے نتیجہ میں نگاہِ بصیرت بھی عطا فرما دی۔ حقیقتِ حال واضح ہوئی تو قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ کورس کے بعد دس دن کی تعطیل میں حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اب قادیانی گھرانے میں کس طرح جاؤں؟ آپؒ نے فرمایا! میرے پاس ہی قیام رکھو۔

ایک روز حضرت جیؒ نے رفیق کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ چچا کی بیٹی سے منگنی ہو چکی ہے لیکن اس کا سارا گھرانہ کافر ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا اس کو لکھو:

''کیا تم محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین سمجھتی ہو یا نہیں اور کیا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آ سکتا ہے یا نہیں؟ تمہارا کیا عقیدہ ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''میں محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین سمجھتی ہوں اور اس سے آگے کی باتوں میں نہ پڑو۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا' یہ تو سوال کو ٹال گئی۔ اب اس کو لکھو:

''کیا تم محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین سمجھتی ہو اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے' کیا تم اسے کافر سمجھتی ہو یا مسلمان سمجھتی ہو اور اس کو جو شخص مسلمان سمجھتا ہے یا نبی مانتا ہے' اسے تم کافر سمجھتی ہو یا مسلمان سمجھتی ہو؟ ان باتوں کا جواب دو۔''

اس نے جواب میں لکھا:

میں محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین مانتی ہوں اور جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے اسے کافر سمجھتی ہوں اور جو شخص اسے نبی مانے' اسے بھی کافر سمجھتی ہوں۔''

اس طرح حضرت جیؒ نے مختصر ترین الفاظ میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے خدوخال متعین فرما دیئے۔ اس عقیدہ کے ہر پہلو کو بطور جزوِ ایمان' الگ الگ کہلوانے کا یہ اسلوب اس وقت دستورِ پاکستان میں ایک مسلمان کے حلف نامے میں واضح نظر آتا ہے۔

حضرت جیؒ نے فرمایا' اب تو باپ کو بھی کافر کہہ دیا' اس خط کو سنبھال

کر رکھنا۔ اس کے بعد لیفٹیننٹ رفیق کی اسی خاتون سے شادی بھی ہوئی اور اسے سلسلۂ عالیہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس فوجی افسر کے چکڑالہ میں قیام کے دوران عملاً وہ صورت پیدا ہوگئی جس کا دعویٰ حضرت پیر مہر علی شاہؒ اور سیّد انور شاہ کاشمیریؒ نے کیا تھا۔ حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ گفتگو میں اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

''خیال نہیں سحری کا ذکر تھا یا مغرب کا' رفیق سے دریافت کیا:
کیا تم کبھی قادیان گئے تھے اور مرزا قادیانی کی قبر دیکھی ہے؟
لیفٹیننٹ رفیق نے جواب دیا کہ متعدد بار وہاں جا چکا ہوں۔
کیا اب بھی اس کا خیال کر سکتے ہو؟
اس نے اثبات میں جواب دیا تو اسے کہا:
چلو اب روحانی طور پر وہاں پہنچو اور قبر کے اندر خیال کرو۔
قبر میں خیال کرتے ہی وہ گھبرا اٹھا:
اندر تو ریچھ ہے۔
کوئی اور قبر تو نہیں؟
لیفٹیننٹ رفیق نے جواب دیا:
حضرت وہی قبر ہے' میں کئی دفعہ گیا ہوں۔''

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جیؒ نے فرمایا:

''سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ جنس تبدیل ہو جائے اور یہی معاملہ مرزا ناصرالدین کا بھی ہے۔ عارضی زندگی کے لئے ابدی زندگی برباد کر دی۔ زنانیوں کا عاشق' یہ نبی (کذّاب) کی شان! محمدی بیگم' محمدی بیگم کی تسبیح کرتے

مر گیا' جہنم میں پہنچ گیا۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے یہ آیت پڑھی۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ؕ

اور بنا دیا ان میں سے بعض کو بندر اور سور جنہوں نے معبودانِ باطل کی پرستش کی۔ (سورۃ المائدہ۔ 60)

چونکہ لیفٹیننٹ رفیق کے اکثر رشتہ دار قادیانی تھے' احباب نے اس کے دوبارہ گمراہ ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''اب قادیانی تو بنتا نہیں' اِنْ شَآءَ اللّٰهُ! مرزا قادیانی کو جو دیکھ لیا۔ اب مرزائی نہیں ہوگا ویسے چھوڑ جائے (سلسلہ چھوڑ جائے) مشکل کام ہے' الگ بات ہے۔''

لیفٹیننٹ رفیق نے تمام حالات سے خاندان کو آگاہ کیا تو پورا خاندان تائب ہونے کے بعد پھر سے مسلمان ہوا۔ دادا اور باپ تو مر چکا تھا' البتہ والدہ کو اسلام نصیب ہوا۔

1977ء میں حضرت جیؒ پشاور کے دورہ پر تھے تو آپؒ کے سامنے ایک فوجی افسر کا مقدمہ پیش ہوا جس کی اہلیہ کا تعلق ایک قادیانی مبلغ گھرانے سے تھا۔ والدین کے اثرات کی وجہ سے گھر میں اکثر بحث شروع ہو جاتی۔ جب اسے بتایا جاتا کہ یہ کفر ہے تو جواب میں کہتی کہ میں اسے کفر نہیں سمجھتی' وہی کلمہ' وہی نماز' قبلہ بھی وہی ہے تو کفر کیسا؟ روز روز کی بحث سے گھریلو ناچاقی پیدا ہوگئی تو بات حضرت جیؒ تک پہنچی۔ آپؒ پشاور کے دورہ پر تشریف لائے تو میاں بیوی کو طلب فرمایا اور اس خاتون سے دریافت کیا' تمہارا عقیدہ کیا ہے؟

کہنے لگی' مسلمان ہوں۔

آپؒ نے دوبارہ سوال کیا:

''ہر شخص خود کو مسلمان کہتا ہے، ختمِ نبوت کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کیا حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا۔''

اس نے جواب دیا: نہیں۔

حضرت جیؒ نے پوچھا:

''کیا تمہارے والد کا بھی یہی عقیدہ تھا۔''

''نہیں وہ احمدی تھا''

حضرت جیؒ نے پھر پوچھا:

قادیانیوں کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کیا تم ان کو مسلمان سمجھتی ہو یا کافر۔''

اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ کہنے لگی:

''میں ان کو کافر سمجھتی ہوں۔''

حضرت جیؒ مسکرائے اور فرمایا:

''گل ٹھیک اے (بات درست ہے)۔فکر کی کوئی بات نہیں۔''

مرزا قادیانی کے متعلق حضرت جیؒ فرمایا کرتے کہ اس شخص کے حالات پڑھ کر یہ دکھ ہوتا ہے کہ اگر اس ظالم کو اتنا بڑا دعویٰ ہی کرنا تھا تو اپنا کردار بھی نظر میں رکھا ہوتا۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ اس قدر گھٹیا کردار سے یہ دعویٰ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ ڈی سی میانوالی نے چکڑالہ کے دورہ کے موقع پر اپنے عملہ کے ہمراہ حضرت جیؒ سے ملاقات کی۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت جیؒ معمول کے مطابق گھر کے بیرونی صحن میں چند مقامی لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔

ڈی سی کی آمد پر فوراً خیال گذرا کہ یہ شخص قادیانی ہے یا پرویزی۔

ظلمت اور نحوست عقائد کی نسبت سے جدا جدا ہوتی ہے اور صاحبِ بصیرت کسی شخص کی ظلمت سے اس کے عقائد جان سکتا ہے۔ قادیانیت اور پرویزیت دونوں نے نبوت کو ہدف بنایا۔ ایک نے نبی ﷺ کو بطور معلم اور شارع ماننے سے انکار کردیا تو دوسرے نے ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہوئے نئی نبوت کا اجرا کر ڈالا۔ اس حوالے سے دونوں میں ظلمت بھی ایک ہی طرح کی پائی جاتی ہے۔

اس شخص نے حضرت جیؒ کو گاؤں کا ایک عام مولوی سمجھتے ہوئے الٹے سیدھے سوال شروع کردیئے۔ حضرت جیؒ دوسرے ہی سوال پر سمجھ گئے کہ یہ شخص قادیانی ہے۔ آپؒ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر 115 تلاوت کی جس میں مرتدین کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ
جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝

''جو شخص راہِ ہدایت واضح ہوجانے کے باوجود رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے' ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے' وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

آپؒ نے فرمایا:

''قادیانیت پر کفر کی دلیل اِجماعِ امت ہے۔''

ردِّ پرویزیت

1966ء میں حکومتی سرپرستی کے زیرِ اثر فتنۂ پرویزیت خوب زوروں پر تھا۔ اس مکتبۂ فکر نے نماز اور قرآن کے بارے میں یہ گستاخانہ شوشہ چھوڑا کہ طوطے کی طرح رٹ کر عربی میں پڑھنے کی بجائے اپنی زبان میں پڑھیں تاکہ اس کا مفہوم سمجھ میں آسکے۔ اس مذموم نظریہ کے فروغ کے لئے گجرات سے طبع شدہ ''نورانی قرآن'' کے نام سے نسخے ملک کے طول وعرض میں پھیلائے جارہے تھے۔ حضرت جیؒ کے نام ایک خط میں حافظ غلام قادری نے اس فتنہ کا تذکرہ کیا تو آپؒ نے اس خط کا جواب اس حالت میں تحریر فرمایا کہ گھر میں والدہ ماجدہ کا جنازہ پڑا تھا لیکن غیرتِ قرآنی نے گوارا نہ کیا کہ جواب میں ایک روز بھی تساہل ہو۔

حضرت جیؒ کا تحریر کردہ یہ مکتوب ملاحظہ ہو جس میں علمی دلائل کے ساتھ ساتھ حمیتِ دینی اور عشق کی حد تک فریضۂ اقامتِ دین کی بجاآوری کی تڑپ نظر آتی ہے۔

> ''بیماری کی وجہ سے کمزوری بھی ہے اور والدہ صاحبہ آج رات فوت ہوگئیں ان کی میت کو غسل نہیں دیا گیا مگر غیرتِ قرآنی سے بیٹھا جواب لکھ رہا ہوں۔

مسئلہ: قرآن مجید کے وہ تراجم جو کہ صرف اردو یا انگریزی میں شائع ہو رہے ہیں' اس کو قرآن نہ کہا جائے۔ ذرائع اور وسائل حکمِ مقاصد میں داخل ہوتے ہیں۔ علمائے دیوبند نے مدت سے یہ فتویٰ دیا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے تو ایک مستقل تحریر جو نومبر 1965ء میں الابقاء میں شائع ہوئی' ان تراجم کا خریدنا حرام فرمایا۔

اب ذرا سنو! قرآن و حدیث میں فرق الفاظ سے ہے۔ قرآن کے الفاظ اور معانی خدا کی طرف سے پیغمبر پر نازل ہوئے۔ الفاظِ حدیث میں اختلاف ہے کہ آیا الفاظِ حدیث رسول اکرم ﷺ سے ہیں یا کہ جبرائیل علیہ السلام کے ہیں۔ جس طرح قرآن قلب رسول ﷺ پر نازل ہوا' اسی طرح حدیث بھی قلب رسول ﷺ پر اتاری گئی۔ جس کو قرآن حکمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط

ترجمہ: اس چیز کو یاد رکھو گھروں میں پڑھی جاتی ہیں خدا کی آیات اور حکمت سے۔

معلوم ہوا حکمت وہ چیز ہے جو تلاوت کی جاتی ہے۔ اللہ کی آیات کے علاوہ چونکہ الفاظِ حدیث خدا کی طرف سے نہیں اس لئے حدیث پڑھنے سے نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ حدیث وحی متلو' وحی مقرو نہیں بلکہ وحی غیر مقرو اور غیر متلو ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید کو وحی جلی و وحی

مقرو اور متلو سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حدیث شریف کو وحی خفی و وحی سری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اب ان سے پوچھو! یہ اردو کے الفاظ قرآن سے تعبیر کیے جاتے ہیں تو کیا ان سے نماز درست ہوگی؟

خوب جان لو! قرآن کو مُحرِّف اور غیر مُعتبَر بنانے کا یہی طریقہ ملحدین نے سوچا ہے۔ یہ انگریز کی چال تھی۔ جس وقت الفاظ اُڑ گئے' اردو یا انگریزی ترجمہ رہ گیا تو ترجمہ میں جس کا جی چاہے اپنی من مانی بات داخل کر سکے گا۔ کون کہے کہ یہ ترجمہ غلط ہے جبکہ الفاظِ قرآن تو موجود ہی نہیں ہیں۔ صحت متکلم کی' مُعرِّف تو قرآن پاک کے الفاظ میں تھی' جو اٹھ چکا ہے۔ العیاذ باللہ

توراۃ' انجیل اور زبور کی تباہی و بربادی اور ان کے حاملین کو قرآن کریم نے گدھ سے تعبیر فرمایا ہے۔ وجہ یہی تھی کہ اصل الفاظ توراۃ' انجیل' زبور وغیرہ آسمانی کتب کے عبرانی یا سریانی میں تھے وہ اڑ گئے۔ جب اصل کتبِ سماوی دنیا سے نابود ہو گئیں تو ان میں جو دین تھا وہ بھی نابود ہو گیا۔

خوب سمجھ لو! خدا تعالیٰ جو متکلم الفاظِ قرآنی ہے' اس کی ہیبت' عزت' عظمت اور رعب تمام قرآنی الفاظ میں ہے۔ قاری کے دل و دماغ اور بدن پر جو ہیبت طاری ہوتی ہے اور جو عزت و عظمتِ باری تعالیٰ تمام بدن پر چھا جاتی ہے

وہ تو صرف الفاظِ قرآن میں بند ہے۔ ان الفاظ کا ترجمہ خواہ کسی زبان میں کر دو' یہ چیز ہرگز حاصل نہ ہوگی۔

قرأتِ قرآن سے مقصود عظمت و عزتِ معبود ہے کہ دل میں پیدا کی جائے۔ وہ تمام دنیا کی زبانوں میں مفقود ہے۔ اب آگے خیال کرنا۔

حدیث شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں' پھر فرمایا ابن عباس نے کہ الٓمٓ ایک حرف نہیں بلکہ تین حرف ہیں۔ گویا الٓمٓ میں تیس نیکیاں ہیں۔ یہ الفاظِ قرآنی میں اثر ہے' اردو ترجمہ میں کہاں؟

نیز جماعت صوفیاء فرماتی ہے کہ الفاظِ قرآنی کی قرأت سے جو انوار پیدا ہوتے ہیں جو قلوب کو منور کرتے ہیں۔ آئندہ خود مراقبہ کر کے دیکھ لینا۔ انوارِ قدیم کا نزول شروع ہوگا۔ یہی تو بڑا ہتھیار ہے' جو ہمارے رب نے عطا فرمایا ہے۔ محدثین ایک حدیث کو موضوع کہتے ہیں اور صوفیاء صحیح کہہ دیتے ہیں اور صوفیاء موضوع کہہ دیتے ہیں اور علماء ظواہر صحیح کہہ دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے انوار ہوتے ہیں۔ جب حدیث پڑھی جاتی ہے تو الفاظِ حدیث سے سبز انوار کی روشنی معلوم ہوتی ہے اور موضوع حدیث پڑھی جائے تو

انوار کی بجائے ظلمت ہوتی ہے۔

صوفیاء کی صحت سقم انوار کے مشاہدے اور علماء کی جرح وتعدیل' اسماء الرجال پر ہے۔ گو کشف قطعی نہیں مگر جرح وتعدیل محدثین بھی ملتی ہے۔ ان انوار کا اقرار خود محدثین کو بھی کرنا پڑا ہے۔ مقربین محدثین کو' جیسا کہ فتح العلم شرح صحیح مسلم صفحہ (120-140) پر بیان ہے۔

والدہ کے غسل کی تیاری ہوئی' آدمی آ گئے' بس کرتا ہوں۔

والسلام

ناچیز: اللہ یار خان

وہ عظیم ہستی

حضرت جیؒ کی والدہ ماجدہ کا مختصراً ذکر ابتدائی ابواب میں گزرا ہے۔ یہاں یہ تذکرہ حصولِ سعادت کے لئے ہے۔ حضرت جیؒ کی والدہ ماجدہ کا نام عالم خاتون تھا۔ بچپن میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو انہوں نے کھیتی باڑی اور گھریلو ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ کی تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ بیوگی کے مشکل دن گزارتے ہوئے یہ امید رہی کہ بیٹا بڑا ہو کر سہارا بنے گا لیکن جب یہ وقت آیا تو حضرت جیؒ نے تحصیلِ علم کے لئے رخصت مانگی۔ والدہ ماجدہ کے لئے نہ صرف زمینوں کی دیکھ بھال اور گھریلو ذمہ داریوں کا بار انتہائی گراں تھا' بلکہ محبوب بیٹے کی جدائی بھی مزید صدمہ کا باعث تھی۔ لیکن انہوں نے یہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے آپؒ کو بصد شوق دشتِ علم کی سیّاحی کے لئے

روانہ کیا۔ کئی سال بعد حضرت جیؒ واپس لوٹے تو آپؒ کی شادی ہوئی۔ یہ خوشیاں دیکھنے کا زمانہ تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اہلیہ محترمہ کا وصال ہو گیا۔ اس مرتبہ حضرت جیؒ نے حصولِ طریقت کے لئے رخصت مانگی تو اس عظیم ہستی نے حضرت جیؒ کے تین کم سن بچوں کی پرورش کی ذمہ داری سنبھال لی اور آپؒ کو بخوشی رخصت کیا۔ حضرت جیؒ نے سالہا سال لنگر مخدوم میں قیام فرمایا لیکن یہ والدہ ماجدہ کی قربانیاں تھیں کہ آپؒ گھریلو تفکرات سے آزاد رہے۔ ان عظیم ماؤں کو سلام جو کبھی کم سن عبدالقادر (سید عبدالقادر جیلانیؒ) کو دین کی راہ میں خوشی خوشی رخصت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں تو کبھی حضرت جیؒ کی عظیم والدہ کی صورت میں جو بڑھاپے میں اپنے کندھوں پر گراں ذمہ داریاں سنبھالے نظر آتی ہیں تاکہ بیٹے کے تحصیل علم اور روحانی تربیت کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ ان عظیم ماؤں پر اپنی ان گنت اور کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کا نزول فرماتے ہوئے ہر ساعت بلندئ درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

2 دسمبر 1966ء کو حضرت جیؒ کی عظیم والدہ کا جنازہ گھر میں پڑا تھا لیکن آپؒ اس سانحہ کے باوجود قرآن کے خلاف پرویزی فتنہ پر گرفت فرما رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی یہ عظیم خاتون آپؒ کے راستے کی رکاوٹ نہیں' بلکہ باعثِ تقویت تھیں۔ اس وقت کا تصور کریں کہ محبوب والدہ کی میت تدفین سے قبل گھر میں رکھی ہے' تعزیت کے لئے آنے والوں کا ہجوم ہے' اعزہ واقارب کا گریہ الگ ہے' حضرت جیؒ خود بھی بیمار ہیں لیکن باطل کی بیخ کنی میں ذرہ بھر تاخیر بھی گوارا نہیں فرمائی۔

حضرت جیؒ کے شاگردِ رشید کیپٹن غوث کے بڑے بھائی قاری

دوست محمد، عالمِ دین ہونے کے باوجود پرویزیت کا شکار ہو گئے حتیٰ کہ غلام احمد پرویز کے نائبین میں شمار ہونے لگے۔ 1968ء میں حضرت جیؒ رسالپور تشریف لائے تو غوث نے ٹیلیگرام کے ذریعے بھائی کو بلوالیا۔ یہاں پہنچ کر جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ سے ملاقات مقصود ہے تو سخت ناراض ہوئے کہ خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کیا، بھلا یہ میرے سوالات کا جواب کیوں کر دے سکیں گے۔

عصر کے بعد حضرت جیؒ کی محفل شروع ہوئی تو آپؒ ازخود فرمانے لگے:

''دین وہ جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ بعد میں لوگوں نے مفہوم بدل دیا۔ اب دیکھیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جن کی مادری زبان عربی تھی، وہ قرآن کا مطلب آپ ﷺ سے پوچھتے۔ اب چودہ سو سال بعد گڑھی شاہو لاہور کا ایک آدمی کہتا ہے کہ قرآن سمجھا تو میں نے سمجھا اور چودہ سو سال میں کوئی اور نہیں سمجھ سکا۔ آج اس کی بات مانیں یا رسول اللہ ﷺ کی۔''

حاضرینِ محفل حضرت جیؒ کی گفتگو باادب سن رہے تھے، خاموش رہے لیکن کیپٹن غوث کے بھائی سے چپ نہ رہا گیا اور پکار اٹھا:

''پرویز جھوٹا ہے۔''

محفل ختم ہوئی تو اُن صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس تو مسئلہ جبر وقدر سمیت آٹھ سوالات کی فہرست تھی جس کے متعلق دعویٰ تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکے گا لیکن حضرت جیؒ سے سوال کیوں نہیں کیا؟ کہنے لگے:

''چھوڑ و یار! مذہب ہی جھوٹا نکلا' سوال کیا پوچھتا۔''

مغرب کے بعد ذکر شروع ہوا اور حسبِ معمول لائٹ آف کر دی گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد یکدم شور مچا' دیوار گر گئی! دیوار گر گئی! یہ شور مچانے والے قاری دوست محمد تھے جن کے دل میں کچھ ہی دیر پہلے پرویزیت کا طلسم ٹوٹا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ دائیں طرف والی دیوار گر گئی ہے اور باہر سے تیز روشنی نظر آ رہی ہے۔ آنکھیں کھولیں تو دیوار بھی موجود تھی اور لائٹ بھی بدستور آف تھی۔ دراصل یہ حضرت جیؒ کی توجہ کے طفیل انوارات کی تیز بوچھار تھی جسے دائیں طرف سے آتے دیکھ کر انہوں نے سمجھا کہ آپؒ کے ساتھ والی دیوار گر گئی۔

1973ء میں غلام احمد پرویز کا ایک انٹرویو شائع ہوا جس میں اس نے تصوّف کے حوالے سے اپنے ناکام تجربہ کا ذکر کیا تھا۔ حضرت جیؒ کے ایماء پر حضرت امیر المکرّم نے اسے تصوف کے ذریعے اصلاحِ احوال کی دعوت دی۔ اس نے 3 ستمبر 1973ء کو لکھے گئے ایک خط کے ذریعے جواب دیا کہ جب اس کی زندگی میں شکوک وشبہات کا دور آیا تو سابقہ خیالات و اعتقادات (تصوّف کے بارے میں) سب ختم ہو گئے' گویا اصلاحِ احوال کے اس واسطہ کا بھی منکر ہوا۔ اصلاح تو نہ ہو سکی لیکن اتمامِ حجت کا حق ادا ہو گیا۔

ادائیگی فریضۂ حج

منازلِ سلوک اپنی جگہ لیکن ایک سالک کے لئے ان گھڑیوں سے عزیز تر کوئی لمحہ نہیں جب اس کی روح روضۂ اطہر کی جالیوں اور پردوں کے حجابات سے گزر کر براہِ راست مواجہ شریف کے سامنے صلوٰۃ وسلام پیش کر رہی ہو' یا پھر وہ لمحات جب وہ دربارِ نبوی ﷺ میں روحانی طور پر حاضر ہو سکے۔ اگر اس حاضری کے دوران نگاہِ مصطفوی ﷺ بھی نصیب ہو جائے خواہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ تو وہ لمحہ زندگی کا ماحصل قرار پاتا ہے۔

من سی پارہ دل می فروشم' بگفتا قیمتش
گفتم نگاہے' بگفتا کم تراست' گفتم کہ گاہے

(میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں' پوچھا قیمت؟ کہا ایک نظر۔ اس نے پوچھا کیا کچھ کمی ہوسکتی ہے؟ کہا زندگی میں کبھی ایک نظر)

حضرت جیؒ ایک عرصہ سے حرمین شریفین کی حاضری کے لئے بے قرار تھے لیکن اسبابِ ظاہری ساتھ نہ دے رہے تھے۔ جولائی 1970ء میں سلسلۂ عالیہ کے سالانہ اجتماع کا ایک تاریخی دن تھا۔ مراقبۂ فنا فی الرسول ﷺ کی ایسی ہی ایک مبارک گھڑی میں حضرت جیؒ کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں حالِ دل پیش کرنے کا حوصلہ عطا ہوا تو عرض کیا:

''بحری راستے سے حاضری مشکل ہے' کئی بار درخواستیں
دیں مگر قرعہ اندازی میں نام نہیں آیا.....''

نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب ملا:

''اس دفعہ ضرور آؤ خواہ کوئی راستہ اختیار کرنا پڑے۔''

حج' صاحبِ استعداد پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن یہ حاضری کچھ ہستیوں کے لئے ادائے فرض کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ شرعی طور پر حج کی مکلّف نہ بھی ہوں۔ اہل اللہ کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں کہ عدمِ اسباب کے باوجود انہوں نے پاپیادہ حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ تقاضائے عشق اپنی جگہ لیکن بعض اوقات مقامات ومناصب کے لحاظ سے بھی یہ حاضری لازم قرار پاتی ہے۔ حضرت جیؒ نے 3 مارچ 1969ء کے ایک مکتوب میں حج پر جانے کی ایک وجہ یہ بھی تحریر فرمائی کہ غوث' قطب' ابدال وغیرہ تمام مناصب میرے حج پر جانے اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری سے ہمارے سلسلہ میں منتقل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے گھر اور درِ اقدس پر حاضری حضرت جیؒ کی دیرینہ آرزو تھی لیکن اس کے لئے جب دربارِ نبوی ﷺ سے پروانہ مل گیا تو آپ نے فرمایا:

''پاسپورٹ بناؤ اور قرعہ اندازی کا خیال چھوڑ دو۔ اب
تو بلاوا آ گیا ہے' اس لئے جانا ضروری ہے۔''

نیوی کے ایک افسر نے سمندری راستے سے سفر کے انتظام کا ذمہ لیا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو فیصلہ ہوا کہ سفر ہوائی جہاز سے ہو گا۔ حضرت جیؒ کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے آٹھ احباب تیار ہو گئے لیکن بغیر کسی تیاری اور انتظامات کے۔ ویزہ حاصل کرنے کے لئے صرف چند روز رہ گئے

تھے لیکن ابھی تک پاسپورٹ بنانے کا مرحلہ باقی تھا۔ لاہور آفس کے ڈائریکٹر پاسپورٹ کا تعلق چونکہ مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) سے تھا، میجر زین العابدین نے ان سے رابطہ کیا لیکن حتی الامکان کوشش کے باوجود ناکام رہے۔ قرعہ اندازی میں نام نہ نکلنا، بحری جہاز سے سفر کا انتظام کرنے میں نیول افسر کی ناکامی اور بنگالی ڈائریکٹر پاسپورٹس کا تعاون حاصل کرنے میں ایک بنگالی افسر کی بے بسی، اس سے یہ واضح تھا کہ حضرت جیؒ کا یہ سفرِ حج ظاہری واسطوں سے ماورا تھا۔

پاسپورٹ بنانے کی ذمہ داری اب میجر غوث کے سپرد ہوئی لیکن ضابطے کی کارروائیوں کا وقت تھا نہ احباب کو لاہور بلایا جا سکتا تھا۔ غوث نے ان کے کوائف حاصل کئے اور تمام فارم مکمل کرنے کے بعد خود ہی دستخط کر دیئے بلکہ حضرت جیؒ کے دستخط کرتے ہوئے ''بقلم خود'' بھی لکھ دیا۔ مولانا عبدالحق جوہر آبادی کی تصویر نہ مل سکی تو ان سے ملتی جلتی ایک تصویر فارم پر چسپاں کر دی جو بعد میں اصل کے ساتھ بدل دی گئی۔

ڈائریکٹر پاسپورٹ ایک محکمانہ انکوائری کی وجہ سے خاصا پریشان تھا۔ غوث کو فوجی وردی میں دیکھا تو مزید پریشان ہوا کہ شاید اب فوجی انکوائری بھی شروع ہونے والی ہے۔ غوث کے ہمراہ اتفاقاً ملٹری پولیس کے ایک افسر بھی تھے جن سے لفٹ لے کر وہ یہاں پہنچے تھے۔ ان کی غیر معمولی سج دھج نے اس کی پریشانی کے لئے جلتی پر تیل کا کام کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ صاحبان تو حصولِ پاسپورٹ کے سلسلہ میں آئے ہیں تو جان میں جان آئی۔ اسی خوشی میں اس نے سٹینو کو بلا کر تمام فارم خود مکمل کرائے۔ پولیس، محکمہ مال اور ٹکٹوں کے متعلق پی آئی اے کی تصدیق کی بجائے غوث کے

سرٹیفکیٹ اور اس کی مہر سے کام بن گیا اور اس طرح ایک ہی نشست میں پاسپورٹوں کے اجراء کا مرحلہ تمام ہوا۔ آخر کیوں نہ ہوتا' درِ مصطفیٰ ﷺ سے بلاوے کے بعد محکمانہ پابندیاں اور ضابطے کی کارروائیاں رکاوٹ نہ بن سکتی تھیں۔

حضرت جیؒ نے روانگی سے قبل لین دین کے تمام معاملات نپٹائے۔ 1969ء میں جن عزیزوں سے قرض لیکر مائیننگ کے کاروبار میں حصہ ڈالا تھا' ان کی رقوم وقت سے پہلے لوٹا دیں۔ حضرت جیؒ معاملات کے بارے میں انتہائی محتاط تھے اور ساتھیوں کو بھی اکثر ہدایت فرمایا کرتے کہ معاملات کا خیال رکھیں جن کی وجہ سے ایک دنیا اس وقت برزخ میں مبتلائے عذاب نظر آتی ہے۔ سفرِ حج کے لئے آپؒ نے مولوی سلیمان کی مالی امداد بھی فرمائی۔

ناظمِ اعلیٰ:

طے شدہ پروگرام کے مطابق 18 دسمبر 1970ء کو حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ ٹرین پر سوار ہوئے۔ گاڑی ابھی لاہور ریلوے سٹیشن پر ہی تھی کہ آپؒ نے فرمایا:

> ''مشائخ کی طرف سے حکم ہے کہ حافظ عبدالرزاق کو سلسلۂ عالیہ کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کر دیا جائے اور آئندہ تمام خط وکتابت ان کے ساتھ کی جائے۔''

یہ سلسلۂ عالیہ کی تنظیم کی طرف پہلا قدم تھا جو مشائخ کے حکم سے اٹھایا گیا۔ اس طرح حافظ صاحب کو' جو 1941ء میں جماعت اسلامی راولپنڈی ڈویژن کے قیم مقرر ہوئے تھے' سلسلۂ عالیہ میں اس مقام تک پہنچنے کے لئے مزید تین عشروں کی مسافت طے کرنا پڑی۔

میز نہیں چھوڑتا:

کراچی میں حضرت جیؒ کا قیام خاصا طویل رہا کیونکہ 24 جنوری 1971ء سے قبل دہران کے لئے نشست نہ مل سکی۔ اس دوران مفتی غلام صمدانی جو حضرت جیؒ کے ہمراہ عازم سفر تھے' ایک سوال پوچھ بیٹھے:

''حضرت! شیخ' فیض کس طرح روک لیتا ہے۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا' یہ آپ کے سامنے کیا ہے؟

مفتی صاحب نے عرض کیا' حضرت میز ہے۔

آپؒ نے فرمایا: ''مفتی صاحب! اس میز کو پکڑ لیں۔''

اس واقعہ کے بعد مفتی غلام صمدانی منارہ کے سالانہ اجتماع میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں ہمت پائی تو عرض کیا:

''حضرت! یہ میز نہیں چھوڑتا' اس میز سے تو جان چھڑائیں۔''

حضرت جیؒ یہ سن کر بہت افسردہ ہوئے اور فرمایا:

''اس کا مطلب ہے آپ کے ایک سال کا نقصان ہو گیا۔

یہ نقصان اس لئے ہوا کہ آپ نے سوال پوچھا تھا۔''

حضرت جیؒ نے توجہ فرمائی تو مفتی صاحب کی میز سے جان چھوٹی' ترسیلِ فیض کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا اور آپؒ نے ایک ہی صحبت میں انہیں کئی مقامات کرا دیئے جنہیں طے کرنے میں ایک عرصہ لگانا پڑتا۔

24' 25 جنوری 1971ء کو رات سوا بارہ بجے پی آئی اے کی فلائٹ سے دہران روانہ ہوئے اور قریباً تین بجے دہران پہنچے۔ کسٹم کی کارروائی مکمل ہوئی تو نوافلِ تہجد کی ادائیگی کے بعد احرام باندھا۔ یہاں سے سعودی ایئر لائنز کی فلائٹ سے صبح سات بجے جدہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ

فلائٹ کچھ دیر الریاض ایئرپورٹ پر رکنے کے بعد قریباً 10 بجے جدہ پہنچی۔ یہاں پاسپورٹوں کا اندراج ہوا جس کے بعد بذریعہ منی بس' مکۂ مکرمہ روانگی ہوئی اور یہ قافلہ قریباً ظہر کے وقت مکۂ مکرمہ پہنچا۔ معلم کے ڈیرے پر انتظامی امور سے فارغ ہوئے تو ابھی عصر کی اذان میں کچھ وقت باقی تھا۔ تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم شریف میں داخل ہوئے۔

لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ' لَبَّیکَ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ'
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیکَ لَکَ
لَبَّیکَ ....

جواباً آواز آئی:

"مَرحَبا' اَھلاً وَسَھلاً"

ساتھیوں میں چند ایسے خوش نصیب بھی تھے جنہیں خوش آمدید کے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ طواف اور سعی کی تکمیل کے بعد مقامِ زمزم پر پہنچے تو نمازِ عصر کے لئے صفیں بننے لگیں اور اس طرح بیت اللہ میں پہلی نماز کے لئے بابِ کعبہ کے سامنے جگہ مل گئی۔ نماز کے بعد معلم کے ڈیرے پر واپسی ہوئی۔

مسلسل بے خوابی' سفر کی تکان اور دن بھر کے معمولات کی وجہ سے حضرت جیؒ کو بخار کی شکایت ہوگئی تھی۔ پہلی رات معلم کے ڈیرے پر ہی گزری لیکن یہاں کرائے کا مطالبہ چونکہ بہت زیادہ تھا' اگلے روز متبادل مکان کی تلاش شروع ہوئی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد عطائے الٰہی کی صورت میں ایک مکان انتہائی مناسب کرایہ پر شاہراہِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک گلی میں مل گیا جس کی ایک دیوار مسجدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل تھی۔ غالباً یہ وہی مسجد تھی جس کا ذکر بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں

ملتا ہے جہاں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے مگر کفارِ مکہ نے انہیں اس لئے روک دیا کہ تلاوتِ قرآن سے متاثر ہوکر اہلِ محلّہ اسلام قبول کرلیں گے۔

پہلے ہی روز حرم شریف میں نماز اور ذکر و اذکار کے لئے مستقل جگہ متعین کرلی گئی۔ اگلے روز مغرب کے بعد مجلسِ ذکر ہوئی تو مراقبۂ مسجد نبوی ﷺ کے دوران حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے لئے اس جگہ کا تعین اور قیام کے لئے مکان کا انتخاب اتفاقاً نہیں ہوا بلکہ سنت کی پیروی کرانا مقصود تھی۔ نماز کی جگہ وہ' جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا پہلی مرتبہ آکر اترے تھے اور مکان سے سنتِ صدیقی کی پیروی کرانا تھی کہ وہ اسی راستے حرم میں آتے۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان سے تمہارا قلبی تعلق اور پختہ ہو۔

ایک روز حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؒ نے فرمایا:

> ''مطاف میں بے شمار انبیاء علیہم السلام کے انوار نظر آتے ہیں' غالباً ننانوے انبیاء علیہم السلام یہاں مدفون ہیں جو بیت العتیق کی تعمیر اور چاہِ زمزم کے جاری ہونے سے پہلے تشریف لائے اور یہیں وصال ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی قوموں پر عذابِ الٰہی نازل ہوا' نزولِ عذاب سے قبل وہ یہاں چلے آئے' یہیں قیام فرمایا اور یہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔''

آپؒ نے مزید فرمایا:

"کوئی پندرہ صاحبِ کتاب رسول علیہم السلام ہیں۔ بابِ کعبہ سے مقام ابراہیم علیہ السلام تک ایک قطار میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کے انوار نظر آتے ہیں۔ بابِ کعبہ کے عین نیچے ہود علیہ السلام دفن ہیں۔ مقام ابراہیم علیہ السلام سے متصل حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔"

حضرت جیؒ جب مختلف انبیاء علیہم السلام کا ذکر کررہے تھے تو ایک ساتھی قرآنِ حکیم کی وہ آیات پڑھنے لگے جن میں انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس موقع پر اہلِ بصیرت حضرات نے عجب نظارہ دیکھا کہ ان آیاتِ کریمہ میں جس نبی علیہ السلام کا نام آتا' ان کے مدفن سے انوارات کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا اور اس طرح ان کی جائے تدفین☆ کی نشاندہی ہوتی گئی۔ رکنِ یمانی سے حجرِ اسود کی سمت کوئی تین گز کے فاصلے پر حضرت داؤد علیہ السلام کا مدفن ہے۔ حطیم میں سیّدِنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدفون ہیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام سے کلام کا شرف ملا تو انہوں نے اپنا نام نہ بتایا اور صرف اتنا کہا:

"اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہ"

اس اِخفا کی یہ وجہ سمجھ میں آئی کہ ان کے اسمائے گرامی قرآنِ حکیم

☆ ان انبیاء علیہم السلام کے مدفن کے بارے میں بعض تاریخی روایات اس سے مختلف بھی ہیں' جیسے حضرت اسماعیل علیہم السلام کا مدفن جبرون (فلسطین) میں بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت صالح علیہم السلام کے مدفن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی فلسطین میں بیت المقدس سے ستر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے لیکن ان روایات کی صحت کے متعلق کسی حتمی ثبوت کے بغیر کچھ کہنا مشکل ہے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں اسرائیلیات کی حد تک مقام دیا جا سکتا ہے جو بذاتِ خود انتہائی متنازع ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

میں مذکور نہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ان اسمائے گرامی کے علاوہ جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دی' اسرائیلیات' ہندو ویدانت اور تاریخی روایات کی بنیاد پر مزید ناموں کی اختراع درست نہ ہوگی' چہ جائیکہ قرآنِ حکیم میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو اس طرح بگاڑا جائے جس طرح ان کا تذکرہ یہودی اور عیسائی کرتے ہیں' جیسے جوزف' ڈیوڈ وغیرہ۔ استغفراللہ! نقلِ کفر' کفر نہ باشد۔

ایک روز حضرت جیؒ نے احباب کی توجہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کی درمیانی جگہ کی طرف مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

''رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان کی جگہ کو دیکھو۔ رکنِ یمانی سے تیسرے اور چوتھے مصلے کے درمیان جو سفید جگہ ہے' یہاں حضور اکرم ﷺ تیرہ سال متواتر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے تھے۔ حضور ﷺ کے انوارات کی بارش ہو رہی ہے۔''

29 جنوری 1971ء یومِ جمعہ تھا۔ مسجدِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جا کر احرام باندھا اور واپس آ کر عمرہ کیا جس کے بعد مَوْلِدُ النَّبی ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اگلے روز پروگرام بنا کہ منیٰ' مزدلفہ اور عرفات کے مقامات دیکھ لئے جائیں تاکہ ادائیگیٔ حج میں سہولت رہے۔ منیٰ میں حضرت جیؒ مسجدِ خیف گئے تو حضرت آدم علیہ السلام کے مدفن کی نشاندہی کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

''حضرت آدم علیہ السلام مسجدِ خیف کے محراب کے پیچھے دفن ہیں۔ قبلہ رو ہو کر دیکھیں تو محرابِ مسجد کے بائیں

جانب دیوار سے باہر مدفن☆ ہے۔''

مزید فرمایا:

''پہاڑ سے متصل مسجد کی دیوار کے ساتھ☆ بارہ انبیاء علیہم السلام دفن ہیں جن میں سے پانچ صاحبِ کتاب ہیں۔''

آخری کونے سے آواز آئی:

''انا نوح''

حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ وہاں گئے اور طویل مراقبہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے شرفِ کلام نصیب ہوا تو اثنائے کلام انہوں نے فرمایا:

''مفسرین کرام نے میری قبر کی نشاندہی جو مختلف مقام پر کی ہے' سب غلط ہے۔''

میدانِ عرفات میں آپؒ نے بتایا کہ جبل رحمت پر جہاں مینار بنا ہوا ہے' اس سے متصل دوسرے پہاڑ کے دامن میں ایک صاحبِ کتاب رسول دفن ہیں۔ اسی مینار کی جگہ حضرت آدم علیہ السلام کو وہ کلمات سکھائے گئے تھے جن کا ذکر قرآن میں ملتا ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾

اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا' اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الاعراف۔23)

تاخیر ہونے کے اندیشہ سے مزدلفہ جانے کا ارادہ ترک کیا اور واپس مکۂ مکرمہ روانہ ہوئے۔ راستے میں جنت المعلّٰی کی زیارت کا پروگرام بنا۔

☆ مسجد خیف میں توسیع کی وجہ سے اب یہ مدفن حدود مسجد میں شامل ہیں۔

پُل کے قریب پہنچے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دی۔ پھر مختلف سمتوں سے دعوت ملی:

"ھلموا الینا"

اہلِ برزخ سے ملاقاتوں کا مزا بھی جداگانہ ہے۔ اگرچہ یہ حضرات علیین میں اپنے اپنے مقام پر ہوتے ہیں مگر روح کا تعلق جائے تدفین میں جسم کے ساتھ بھی قائم رہتا ہے۔ جب کوئی اہل اللہ ان کے مقابر کا رخ کرے تو کمال شفقت عود آتی ہے اور ان کے مقابر روحانی ملاقات کا واسطہ بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت جیؒ کا معاملہ ایسا تھا کہ صدیوں بعد ایسی ہستیوں کی آمد ہوتی ہے۔ ایسے میں ان حضرات گرامی کی شفقت قدرتی تھی اور ملاقات کے لئے چاہت بھی ایسی جیسے والدین اپنی سعادت منداولاد کیلئے دامن شفقت کھول کر سینے سے لپٹانے کے لئے بے تاب ہوں۔ اس روز جنت المعلیٰ میں اطراف سے ملنے والی دعوت 'ھلمو الینا' کے پیچھے بھی یہی روح کارفرما تھی۔ حضرت جیؒ کا معاملہ تو الگ رہا لیکن جب آپؒ کے قدموں میں چند گھڑیاں بسر کرنے والوں کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کی صورتِ حال پیش آنے لگے تو اپنا داغ داغ دامن دیکھتے ہوئے عرقِ ندامت کے چند قطرے نذر کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ یہ پذیرائی نسبتِ اویسیہ کے دم قدم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نسبت کو سلامت رکھے' آمین!

حضرت جیؒ رک گئے اور عرض کیا:

"آپ ایک سے ایک بڑھ کر ہیں' کس کو چھوڑیں' کس کے پاس جائیں۔"

اطراف سے جواب ملا:

''مرحبا' مرحبا.........''

ایک جگہ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی' ایصال ثواب کا تحفہ پیش کیا اور آگے بڑھے۔ سیّدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار☆ پر گئے۔ قریب ہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قبر بھی تھی لیکن دیکھا کہ دونوں قبریں خالی ہیں اور ارواح علیین میں چلی گئی ہیں۔ نورِ بصیرت سے دیکھا کہ اس کی وجہ وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ 2 فروری 1971ء کو جبلِ نور دیکھنے کا پروگرام بنا۔ حضرت جیؒ دامن میں پہنچ کر رک گئے جبکہ باقی احباب غارِ حرا تک پہنچے۔

4 فروری 1971ء آٹھویں ذوالحجہ تھی جسے یومُ الترویہ کہتے ہیں۔ مناسکِ حج کی ابتداء علی الصبح جائے رہائش پر احرام باندھنے سے ہوئی جس کے بعد حرم شریف میں آ کر طوافِ قدوم کیا اور ساتھ ہی سعی بھی کر لی گئی کیونکہ طوافِ زیارت کے موقع پر سعی کرنا حضرت جیؒ کی عمر اور صحت کے لحاظ سے مشکل تھا۔ ظہر سے قبل منیٰ پہنچے اور معلم کے عدمِ تعاون کی وجہ سے اجتماعی صورت میں قیام کا بندوبست کرنے میں خاصی مشکل پیش آئی۔

اسی روز حکیم بشیر کی وجہ سے ایک ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آیا۔

☆ مکہ مکرمہ میں راقم پر ایک مرتبہ ایسا انقباض طاری ہوا کہ بابِ ملتزم پر بھی آنکھیں تر نہ ہوتیں۔ خدشہ ہوا کہ مدینہ شریف کی حاضری میں صرف ایک دن باقی ہے اور اگر یہ کیفیت برقرار رہی تو کیا ہوگا۔ ام المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضری کی نیت سے جنت المعلیٰ کا رخ کیا۔ حدودِ مزار کے قریب کھڑے ہو کر مراقبہ کیا لیکن چار دیواری کے اندر توجہ سے قبل ہی روک دیا گیا' حضور پاک ﷺ کا حرم! چار دیواری کے سامنے کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہوئے دل کی حالت عرض کرنا چاہی لیکن اس سے پیشتر ہی انقباض کی کیفیت ختم ہو گئی اور اشکوں کے دھارے بہہ نکلے۔ تکلیف کا یہ فوری مداوا سیدہ ام المؤمنین کے حضور نصیب ہوا۔ اللہ اللہ اس گھرانے کی شفقتوں کا کیا کہنا جس کے سربراہ رحمۃ العالمین ﷺ ہیں اور پھر اس ہستی کی شفقت کا کیا ذکر جن کی ذات آقائے نامدار ﷺ کے لئے بھی تشفی کا باعث تھی۔

حضرت جیؒ نے اس ذہنی طور پر معذور شخص کے متعلق فرمایا تھا' کُلُّ شَیئٍ شَیئٌ اِلاَّ الْجَاھِلُ فَاِنَّہٗ لَیْسَ شَیئٌ (ہر چیز کچھ نہ کچھ تو ہوتی ہے سوائے جاہل کے جو کچھ بھی نہیں ہوتا)۔اس سے قبل اس شخص نے ایک مرتبہ حضرت امیر المکرّم سے خواہ مخواہ نزاع کی صورت پیدا کر لی تھی جس کا تذکرہ حضرت جیؒ کے خطوط میں ملتا ہے۔ یومُ الترویہ جیسے مبارک دن بھی مکۂ مکرمہ میں حکیم بشیر نے ایک بزرگ ساتھی کو ناراض کیا جس کے نتیجہ میں وہ ساتھی دلبرداشتہ ہوکر ایام حج میں حضرت جیؒ اور احباب سے الگ تھلگ رہے۔اگرچہ دو روز بعد منیٰ میں دوبارہ آن ملے لیکن روحانی تنزلی کی صورت میں ان کا نقصان ہوا۔ حضرت جیؒ نے حج سے واپسی پر حضرت امیر المکرّم کے نام ایک مکتوب میں اس کا تذکرہ فرمایا ''دو راتیں جدا رہنا ہی ان کو نقصان پہنچا گیا۔ان کی جگہ پر مولانا.........آ گئے۔''

یہ واقعہ ان احباب کے لئے سبق کا درجہ رکھتا ہے جو بعض ساتھیوں کے طرزِ عمل سے دلبرداشتہ ہوکر سلسلۂ عالیہ یا شیخ سے کھچاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مقاماتِ سلوک میں تنزلی کا باعث بنتا ہے اور اگر جلد اصلاح کی صورت پیدا نہ ہوتو سلسلۂ عالیہ کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

5 فروری 1971ء کو یومِ عرفہ تھا۔مناسکِ حج کے مطابق حضرت جیؒ زوال سے قبل میدانِ عرفات پہنچ گئے۔ اس روز آپؒ کی طبیعت انتہائی ناساز تھی اور کمزوری حد سے بڑھ گئی تھی۔آپؒ کے ساتھ کچھ احباب معلم کے خیمے میں رہے جبکہ دیگر ساتھی مسجدِ نمرہ چلے گئے۔آپؒ کی صحت اس قابل نہ تھی کہ خیمہ سے باہر نکل سکتے لیکن عصر کے بعد اصرار فرمایا اور ساتھیوں کے ہمراہ جبلِ رحمت کے دامن تک پہنچے۔ چوٹی پر چڑھنے کا ارادہ کیا لیکن صحت

نے اجازت نہ دی تو اسی جگہ وقوفِ عرفات کیا اور دیر تک دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔

وقوف عرفات مکمل کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے احباب کو فرمایا:

''مبارک ہو''

یہ مبارکباد قبولیتِ حج پر خوشی کا اظہار تھی۔

مغرب کے بعد گاڑی سے مزدلفہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہاں پہنچ کر کھلی وادی میں جھاڑیوں کے درمیان ڈیرہ جمایا اور رات بھر ذکر و اذکار اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ 6 فروری کو سورج نکلنے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور منیٰ پہنچے۔ یہاں معلم کے خیمہ میں رہائش کا بندوبست کیا' باقی مناسکِ حج ادا کئے اور 9 فروری کو مکۂ مکرمہ واپسی ہوئی۔ یہاں پہنچے تو واپسی کی نشستوں کے تحفظ کا مرحلہ درپیش تھا جس کے بغیر مدینہ منورہ حاضری کی اجازت نہ تھی۔

بحیثیت ناظمِ اعلیٰ نشستوں کا تحفظ حافظ عبدالرزاق کے ذمہ تھا لیکن اس سے قبل انہیں ہوائی سفر یا بکنگ وغیرہ کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ کراچی سے روانہ ہوئے تو واپسی کا خانہ خالی رکھا لیکن مکۂ مکرمہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اب حاجیوں کے رش کی وجہ سے واپسی کی نشستیں محفوظ کرانا کارِ دارد ہے۔ کئی بار جدہ آئے لیکن پی آئی اے کا مستقل جواب تھا کہ آئندہ چھ ماہ تک سیٹ ملنے کا امکان نہیں اور جب ملے گی تو نیا کرایہ دینا ہوگا۔ جدہ میں انہوں نے یہ مسئلہ اپنے ایک دوست کے سامنے رکھا جو سفارت خانہ کے سکول میں ملازم تھے۔ وہ انہیں ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس لے گئے کہ شاید ان کا اثر و رسوخ کام آجائے۔ دورانِ گفتگو حافظ صاحب کی تعلیمی قابلیت اور تدریسی تجربے کا ذکر

ہوا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے انہیں اپنے ہی سکول میں اعلیٰ مشاہرے پر تقرری کی پیشکش کر دی۔ واپسی پر حضرت جیؒ سے اس کا ذکر کیا تو آپؒ نے فرمایا:

''کیا آپ نوکر نہیں ہیں جو ملازمت کے متعلق سوچ رہے ہو۔ مشائخ نے سلسلہ کی خدمت آپ کے سپرد کر رکھی ہے۔ آپ باقاعدہ ملازم ہیں اور آپ کے ذمہ بہت سے کام ہیں' کہیں ملازمت کا خیال دل میں نہ لانا۔''

یوں تو ہر مومن نے جنت کے عوض اپنی جانوں کا سودا اللہ تعالیٰ سے چکا رکھا ہے لیکن وہ خوش نصیب جنہیں سلسلۂ عالیہ میں کوئی ذمہ داری سونپ دی جائے' ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اپنا نہیں ہوتا جسے اپنی مرضی سے صَرف کر سکیں۔ وہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی اس بات کے مکلّف ہیں کہ شیخ یا امیر سے اجازت طلب کریں تاکہ دربارِ نبوی ﷺ کے غلام اور کارندے کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری میں خلل واقع نہ ہو۔

نشستوں کے تحفظ کے لئے بار بار جدہ کے چکر اور تمام ذرائع بروئے کار لانے کے باوجود کامیابی نہ ہوئی تو معلم کی خدمات حاصل کی گئیں لیکن اس کے لئے اچھی خاصی فیس ادا کرنا پڑی۔

10 فروری کو احباب نے غارِ ثور کی زیارت کی لیکن حضرت جیؒ کے لئے یہ چڑھائی ممکن نہ تھی۔ آپؒ جبلِ ثور تک گئے اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر واپس لوٹ آئے۔ 12 فروری کو یومِ جمعہ تھا۔ تنعیم جا کر احرام باندھا اور واپس آ کر عمرہ کیا۔ اسی روز معلم کی طرف سے خبر ملی کہ نشستوں کا تحفظ ہو چکا ہے اور 26 فروری کو صبح پانچ بجے جدہ سے کراچی کے لئے روانگی ہو گی۔

13 فروری کا پورا دن بیت اللہ میں گزرا۔ اس روز موسلا دھار

بارش ہوئی اور تیز ہوا چلنے لگی تو میزابِ رحمت سے گرنے والے بارانِ رحمت کے چھینٹے حطیم میں موجود ساتھیوں کے حصہ میں بھی آئے۔

14 فروری کو مدینہ منورہ روانگی کا پروگرام تھا جو معلم کی طرف سے ٹیکسی کے انتظام میں تساہل کی وجہ سے مزید ایک دن مؤخر ہوا۔ 15 فروری کو ظہر کے بعد طوافِ وداع کیا جس کے بعد احباب مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ حضرت جیؒ 15‘ 16 فروری کی رات جدہ سے بذریعہ ہوائی جہاز مدینہ منورہ پہنچے جبکہ احباب کی آمد 16 فروری کو ظہر کے وقت ہوئی۔

حضرت جیؒ‘ حضرت امیر المکرمؒ‘ اکثر احباب سلسلہ اور اہل اللہ کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ روضۂ اطہر پر آقائے نامدار ﷺ کے حضور جب مراقب بیٹھتے ہیں تو قدمین مبارک کی سمت‘ کیونکہ یہی قرینۂ ادب ہے۔ بابِ جبریل کی سمت مسجدِ نبوی ﷺ کی دیوار میں پہلی کھڑکی قریباً اس جگہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ اُن دنوں اس کھڑکی سے متصل باہر کی جانب ایک چھوٹے سے احاطے میں سبزہ ہوا کرتا تھا جہاں بیٹھ کر حضرت جیؒ کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرضداشت پیش کرنے کا موقع ملا۔

مراقبۂ دربارِ نبوی ﷺ میں حضرت جیؒ کے ہمراہ احباب کی حاضری ہوئی تو آقائے نامدار ﷺ کے فرمان کے مطابق ان احباب کی تجدیدِ بیعت کی گئی۔ اس موقع پر خصوصی انعامات اور سندات عطا ہوئیں جبکہ چار ساتھیوں کے نام ملفوف بھی عطا ہوئے۔ حضرت جیؒ نے بعد میں اس کی تعبیر بتائی کہ قطبیت کے چاروں مناصب سلسلۂ عالیہ میں منتقل ہو گئے ہیں۔

18 فروری کو طے ہوا کہ آج مدینہ طیبہ کے اردگرد اسلامی تاریخ کے جو اوراق بکھرے پڑے ہیں ان کا مشاہدہ کیا جائے۔ چنانچہ جبل سلع‘ جس

کے دامن میں مدینۃ النبی ﷺ کے دفاع کے لئے خندق کھودی گئی تھی' تاریخی مساجد بشمول مسجدِ قبلتین' بیرِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مزار حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی گئی۔

جمعۃ المبارک 19 فروری 1971ء کو مسجد نبوی ﷺ میں حاضری کے دوران حضرت جیؒ کو آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں چند علمی گذارشات پیش کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

عالم بیداری میں دربارِ نبوی ﷺ میں حضوری! پھر وہاں یاراءِ گویائی! اذن ملے تو ممکن ہے اور حوصلہ عطا ہو تو زبان کھل سکتی ہے۔ حضرت جیؒ نے آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں بعض علمی مسائل کے بارے میں رہنمائی کی درخواست کی تو جواب میں علم وعرفان کے سمندر عطا ہوئے لیکن کوزے میں بند کیونکہ جامع الکلام ہونا آقائے نامدار ﷺ کا معجزہ ہے جس کا اظہار روحانی کلام میں بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح احادیث نبوی ﷺ میں نظر آتا ہے۔

حضرت جیؒ آغازِ گفتگو کے متعلق فرماتے ہیں:

"سَأَلَ مِنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُؤَالاً رُوْحَانِيًّا عَنْ حَدِيْثِ الثَّقَلَيْنِ ...."

(رسول اللہ ﷺ سے روحانی سوال کیا' حدیثِ ثقلین کے بارے میں)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"حدیث میں جن لوگوں کا ذکر ہے' ان سے تمسّک کرنا کتاب وسنت سے تمسّک کرنا ہے۔"

اس کے بعد احادیث میں موجود الفاظ اہل بیتی اور سنتی میں تطابق کے متعلق سوال ہوا جس کا تفصیلاً جواب عنایت ہوا۔

اثنائے گفتگو حضرت جیؒ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ جس طرح ہمارے سلسلہ کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں روحانی طور پر حاضر ہوتے ہیں' اس طرح اور لوگ بھی حاضر ہوتے ہیں۔''

جواب ملا:

اِذَا لَمْ یَنْسَلِخِ الرُّوْحُ مِنَ الْجَسَدِ فَکَیْفَ یَصِلُ اِلَیَّ

(جب روح جسم سے الگ نہ ہو تو میرے پاس کیسے پہنچے گا)

حضرت جیؒ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تین چار بزرگ ایسے معلوم ہوتے ہیں وہ غوث اور قطب کے نام سے موسوم ہیں۔''

فرمایا گیا:

هُمْ اَقَلُّ قَلِیْلٍ (وہ بہت ہی کم ہیں)

گفتگو کا یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ آخر میں اس فرمانِ نبوی ﷺ کا ذکر ہوا جس کے مطابق تمام مومنین کے اعمال ہر سوموار اور جمعرات کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر حضرت جیؒ نے بتایا کہ میرے اعمال کی اطلاع پر حضور ﷺ کی طرف سے خوشی کا اظہار فرمایا گیا۔

روحانی کلام کا سلسلہ ختم ہونے کو تھا کہ روضۂ اطہر کے اندر سے اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ہیں۔ جب حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر پہنچے تو مسجدِ نبوی ﷺ کے مؤذن نے بھی اذان شروع کر دی۔ اس طرح حضرت سعد بن میبّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی تصدیق ہوگئی کہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ (انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں' وہ اپنے اپنے مقابر میں نماز ادا کرتے ہیں)۔

آقائے نامدار ﷺ کے حضور حضرت جیؒ کے اس روحانی کلام کے متعلق ہدایت فرمائی گئی کہ میری اور اپنی گفتگو سب لکھ دو اور طبع کرا دو تاکہ دین مضبوط ہو اور لوگ مستفیض ہوں۔ حضرت جیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ باتیں اور بھی تھیں جن کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اُکْتُمْ فِیْ صَدْرِکَ (انہیں اپنے دل میں چھپا کر رکھو)۔ اس کے بعد جنت البقیع میں حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت جیؒ نے عرض کیا:

جِئْنَاکِ لِنَزُوْرَ قَبْرَکِ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمْ عَلَیْکِ یَا اُمِّیْ (ہم آئے ہیں کہ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کریں اور آپ پر درود سلام پڑھیں اے میری اماں)

قَالَتْ اَھْلاً وَسَھْلاً مَرْحَبَا

(وہ کہنے لگیں خوش آمدید)

حضرت جیؒ نے استفادہ کیلئے چند سوالات پوچھنے کی اجازت طلب تو

جواب ملا:

فَاسْئَلُوْ اُجِیْبُکُمْ

(تم سوال کرو میں جواب☆ دیتی ہوں)

☆ یہ سوال و جواب حضرت جیؒ کی گراں قدر تصنیف اور ''اسرار الحرمین'' میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

20 فروری کو میدانِ احد جانے کا پروگرام بنا۔ کھجوروں کے باغوں سے گزرتے ہوئے (اس وقت تک یہاں تعمیرات کا آغاز نہ ہوا تھا) جبل الرماۃ کے دامن میں پہنچے اور بلندی پر اس غار کی زیارت کی جہاں حضور ﷺ نے زخمی ہونے کے بعد آرام فرمایا تھا۔

21 فروری کو مسجدِ قبا کی زیارت کا پروگرام بنا۔ راستے میں ایک چھوٹی سی مسجد کی زیارت کی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں پہلا جمعہ پڑھا گیا اور اسی نسبت سے اس کا نام ''مسجدِ جمعہ'' ہے۔ مسجدِ جمعہ کے قریب شمال کی جانب ایک چبوترا تھا جس کے متعلق بتایا گیا کہ یہاں بنی نجار کی بچیوں نے دف بجا کر طربیہ اشعار سے حضورِ اقدس ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ مسجد قبا پہنچ کر نوافل ادا کئے اور کچھ دیر مراقبات کرنے کا موقعہ ملا۔

مسجد قبا کے جنوب کے طرف گئے تو دارِ کلثوم کے پاس ایک گنبد والا مکان نظر آیا۔ حضرت جیؒ نے احباب سے فرمایا کہ یہاں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہیں اور وہ فرما رہے ہیں:

> ''حضورِ اکرم ﷺ ہر ہفتے یہاں تشریف لاتے تھے۔
> ہمارے ساتھ انتہائی شفقت کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ
> کا یہ معمول تھا۔ روضۂ اطہر پر حاضری کے وقت میرے
> آقا ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا۔''

اسی موقعہ پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جیؒ کے ہمراہ ایک ساتھی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے دورانِ سفر خواب کے عالم میں مجھ سے پوچھا تھا کہ مدینہ طیبہ یہاں سے کتنی دور ہے اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میلین او رثلاثہ میاں۔ اس ساتھی پر رقت طاری ہو گئی اور خواب کا واقعہ یاد آ گیا۔

اس کے بعد مسجدِ شمس کی طرف گئے' کھجوروں کے باغات دیکھے اور واپسی پر بیئرِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام پر رکے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں مہرِ نبوت والی انگوٹھی گرنے کے بعد دورِ عثمانی میں فتنوں کا آغاز ہوا۔ اہلِ بصیرت احباب نے کشفاً اس روایت کی تصدیق کی۔

22 فروری مسجد نبوی ﷺ میں آخری دن تھا۔ طے پایا کہ آج اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مقامِ صفہ پر تلاوت قرآنِ حکیم کی جائے۔ چنانچہ حضرت جیؒ کے ہمراہ تمام احباب نے مل کر ایک قرآنِ مجید ختم کیا اور اس کا ثواب آقائے نامدار ﷺ کے حضور پیش کیا۔ فارغ ہو کر سلام کے لئے مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہوئے تو آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ سلامِ وداع پیش کیا کیونکہ اگلے روز مدینہ طیبہ سے روانگی تھی۔ روضۂ اطہر ﷺ سے الوداع ہونے کے موقع پر بارگاہِ نبوت ﷺ سے انعام کے طور پر سارا قرآن کریم ایک کپڑے یا ورق پر لکھا ہوا حضرت جیؒ کے سینے پر چسپاں کر دیا گیا۔ ارشاد ہوا اس کی برکت سے قرآن فہمی آسان ہوگی' آپ جس کے سینہ پر بِسۡمِ اللّٰہِ لکھ دیں گے اس کو بھی قرآن فہمی میں آسانی ہوگی۔

23 فروری کا سارا دن احباب نے بس اڈہ پر گزارا اور رات قریباً 9 بجے جدہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مختلف بسیں تبدیل کرتے ہوئے رات بھر سفر کے بعد اگلے روز جدہ پہنچے جبکہ حضرت جیؒ نے مدینہ منورہ میں مزید دو روز بسر کئے۔ آپؒ 24 فروری کو بذریعہ ہوائی جہاز عصر کے قریب جدہ پہنچے۔

25 فروری کا پورا دن جدہ میں گزارا اور رات 9 بجے واپسی سفر کے مراحل کا آغاز ہوا۔ 25' 26 فروری کی پوری رات زیرِ تعمیر ایئر پورٹ'

مطارِ جدید پر گزری اور صبح 5 بجے سعودی ایئر لائنز کے طیارہ سے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ 9 بجے کے قریب کراچی پہنچے تو ساتھیوں کا ہجوم استقبال کے لئے موجود تھا لیکن ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے استقبالی نعرے' نہ ہاروں کے انبار۔

کراچی سے حضرت جیؒ نے واپسی کا سفر بذریعہ ٹرین کیا۔ یہاں مختصر قیام کے دوران آپؒ نے احباب کو مختلف تحائف' تسبیح وغیرہ سے نوازا۔ ایک صاحب کی نگاہ آپؒ کے سفری لباس پر تھی کہ آپؒ تبدیل کریں تو یہ انہیں مل جائے۔ حضرت جیؒ نے لباس تبدیل کرنے کے بعد الگ سے رکھوا دیا اور وقتِ روانگی ان صاحب کو خاص طور پر بلا کر عنایت فرمایا۔ یہ محض ایک اتفاق نہ تھا بلکہ احباب کے ساتھ ایسے واقعات بکثرت پیش آیا کرتے تھے۔

کراچی سے روانگی کے بعد ہر بڑے اسٹیشن پر احباب کی ایک بڑی تعداد حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے موجود ہوتی۔ کئی ایسے ساتھی بھی تھے جو دو چار اسٹیشن تک شریکِ سفر ہوئے۔ وزیر آباد جنکشن کے بعد کچھ فوجی ساتھی بھی ٹرین پر سوار ہو گئے۔ ٹرین جب کھاریاں اور سرائے عالمگیر پہنچی تو وردی میں ملبوس فوجی ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے ٹرین کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے آپؒ کو سلام پیش کیا۔

مکہ مکرمہ سے ایک خط میں حضرت جیؒ نے حضرت امیر المکرّم کو ہدایت فرمائی تھی کہ واپسی پر آپؒ لاہور نہیں اتریں گے بلکہ بذریعہ ٹرین جہلم تک آئیں گے جہاں وہ گاڑی لے کر آ جائیں۔ ٹرین جہلم پہنچی تو حضرت امیر المکرّم گاڑی لئے موجود تھے جس میں آپؒ نے چکڑالہ تک کا سفر کیا۔

حرمین شریفین سے واپسی پر حضرت جیؒ نے تحریری صورت میں اس

دورہ کے حالات و واقعات اور روحانی کلام پر مشتمل کچھ مواد حافظ عبدالرزاق کے سپرد فرمایا جو اس مقدس سفر کا ماحصل تھا۔ اسے حضرت جیؒ کی معرکۃ الآرا کتاب ''اسرارالحرمین'' کی صورت میں 1971ء میں ہی شائع کر دیا گیا۔

بارگاہِ نبوی ﷺ میں روحانی حاضری کے دوران شرفِ کلام اس قدر نازک باب ہے کہ بڑی بڑی ہستیوں کو اس بارے میں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ تاریخِ تصوف میں کئی مشاہیر کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئے جن کا تعلق بارگاہِ نبوی ﷺ میں روحانی کلام سے تھا۔ ایسے واقعات کا تواتر اور قرآن و حدیث سے صحتِ کلام کی توثیق کے بعد اس عامیانہ اعتراض پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمیں بھی سب کچھ دکھایا جائے یا ہمیں بھی روحانی کلام کرائیں تو مانیں گے۔ دیکھنے اور سننے کے لئے سمع و بصر کی استعداد لازم ہے جبکہ معذور دیکھ سکتا ہے نہ کلام کر سکتا ہے۔

ماضی قریب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے آقائے نامدار ﷺ سے اپنے روحانی کلام کو صفحۂ قرطاس پر لانے کا حوصلہ پایا اور وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (پس بیان کریں اپنے رب کی اس نعمت کو جو اس نے آپ پر فرمائی ہے) کے مصداق یہاں تک کہہ دیا کہ میں نے قرآن پاک سبقاً سبقاً آقائے نامدار ﷺ سے پڑھا ہے۔ اس قول پر فتوے بھی لگے اور جن لوگوں کی بساطِ شعور میں اتنی بڑی بات کا سمانا ممکن نہ تھا' وہ انکار کر بیٹھے۔

حضرت جیؒ نے بھی حرمین شریفین کی حاضری کے دوران پیش آنے والے واقعات' روحانی کیفیات اور مکاشفات کو انتہائی شرح و بسط اور تیقن کے ساتھ بیان فرمایا جو ہمیشہ سے اہل اللہ کا انداز رہا ہے۔ تقویٰ کے درجۂ کمال کے اہتمام میں آپؒ کی احتیاط کا یہ عالم ہوا کرتا تھا کہ مباح کی سرحدوں سے

بھی ہمیشہ فاصلہ رکھا لیکن جب مکاشفات کا اظہار فرمایا جن کا تعلق دربار نبوی ﷺ سے تھا تو انتہائے یقین کے ساتھ۔ یہی اندازِ تیقن' صحت کے درجۂ کمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

آقائے نامدار ﷺ سے حضرت جیؒ کا روحانی کلام جو مبشرات کے عنوان کے تحت اسرار الحرمین میں شائع ہوا' صرف مکاشفات ہی نہیں بلکہ ظاہری و باطنی تعلیمات کے ایسے پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے جنہیں کلیاتی درجہ حاصل ہے۔ اس کلام سے ایسے رہنما اصول متعین ہوتے ہیں جن کی روشنی میں شریعت کے عقدے کھلتے چلے جاتے ہیں اور جن پر کئی ابواب رقم کرنے کی ضرورت ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ قرآن و حدیث سے تقابل کرتے ہوئے اہلِ بصیرت اور علمائے حق ان سے استفادہ کرتے لیکن اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مکاشفات پر اس دور میں غور و فکر تو ہوا جس کا نتیجہ تائید و اختلاف' دونوں صورتوں میں سامنے آیا لیکن حضرت جیؒ سے متعلق یہ باب اہل دانش کی سرد مہری کا شکار رہا۔

ضرورت تائید کی نہیں' جو قرآن و حدیث کی صورت موجود ہے۔ سلسلۂ عالیہ کے ایسے احباب کی کمی حضرت جیؒ کے زمانے میں تھی نہ اب ہے جن کی نگاہِ بصیرت نے حسبِ بساط ان مکاشفات سے اپنا حصہ وصول کیا۔ البتہ عام سطح پر استفادے کا فقدان ضرور ہے جو شاید اس وقت تک رہے گا جب تک قلب و نظر کی صلاحیت پھر سے عام نہ ہو۔ حضرت جیؒ کی گراں قدر تصنیف ''اسرار الحرمین'' اہل دانش سے غواصی کی مقتضی ہے کہ اس میں کئی گوہر گراں مایہ ان کی امانت کی صورت میں مستور ہیں۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے!

غزوۃ الہند

جدہ کے لیے فلائٹ نہ ملنے کی وجہ سے حضرت جیؒ نے 19 دسمبر 1970ء سے 24 جنوری 1971ء تک کراچی میں قیام فرمایا۔ اس وقت ماڑی پور ایئربیس میں بھی حلقۂ ذکر قائم ہو چکا تھا۔ فضائیہ کے ساتھیوں کے ہاں آپؒ ماڑی پور تشریف لے گئے تو وہاں حضرت عبداللہ شاہؒ المعروف ''صحابی'' کے مزار کا تذکرہ ہوا۔

حضرت جیؒ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں' ساتھ ہی فرمایا کہ وہ آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ حضرت جیؒ کا یہ معمول رہا کہ مشائخ یا ان اہل اللہ کے سوا جو راہِ سلوک میں آپؒ کے ساتھ رہے' کبھی کسی مزار پر نہ گئے لیکن ماڑی پور والے حضرت عبداللہ شاہؒ واحد ہستی ہیں جن کی طرف سے دعوت ملی تو احباب کے ہمراہ ان کے مزار پر تشریف لے گئے۔ آپؒ نے ان کی غیر معمولی طویل قبر کے اس حصہ کی نشاندہی کی جہاں حضرت عبداللہ شاہؒ مدفون ہیں اور فرمایا کہ ان کا قد معمول سے قدرے طویل ہے لیکن سر کی سمت قبر کو بلاجواز طول دے دیا گیا ہے۔ حضرت جیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اپنے دور کے جیّد اولیاء کرامؒ میں سے تھے۔ آپؒ نے حضرت عبداللہ شاہؒ سے دریافت کیا کہ حضرت یہاں کیوں تشریف لائے؟ تو وہ

فرمانے لگے:

''غزوۃُ الہند کا سنا تو چلا آیا کہ کہیں گزر نہ جائے۔ یہاں پہنچا تو آخری وقت آ گیا۔ جنازے میں صرف چار آدمی تھے۔''

غزوۃ الہند کے متعلق نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

عَنْ ثَوبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِیْ حَرَّمَھُمَا اللّٰہُ مِنَ النَّارِ عِصَابَۃٌ تَغْزُ الْھِنْدِ وَ عِصَابَۃٌ تَکُوْنُ مَعَ عِیْسٰی اِبْنِ مَرْیَمْ عَلَیْھِمَا السَّلاَمْ. (صفحہ 52، نسائی شریف جلد۔2)

''میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کو حرام کر دیا، ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا اور دوسرا وہ جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔''

اسی بارے میں ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃ قَالَ وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ غَزْوَۃَ الْھِنْدِ فَاِنْ اَدْرَکْتُھَا اُنْفِقْ مِنْھَا نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَاِنْ قُتِلْتُ کُنْتُ اَفْضَلُ الشُّھَدَاءِ وَاِنْ اَرْجِعْ فَاَنَا اَبُوْھُرَیْرَۃَ الْمُحَرَّمْ.

''رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوۃُ الہند کا وعدہ فرمایا۔ اگر مجھے یہ نصیب ہوا تو اپنی جان اور مال اس میں کھپا دوں گا اور اگر میں اس میں مارا گیا تو میں افضل ترین شہداء میں سے ہوں گا اور اگر زندہ واپس لوٹا تو میں

(ابو ہریرہؓ) آگ سے نجات یافتہ ہوں گا۔''

حضرت عبداللہ شاہؒ تک جب غزوۃُ الہند کی حدیث مبارک پہنچی تو انہوں نے بلاتوقف وطن چھوڑا اور اس زمانے کی معروف سلطنتِ ہند کی جانب روانہ ہوئے مبادا! اس غزوہ میں شرکت کے اعزاز سے محروم رہ جائیں جس پر آقائے نامدار ﷺ نے بلاحساب جنت میں داخلے کی بشارت دی تھی۔ اس نوع کی بشارت یا تو حضور ﷺ کے مقدس دور میں آپ ﷺ کے خوش قسمت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حصہ میں آئی جیسے عشرہ مبشرہ یا اہل بدر اور اب یہ اعزاز غزوۃ الہند میں شریک ہونے والوں کے حصہ میں آئے گا۔ ان مجاہدین کی خوش بختی کا کیا کہنا جنہیں غزوۃُ الہند میں عملی شرکت نصیب ہوگی لیکن ہر دور میں وہ گلیم پوش جن کے دن گھوڑوں کی پیٹھ پر اور راتیں سجدوں میں گزرتی تھیں' وہ سب کے سب غزوۃُ الہند کی آرزو کرتے رہے۔

غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور ﷺ بنفس نفیس شریک ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس غزوہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد وقوع پذیر ہونا ہے اور عجیب تر یہ کہ شریک ہونے والوں کو جنت کی بشارت ہے حساب کتاب کے بغیر اور آنجناب ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا تھا کہ ہند کے ساحلوں سے آپ ﷺ کو ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔

حضرت عبداللہ شاہؒ کو ایک لحاظ سے غزوۃُ الہند میں شرکت کرنے والے عالمِ اسلام کے جیوش کا سرخیل قرار دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اسی تمنا میں وطن چھوڑا اور آج ماڑی پور کے ساحلِ سمندر پر آرام فرما ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جیؒ نے ان کا خصوصی اکرام فرمایا اور ان کی دعوت پر ان کے

مزار پر حاضری دی۔ حضرت جیؒ کے اسی دورہ میں ایک مرتبہ احباب نے غزوۃ الہند کے متعلق سوال کیا کہ یہ کب پیش آئے گا؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ دیکھ لو۔ اس وقت احباب نے مشاہدہ کیا کہ اس غزوہ میں شرکت کرنے والے جیوش مختلف اقوامِ عالم سے ہیں' ان کے لباس مختلف ہیں' مختلف نسلیں اور مختلف حلیے ہیں لیکن سب میں ایک قدر مشترک ہے کہ وہ غزوۃ الہند کے بارے میں آقائے نامدار ﷺ کے فرمان کے پیشِ نظر جذبۂ شہادت سے سرشار بلا امتیازِ ملک وقوم اس میں شریک ہیں۔

حضرت جیؒ نے سرزمینِ ہند کی نسبت سے یہ مشاہدہ بھی کرایا کہ حجاج بن یوسف کا دور ہے اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مسجد سے متصل وسیع میدان لوگوں سے اٹا پڑا ہے جو ہاتھوں میں درخواستیں تھامے حجاج بن یوسف کے روبرو کھڑے ہیں کہ انہیں گھریلو مسائل کی وجہ سے محمد بن قاسمؒ کے ہمراہ ہندوستان جانے سے معذور قرار دیا جائے۔ اچانک حجاج بن یوسف کی طرف سے حکم صادر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سر پکے ہوئے خوشوں کی طرح ان کی گردنوں پر بوجھ بن چکے ہیں' جنہیں تن سے جدا کر دیا جائے۔ یہ منافقین کا انجام تھا جو اگرچہ ہر دور میں موجود ہوتے ہیں لیکن ان کی سرکوبی کے لیے کوئی حجاج بن یوسف خال خال ہی ملتا ہے جبکہ اکثر کا حساب روزِ محشر کے لئے مؤخر کر دیا جاتا ہے۔

1972ء میں حضرت جیؒ کراچی کے دورہ پر تشریف لائے تو انہی دنوں روسی بحریہ کا ایک ٹرالر کراچی کے ساحل سے کچھ فاصلہ پر کھلے سمندر میں پراسرار طور پر لنگر انداز تھا۔ یہ بات زبان زد عام تھی کہ یہ ٹرالر ایک گمشدہ روسی آبدوز کی تلاش میں ہے جو 1971ء کی جنگ میں دشمن کی معاونت کے

لئے آئی لیکن یہاں غرقاب ہوگئی۔ روسی جہاز کی پاکستانی سمندروں میں موجودگی کی وجہ سے کراچی کے عوام میں خاصی سراسیمگی پائی جاتی تھی اور 1971ء کی جنگ کی بازگشت کے طور پر لوگ ایک اور جنگ کی توقع کر رہے تھے۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں جنگ کے خدشہ کا اظہار کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا:

''1971ء کی جنگ کے بعد پاکستان اور ہندوستان کے مابین اب کوئی بڑی جنگ نہیں ہوگی سوائے غزوۂ الہند کے جس میں فتح ہماری ہوگی۔''

حضرت جیؒ کو پاکستان کے مستقبل کے بارے میں ذرہ بھر شائبہ نہ تھا کہ غزوۂ الہند سے قبل اس پر کوئی بڑی جنگ مسلط نہ کی جا سکے گی' جس کا اظہار آپؒ نے بارہا فرمایا۔

1980ء کے سالانہ اجتماع میں احباب حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس سے قبل 1979ء میں افغانستان پر روس کا بڑا حملہ بھی ہو چکا تھا۔ کرنل گلزار نے اس روسی حملے کے حوالے سے پاکستان کے متعلق خدشات کا ذکر کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''مراقبہ کی حالت میں دیکھا کہ منبرِ رسول ﷺ کے دائیں اور بائیں سے مسلح گھڑ سوار تیزی سے پاکستان کی طرف بڑھے۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان پہاڑ کی طرح دیوار حائل ہوگئی۔ روسی ٹینک آتے اور ٹکرا کر واپس چلے جاتے۔''

حضرت جیؒ نے یہ مشاہدہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''روس پاکستان پر کبھی حملہ نہ کرے گا۔''

اسی موقعہ پر آپؒ نے مزید فرمایا:

''پاکستان کی حدیں وسیع ہو جائیں گی' انڈیا کے ساتھ بڑی جنگ ہوگی' کشمیر فتح ہو جائے گا' دہلی فتح ہوگی۔ فاتح جنرل اپنا ساتھی ہوگا۔ اس موقع پر اس قدر خوش ہوگا کہ دل پھٹ جائے گا اور اپنی فتح کو دیکھ نہ پائے گا۔''

حضرت جیؒ کے اس ارشاد کے مطابق کہ اب غزوۃ الہند سے قبل پاکستان کی ہندوستان سے کوئی بڑی جنگ نہ ہوگی' فتح کی یہ نوید غزوۃ الہند ہی کے متعلق ہوسکتی ہے۔ غزوہ ہونے کی نسبت سے اس میں آپ ﷺ کی شرکت کس طرح ہوگی؟ واللہ اعلم لیکن اہلِ طریقت کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ عالم برزخ میں تشریف فرما ہونے کے باوجود کثرتِ توجہ ذاتی معیت کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے' واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ شاہؒ بھی اس وقت کے منتظر تھے کہ کب غزوۃ الہند کا آغاز ہو اور وہ اس میں روحانی طور پر ہی سہی' شریک ہوں۔ ان کے مزار پر حاضری کا موقع ملا تو فرمایا' وہ غزوۃ الہند میں شریک ہوں گے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی۔ اس وقت تک اس غزوہ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت علم میں نہ تھی۔ روایت ملی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی غزوۃ الہند میں شرکت کی شدید خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو غزوۃ الہند میں شرکت کی تمنا لئے دنیا سے رخصت ہوا' وہ بھی اس غزوہ میں شامل ہوگا' نیت کے اعتبار سے اور روحانی طور پر۔ شرکت کی صورت جو بھی ہو' بلا حساب جنت میں داخلہ کی سند تو مل چکی لیکن اصل خوش نصیبی یہ ہے کہ غزوہ ہونے کی نسبت سے اس کے شرکاء کو آقائے نامدار ﷺ کی معیت بھی نصیب ہوگی۔

خدایا ایں کرم بارِ دِگر کُن

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا ادراک نصیب ہو تو احساسِ تشکُّر کے ساتھ ساتھ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں یہ آرزو بھی مچلنے لگتی ہے کہ عطاؤں کا یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو اور جود و سخا کی بارش اسی طرح برستی رہے۔ اس عالم میں زبان پر بے ساختہ یہ دعا جاری ہو جاتی ہے:

''خدایا ایں کرم بارِ دِگر کُن''

ذکرِ الٰہی کی محافل میں بارہا یہ کیفیت دیکھنے میں آئی کہ حضرت جیؒ کی زبان مبارک پر یہ مصرع جاری ہو جاتا اور پھر اس قدر تکرار فرماتے گویا آپؒ نے دامانِ رحمت کو تھام رکھا ہو اور اس وقت تک مانگتے چلے جائیں گے جب تک قبولیت کا پروانہ عطا نہ ہو جائے۔ کچھ دیر بعد آپؒ کی آواز سسکیوں میں ڈوب جاتی اور پھر دیر تک رقت کی حالت طاری رہتی۔

حضرت جیؒ مستجاب الدعوات تھے اور اس پر مانگنے کا یہ عالم! قبولیت کے نتیجے میں یہ کرم بارِ دِگر ہی نہیں بلکہ آپؒ کی حیاتِ طیبہ میں مسلسل اور روز افزوں نظر آتا ہے۔ اس باب میں ''بارِ دِگر کُن'' کے حوالے سے حضرت جیؒ کے حجِ ثانی کا تذکرہ ہے۔

حضرت جیؒ نے 13 اگست 1972ء کے ایک مکتوب میں منارہ کے

سالانہ اجتماع کے متعلق فرمایا:

''اس سال جو انعام کی بارش رفقاء پر ہوئی وہ اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ تمام مناصب سلسلوں کے منتقل ہو کر ہمارے سلسلہ میں آ گئے۔ رسول اکرم ﷺ فِداکَ اُمی و اَبی نے پھر فرمایا کہ عرب آئیں اور حسبِ فرمان تیاری ہے۔''

ساتھیوں کو جب اطلاع ہوئی کہ حضرت جیؒ عمرہ کی تیاری فرما رہے ہیں تو آپؒ کی معیت میں عمرہ کے لئے کئی احباب نے تیاری شروع کر دی۔ ان میں سے اکثر وہ لوگ تھے جو حضرت جیؒ کے پہلے سفرِ حرمین کے احوال سے متاثر ہو کر اس مرتبہ آپؒ کے ہمراہ فیوض و برکات سے مستفید ہونے کی خواہش رکھتے تھے وگرنہ فریضۂ حج ادا کرنے پر قادر تھے نہ آپؒ کے بغیر عمرہ کے لئے تیار۔ حضرت جیؒ نے یہ احوال دیکھ کر عمرہ کا ارادہ ترک فرما دیا اور 7 جولائی 1973ء کے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

''میں نے عمرہ کا ارادہ اس لئے ترک کر دیا ہے کہ مِن جانب اللہ سخت غائبانہ تنبیہ ہوئی کہ جو آدمی آپ کے ہمراہ عمرہ پر جا رہے ہیں، یہ محض آپ کی صحبت چاہتے ہیں۔ کبھی آپ حج پر نہ جا سکیں تو یہ حج کو بھی ترک کر دیں گے۔ جن پر عمرہ ہے، ان پر حج بھی فرض ہے۔ نتیجتاً یہ تارکِ فرضیت بن جائیں گے۔''

حضرت جیؒ کے اس عمل سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اہم شخصیات کی معیت میں قافلوں کی صورت میں اور جہاز بھر کر حج و عمرہ پر جانے کا موجودہ رجحان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری اور روضۂ اطہر ﷺ کی

زیارت کے جذبۂ صادق سے میل نہیں رکھتا۔ سفرِ حرمین اگر شیخ کی معیت میں ہو تو یہ خوش قسمتی ہو گی لیکن اس صورت میں بھی حج اور عمرہ کی نیت خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونی چاہئے نہ کہ شیخ کے ساتھ مشروط کہ اگر وہ نہ جا سکیں تو خود بھی نہ جائیں گے۔ اب یہ مقامِ فخر بن چکا ہے کہ کون کس کے ساتھ عمرہ پر گیا اور کن صاحب کے ساتھ کتنا بڑا قافلہ شریکِ سفر تھا لیکن حضرت جیؒ نے عمرہ کا پروگرام ختم کرتے ہوئے اس رجحان کی حوصلہ شکنی فرمائی۔

حضرت جیؒ کی معیت میں عمرہ کے لئے ایک طرف تو ایسے احباب تیار ہو گئے تھے جن کی وجہ سے آپؒ کو عمرہ کا پروگرام تبدیل کرنا پڑا لیکن کچھ ایسے خوش نصیب بھی تھے جن کے ذاتی مسائل اگرچہ سدِّ راہ تھے لیکن آپؒ نے انہیں ساتھ چلنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت امیر المکرّم کے نام آپؒ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

> ''حج کی پوری تیاری کر لیں۔ تمہاری نیت میں تردُّد معلوم ہوتا ہے۔ اس تردُّد کو دور کریں۔''

ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا:

> ''خیال ہونا چاہئے' آپ کو اللہ و رسول ﷺ اور مشائخ کی طرف سے زنجیر ڈال کر حج پر لے جایا جا رہا ہے۔ سوچیں! آپ کو غالباً بلکہ یقیناً آسمان و زمین کا ستونی منصب ملنے والا ہے۔ میں نے کافی عرصہ سے اس منصب کے بارے میں آپ کا نامِ نامی پیش کیا' یہ منصب' اطاعتِ اللہ و رسول ﷺ کی وساطت سے اور مشائخ کے جوتوں کی خاک کو سرمہ بنانے سے ملتا ہے اور خود ذاتِ رب العالمین اس بندہ کو

اِستعداد بھی ودیعت فرماتے ہیں۔''

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت جیؒ کے سفرِ حرمین سے بعض ایسے باطنی معاملات بھی وابستہ ہوتے جن کے لئے دربارِ نبوی ﷺ میں روحانی حاضری کے علاوہ جسم و جان کے ساتھ حاضری بھی لازم تھی۔ آپؒ کے مکتوبات سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ تینوں سفرِ حرمین سے قبل آپؒ کو دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری کے لئے طلب فرمایا گیا اور جب ظاہری اسباب سدِّ راہ بنے تو ہدایت فرمائی گئی کہ ان کا خیال چھوڑ دیں۔ وہاں عطا ہونے والے انعام واکرام میں مناصب کی ترقی بھی شامل تھی جس کی طرف حضرت جیؒ نے اپنے اس مکتوب میں اشارہ فرمایا ہے۔ زمین و آسمان کے ستونی منصب کا تعلق اگر آپؒ کے خادمِ خاص حضرت امیرالمکرّم سے تھا تو خود آپؒ کا معاملہ کیا ہوگا جن کے طفیل یہ مناصب عطا ہوئے!

پہلے حج کے موقعہ پر ہوائی جہاز میں نشستیں محفوظ نہ کرانے کی وجہ سے خاصی زحمت ہوئی تھی۔ اس مرتبہ چونکہ حضرت امیرُ المکرّم بھی شریک سفر تھے' آپؒ نے انہیں ہدایت فرمائی:

''سیٹیں کنفرم کرالیں۔ ذی الحجہ کا چاند لاہور نظر آئے' دوسرے دن سوار ہو جائیں۔ جدہ اتر کر فوری مکہ مکرمہ' چھ سات دن حج کے اوّل کافی ہیں لیکن عمرے بھی ہو سکتے ہیں۔ 12 ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر سیدھا مدینہ طیبہ' آٹھ دن مسلسل چالیس نمازیں مسجد نبوی ﷺ میں ہو جائیں۔ یہ حساب خود کر لینا۔ نویں دن مدینہ سے واپس جائیں مگر واپسی کی سیٹ اوّل کنفرم کرائیں جدہ سے

کراچی کی۔ جدہ سے کراچی کی سیٹ میں واپسی پر سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اوّل لاہور' کراچی سے کرالیں۔ 12 تا 13 ذی الحجہ کو مکۂ مکرمہ سے روانگی مدینۂ طیبہ کی' آٹھ دن مدینۂ طیبہ کافی ہیں۔ سو یہ انتظام کرلیں تو سارے بیس یا پچیس دن آنے جانے پر خرچ ہوں گے۔ ایک ماہ کے اندر واپس آسکتے ہیں۔''

گزشتہ حج کے موقع پر قرعہ اندازی میں نام نہ نکلا تھا لیکن اس مرتبہ قرعہ اندازی کے تکلف میں پڑنے کی بجائے نیروبی ایئر لائن سے جدہ کے ٹکٹ حاصل کئے تو اسی ایئر لائن کی وساطت سے سعودی عرب کا ویزہ بھی مل گیا۔ حسبِ سابق حضرت جیؒ نے احباب کے ہمراہ لاہور سے کراچی کا سفر بذریعہ عوامی ایکسپریس سے کیا۔ آپؒ کے ساتھ 15 احباب کی خوش قسمت جماعت میں دو خواتین بھی تھیں۔ کراچی میں مختصر قیام کے بعد جدہ روانگی ہوئی اور وہاں سے حسبِ پروگرام مکۂ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ مکۂ مکرمہ میں رہائش کے لئے جو مکان ملا وہ محلّہ جیاد میں تھا۔ عجیب بات ہوئی کہ یہاں بے قراری کے عالم میں پہلو بدلتے ہوئے رات گزری حالانکہ دن بھر سفر اور عمرہ کی تھکاوٹ بھی تھی۔ علی الصبح حضرت امیرالمکرّم نے رات کی کیفیت بیان کی تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''یہ مکان اس جگہ تعمیر ہے جہاں ابوجہل نے آلِ یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے جس کے اثرات ابھی تک موجود ہیں۔''

یکم جنوری 1974ء یومُ التَّرْوِیہ یعنی آٹھ ذی الحجہ تھا۔ مناسکِ حج کا

آغاز احرام باندھنے سے ہوا۔ شرعی رخصت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طواف کے ساتھ سعی بھی کر لی گئی تاکہ واپسی پر جب تھکاوٹ اور ہجوم کی وجہ سے سعی کرنا مشکل ہو تو صرف طوافِ زیارت پر ہی اکتفا کیا جا سکے۔ طواف اور سعی کے بعد منیٰ کے لئے پیدل روانگی ہوئی۔ ظہر کے وقت مسجدِ خیف کے قریب پہنچے تو ایک ساتھی کو معلم اور خیمہ کی تلاش میں بھیجا۔ وہ کچھ دیر بعد واپس آیا اور قیام گاہ تک رہنمائی کی لیکن احباب کی زیادہ تعداد کی وجہ سے دو خیموں میں قیام ممکن ہوا۔

اگلے روز بس کے ذریعے وقوفِ عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ چونکہ یہاں تمام انتظامات معلم کے ذمہ تھے، اسی کے خیمہ میں ڈیرہ ڈالا اور اس کی روایتی مہمان نوازی سے استفادہ کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو حضرت جیؒ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ یہاں آپؒ نے یہ بھی وضاحت فرمائی کہ اگر مسجدِ نمرہ میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے تو ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر پڑھی جائیں لیکن نماز الگ سے ادا کرنی ہو تو ظہر اور عصر کو اپنے اپنے وقت پر ادا کیا جائے۔ نمازِ عصر کے بعد ذکر و اذکار اور دعاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو مغرب سے کچھ عرصہ قبل حضرت جیؒ کے ہمراہ اجتماعی دعا پر تمام ہوا۔

میدانِ عرفات سے بذریعہ ٹیکسی مزدلفہ پہنچے اور یہاں کے مناسک کے تحت نمازِ مغرب مؤخر کرتے ہوئے عشا کے ساتھ ادا کی۔ کھلے آسمان تلے ذکر و اذکار اور دعاؤں میں رات بسر ہوئی، صبح رمی کے لئے کنکریاں اکٹھی کیں اور منیٰ پہنچے۔ رمی اور قربانی کے بعد حلق کی شرط ادا کی اور احرام کھول دیا جس کے ساتھ ہی فریضہ حج کی تکمیل ہوئی۔ اگلے روز تینوں جمرات کو رمی کی، حرم شریف جا کر طوافِ زیارت کیا اور واپس منیٰ آ گئے۔ تیسرے روز

جمرات کو آخری رمی کی گئی اور بعد از نماز ظہر مکہ مکرمہ کے لئے روانگی ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں چار روز گزارنے کے بعد رات طوافِ وداع کیا اور 10 جنوری نمازِ فجر کے بعد پندرہ سیٹوں والی ٹیکسی کے ذریعے مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی۔ بدر کے مقام پر ظہرانہ اور شہدائے بدر کی خدمت میں حاضری کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو نمازِ عصر مسجدِ علی میں ادا کرنے کے بعد مکان کی تلاش شروع ہوئی۔ یہ مرحلہ بآسانی طے ہوا اور حسبِ خواہش جلد ہی تسلی بخش مکان مل گیا۔

11 جنوری 1974ء کا دن سیّد الایام تھا اور علی الصبح دربارِ رسالت ﷺ میں حاضری کا بھی پروگرام تھا۔ حضرت جیؒ نے ہدایت فرمائی کہ تمام احباب حضور ﷺ کا پسندیدہ سفید لباس پہنیں اور خوشبو لگائیں۔ آپؒ کی معیت میں احباب، بابُ السلام سے مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئے اور روضۂ اطہر ﷺ کے سامنے مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر دست بستہ سلام پیش کیا۔ پھر شیخین کی خدمت میں سلام عرض کیا اور باہر آ گئے۔

قدمین مبارک کی سمت بیرونی دیوار میں کھڑکی سے متصل ایک چھوٹا سا باغیچہ ہوا کرتا تھا۔ حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ یہاں قبلہ رو بیٹھ گئے اور ذکر کے بعد پہلے تین ساتھیوں کو دربارِ نبوی ﷺ میں پیش کیا جن کی تجدیدِ بیعت ہوئی اور انعامات عطا ہوئے۔ یہ ساتھی حضرت امیر المکرّم، حافظ عبدالرزاق اور مولوی سلیمان تھے۔ حضرت جیؒ کے منصب میں ترقی ہوئی اور اسی موقع پر حضرت امیر المکرّم کو نئے منصب کے ساتھ روحانی طور پر خصوصی سند بھی عطا ہوئی۔ ان احباب کے بعد باقی ساتھیوں کی تجدیدِ بیعت ہوئی اور حضور ﷺ کے صدقے وہ انعام واکرام عطا ہوئے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا

سکتا تھا۔ اس طرح جن خصوصی انعامات کا ذکر حضرت جیؒ نے منارہ کے اجتماع میں کیا تھا ان کی توثیق ہوگئی۔ اس موقع پر بعض ایسے ساتھی بھی نوازے گئے جو اگرچہ حضرت جیؒ کے ہمراہ نہ تھے۔ آپؒ نے مدینہ طیبہ سے ان کے نام مکتوب تحریر فرمائے۔ ایک ساتھی کے نام تحریر فرمایا:

''عزیزم!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ'

آج دربار نبوی ﷺ سے آپ کو دو انعام عطا ہوئے۔
حضور ﷺ نے فرمایا'' اسے میرا سلام پہنچا دو اور اسے
اس بات کی بشارت دے دو کہ ہم تم سے خوش ہیں۔''
میری طرف سے آپ کو انعامات ملنے کی مبارک ہو۔
تمام جماعت کی جب غائبانہ بیعت ہوئی تو 15 آدمی
حضور ﷺ نے خود منتخب فرمائے۔ ان پندرہ سے چار آدمی
آگئے آئے اور ان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا گیا۔

اللہ یار خان۔ مدینہ طیبہ 16/1/74

12 جنوری سنیچر کا دن تھا۔ حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اس روز قبا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی سنّتِ مبارکہ کی اتباع میں قبا جانے کا پروگرام بنا۔ پہلے جنت البقیع گئے اور یہاں آسودہ آقائے نامدار ﷺ کے اہلِ خانہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور دعا کی درخواست کی۔ ان کی طرف سے شکوہ ہوا کہ کل جمعہ کے روز یہاں آنا چاہئے تھا کیونکہ یہ بھی ایک سنّتِ نبوی ﷺ تھی جو رہ گئی۔ قبا پہنچے تو سب سے پہلے مسجدِ شمس میں نوافل ادا کئے جس کے بعد مسجدِ قبا میں حاضری دی اور یہاں

بھی نوافل ادا کیئے ۔ پاس ہی وہ چبوترہ بھی دیکھا جہاں بنی نجار کی بچیوں نے حضور ﷺ کا استقبال ان شعروں سے کیا تھا۔

طلع البدر علینا　　　　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　　　ما دَعَا للہ داع

ظہر کی نماز واپس آ کر مسجدِ نبوی ﷺ میں ادا کی ۔ اتوار کی شب خوب بارش ہوئی جو صبح تک جاری رہی۔ حضرت امیرالمکرّم مسجدِ نبوی ﷺ پہنچے اور بابِ جبریل کے قریب پرنالے کے نیچے کھڑے ہوگئے ۔ گنبدِ خضرا سے مَس کرتا ہوا بارش کا پانی بھی اسی پرنالے سے بہہ رہا تھا۔ خوب شرابور ہوئے اور کچھ پانی ساتھ بھی لائے ۔ بچپن میں ایک مرتبہ درآمد شدہ مچھلی کھانے کے بعد دودھ پینے سے جلد کی سوزش لاحق ہوگئی تھی جس کے اثرات طویل علاج کے باوجود ابھی تک باقی تھے ۔ اس مقدّس پانی سے شرابور ہوئے تو یہ دیرینہ مرض بھی جاتا رہا۔

مدینۂ منورہ قیام کے دوران روزانہ کا معمول رہا کہ مواجہ شریف کی حاضری اور سلام کے بعد قدمین مبارک کی جانب مسجدِ نبوی ﷺ سے متصل باہر چمن میں مغرب کی نماز کے بعد ذکر اور مراقبات کی نشست ہوتی۔ قیام گاہ پر دوبارہ بھرپور ذکر ہوتا اور اسی طرح قیام گاہ پر ہی تہجد کے وقت بھی اجتماعی ذکر کیا جاتا۔ اسی دوران سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مزار پر حاضری کے علاوہ غزوۂ اُحد کے میدان کی زیارت کی' جبکہ کچھ ساتھی اس غار کی زیارت کیلئے بھی گئے جہاں حضور ﷺ نے زخمی حالت میں قیام فرمایا تھا۔

مدینۂ منورہ میں قیام کا عرصہ مکمل ہوا تو عصر کے وقت واپسی کی اجازت لی اور بذریعہ بس جدہ پہنچے ۔ اگرچہ سیٹیں کنفرم تھیں لیکن یہاں مزید

دو روز رکنا پڑا۔ نیروبی ایئر لائن اور پی آئی اے میں باہم سیٹوں کا تبادلہ ہوا تو حضرت جیؒ، ملک خدا بخش کے ہمراہ پہلی فلائٹ سے کراچی پہنچے جبکہ حضرت امیرالمکرّم کے ساتھ باقی احباب کو مزید چند روز جدہ ہی میں قیام کرنا پڑا۔

مناصبِ اولیاء کی سلسلۂ عالیہ میں منتقلی

عمرہ سے واپسی پر حضرت جیؒ نے کراچی میں چند روز قیام فرمایا۔ اس دوران پاکستان نیوی کے چند بنگالی ساتھی بنگلہ دیش منتقل ہونے سے پہلے الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت جیؒ نے احباب کی اس محفل میں فرمایا:

''عمرہ پر حضور ﷺ نے خصوصی طور پر طلب فرمایا تھا۔ جس کی وجہ تین صد مناصب بشمول نجبا، نقبا، اوتاد وغیرہ خالی پڑے تھے۔ ان مناصب کو سلسلہ میں تفویض فرمایا گیا۔ میں اب چکڑالہ جاؤں گا اور اطمینان سے اہل ساتھیوں کو ان مناصب پر فائز کروں گا۔''

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ جو منصب بھی خالی ہوتا چلا جائے گا، وہ سلسلۂ عالیہ میں منتقل ہوگا۔''

اس سے قبل سفرِ حج کے باب میں یہ تذکرہ گزر چکا ہے کہ روضۂ اطہر پر حاضری کے موقعہ پر چار احباب کے نام ملفوف عطا ہوئے تھے جن کے تعبیر کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے بتایا کہ قطبیت کے چاروں مناصب سلسلۂ عالیہ میں منتقل ہوگئے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ میں مناصب کی منتقلی کا یہ عمل مسلسل جاری

رہا۔ اس کا تذکرہ حضرت امیر المکرّم کے ایک خط میں بھی ملتا ہے جو انہوں نے 20 مارچ 1971ء کو حضرت جیؒ کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ اس خط میں انہوں نے اپنے ایک مشاہدہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

''بارگاہِ رسالت پناہی سے طلبی ہوئی..... بندہ جب حاضر ہوا تو مسئلہ ابدالوں کا پیش تھا' جماعت ابدالوں کی بھی حاضر تھی اور خیال یہ ہے کہ دو ابدال کل اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے ان کی جگہ نئے آدمیوں کا تقرر ہونا تھا۔ بندہ نے آپ (حضرت جیؒ) کا اشارہ پا کر دو صاحبان (نام تحریر کیے گئے لیکن یہاں عمداً ظاہر نہیں کیے جا رہے) کو پیش کیا جنہیں منظور فرما لیا گیا۔ ایک صاحب کو تسبیح اور قرآن کریم عطا ہوا اور دوسرے صاحب کو ایک رومال اور قرآنِ حکیم عطا ہوا۔ بندہ نے تیسرے صاحب کو پیش کرنا چاہا مگر اسے مؤخر کر دیا گیا۔ علی الصبح تمام مشاہدہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے اس کی تعبیر سے سرفراز فرمائیں گے۔ نیز جو چیزیں عطا ہوئی ہیں ان کی تعبیر سے بھی سرفراز فرما دیں......''

حضرت جیؒ نے اس مشاہدہ کی تعبیر میں تحریر فرمایا:

''......دو ابدالوں کا فوت ہونا ٹھیک ہے اور ان تین آدمیوں کا وہاں دیکھنا بھی ٹھیک ہے....اور آپ کا پیش کرنا بھی ٹھیک ہے۔ منصب کا ان کو ملنا' اس میں آپ کو اور ان کو غلطی لگی ہے۔...... (ایک صاحب کا نام تحریر

فرمایا) کو تسبیح اور قرآن کا ملنا' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ
ان کو نیکی کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ
فی الحال آپ میں اس منصب کی اہلیت نہیں۔ ......
(دوسرے صاحب کا نام تحریر فرمایا) کو رومال ملنا یہ اعزاز
کی دلیل ہے اور قرآن عمل صالح کی رغبت کے لئے ہے۔
آپ کو یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کی جگہ خالی ہے اور یہ
جگہ چھ ماہ کے اندر پر ہو گی اور ہماری جماعت سے ہو
گی......''

جدہ سے باقی احباب کی آمد پر حضرت جیؒ بذریعہ عوامی ایکسپریس کراچی سے روانہ ہوئے اور جہلم سے بذریعہ کار چکڑالہ مراجعت بخیر ہوئی۔

حضرت جیؒ نے حجِ اوّل کے دوران پیش آنے والے اہم واقعات اور روحانی واردات کو خود قلمبند کروا دیا تھا جن کا تذکرہ اسرار الحرمین میں موجود ہے۔اسی طرح 1977ء میں آپؒ کے عمرہ کے سفر کی روداد بھی حضرت امیر المکرّم کے قلم سے ''دیارِ حبیب میں چند روز'' اور حافظ عبدالرزاق کی تحریر ''خدایا ایں کرم بارِ دگر کُن'' میں محفوظ ہے لیکن حجِ ثانی کے واقعات کتابی شکل میں شائع ہوئے نہ محفوظ کئے جا سکے۔یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر یہ چند اوراق تشنگی کا شکار نظر آئیں گے۔

بیرونِ ملک ترویجِ سلسلۂ عالیہ

بیرونِ ملک سلسلۂ عالیہ کی ترویج کا آغاز 1972ء میں ہوا جب چین کے سرحدی صوبے کاشغر میں گلگت کے احباب کے ذریعے سلسلۂ عالیہ کی دعوت پہنچی۔ یہاں سے کچھ لوگ منارہ کے سالانہ اجتماع میں شریک بھی ہوئے جس کا تذکرہ حضرت جیؒ نے اپنے مکتوبات میں فرمایا ہے۔ اسی سال بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آیا تو وہ احباب جن کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا' بشمول میجر زین العابدین اور پاکستان نیوی کے جناب مزمل حق (صاحب مجاز) حضرت جیؒ سے الوداعی ملاقات کے بعد بنگلہ دیش چلے گئے۔ ان احباب کے ذریعے بنگلہ دیش میں بھی سلسلۂ عالیہ کی ترویج کا عمل شروع ہوا۔

عرب ممالک میں ترویجِ سلسلۂ عالیہ کی سعادت صوفی محمد افضل خانؒ اور مولوی فضل حسینؒ کے حصہ میں آئی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انہیں یہ کام بطورِ خاص تفویض فرمایا گیا۔ ان دونوں حضرات کو مدینۂ منورہ میں قیام کے دوران آقائے نامدار ﷺ کی جانب سے پاکستان جانے کا حکم ملا۔ مولوی فضل حسینؒ تک یہ فرمان مولانا عبدالغفور مدنیؒ کے واسطے سے پہنچا اور راقم نے یہ روایت مولانا فضل حسینؒ کے صاحبزادے حافظ عبدالرحمٰن سے وصول کی جبکہ صوفی محمد افضل خانؒ کو خواب میں آقائے نامدار ﷺ نے

پاکستان جانے کے لئے فرمایا۔ ایک کیسٹ میں آپؒ نے اس کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا ہے:

''الحاسہ کے ایک ساتھی نے بتایا کہ میں قریباً آٹھ دس سال تک ایک ترک بزرگ کے پاس جاتا رہا۔ آخر ایک روز ان سے کہا کہ مجھے طریقۂ سلوک کی تعلیم فرمایئے۔ وہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے روز فرمایا تمہیں پاکستان میں ایک کامل اکمل عارف باللہ ملے گا جو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرائے گا۔

کہتا ہے پھر میں مدینۂ منورہ رہا جہاں ایک عارف باللہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے فرمایا اگر علمِ سلوک کی محبت ہے تو پھر پاکستان جاؤ۔ وہاں تم کو خدا کا بندہ مل جائے گا۔ اسی اثناء میں رسولِ اکرم ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ پاکستان جاؤ وہاں تمہیں عارف مل جائے گا۔

وہ کراچی آیا' بڑا پھرتا رہا۔ سجادہ نشینوں کو' علما کو' بزرگوں کو ملا لیکن کسی نے قلب تک نہ بتایا۔ تنگ آ کر لاہور آ گیا۔ لاہور میں بھی کافی عرصہ تلاش کرتا رہا۔ آخر ایک ساتھی سے سمن آباد میں ملاقات ہوئی۔ وہ لے کر مسجد میں آیا اور حلقہ میں داخل کیا۔ غضب کے مشاہدات رکھتا ہے میں نے منازلِ بالا طے کرا کے اجازت دے کر روانہ کر دیا۔ اِنْ شَآءَ اللہُ جوہر بنے گا۔''

یہ صوفی محمد افضل خانؒ تھے جن کا تعلق لاہور سے تھا لیکن کئی سالوں

سے الحاسہ میں سعودی عرب کی مشہور کمپنی آرامکو میں تعینات تھے۔ سلسلۂ قادریہ کے ایک ترک بزرگ سے ملاقات ہوئی تو قریباً ایک عشرہ ان کے زیرِ تربیت رہے۔ علومِ ظاہری کی تکمیل ہوئی اور ان سے خلافت ملی لیکن جب باطنی تربیت کی درخواست کی تو شیخ نے پاکستان جانے کے لئے کہا۔ یہی پیغام انہیں مدینہ منورہ میں ایک عارف باللہ نے بھی دیا لیکن جب خواب میں آقائے نامدار ﷺ کی طرف سے بھی پاکستان جانے کے لئے فرمایا گیا تو اس کے بعد مزید توقف کی گنجائش نہ تھی۔ ایک سال کی چھٹی لے کر پاکستان چلے آئے۔ یہاں ایک طویل عرصہ شیخ کی تلاش جاری رہی لیکن جب ہر کوشش ناکام ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے احبابِ سلسلۂ عالیہ تک پہنچا دیا۔

انہوں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں اپنے احوال تحریر کرتے ہوئے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپؒ نے انہیں چکوال میں ساتھیوں کے ہمراہ ایک ہفتہ ذکر کی ہدایت فرمائی۔ حسبِ ارشاد چکوال میں ہفتہ بھر محنت کے بعد حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ حاضر ہوئے تو نہ صرف آقائے نامدار ﷺ کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت کی سعادت ملی بلکہ آپؒ نے انہیں مقامات بالا میں بھی چلا دیا۔

صوفی محمد افضل خانؒ نے کم و بیش ایک عشرہ صرف باطنی زمین کی تیاری میں لگایا تھا اور حضرت جیؒ کے الفاظ کے مطابق' یہ شخص میرے پاس سوکھی لکڑی کی مانند آیا جسے صرف ماچس دکھانے کی ضرورت تھی۔ اس کے باوجود ترقیٔ منازل اور حضرت جیؒ کی تیز توجہ برداشت نہ کر سکے اور سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت جیؒ نے کمال شفقت سے تین روز تک خود ان کی دیکھ بھال کی اور جب حواس بحال ہوئے تو واپسی کی اجازت دی۔

صوفی صاحبؒ کی پاکستان آمد کا مقصد پورا ہو چکا تھا' حضرت جیؒ نے انہیں اپنا مجاز مقرر فرمایا جس کے بعد وہ سعودی عرب واپس لوٹے جہاں ان کے ذریعے ایک مضبوط جماعت کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت جیؒ نے 1974ء کے ایک مکتوب میں صوفی محمد افضل خانؒ کے نام سعودی عرب کے ساتھیوں کے بارے میں تحریر فرمایا:

''جس ساتھی میں ورع وتقویٰ پائیں اور تتبع شریعت اور سنتِ خیر الانام ہو' اس میں استعداد بھی ہو تو سالکُ المجذوبی طے کرادیا کرنا' منازلِ بالا نہ کرانا' نہ ہی بیعت کرانا۔''

ایک اور مکتوب میں صوفی صاحب کے بارے میں تحریر فرمایا:

''اِنْ شَآءَ اللہُ جلد بقائے دائمی شروع ہو جائے گا' اس کی علامات اب شروع ہو گئی ہیں۔ آپ کو ایک منصب بھی عنایت ہوگا۔ اِنْ شَآءَ اللہُ!''

صوفی محمد افضل' حضرت جیؒ کے معتمد علیہ' صاحبِ بصیرت شاگرد تھے۔ 1976ء میں حضرت جیؒ کی صحبت میں حضرت امیر المکرّم کے ڈیرہ نوری پیڑا (موجودہ دارالعرفان) میں حاضر تھے۔ اس وقت حضرت جیؒ کی خدمت میں چند فوجی افسران بھی موجود تھے جنہوں نے آپؒ کی توجہ ملکی حالات کی طرف مبذول کرائی۔ حضرت جیؒ نے صوفی صاحبؒ کو توجہ دی تو انہوں نے بھٹو کے انجام اور فوجی انقلاب کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کرنا شروع کر دیئے جو بعد میں حرف بحرف پورے ہوئے۔

متحدہ عرب امارات میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج مولانا فضل حسینؒ کے ذریعے عمل میں آئی۔ سلسلۂ عالیہ سے وابستگی کے بعد لاہور میں ان کا پیر خانہ

ختم ہوا تو معاشی مصائب نے آن گھیرا۔ ان حالات میں کئی مرتبہ حضرت جیؒ سے ابوظہبی جانے کی اجازت چاہی لیکن آپؒ نے انہیں پاکستان ہی میں رہتے ہوئے دین کا کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ بالآخر 1973ء میں ابوظہبی جانے کی اجازت ملی تو مولانا فضل حسینؒ نے متحدہ عرب امارات میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج کا کام شروع کیا۔ آغاز اگرچہ ابوظہبی سے ہوا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد سلسلۂ ذکر دیگر عرب ریاستوں بشمول عمان' قطر اور مسقط تک وسعت اختیار کر گیا۔

1978ء میں مولانا فضل حسینؒ کی شدید بیماری کے دوران مولانا خان محمد ایرانی ذکر کرانے پر مامور ہوئے۔ مولانا خان محمد کا تعلق ایران کے صوبہ مکران سے تھا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سلسلۂ مجددیہ میں سلوک کا آغاز کیا۔ ہفتہ میں ایک روز وہ سلسلۂ مجددیہ کے احباب کو ان کے طریقہ کے مطابق ذکر کرایا کرتے تھے جبکہ باقی ایام میں سلسلۂ اویسیہ کا ذکر ہوتا۔

مولانا فضل حسینؒ کے انتقال کے بعد احباب اکٹھے ہوئے تو اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ذکر' اویسی طریقے کے مطابق کرایا جائے یا مجددیہ طریق پر۔ تذبذب کی اس حالت میں ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ برزخ میں مولانا فضل حسینؒ سے روحانی طور پر رابطہ کریں اور یہ سوال ان کے سامنے رکھیں۔

مولانا خان محمد ایرانی نے مراقبہ کیا تو مولانا فضل حسینؒ نے فرمایا:

''جو میرے شیخ فرمائیں وہی کرو' اب سلسلۂ اویسیہ کا ہی ذکر کراؤ۔''

مزید ہدایات کے لئے حضرت جیؒ سے روحانی رابطہ کیا۔ زیارت ہوئی تو مولانا خان محمد ایرانی نے معانقہ کے لئے آگے بڑھنا چاہا لیکن حضرت

جیؒ نے روک دیا اور فرمایا:

''ادھر ہی رک جاؤ' اگر میرے ساتھ معانقہ کرو گے تو جل جاؤ گے۔''

اب مزید کسی ہدایت کی ضرورت نہ رہی اور اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سلسلۂ اویسیہ کے طریقہ کے مطابق ذکرِ پاسِ انفاس ہو گا۔

مولانا خان محمد ایرانی چند روز بعد حضرت جیؒ کی خدمت میں پاکستان آئے اور دو ہفتے آپؒ کے زیرِ تربیت رہے۔ اس دوران آپؒ نے انہیں مراقبات کرائے' سالک المجذوبی تک اسباق دیئے اور ذکر کرانے کی اجازت دے کر واپس ابوظہبی روانہ کیا۔

مولانا خان محمد ایرانی نے قریباً دو سال تک ابوظہبی میں رہتے ہوئے عرب امارات میں سلسلۂ عالیہ کی ترویج کے لئے کام کیا۔ اس دوران انہوں نے کئی مرتبہ حضرت جیؒ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ 1980ء میں جب ملازمت ختم ہوئی تو کچھ مدت آپؒ کی خدمت میں چکڑالہ مقیم رہے۔ آپؒ نے ان کی تربیت فرمائی اور اپنا مجاز مقرر فرمایا جس کے بعد وہ ایران چلے گئے اور وہاں سلسلۂ عالیہ کی ترویج کا ذریعہ بنے۔

ابوظہبی میں مولانا خان محمد ایرانی کے بعد حافظ محمد سعید امیر مقرر ہوئے۔ یہ خوش قسمت ساتھی 1982ء کے سالانہ اجتماع میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' رات روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی اور اگلی صبح ایک حادثہ میں شہادت پائی۔

بیعت

انسان پوری عمر مجاہدوں میں گزار دے، ریاضتیں کرے، وظائف کرتا رہے لیکن یہ اس کے بس کی بات نہیں کہ عالمِ بیداری میں روحانی طور پر درِ اقدس ﷺ پر حاضری دے سکے جبکہ درمیان میں برزخ کا لامتناہی فاصلہ حائل ہے۔ حضرت جیؒ کی نگاہِ کرم اس دربارِ عالی کا پروانہ تھی جس کے ذریعے زمان ومکاں کے سبھی فاصلے طے ہوجاتے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جب تک سلسلۂ عالیہ حضرت جیؒ کو منتقل نہیں ہوا تھا، احباب کو روحانی بیعت کی توثیق کے لئے لنگر مخدوم میں حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر پیش کیا جاتا لیکن سلسلۂ عالیہ منتقل ہونے کے بعد توثیقِ بیعت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

روحانی بیعت کے وقت منارہ کے اجتماع میں ایسے روح پرور نظارے دیکھنے میں آتے جو تاریخِ تصوّف میں خال خال ملتے ہیں۔ بیعت سے قبل احباب کے ساتھ خوب محنت کی جاتی اور اجتماعی اذکار کے دوران حضرت جیؒ کے قریب بٹھایا جاتا۔ کشفاً خوب چھان پھٹک ہوتی لیکن اس کے باوجود بعض احباب کو روحانی بیعت کے لئے پیش کرتے ہوئے حضرت جیؒ

محسوس کرتے کہ انہیں رد تو نہ کیا گیا لیکن ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ایسی صورت میں حضرت جیؒ بیعت کے بعد فرماتے کہ استغفار اور اصلاح کی ضرورت ہے' بیعت کراتے ہوئے سخت تکلیف ہوئی۔ ایک مرتبہ آپؒ نے ایک شخص کو بیعت کے لئے پیش کیا تو اسے واپس لوٹا دیا گیا۔ آپؒ سخت متاسف ہوئے اور فرمایا کہ اس شخص سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا ہے جو مانع قبولیت تھا۔ اس وقت اس شخص کی گریہ زاری کا یہ عالم تھا کہ حاضرین پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ماضی میں اس کا تعلق ایک ایسے مکتبِ فکر سے رہا تھا جن کے ہاں مقامِ رسالت ﷺ کے بارے میں قرینۂ ادب ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور ایک عرصہ ذکر کرنے کے باوجود دل کے کسی کونے کھدرے میں گستاخانہ عقائد کے اثرات ابھی تک باقی تھے' العیاذ باللہ۔

روحانی بیعت کے موقع پر احباب کو بارگاہِ نبوی ﷺ سے تحائف بھی عطا ہوتے جن کا تعلق بالعموم دینی خدمات سے ہوا کرتا جیسے قائدانہ صلاحیتوں اور فروغ دین کی خدمات کے لئے اسلام کا جھنڈا عطا ہوتا' تلوار عطا ہوتی جو طاغوتی قوتوں کے خلاف جہاد کی علامت ہے اور قرآنِ حکیم یا حمائل شریف عطا فرمائے جاتے۔ بعض احباب کو قلم عطا ہوا جس کے بعد انہیں علمی شعبہ میں کام کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ روحانی بیعت مکمل ہونے کے بعد حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے:

''ہم نے اپنا کام مکمل کر دیا' اب ہر شخص خود ذمہ دار ہے کہ وہ دربارِ نبوی ﷺ کے کارندے کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرے۔''

دعا سے پہلے حضرت جیؒ سورۃ الفتح کی یہ آیت تلاوت کرتے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○

اور جو آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں' درحقیقت وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جس نے عہد شکنی کی' اس عہد شکنی کا گناہ اس کی ذات پر ہے اور جس نے عہد پورا کیا' وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا' تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (الفتح۔10)

حضرت جیؒ اس قدر سوز اور درد سے یہ آیت تلاوت فرماتے کہ روحانی بیعت کی سعادت سے بہرہ ور احباب جواب دہی کے خوف سے کانپ اٹھتے۔ کیا وہ روحانی بیعت کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کوشاں ہیں؟ کیا ان کے شب و روز کے معمولات ایسے ہیں کہ انہیں دربارِ نبوی ﷺ کے خادم اور ہرکارے تصور کیا جا سکے اور کہیں ایسا تو نہیں کہ اس آیت کی رو سے وہ عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پا چکے ہیں؟

روحانی بیعت بالعموم منارہ کے سالانہ اجتماع میں نمازِ مغرب کے بعد یا رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں چاشت کے وقت اجتماعی اذکار میں کرائی جاتی۔ حضرت جیؒ کا یہ معمول تھا کہ اجتماعی ذکر سے قبل وضو تازہ فرماتے۔ اس اثنا میں احباب ذکر کے لئے صفیں بنا لیتے اور آپؒ کی آمد تک حالتِ مراقبہ میں رہتے۔ ذکر شروع کرنے سے پہلے حضرت جیؒ مندرجہ ذیل کلمات بآوازِ بلند ہمیشہ اسی ترتیب سے پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ
اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ
اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذکر میں شریک تمام اصحاب آپؒ کے ساتھ یہ کلمات آہستہ آہستہ دہراتے جس کے بعد آپؒ فرماتے:

''اللہ' اللہ' اللہ ھو......چلو قلب!''

اور اس کے ساتھ ہی ذکر شروع ہو جاتا۔

ان مبارک محافل کی روداد الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ انوارات و تجلیات اور روح پرور کیفیات جنہیں صرف قلوب محسوس کرتے اور کئی خوش نصیب ساتھی نگاہِ بصیرت سے ان کا مشاہدہ کرتے۔ اس عالم میں حضرت جیؒ کی پرسوز آواز دلوں میں تلاطم برپا کر دیتی۔ کبھی آپؒ کی زبان مبارک پر قرآنی آیات اور کبھی فارسی اشعار جاری ہو جاتے جس کے بعد اکثر آپؒ کی آواز رقت میں ڈوب جاتی۔ ضبط و احتیاط ان محافل کا قرینہ تھا لیکن جب احباب سے ضبط کا دامن چھوٹ جاتا تو حضرت جیؒ بآواز بلند کہتے' اللہ! اللہ! اس کے ساتھ ہی زبانوں پر پہرہ لگ جاتا اور صرف ضربوں کی آواز باقی رہ جاتی۔

1975ء کے منارہ کے اجتماع میں ایسی ہی ایک محفل کی روداد اتفاقاً ریکارڈ کر لی گئی۔ عین ممکن ہے اس روداد کے واسطے سے کسی قاری کو اس محفل کی کیفیات کا کوئی شِمّہ نصیب ہو جائے۔ ریکارڈنگ شروع ہوئی تو ذکر کا آغاز ہو

چکا تھا اور لطیفۂ قلب پر ضربوں کی بھرپور آواز سنائی دے رہی تھی جس سے احباب کے مجاہدے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ ایسے میں حضرت جیؒ کی آواز سنائی دی:

''دوسرا لطیفہ''

خاصی دیر تک اس لطیفہ پر اللہ ھو کی ضربات کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ آپؒ کی آواز پھر سنائی دی۔

''تیسرا لطیفہ''

لطائف تبدیل کرانے کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ساتویں لطیفے کے بعد حضرت جیؒ نے فرمایا:

''چلو پہلا لطیفہ''

حضرت جیؒ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ ساتوں لطائف کی تکمیل کے بعد لطیفۂ قلب کو دوبارہ اتنا ہی وقت دیا کرتے تھے جس قدر ذکر کے آغاز میں یہ لطیفہ کراتے۔ لطائف کے دوران آپؒ اکثر فرمایا کرتے:

''تیزی اور قوت''

آپؒ کی اس عمومی ہدایت کے مطابق احباب تیزی اور قوت کے ساتھ لطیفۂ قلب پر ضربیں لگاتے رہے یہاں تک کہ آپؒ کی آواز سنائی دی:

''چلو احدیت' لطائف والے دل پر خیال کر کے بیٹھ جاؤ۔

فیض اللہ منزہ بے چون وچگوں

اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ الْوَّاحِدُ... وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَکَ یَآ اَللهُ

زمیں زادہ برآسمان تاختہ

زمین و زماں را پس انداختہ

زمین و زماں را پس انداختہ

(زمیں زادہ زمین و زماں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے
آسمانوں کی طرف محوِ پرواز ہوا)
وَحْدَہٗ............''
پھر طویل خاموشی کے بعد فرمایا:
اللہ! اللہ! اللہ..........
طویل خاموشی' پھر فرمایا:
''چلو مراقبۂ معیت' چلو مولانا.........چلو مراقبۂ معیت'
اللہ ھو........''
کافی دیر تک مراقبۂ معیت جاری رہا جس کے بعد آپؒ نے فرمایا:
''چلو مراقبۂ اقربیت' چلو مولوی صاحب.....
چلو مولانا' اللہ ھو........
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ○
اس کے بعد دوائر ثلاثہ کا آغاز ہوا اور آپؒ نے فرمایا:
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ
''چلو مراقبۂ محبت اوّل' اصل دائرہ اسمائے صفات میں
سے اوپر نفس میرے کے' يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ
مقامِ نفس کے گرداگرد...... يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ
گول نورانی دائرہ........
چلو مراقبۂ محبت دوم
اصل اصل دائرہ اسمائے صفات میں سے اوپر نفس میرے
کے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ

پہلے دائرے کے اوپر دوسرا گول نورانی دائرہ

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ....

چلو مراقبۂ محبت سوم

اصل اصل اصل دائرہ اسمائے صفات میں سے اوپر نفس میرے کے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ....

چلو مراقبۂ اسم ظاہر والباطن

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ....

وہی دائروں کا نور دیکھ لو روح کے اندر اور باہر

ظاہر اور باطن نور، روح میں دیکھو........

چلو وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى سجدے میں پڑ جاؤ

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى. وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○

آسمان کی طرف خیال کرو۔ زمین کی طرف، فرشتوں کی طرف، تمام پہاڑوں اور درختوں کی طرف، سب سجدے میں ہیں، کسی طرف بھی دیکھو۔ ہر چیز کا سجدہ علیحدہ علیحدہ دیکھ لو۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى

ہر ایک چیز کی زبان سے یہ نکل رہا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى..........

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ .... ساری چیزیں اٹھ گئیں۔

لَا اِلٰهَ ... اس کے نیچے رکھ دو سب، سب اٹھ گیا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝

اَلَا كُلُّ شَىْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ

(سنو! ہر چیز اللہ کے سوا مٹ جانے والی ہے)

وَ كُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

(اور ہر نعمت یقیناً ختم ہونے والی ہے۔)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝

سب اٹھ گیا' اندھیری رات ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ ... اَللّٰہ اَللّٰہ .....

یہ ہے مخلوق کی حالت..... ہر فانی.....

ہما نیستند آنچہ ہستی توئی

(صرف تو ہی تو ہے ہمارا کوئی وجود نہیں)

چلو بقا باللہ' وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ ....

تجلیاتِ باری سمندر کی لہروں کی طرح' ہر طرف انوار ہی انوار' تجلیات ہی تجلیات' بے کیف و بے ذاق.......

وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ ....

اَللّٰہ........

چلو سیرِ کعبہ' اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

چلو مولانا سیرِ کعبہ' چلو مولوی عبدالقدوس صاحب

اللہ ھو...........

یہ ہے سیرِ کعبہ.....

مقامِ ملتزم پر کھڑے ہو جاؤ' دروازے کے نیچے.....
چلو طواف .... وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ○......."
اس کے بعد زیرلب فارسی شعر پڑھتے ہوئے آپؒ پر رقت طاری ہوگئی۔
"اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ......
چلو مولانا بیت اللہ کے سامنے دروازے کے نیچے کھڑے
ہو جاؤ' دیکھو خیال کرو۔
چلو مولانا روضۂ اطہر پر' اللہ ھو.........
روضۂ اطہر کے اندر چلے جاؤ..........
(طویل وقفہ)
چلو مسجدِ نبوی' چلو مولانا' اندر چلو مولانا' اللہ ھو....
اور دیکھ لو سامنے"

اس کے بعد حضرت جیؒ نے رقت میں ڈوبے ہوئے چند الفاظ زیرِلب کہے جو واضح نہ ہونے کی وجہ سے ضبط تحریر میں نہیں لائے جا رہے۔ اس کے ساتھ ہی روحانی بیعتوں کا آغاز ہوا اور آپؒ نے پہلے خوش نصیب ساتھی کا نام لے کر فرمایا:

"چلو ڈاکٹر........صاحب' چلو
بیٹھ جاؤ' سامنے حضور ﷺ کے بیٹھو اور سامنے دیکھ لو۔
چلو حکیم ..... صاحب، ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ' بائیں
طرف، کبھی طرف'
چلو......' ساتھ ہی بیٹھ جاؤ حکیم صاحب کے'
بیٹھ جاؤ' کبھی طرف' بائیں طرف'

مولانا آپ غور کریں۔"

یہ مولانا صاحبِ کشف تھے اور اس روز ان کو مسجد نبوی ﷺ تک مراقبات کرائے گئے تھے لیکن روحانی بیعت کے لئے مزید وقت اور محنت کی ضرورت تھی۔ حضرت جیؒ نے انہیں روحانی بیعت کی اس کارروائی کو غور سے دیکھنے کی ہدایت فرمائی۔

"چلو ڈاکٹر ...... صاحب' آگے بڑھاؤ ہاتھوں کو' دونوں ہاتھوں سے پکڑ لو۔ حضور ﷺ کا دایاں ہاتھ، سجا ہاتھ' دو بوسہ' دیکھ لو' غور کرو نظر آئے گا' کچھ نہ کچھ تو ضرور آئے گا' بوسہ دو۔ چلو ان کے ساتھ ہی صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں' دائیں طرف۔ پکڑ لو بازو ان کا' ان کا ہاتھ پکڑ لو' بوسہ دو ہاتھ کو۔ چلو آگے' چلو سیّدِنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس' بیٹھ جاؤ۔ ان کے سامنے بیٹھو' پکڑ لو ان کا ہاتھ' بوسہ دو ہاتھ کو۔ چلو واپس آ جاؤ حضور ﷺ کے پاس۔ اپنی جگہ پر آ جاؤ' لے لو قرآن کریم' چھاتی سے لگا لو۔ آپ میں کچھ عیب ہیں' خیال رکھیں ان کو دور کریں' بیعت میں بڑی تکلیف ہوئی ہے۔ پاسے ہو جاؤ۔

چلو حکیم ..... صاحب' آگے۔ دونوں ہاتھ آگے بڑھاؤ' ہاتھ پر بوسہ دو۔ چلو ساتھ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس۔ پکڑ لو ان کا ہاتھ' بوسہ دو ہاتھ کو۔ چلو آگے سیّدِنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' دو آدمیوں کو چھوڑ دو تیسرے آدمی۔ بیٹھ جاؤ پکڑ لو ان کا دایاں ہاتھ۔ چلو

واپس حضور ﷺ کے پاس آ جاؤ۔ لے لو' آپ کو صرف جھنڈا دیا جا رہا ہے' جھنڈا پکڑ لو۔ اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھنا ہے آخر تک۔

چلو........جاں' چلو سامنے بیٹھو' سبحان اللہ.......

پکڑ لو ہاتھ حضور ﷺ کا' بوسہ دو ہاتھ پر' سامنے دیکھو (معلوم ہوتا ہے اس موقع پر یہ صاحب متوجہ نہ رہ سکے) ساتھ ہی دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں' صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ہاتھ پکڑ لو، بوسہ دو ہاتھ پر۔ چلو آگے سیّدِ نا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس۔ جہاں میں جا رہا ہوں میرے پیچھے چلے آؤ' بیٹھ جاؤ یہاں' پکڑ لو ہاتھ دایاں' بوسہ دو ہاتھ کو۔ واپس آ جاؤ' لے لو حمائل شریف دے رہے ہیں۔

چلو (چوتھے خوش نصیب کا نام لیا)' تشہد کی صورت میں بیٹھو۔ ہاتھ دونوں آگے بڑھاؤ۔ سامنے خیال بھی کیا کرو (ساتھی متوجہ نہ رہ سکا تو آپؒ نے تاکیداً فرمایا) بوسہ دو ہاتھ پر۔ چلو آگے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ہاتھ پکڑ لو' بوسہ دو ہاتھ کو۔ چلو آگے سیّدِ نا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس' بیٹھ جاؤ' دونوں ہاتھ پکڑ لو' بوسہ دو۔ واپس آ جاؤ' لے لو جھنڈا' جھنڈا دے رہے ہیں' پکڑ لو اسلام کا جھنڈا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

یہ یہاں تک ہمارا کام تھا جو کر دیا ہے۔اب آپ کو علم ہو چکا ہے۔
اس کے بعد اگر آپ کچھ غلطیاں کریں گے یاد رکھنا..........

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم............"

اس محفلِ ذکر کی ریکارڈ شدہ کیسٹ میں لطائف کرتے ہوئے حضرت جیؒ کی آواز کے علاوہ ایک اور شخص کی آواز بھی مسلسل سنائی دیتی رہی۔حضرت جیؒ لطیفہ تبدیل کرانے لگتے تو ساتھ ہی وہ بھی اس قدر بلند آواز میں پکارتا کہ آپؒ کی آواز اس کی آواز میں دب جاتی۔کبھی ساتھیوں کو توجہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ اس طرح زور لگاتا کہ منہ سے ''ہوں'' کی آواز نکلتا اور اس ''ہوں'' کو زور کی مناسبت سے خوب لمبا کھینچتا۔اس دوران ایک ساتھی کی زبان سے بے ساختہ یہی آواز نکل گئی تو اسے ڈانٹ پلائی، اسے باہر نکالو جو آواز نکالتا ہے۔ساتھ ہی توجہ دینے کی کوشش میں اپنے منہ سے نکل گیا ''ہوں'' (خوب لمبا کھینچتے ہوئے)۔پانچویں لطیفے کے دوران فارسی اشعار شروع کر دیئے۔ساتویں لطیفے میں اللہ ھو کی بجائے نعرہ لگایا ''ھوُ اللہ...... فنا کر دو'' اور اس کے ساتھ ہی بآواز بلند قرأت شروع کر دی، کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔صاف محسوس کیا جا سکتا تھا کہ حضرت جیؒ کی موجودگی میں یہ شخص بھی کچھ ہے یا کچھ بننے کی کوشش کر رہا ہے لیکن کب تک؟ حضرت جیؒ کے ساتھ نہ چل سکا اور راستہ بدل لیا جس کا تذکرہ تلبیس ابلیس کے باب میں آ رہا ہے۔

ہر دور میں اس صورتِ حال کا اعادہ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔شیخ

بننے کی خواہش شیاطین کے مختلف واروں میں سے ایک مہلک وار ہے جس کے سامنے کئی صاحبِ منصب ڈھیر ہوئے۔ اگر کبھی کسی دل میں ایسی کوئی امنگ جنم لے رہی ہو تو یہ خوش قسمتی ہوگی کہ ان صاحب کے تذکرے کو تنبیہ خیال کرتے ہوئے اپنی عظمت منوانے کی خواہش کو دل سے نکال دیا جائے جو صرف ذات سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ حدیث قدسی کے الفاظ میں' الکبر ردائی۔

ظاہری بیعت

حضرت جیؒ نے کبھی پسند نہ فرمایا کہ آپؒ کو شیخ یا پیر کہا جائے۔ آپؒ کی زندگی کا نصب العین اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کے ٹوٹے ہوئے تعلق کو پھر سے استوار کرنا تھا جس کے لئے آپؒ نے ذکر وفکر کا راستہ اختیار کیا۔ آپؒ ایک استاد کی طرح اپنے متعلقین کی تربیت کرتے اور پسند فرماتے کہ آپؒ کا ذکر ایک پیر کی بجائے استاد ہی کی حیثیت سے کیا جائے۔ آپؒ کی یہ خواہش محض کسرِ نفسی کی حد تک نہ تھی بلکہ دورانِ گفتگو احباب نے آپؒ کا تذکرہ ہمیشہ ''استاذ'' کے لقب سے کیا' خود کو ''شاگرد'' کہا اور احباب کے باہمی تعلق کے اظہار کے لئے ''ساتھی'' کی اصطلاح استعمال کی۔

حضرت جیؒ کی خدمت میں عوام بھی آئے اور خواص بھی۔ ایسے احباب بھی تھے جن کے پاس کئی سلاسل کا خرقۂ خلافت تھا اور وہ لوگوں سے بیعت لیتے لیکن خود حضرت جیؒ سے درخواست کرتے کہ آپؒ انہیں بیعت کریں۔ آپؒ کا ہمیشہ یہ جواب رہا کہ میں بیعت لیتا نہیں' میں ایک معلّم ہوں' اسلامی تصوّف اور سلوک کی تعلیم دیتا ہوں جو دنیا سے ناپید ہو چکا ہے اور جب طالب میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اسے براہِ راست آقائے نامدار ﷺ کے ہاتھ پر روحانی بیعت کرا دیتا ہوں جو سارے جہاں کے پیر ہیں۔ قریباً

تیس سال تک حضرت جیؒ کا یہی معمول رہا۔ اس اثناء میں کئی لوگ سالہا سال آپؒ کی صحبت میں گزارنے کے باوجود استعداد نہ ہونے کی وجہ سے روحانی بیعت کی سعادت سے محروم رہے۔ حضرت جیؒ چونکہ خود بیعت نہ لینے کے اصول پر سختی سے کاربند تھے' ایسے حضرات روحانی بیعت سے محرومی کے ساتھ ساتھ سلسلۂ عالیہ کی نسبت سے بھی محروم رہ جاتے۔

11 جولائی **1976**ء کو سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت جیؒ کو دربارِ نبوی ﷺ سے اپنے ہاتھ پر ظاہری بیعت لینے کا حکم ملا تو سلسلۂ عالیہ میں ظاہری بیعت کا آغاز ہوا۔ نمازِ ظہر کے بعد اٹھارہ احباب اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ ظاہری بیعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا:

> ''ظاہری بیعت اب اس لئے لیتا ہوں کہ تجربہ میں آیا ہے کہ تعلق اور نسبت سے کم از کم عقائد تو درست ہو جاتے ہیں' روحانی فیض کی تو سب میں اہلیت نہیں۔''

ظاہری بیعت لیتے ہوئے آپؒ خطبہ مسنونہ کے بعد اکثر اوقات مندرجہ ذیل کلمات اسی ترتیب سے پڑھا کرتے جنہیں بیعت کرنے والے ساتھی آپؒ کے ساتھ ساتھ دہراتے چلے جاتے:

تعوّذ تین مرتبہ۔

تسمیہ تین مرتبہ۔

درودِ ابراہیمیؑ تین مرتبہ۔

استغفار: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ تین مرتبہ

اس کے بعد کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے آپؒ بیعت کرنے والے

ساتھی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر فرماتے:

''میں نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میں بیعت کیا اور اس کی نسبت آپ کو عطا کی۔''

احباب جواباً کہتے ''قبول'' لیکن اگر کوئی ساتھی ''قبول'' نہ کہہ سکتا تو حضرت جیؒ یاد دہانی فرمایا کرتے:

''کہو' قبول۔''

یہ الفاظ تو عام احباب کے لئے تھے لیکن صاحبِ مجاز حضرات کو بیعت فرماتے ہوئے آپؒ ''نسبت'' کے بعد ''اور قوتِ مجازی'' کے الفاظ کا اضافہ فرماتے۔ اسی طرح صاحبِ مجاز اور صاحبِ منصب احباب کی بیعت کے موقع پر فرماتے:

''میں نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میں بیعت کیا اور قوتِ منصبی اور قوتِ مجازی کے ساتھ اس کی نسبت آپ کو عطا کی۔''

ایک سے زائد احباب کی صورت میں آپؒ انہیں فرداً فرداً بیعت فرماتے لیکن تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں یہ احباب دائیں ہاتھ میں چادر وغیرہ تھام لیتے جس کا ایک کنارہ حضرت جیؒ کے ہاتھ میں ہوتا۔ خواتین کو بیعت کرتے ہوئے سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق آپؒ ہمیشہ یہی طریقہ اختیار فرمایا کرتے۔ بیعت مکمل ہونے کے ساتھ ہی اجتماعی دعا کی جاتی جس کے بعد حضرت جیؒ مختصر خطاب فرماتے۔ ایک موقعہ پر نئے ساتھیوں کو عمومی ہدایات دیتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

''جو آدمی بھی یہاں آئے' وہ اس ارادے سے آئے کہ

میں اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس طریقے پر چلنے کی کوشش کرے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ راضی ہو۔ یہ میلہ ہی زندگی کا ہے۔ کوئی کہے میرا بیٹا نہیں' کوئی کہے میرا مقدمہ ٹھیک نہیں چلتا' کوئی کہے میرا رزق کوئی نہیں' میری دکان نہیں چلتی' بیٹے پاس نہیں ہوتے۔ ارادے یہ لے کر آئے اور ادھر غوث اور قطب بنتا ہے۔ پہلے اپنی حالتوں کو درست کرو' جو بھی آئے۔ اب میں دیکھ رہا ہوں' اَسّی' اَسّی سال کے بزرگ یہاں بیٹھے ہیں' ستّر' ستّر سال کے بیٹھے ہیں' پچھتّر' پچھتّر سال کے بیٹھے ہیں' داڑھی کوئی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی؟ برتن صاف نہیں تو کہتے ہیں دودھ ڈال دو' گھی ڈال دو۔ برتن میں پہلے پیشاب ڈال رکھا ہے' اسی برتن میں ساتھ دودھ بھی ڈال دو۔ پہلے اپنے برتنوں کو صاف کرو۔ اب جو شخص چالیس برس سے زائد ہو جاتا ہے' پچاس برس سے زائد ہو جاتا ہے' اسے جنٹل مینی کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ پھر بھی جنٹل مین بنے' داڑھی نہ ہو' بالوں کی بودی ہونی چاہیے' پہلے اپنی حالتوں کو درست کرو۔ ظاہری شریعت کے جو احکام ہیں ان کی پوری پوری پابندی کرو۔ اس واسطے یہ (ظاہری بیعت) لے رہا ہوں۔

پہلی چیز ہے نماز کی پابندی' زکوٰۃ یا حج متوّلین کے اوپر' جو صاحبِ اموال ہیں ان کے اوپر فرض ہے۔

نماز روزے کی پوری پابندی کرو گے۔ اس کے بعد شرعی احکام جو ہیں ان کی پابندی کرو گے۔ زبان کو جھوٹ سے بچاؤ۔ پیٹ کو حرام سے بچانے کی کوشش کرو۔ مسلمان کسی کے ساتھ دھوکہ نہیں کرتا' مکر نہیں کرتا' فریب نہیں کرتا۔ کسی کا مال نہ کھاؤ' اپنا کھانے نہ دو۔ بزدل نہ بنو۔ کوئی تمہارا مال جبراً کھانا چاہتا ہے' نہ کھانے دو۔ مار دو یا مر جاؤ۔ تمہارا مال جو کھانا چاہتا ہے اسے نہ کھانے دو۔ کسی کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ کسی کی عزت کو برباد نہ کرو۔ جو تمہارے پاس بیٹھے اسے دین کے احکام کی تلقین کرو۔''

راولپنڈی کے ایک دورے میں حضرت جیؒ نے خواتین کو بیعت فرمایا' لیکن ریکارڈنگ کا عمل ذرا تاخیر سے شروع ہو سکا۔ کیسٹ آن کرنے پر آپؒ کی آواز سنائی دیتی ہے:

پھر پڑھو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

غالباً تیسری مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے کہا گیا ہوگا۔

تین دفعہ پڑھو:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تین دفعہ درود شریف جو نماز میں پڑھا کرتی ہو۔ (خود بھی پڑھا اور خواتین نے بھی دہرایا)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(خود پڑھا)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○

وَمَا تَوْفِيْقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْب

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

کپڑے کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لو۔

میں نے آپ سب کو سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میں بیعت کیا اور سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میں داخل کر کے سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ کی نسبت آپ کو عطا کی۔

سب کہیں ''قبول''۔

خواتین نے ''قبول'' کہا تو حضرت جیؒ نے ان سے پنجابی میں خطاب فرمایا:

''سب سے پہلی چیز جو ہے' وہ ہے نماز کا مسئلہ۔ انسان جو ہے الٹا درخت ہے۔ جس کی ٹانگیں کاٹی جائیں' بازو کاٹے جائیں' بچ رہتا ہے۔ زندہ رہ سکتا ہے۔ سر کاٹا جائے فوری ختم ہو جاتا ہے۔ درخت کی ٹہنیاں کاٹ دی جائیں' درخت ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔ جس وقت اس کی جڑ کاٹ دی جائے' اس کا تنا ختم ہو جائے' وہ ختم ہو جاتا ہے۔ انسان

الٹا درخت ہے۔ درخت کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں اس کی جڑ سر ہے۔ نماز دین کا سر ہے۔ نماز سب سے پہلے میدانِ حشر میں جس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا یہ دن بھی آئے گا۔ تن تنہا کوئی بیٹی' کوئی بیٹا' کوئی خاوند' کوئی بھائی' کوئی بہن' کوئی ماں' کوئی باپ' کوئی امداد نہ کرے گا۔ ایک اکیلا' تن تنہا آدمی ہوگا۔ اگر کوئی امداد کرنے والی چیز تمہارے ساتھ ہوگی تو وہ اپنے عمل ہوں گے۔ اپنا عقیدہ درست' کیونکہ عقیدہ جب تک درست نہ ہوگا۔ عمل بیکار ہیں' مقبول نہ ہوں گے۔ عمل مقبول نہیں ہوگا کرتے رہو جب تک اس میں خلوص نہیں' تقویٰ کوئی نہیں۔ یہ تینوں چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں۔ پہلے عقائد کی درستی' ایمان ٹھیک ہو۔ ایمان کی درستی کے بعد اعمالِ صالح کی ضرورت ہے۔ ایمانِ صالح میں روح' تقویٰ ہے۔

اللہ کی خاطر عمل کرنے' رضائے الٰہی کی خاطر۔

یہ خیال دل میں نہ رکھ کہ میں اس واسطے یہ عمل کر رہی ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ جنت نصیب کر دے اور دوزخ سے بچا لے۔ نہیں ارادہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہے بس!

جنت اور دوزخ اس کا فضل ہے یا غضب ہے'

بس! یہ اس کی اپنی مرضی۔ اس لئے سب سے پہلے جو مسئلہ روزِ محشر میں پیش ہونا ہے وہ نماز ہوگا۔ اس وقت کوئی

برادری، کوئی اولاد، کوئی مال، کوئی ماں باپ، کوئی امداد کرنے والا نہ ہوگا۔ صرف اپنے عمل ہوں گے۔ یہ زندگی یوں سمجھو ایک خواب ہے۔ رات سوئے ہوئے خواب میں دیکھتا ہے، میرے اتنے اونٹ ہیں، گھوڑے ہیں، اتنی کاریں ہیں، اتنی موٹریں ہیں، اتنی کوٹھیاں ہیں، اتنے باغات ہیں۔ صبح اٹھتا ہے صفر بٹا صفر۔ کوئی شے نہیں۔ یہی حالت دنیا کی ہے۔ جس وقت روح قبض ہونے لگتی ہے، اس وقت اسے ہوش آتا ہے، کاش! میں نے کچھ کیا ہوتا۔ اپنی گزری ہوئی زندگی پر ہی نگاہ ڈال لو، وہ خواب کی طرح نظر آئے گی جیسے کل کی بات ہے۔ موت کے وقت بالکل یہی حالت ہوگی۔ جس وقت روح قبض ہو جاتی ہے، اس وقت فریاد کرتے ہیں، رب ارجعونی لعملا صالحا فیما ترکتھم۔ اللہ ایک مرتبہ دنیا میں لوٹا دے، میں نے جو کمی کی ہے یا اعمال میں مجھ سے جو غلطیاں ہوئی ہیں، میں نے برا کیا ہے جو کیا ہے۔ میرے رب مجھے ایک مرتبہ لوٹا دے، میں اپنے اعمال پورے کرلوں۔ جواب ملے گا ''کَلّا'' ہرگز نہیں۔ یہ نہ ہوگا۔ اِنَّ کلمۃ۔ یہ بات ہے جو تم نے کہہ دی۔ ''اِنَّ بَرزَخٌ'' تمہارے اب دنیا میں جانے کے درمیان اور برزخ کے درمیان حجاب حائل ہو چکے ہیں۔ موت کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ برزخ قیامتِ صُغریٰ ہے۔ میدانِ حشر میں جب پیش ہوں گے۔ سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔

نماز اگر پوری ہوگئی' جان چھوٹ گئی۔ نماز میں فرائض کی کمی واجبات کی کمی' یہ سنت اور نفل جو ہم پڑھتے ہیں یہ ان کی تکمیل کے لئے پڑھتے ہیں۔ ان میں جو کمی رہ گئی ان کو پورا کرتے ہیں۔ چار سو رکعت سنت اور نفل ملا کر ظہر کے چار فرض بنتے ہیں۔ دو سو رکعت سے صبح کے فرض پورے ہوتے ہیں' اسی طرح عصر کو لیں' مغرب کے تین سو رکعت کے ساتھ' عشا کے چار سو رکعت کے ساتھ' وتر تین سو رکعت کے ساتھ۔ ان کے ساتھ اگر کمی پوری ہوگئی' پھر بھی جان چھوٹ گئی۔ اگر کمی پوری نہ ہوئی تو ایک رکعت کے بدلے ستر ہزار سال جہنم۔ یہ اس کی مرضی' تمام رکعت کے بدلے دوزخ میں پڑا رہنے دے اور اس زندگی نے کبھی ختم نہیں ہونا۔ یہ زندگی ختم ہو جائے گی۔ ہم نے عاریتاً مانگی ہوئی ہے۔ یہ کپڑا مانگ کر لے آؤ' دوبارہ جاؤ تو کہیں گے واپس لوٹاؤ۔ ہماری یہ زندگی مانگی ہوئی ہے۔ عاریتاً اللہ تعالیٰ سے لی ہوئی ہے۔ جس وقت چاہے وہ اپنی چیز واپس لے جائے تو ہم آگے چل پڑیں گے۔ پھر کوئی والی وارث نہیں بنتا۔ اس واسطے جو شخص میرے پاس آتا ہے ایک نہیں' اب دنیا کا کوئی گوشہ نہیں رہ گیا جہاں اب ساتھی نہیں پہنچے۔ ہر ایک کو یہی تلقین' سب سے پہلے نماز کی پابندی کرو۔ اپنے بچوں کو بھی یہی تعلیم دو' ان کو نماز سکھاؤ اور لسانی ذکر۔ وضو ہو یا نہ ہو' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کثرت کے

ساتھ پڑھو۔ اس میں دنیوی اور دینی فائدے ہیں۔ دنیا میں یہ فائدہ کہ انسان گناہ سے متنفر ہونے لگتا ہے۔ تنفر پیدا ہونے لگتا ہے۔ جس نے کثرت کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھا ہوگا' میدانِ حشر میں اس کو قربِ الٰہی حاصل ہوگا۔ عرشِ رب العالمین کا سایہ نصیب ہوگا۔ میدانِ حشر میں کوئی سایہ نہ ہوگا۔ دو نیزے پر سورج آجائے گا۔ قیامت آئے گی تو یہ زمین لپیٹی جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ دوسری بچھتی جائے گی۔ وہ زمین جس پر کوئی گناہ نہ ہوا ہوگا' اس پر حساب ہوگا۔ پچاس ہزار سال دنیا کی عمر نہیں' آدم علیہ السلام سے پہلے دو ہزار سال جنوں کی حکومت رہی۔ ساری زمین پر جن رہے۔ جس وقت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور نسلِ انسانی چلی۔ جن اب پہاڑوں' درختوں پر اور ارد گرد ہیں۔ آبادی ان کے پاس نہیں چھوڑی گئی۔ آبادی انسانوں کو دے دی گئی۔ اب اس طرح رہتے ہیں جیسے بھیڑیئے' لومڑ وغیرہ جنگلوں میں ہوتے ہیں' پرندے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ بھی پھرتے رہتے ہیں۔ ان کی زمین کوئی نہیں۔ اس دور سے لے کر جب سے دنیا بنی اور قیامت تک پچاس ہزار سال اس کی عمر ہے۔ پچاس ہزار سال ہم نے میدانِ حشر میں رہنا ہے۔ سایہ کوئی نہ ہوگا۔ خوراک کوئی نہیں' پانی کوئی نہیں' یہی زمین ہوگی جسے کھود کر کھاؤ گے۔

میدانِ حشر میں جس آدمی کو عرشِ معلیٰ کا سایہ نصیب ہو جائے گا‘ اللہ تعالیٰ کا قرب مل جائے‘ نجات ہو جائے گی۔ اس کے یہ دو فائدے ہیں‘ نماز کے بعد حضور ﷺ پر درود پڑھا کرو۔ اس کے بھی دو فائدے ہیں۔ ایک دنیوی‘ رزق میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتا ہے۔ مجھ سے اب ساتھی تنگدستی کی شکایت کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں درود کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار۔ حادثات‘ مصائب‘ تکلیفیں‘ بیماریاں کم ہو جاتی ہیں۔ میدانِ حشر میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہو گا۔ جس کو حضور ﷺ کا قرب حاصل ہو گیا دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اس لئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سوتے ہوئے لازمی طور پر دس گیارہ مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ‘ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ‘ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھ کر سو جاؤ۔ گیارہ مرتبہ کے ساتھ ملا لیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ۔

اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ پاکی پلیدی کا بڑا خیال رکھو۔ یہ جو پیشاب کی چھینٹیں ہوتی ہیں‘ گھروں میں چونکہ فرش ہوتے ہیں یہ فرش سے اٹھتی ہیں۔ ہم دیہاتی لوگوں کے ہاں فرش وغیرہ کوئی نہیں‘ ہمارے ہاں کالی زمین ہوتی ہے‘ مٹی ہوتی ہے اس سے پیشاب کی چھینٹیں نہیں اڑتیں۔ پیشاب کی چھینٹیں دوزخ کا سبب بنتی ہیں۔ قبر کا عذاب زیادہ تر دو باتوں سے ہوتا ہے۔

ایک پیشاب کی چھینٹوں سے ہوتا ہے' دوسرا چغلی۔ میری بات اس کو بتائیں' اس کی دوسرے کو' دوسرے کی تیسرے کو۔ یہ بھی اسی طرح پلید ہے جس طرح پیشاب پلید ہے۔ یہ بات بھی اسی طرح پلید ہے۔ ان دو چیزوں سے عذابِ قبر ہوتا ہے۔ ان سے بچنے کی پوری پوری کوشش کیا کریں۔ عورتیں نہیں بچتیں۔ انہیں اس بات کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ چھوٹے بچوں کے پیشاب سے بچنے کی کوشش کی جائے' کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی' مستجاب الدعوات یعنی دعا کرتے تو آسمان پھٹ کر گر جائے' زمین پھٹ جائے لیکن اس کی دعا نہیں ٹلتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا اس قدر مقبول بندہ' جس وقت وفات ہوئی ستر ہزار فرشتہ ان کے جنازے میں شریک تھا۔ عرشِ معلیٰ حرکت میں آ گیا۔ جب دفن کر چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا' رک جاؤ! ان کی قبر تنگ ہو گئی ہے۔ دعا کرو۔ معلوم ہوا حضور ﷺ نے بتایا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے تھے۔ مجھے خود یہ خدشہ پیدا ہوا تھا کہ اگر پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے تھے تو نمازیں کس طرح ہوتی تھیں۔ کپڑے جو پلید ہو گئے۔ بعد میں کتابوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلا کہ ان کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تھے۔ بھیڑ بکریوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کا دودھ دوہا جائے تو پیشاب کر دیتی ہیں۔ ان چھینٹوں کی

وجہ سے یہ تکلیف ہوگئی۔ انسان کا اپنا پیشاب تو زیادہ پلید ہوتا ہے۔ اس واسطے اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ اور بازاروں میں عام نہ پھریں۔ اس کا خیال رکھنا۔ یہ اس وقت پتہ چلے گا جب قبروں میں پھینک کر چلے گئے۔

راولپنڈی میں بھی یہ بات سنی ہوگی۔ اخباروں نے بھی شائع کی۔ چکوال تک پہنچی۔ میرے پاس ہر وقت آدمی آتے رہتے ہیں۔ میں نے راولپنڈی والوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ لوگوں نے قبرستان جا کر معلوم کیا اور قبر کے ساتھ بیٹھ کر آواز سنی۔ ایک شخص نے بتایا کہ ٹک ٹک ٹک ٹک ٹک کی آواز آتی تھی۔ بعض نے کہا کہ ہم گئے تو آواز آ رہی تھی بچاؤ' بچاؤ' بچاؤ' بچاؤ۔ یہاں ایک بدکار عورت دفن تھی۔ قبرستان میں جائیں تو وہاں داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر آنکھیں ہوں تو! یہ تو مادی آنکھیں ہیں' یہ تو چوہوں' کتوں اور جانوروں کی بھی ہیں۔ اگر بصیرت کی آنکھ ہو تو سمجھ آ جاتی ہے۔ نگاہِ بصیرت رکھنے والے لوگ دنیا سے نابود ہو چکے ہیں۔ اب میری بات کا انکار اسی لئے کرتے ہیں۔ خود یہ چیز حاصل نہیں ہے' خود محروم ہیں تو دوسروں پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ یہ (حضرت جیؒ) کیوں بیان کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں تم بھی آؤ اور سیکھ لو۔ میں زندہ ہوں۔ میں دنیا سے چلا جاؤں تو گلہ کر سکتے ہو اور میرے بعد کہہ سکتے ہو۔ میں جو

بیٹھا ہوں' میرے پاس آؤ۔ کوئی کام بھی ہو' سیکھے بغیر نہیں ہو سکتا۔ درزی کو دیکھے نہیں اور کہے میں درزی بن جاؤں۔ موچی کو دیکھے نہیں اور کہے میں جوتیاں بنا لوں۔ اس طرح نہیں ہوتا۔ ہم موٹا موٹا کام دیکھتے ہیں۔ ہماری مائیں' بہنیں' بیٹیاں' دیکھتے ہیں آٹا گوندھ رہی ہوتی ہیں۔ پانی ناپتی نہیں ایسے ہی ڈال دیتی ہیں۔ ہم ہوں تو لیوڑی بنا دیں۔ ہمیں پتہ ہے کہ توے پر روٹی پکتی ہے' ہم پکائیں تو بے ڈھب کی پکے گی۔

موٹا کام نہیں کر سکتے تو باریکیاں خود بخود کیسے ہو جائیں گی۔ کسی فن والے کے پاس جاؤ اور سیکھو۔

اس واسطے بدعات کا بڑا خیال رکھنا۔ عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ کوئی ساوی پیلی چیز دیکھیں تو اس کے پیچھے لگ گئیں۔ کسی قبر پر جا کر سجدہ کرنا' حاجتیں مانگنا' چادریں چڑھانا' چراغ جلانا' یہ چھوڑ دو' توکل علی اللہ' بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔ شریعت کے جو احکام بتائے گئے ہیں ان پر عمل کرو۔ جن سے منع کیا گیا ہے ان سے بچو۔ اس بات کا خیال رکھنا۔ میں دعا کرتا ہوں تمہارے واسطے' اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے' خاتمہ بالایمان فرمائے۔ دنیا میں تمہاری پریشانیاں اللہ تعالیٰ دور کرے۔ آمین

حضرت جیؒ معاملات کی درستگی کے بارے میں اکثر ہدایت فرماتے۔

ایک موقعہ پر آپؒ نے فرمایا کہ جب کسی قبرستان کے پاس سے گزرتا ہوں تو اکثر لوگوں کو ماخوذ پاتا ہوں سوائے بچوں یا چند فاتر العقل لوگوں کے۔ اکثریت مالی معاملات میں ماخوذ ہوتی ہے۔

حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں ایک مرتبہ سالانہ اجتماع کے موقع پر عام ساتھیوں کے ہمراہ چند علماء نے بھی ظاہری بیعت کی تو عمومی ہدایات کے علاوہ آپؒ نے علماء کی نسبت سے خصوصی ارشاد فرمایا۔ آپؒ کا یہ خطاب یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''سب سے پہلی چیز ہے دین کی' سب سے اہم چیز بلکہ دین کا فرض جو ہے وہ نماز ہے۔ میدانِ قیامت میں عبادات میں سب سے پہلے جو مسئلہ پیش ہونا ہے' نماز کا ہے۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسشِ نماز بود

''نام نہند'' ایک چھوٹی سی کتاب ہے فارسی کی' اس میں فقہ کے مسائل ہیں۔ ابتدائی دور میں جس وقت طالب علم پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ اس میں یہ مسئلہ ہے کہ ''روزِ محشر کہ جاں گداز بود'' میدان قیامت' جس میں جان پہ سختی ہوگی' پوری مخلوق پسینے میں غرق ہوگی' اس وقت پہلے پہلے جو پرسش ہوگی' دریافت جو اللہ تعالیٰ کرے گا' وہ نماز کے متعلق۔ میدان بڑا سخت ہے۔

بگویم اندراں ہر ساعت خود نفسی
.... یا رب

بڑی ہستی اللہ کی مخلوق میں سے اگر کوئی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ گرامی ہے لیکن وہ بھی نفسی نفسی پکاریں گے۔

الحمدللہ! کہ امتِ محمدیہ جسے دین کی بڑی محبت ہے' میں دیکھ رہا ہوں مسلمانوں میں جذبہ ہے دین کا۔ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا' رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنے کا' اللہ کو راضی کرنے کا' اپنی آخرت کو سنوارنے کا' اس کی درستگی کا۔ یہ سب ٹھیک ہے مگر پہلی بات' میں اس بات پر بہت حیران ہوتا ہوں' جو چیز انسان کے وجود میں ہے وہ صحیح صحیح بتائے' میرے پاس یہ چیز ہے' یہ چیز نہیں' مخلوق کو دھوکا نہ دے۔ قحط الرجال سے معاملہ آگے بڑھ چکا ہے۔ پوری دنیا میں جماعت پھیلی ہوئی ہے۔ چند ملک ہیں جن میں ساتھی نہیں پہنچے لیکن ہر جگہ میں عموماً ساتھی پہنچ چکے ہیں اور وہاں سے حالات لکھتے رہتے ہیں اور میں ان کو سمجھاتا رہتا ہوں کہ یہ چیز دنیا میں نابود ہو چکی ہے' ختم ہو چکی ہے' کوئی آدمی نہیں ملتا۔ سب سے بڑا پاور ہاؤس' بڑا ہیڈ کوارٹر جو ہے' وہ دربارِ نبوی ﷺ ہے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے مسلمانوں کو' جو انوار و تجلیات باری تعالیٰ کی طرف سے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ پر اترتے ہیں' ان میں بعض بہت باریک باریک ہوتے ہیں۔ بال تو موٹے ہیں' بالوں سے بھی باریک انوار' بالکل باریک۔ ہر

مسلمان کے قلب کے پاس پہنچتے ہیں جن کی صورت قلب میں جو روشنی ایمانی پیدا ہوتی ہے اس کی' اس میں تیل ڈالنے والی' روغن ڈالنے والی' وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک سے نکلنے والے انوارات ہیں۔ اگر یہ کٹ جائیں' ایمان لے کر دنیا سے نہیں جائے گا' ایمان ختم ہو جائے گا۔ دوسری قسم کے انوار نکلتے ہیں جو اولیاء اللہ میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے مثلاً قربِ عبدیت' ایک منزل ہے جو انبیاء علیہم السلام کے درمیان اور صدیقوں کے درمیان آتی ہے۔ پھر بڑی منزل ہے صدیق' صدیق کے بعد قطبِ وحدت' قطبِ وحدت کے نیچے ہیں افراد' افرادوں کے نیچے قیوم' قیوم کے نیچے ہے غوث۔ اس سلسلے کا جو آدمی سب سے پہلے نمبر پر ہے مثلاً قربِ عبدیت میں جو شخص ہے' پہلے انوار حضور ﷺ سے نکل کر اسی پر جاتے ہیں' اس سے پھر نیچے' اس طرح چلتے چلتے دنیا میں پہنچتے ہیں۔ قطبِ ارشاد جو ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی اس پر بڑی مہربانی ہوتی ہے۔ جو احکام شرعی کے انوار ہیں' سارے کے سارے اس پر آ کر گرتے ہیں اور وہ آگے ارسال کرتا ہے۔ امور تکوینہ کے ساتھ جس کا تعلق ہے وہ قطبِ مدار ہے' اس پر آ کر' پھر قطبِ ابدال' قطبِ ابدال سے نیچے پھر ابدالوں اور پھر دنیا تک۔ پاور ہاؤس آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ۔

چونکہ مجھے اس میدان میں قدم رکھے بہت مدت ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے بہت ہی وسیع مہلت عطا فرمائی ہے۔ تصوف کا مالۂ ماعلیہ' نفع نقصان' اچھائی برائی' ساری چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ صحیح اسلامی تصوف چھانٹ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مشائخ سے جو چیز آ رہی تھی' اس میں بھی کچھ چیزیں میں نے دیکھی ہیں کہ نقصان دہ ہیں' ان کو کاٹ دیا ہے۔ رضائے الٰہی کا راستہ صحیح جو ہے' سارے کا سارا وہ پیش کر دیا ہے۔ میں گنہگار ہوں' بدکار آدمی ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ولی اللہ ہوں۔ میں اولیاء اللہ کی جوتیوں کی دھول ہوں۔ میں تم سب کا نوکر اور غلام اور خادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے علوم عطا فرمائے ہیں ظاہری' ان کی کوشش بھی کرتا ہوں' تبلیغ کی کہ لوگوں تک پہنچاؤں اور باطنی راستہ آپ کو دکھاتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی یہ راہ ہے۔ اس راستے پر چل کر شاید اولیاء اللہ کو آپ پالیں۔ چلو اور نہیں تو ان کی جوتیوں میں جا کر بیٹھ جائیں۔ اس لئے شروع کیا ہے۔ جذبہ تو آپ میں ہے' میں سمجھ چکا ہوں۔ جہاں میں جاتا ہوں مخلوق کا ہجوم اس قدر ہو جاتا ہے جس کی حد نہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان میں جذبۂ اسلامی ہے' دینی ہے۔ نماز کی پابندی سب سے پہلی چیز ہے' نماز کے بعد اچھی چیز یہ ہے کہ جو نمازیں آپ

سے ترک ہو چکی ہیں' آپ چھوڑ چکے ہیں' انہیں ہر نماز کے ساتھ لوٹانے کی کوشش کریں۔ بیوی بچوں کو تبلیغ کریں۔ بچوں کو بتاؤ۔ اس کے بعد ذکر لسانی بھی کیا کریں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ہر نماز کے بعد پیغمبر ﷺ پر درود بھیجیں۔ دیکھو نا! سارا جہاں اٹھ کر اس جستجو میں لگ جاتا کہ جنت کیا ہے؟ دوزخ کیا ہے؟ اس حقیقت تک رسائی ہماری نہ ہوتی۔ یہ آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ نے آکر ہمیں بتایا۔ پیغمبر ﷺ اگر ہمیں نہ بتاتے تو ہم جنت اور دوزخ کی ماہیت اور حقیقت تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ نہ ہماری رسائی ہوتی۔ اس لئے سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان عطا فرمایا بطفیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس شریعت لے کر آئے اور اس میں یہ چیز توحیدِ باری' رسالت' قیامت' ملائکہ' کتب' تقدیر کا مسئلہ' جہاں کا حادث ہونا' مرنے کے بعد اٹھنا وغیرہ' ذالک۔ پوری دنیا میں رہ کر کے' طبعی عمر پانے کے بعد' تمام کاروبار چھوڑ کر اگر ہم اس جستجو میں لگ جاتے تو یہ حاصل نہ ہوتا۔ یہ انعام ہے حضور ﷺ کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیج کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ ہمارا حق ہے کہ ہم درود پڑھ کر حضور ﷺ کو پہنچائیں۔ پیٹ کو حرام سے بچانا' زبان کو جھوٹ سے بچانا' دھوکہ بازی نہیں

کرنی۔ کوشش کرنا صحیح مسلمان جس طرح ہوتے ہیں۔

میری کوشش جس قدر ہے' میری عمر نہیں' تکلیف ہوتی ہے باہر آنے میں۔ باہر اس لئے آتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق جو ہے اس کو کوئی فائدہ پہنچ جائے۔ میرا بھی کوئی نجات کا ذریعہ بن جائے۔ میری غرض اتنی ہے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اس قسم کی پیدا ہو جائے کہ دنیا میں لوگ کہیں کہ مسلمان اس طرح کے ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تفسیرِ مدرک القرآن میں لکھتے ہیں' محمد الرسول ﷺ کا ایک صحابی ہزار آدمیوں میں اگر کھڑا ہوتا تھا تو دنیا دیکھنے والی کہتی تھی کہ یہ محمد رسول ﷺ کا صحابی ہے۔ وضع قطع بدل گئی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی جماعت اس قسم کی ہو کہ دنیا دیکھ کر کہے کہ مسلمان اس طرح کے ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ کوشش کرنا' ذکرِ لسانی' درود شریف' پیٹ کو حرام سے بچانا' زبان کو جھوٹ سے بچانا اور سوتے وقت' رات کو سوتے وقت چارپائی پر لیٹ کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دس دفعہ' گیارہویں دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ' قرآن اگر پڑھا ہوا ہے تو سورۃ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور سورۃ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠

کم از کم تین مرتبہ' سورۃ الکافرون ایک مرتبہ پڑھ لیں' زیادہ پڑھی جائے تو بہت ثواب ہے۔

دوسرا فائدہ جو میں بتانا چاہتا ہوں‘ آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں مائی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئے۔ حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ غنیم کا دروازہ کھل چکا ہے۔ مجھے بھی ایک غلامن چاہیے جو میرے گھر کا کام کاج کرے‘ میرے ساتھ ہاتھ بٹائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ سے زیادہ مستحق ہیں‘ اصحابِ صفہ‘ جو طالب علم باہر سے آئے ہوئے ہیں پڑھنے کے لئے یہاں رہتے ہیں۔ سوتے وقت عشاء کی نماز کے بعد آپ چلے گئے۔ یہ بخاری جس کو ہم قرآن کے بعد مانتے ہیں اس میں ہے۔ آپ ﷺ گئے‘ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لونڈی سے غلامن سے بہتر چیز آپ کو بتا دوں‘ آپ کی تنگدستی چلی جائے‘ غربت اٹھ جائے‘ اللہ تعالیٰ آپ کے مال میں برکت ڈال دے۔ فرمایا چارپائی پر لیٹ کر 33 دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ‘ سُبْحَانَ اللّٰہِ‘ سُبْحَانَ اللّٰہِ‘ سُبْحَانَ اللّٰہِ‘ سُبْحَانَ اللّٰہِ‘ 33 دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ‘ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ‘ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ‘ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ‘ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ‘ 34 دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ‘ اَللّٰہُ اَکْبَرُ‘ اَللّٰہُ اَکْبَرُ‘ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ نماز کے بعد یہ تسبیح پڑھی جاتی ہیں۔ یہ بھی تنگدستی رفع کرنے کے لئے ہیں لیکن یہ خاص کر سوتے وقت جو پڑھی جاتی ہیں‘ یہ محض اسی لئے ہیں۔ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ آپ پڑھتے رہتے ہیں؟ بخاری میں موجود

ہے' تو فرمایا جب سے میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ کلمات سنے ہیں اس کے بعد میں نے چھوڑا نہیں ہے' ہمیشہ پڑھتا ہوں۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی راتوں میں؟ فرمایا' ان راتوں میں بھی اس کو نہیں چھوڑا۔ پڑھتا رہتا ہوں۔ جو ساتھی میرے سامنے آ کر شکوہ کرتا ہے تنگدستی کا اس کو میں کچھ اور بھی بتاتا ہوں اور یہ تسبیح بھی بتاتا ہوں کہ رات کو سوتے وقت آپ پڑھ لیں۔ اتنا کافی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حقیقتِ کعبہ

(عمرہ 1977ء)

حضرت جیؒ نے 1975ء کے ایک مکتوب میں یوں تحریر فرمایا:

"گزشتہ سال آنخضرت ﷺ نے آتے وقت فرمایا تھا کہ جب ہجوم نہ ہوتو آنا تا کہ روضۂ اطہر ﷺ کے قریب بیٹھ کر قریب سے فیوضات حاصل کرنا' بہت فائدہ ہوگا۔"

حج کے موقع پر رش کی وجہ سے اس قدر قربت اور سکون کے لمحات کہاں ملتے ہیں۔ یہ صرف عمرہ کے دوران ممکن تھا چنانچہ حجِ ثانی کے بعد حضرت جیؒ عمرہ کے لئے اکثر بےقراری کا اظہار فرمایا کرتے۔

جون 1976ء میں آپؒ صوبہ سرحد کے دورہ پر تھے۔ مولوی سلیمان نے عمرہ سے واپسی پر پشاور میں حضور ﷺ کا یہ پیغام دیا کہ آپؒ مع احبابِ خاص عمرہ کے لئے آئیں تا کہ تکمیل ہو جائے۔ ساتھیوں کو اطلاع ہوئی تو احباب کی کثیر تعداد عمرہ کے لئے تیار ہوگئی جس کے پیشِ نظر برّی راستے سے سفر کا پروگرام بنا۔ اوائل 1977ء میں بذریعہ بس سفر کے لئے درخواست دی لیکن یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اس وقت حضرت جیؒ کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی اور صحت' خشکی کے راستے اس طویل سفر کی متحمل بھی نہ تھی۔ بالآخر طے پایا کہ ہوائی جہاز سے سفر کیا جائے۔ آپؒ کی منظوری سے عمرہ پر

ساتھ جانے والے احباب کی حتمی فہرست تیار ہوئی اور مارچ 1977ء میں ویزا کے لئے سعودی سفارت خانے میں درخواستیں جمع کرا دیں۔ اس فہرست میں چودہ احباب کے علاوہ گیارہ خواتین بھی تھیں۔

9 مارچ 1977ء کو حضرت جیؒ مع احباب راولپنڈی پہنچے اور اسی روز سفارت خانے سے ویزے بھی مل گئے۔ رات کی فلائٹ سے کراچی روانگی ہوئی۔ دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے ساتھیوں کی کثیر تعداد نے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ آپؒ کو اسلام آباد ایئرپورٹ سے رخصت کیا۔ اس وقت برِصغیر کے تمام مشائخ اس طرح ساتھ چل رہے تھے جس طرح بادل ساتھ چل رہے ہوں۔ فلائٹ قریباً گیارہ بجے کراچی پہنچی تو یہاں بھی کراچی کے ساتھی استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضرت جیؒ نے ایئرپورٹ کی مسجد میں مختصر قیام کیا۔ احرام باندھنے کے بعد اجتماعی دعا ہوئی اور رات پونے دو بجے پی آئی اے کی فلائٹ سے سوئے حجاز روانگی ہوئی۔ جدّہ پہنچے تو نمازِ فجر کا وقت تھا۔ ایئرپورٹ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد ایک طویل اور تھکا دینے والے مرحلے کا آغاز ہوا۔ حصولِ کرنسی اور دیگر انتظامات کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہوئی لیکن ہر قدم پر اس قدر رکاوٹوں سے واسطہ پڑا کہ ایئرپورٹ پر کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔ منزل کی قربت کے احساس کے ساتھ یہ طویل انتظار خاصا اعصاب شکن تھا۔ اس دوران حضرت جیؒ کا قیام ایئرپورٹ کی مسجد میں ہی رہا۔ بالآخر یہ مرحلہ طے ہوا تو تین ٹیکسیوں میں **لبیک الّٰھم لبیک** کے نعروں کے ساتھ سوئے حرم روانگی ہوئی۔ مکہ مکرمہ پہنچے تو رہائش کے لئے حرم کے قریب ہی فندق زمزم میں انتظام ہو گیا جہاں سامان وغیرہ رکھنے کے بعد قبل از نمازِ ظہر حرم پاک میں حاضر ہوئے اور

نمازِ عصر کے بعد عمرہ کی تکمیل ہوئی۔

اگلے روز جمعتہ المبارک کی وجہ سے حرم پاک میں بہت رش تھا۔ دن کے وقت احباب کا انفرادی طور پر عمروں اور طواف کا سلسلہ جاری رہا لیکن حضرت جیؒ کی معیت میں اجتماعی عمرہ بعد از نمازِ عصر ادا کیا گیا۔

12 مارچ کو دن کے اوّل حصے میں عمرہ کا پروگرام بنا۔ ناشتے کے فوری بعد حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ تنعیم میں مسجدِ عائشہ صدیقہؓ پہنچے اور عمرہ کی نیت کی۔ حضرت جیؒ کے فرمان کے مطابق 10 مارچ کے عمرے کی طرح اس عمرہ کی بھی خاص کیفیات تھیں۔ یہ حضرت جیؒ کا تیسرا عمرہ تھا۔

13 مارچ کے عمرہ کا پروگرام معمول سے ذرا مختلف تھا۔ علی الصبح احرام باندھنے کے بعد جبل نور کے لئے روانگی ہوئی۔ حضرت جیؒ' ڈاکٹر غلام مصطفیٰ اور حبیب الرحمٰن کے ہمراہ جبلِ نور کے دامن میں ٹھہر گئے جبکہ باقی احباب نے غارِ حرا پہ حاضری دی۔ اللہ' اللہ! عجب روح پرور سماں پیدا ہو گیا۔

جبلِ نور سے منیٰ کے لئے روانگی ہوئی۔ حضرت جیؒ مسجدِ خیف پہنچے تو آپؒ کے ارشاد پر ایک صاحبِ کشف ساتھی نے سیّدنا آدم علیہ السلام سے گفتگو کی سعادت حاصل کی۔ ان کی قبر مبارک کی نشاندہی بھی کی گئی اور احباب نے فاتحہ اور سلام کا تحفہ پیش کیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مبارک کی نشاندہی کے بعد فاتحہ اور سلام کا تحفہ پیش کیا گیا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ ان دو ہستیوں کے علاوہ یہاں مزید گیارہ انبیاء علیہم السلام دفن ہیں۔

منیٰ کے بعد کچھ دیر کے لئے مشعر الحرام اور مزدلفہ میں رکے اور عرفات سے ہوتے ہوئے جبلِ رحمت پہنچے۔ یہاں نوافل ادا کئے اور عمرہ کی نیت کی۔ جس مقام پر حضرت حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جھونپڑی بنائی

تھی۔ اہلِ بصیرت احباب نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں حضرت آدم علیہ السلام‘ حضرت حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تلاش میں پہنچے تھے۔ روایات کے مطابق انہیں مسجدِ نمرہ سے دیکھا تھا اور جنت سے اترنے کے بعد اسی جگہ اکٹھے ہوئے تھے۔ جبلِ رحمت پر ایک رسول علیہ السلام بھی دفن ہیں۔ حضرت جیؒ نے ان کے مدفن کی بھی نشاندہی کی۔ جبلِ رحمت پر نوافل ادا کیے‘ عمرہ کی نیت کی۔ واپسی پر چوتھا عمرہ ادا کیا۔

14 مارچ کو بھی احباب طواف اور عمروں میں مصروف رہے۔ 15 مارچ کو غارِ ثور کی زیارت کا پروگرام بنا۔ حضرت جیؒ چند بزرگ ساتھیوں کے ہمراہ دامنِ کوہ سے واپس آ گئے جبکہ باقی احباب حضرت امیر المکرّم کے ہمراہ غارِ ثور کی زیارت کے لئے ٹھہر گئے۔ چڑھائی کے دوران حضرت امیر المکرّم نے نہ صرف ہجرت کے واقعات تفصیلاً بیان فرمائے بلکہ اس راستے اور مقامات کی بھی نشاندہی کی جس پر چلتے ہوئے حضور ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آقا ﷺ کو شانوں پر اٹھا لیا اور اسی حالت میں غارِ ثور پہنچے۔ حضرت امیر المکرّم کی نشاندہی کے باعث احباب کو عین اس جگہ بیٹھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی جہاں حضور ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔

16 مارچ کو احباب‘ حضرت جیؒ کی معیت میں تنعیم گئے اور زیرِ تعمیر مسجدِ عائشہ میں نوافل ادا کرنے کے بعد عمرہ کے لئے حرم پاک لوٹے۔ ان دنوں بیت اللہ کے اندر تعمیراتی کام ہو رہا تھا اور چند احباب کو بیت اللہ میں داخلہ کی سعادت نصیب ہو چکی تھی۔ حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ حرم پہنچے تو بیت اللہ میں داخلے کے لئے لوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ ڈیوٹی پر متعین سپاہی ہجوم کو

روک رہے تھے لیکن یہاں کے آداب سے نا آشنا کچھ دیوانے دھکم پیل سے داخلے کے لئے کوشاں تھے۔

آج مکۂ مکرمہ میں قیام کا آخری دن تھا اور حضرت امیر المکرّم اس خیال سے پریشان تھے کہ خدا جانے بیت اللہ کے اندر جانے کی سعادت میسر آتی ہے کہ نہیں۔ وہ عام لوگوں سے بلند قامت تھے اور زورِ بازو میں کہیں بڑھ کر لیکن ادب آشنا۔ وہ اس بے قابو ہجوم میں کیونکر شریک ہو سکتے تھے' جو بیت اللہ میں داخلے کے لئے دھکم پیل میں مصروف تھا۔ اسی لمحے چند مزدور لوہے کا ایک جنگلا تھامے ملتزم کی طرف بڑھے تو حضرت امیر المکرّم بھی حصولِ سعادت کے لئے ان میں شامل ہو گئے۔ لکڑی کے ایک سٹینڈ پر کھڑے ہو کر بیت اللہ میں کام کرنے والوں کو جنگلا تو پکڑا دیا لیکن عین دروازے کے سامنے پہنچ کر اب یہ حسرت کہ خود اندر جانے سے پھر بھی محرومی! نیچے کھڑے سپاہی کہہ رہے تھے کہ اب نیچے اترو۔ اچانک لوہے کا جنگلا دروازے کے پردے میں اس طرح الجھ گیا کہ کسی کے چھڑوانے سے نہ چھوٹا۔ جنگلا اس قدر بلندی پر الجھا ہوا تھا کہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر تھا۔ حضرت امیر المکرّم نے لپک کر جنگلے کو چھڑوانے کی کوشش کی تو درازیٔ قامت کام آ گئی۔ اس وقت نقشہ کچھ اس طرح سے تھا کہ وہ بلندی پر پنجوں کے بل کھڑے ایک ہاتھ سے ملتزم کے سامنے چھت سے لٹکتی ہوئی رسی کو پکڑے دوسرے ہاتھ سے جنگلے کو پردے سے چھڑوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ توفیقِ الٰہی تھی کہ وہ جنگلا جسے سنبھالنا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہ تھی' انہوں نے ایک ہاتھ سے دروازے کے اندر دھکیل دیا۔ اندر سے کام کرنے والوں نے جنگلے کو تھاما اور اس کے ساتھ ہی حضرت امیر المکرّم بھی بیت اللہ کے اندر داخل ہو گئے۔

حضرت جیؒ بھی ملتزم کے قریب ہی کھڑے تھے۔ آپؒ کے خادم عبداللہ پشاوری نے اندر جانے کے لئے عرض کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''میں کس منہ سے اندر جاؤں' آپ لوگ جائیں۔''

یہ فرماتے ہوئے حضرت جیؒ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی جو گریہ میں تبدیل ہوگئی۔ آپؒ کی اجازت کے بعد عبداللہ پشاوری اور مزید کئی احباب نے بیت اللہ میں داخلے کی سعادت حاصل کی۔

بیت اللہ میں داخلہ بہت بڑی سعادت خیال کیا جاتا ہے لیکن اصل سعادت یہاں کی حاضری کے دوران حقیقتِ کعبہ کا ادراک ہے خواہ وہ کسی درجہ میں بھی نصیب ہو جائے۔ بیت اللہ کیا ہے؟ عام دیکھنے والوں کے لئے پتھر سے تعمیر کردہ بلند و بالا عمارت جس کی دیواریں دبیز سیاہ حریر کے پردوں میں ملبوس ہیں۔

حقیقتِ کعبہ کیا ہے؟ اس کا ادراک اگرچہ ہمارے بس کی بات نہیں لیکن حضرت جیؒ کی نگاہِ حقیقت شناس اور حضرت امیر المکرّم کی نگارشات سے حسبِ فکر و استطاعت رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کعبہ' تخلیقِ ارض کا نقطۂ آغاز' ایک حباب کی مانند جس کے گرد نہ صرف زمین کی وسعتیں پھیلتی چلی گئیں بلکہ تمام عالمِ خلق کا مرکز بھی یہی ہے۔

حضرت امیر المکرّم کو بیت اللہ میں داخلے کی سعادت ملی تو انہوں نے اس کے ایک ایک ستون کے ساتھ نوافل ادا کئے۔ نوافل کا سلسلہ ختم ہوا تو باہر سے لوگوں کا ایک ریلہ اندر داخل ہونے کی کوشش میں بابِ ملتزم پر امڈ آیا۔ انہیں روکنے کے لئے ڈیوٹی پر مامور سپاہیوں نے بابِ کعبہ بند کر دیا تو حضرت امیر المکرّم کو بیت اللہ کے درمیانی ستون کے ساتھ حقیقتِ کعبہ کا

مراقبہ نصیب ہوا۔

ان مراقبات کی کیفیات اور مقاماتِ سلوک کی وسعتوں کا ادراک اگرچہ نگاہِ بصیرت ہی سے ممکن ہے لیکن حضرت امیر المکرّم نے اس کی وضاحت کچھ اس طرح فرمائی ہے:

''بیت اللہ تخلیقِ ارضی کا نقطہ' آغاز اور عالمِ خلق کا مرکز ہے۔ کرۂ زمین کو سات آسمان محیط ہیں اور جس طرح ایک نقطہ کے گرد کوئی بھی دائرہ اس نقطہ سے لا متناہی وسعت رکھتا ہے' اسی طرح پہلا آسمان بھی زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس طرح وسعتوں کا یہ سلسلہ ہر آسمان کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ سبع سمٰوٰت (ساتویں آسمان) کے بعد مقام احدیت ہے جو ولایتِ خاصہ کی پہلی منزل اور زمین سے پچاس ہزار سال کی مسافت پر ہے جبکہ آسمانِ اوّل سے یہ مسافت 36 ہزار سال ہے۔ یہاں سے پہلے عرش کی ابتداء ہوتی ہے جس میں قریباً سوا لاکھ منازل ہیں اور ہر دوسری منزل' پہلی منزل کو محیط ہے لیکن کسی ایک منزل سے اوپر والی منزل کو دیکھا جائے تو وہ اس طرح نظر آتی ہے جیسے زمین سے کوئی ستارہ۔ اس مثال سے ایک عرش کی موٹائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہر دو عرشوں کے درمیان وسیع خلا ہے اور اسی طرح نو عرش اپنی وسعتوں میں مزید پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلا آسمان ساری دنیا کو محیط ہے' اسی طرح پہلا عرش ساتوں آسمانوں کو محیط ہے اور

مرکزِ زمین سمیت عرش تک جو کچھ ہے' یہ سب عرش کے سامنے ایسے ہے جس طرح کسی صحرا میں ایک انگوٹھی ڈال دی جائے۔ یہ وسعت پہلے عرش کی ہے جبکہ دوسرا عرش اپنی وسعت میں پہلے عرش سمیت ساری کائنات سے اسی طرح وسیع ہے۔ وسعتوں کے اس پھیلاؤ سے نویں عرش کی وسعت کو تخیل میں لائیں تو عقل چکرا جاتی ہے جو آٹھوں عرش سمیت تمام مخلوق کو اپنی گود میں اس طرح لئے ہوئے ہے جیسے صحرا میں کوئی انگشتری۔ نویں عرش کے آخر سے نور کا ایک دھارا شروع ہوتا ہے جو آٹھویں عرش' ساتوں آسمان اور زمین میں بیت المقدس سے گزرتا ہوا دوسری جانب ساتوں آسمان اور آٹھوں عرش سے ہوتا ہوا نویں عرش کی آخری حد تک جا پہنچتا ہے۔ یہ ہے بیت المقدس کا امتیاز جہاں سجدہ ریز ہونے کی سعادت آج عالمِ اسلام سے چھن چکی ہے۔

نویں عرش کے بعد دوائر کا آغاز ہوتا ہے جن میں سے ہر دائرہ اپنے سے نیچے والی کائنات کو محیط ہے۔ ان دوائر میں سے اٹھارواں دائرہ حقیقتِ کعبہ ہے جو اپنے سے نیچے سترہ دائروں' نو عرش' سات آسمان اور زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس دائرے سے بھی نور کا ایک دھارا شروع ہوتا ہے جو اپنے سے نیچے تمام دائروں' نو عرش' سات آسمان اور ان تمام وسعتوں کے مرکز بیت اللہ

سے ہوتا ہوا دوسری طرف آسمانوں، عرش اور سترہ دائروں کے بعد دائرہ حقیقتِ کعبہ سے جا ملتا ہے۔ بیت المقدس سے گزرنے والے نور کے دھارے کے مقابل اس دھارے کی وسعت کیا ہو گی؟ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے لیکن آقائے نامدار ﷺ نے بیت اللہ اور بیت المقدس کا تقابل یوں فرما دیا کہ بیت المقدس میں ادا کی جانے والی ایک نماز کا اجر پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے جبکہ بیت اللہ کی ایک نماز کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

حقیقتِ کعبہ کی برکات وتجلیات نصیب ہو جائیں تو بجز ذاتِ باری تعالیٰ کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ کوئی چیز نظر آتی ہے گویا ساری کی ساری کائنات معدوم ہو گئی۔

بابِ کعبہ کھلا تو ساتھ ہی یہ مراقبہ بھی ختم ہوا۔ اس وقت ہر بُنِ مُو سے حضرت جیؒ کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں جن کے ذریعے نہ صرف یہ سعادت نصیب ہوئی بلکہ چشمِ باطن بھی وا ہوئی وگرنہ کہاں حقیقتِ کعبہ اور کہاں یہ ادراکات۔ بیت اللہ سے باہر نکلتے ہی حضرت جیؒ کی خدمت میں یہ کیفیات عرض کیں تو آپؒ نے فرمایا:

حقیقتِ کعبہ تک تمام مخلوق ہے اور مظہرِ صفات ہے لیکن دائرۂ حقیقتِ قرآن عین ذاتی ہے اور غیر مخلوق، اس لئے اوپر کا عالم دوسرا ہے اور نیچے کا دوسرا۔"

یہاں حضرت امیر المکرّم کے الفاظ میں یہ وضاحت بھی پیش نظر رہے کہ بالائے عرش جملہ دوائر محض عرُ فاً متعارف ہیں ورنہ ان کی حقیقت تو بے چون و چرا ہے۔اسی طرح مقاماتِ سلوک کے فاصلوں کو زمینی فاصلوں پر محمول نہ خیال کیا جائے۔ان فاصلوں کو روح کی ذاتی رفتار کے ذریعے بیان کیا گیا ہے یعنی اگر روح اپنی رفتار پر چلتی رہے تو احدیت تک پہنچنے میں پچاس ہزار سال کی مدت چاہیئے۔ خیال رہے کہ روح کی رفتار روشنی کی رفتار سے لاکھوں گنا زیادہ ہے۔سائنسدان روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ بتاتے ہیں اور ان کی تحقیقات کے مطابق بعض ستاروں کی روشنی کھربوں سال بعد زمین تک پہنچتی ہے جبکہ ان کا وجود آسمانِ دنیا سے ماورا نہیں۔اب اس کے بعد آسمانوں اور عرشی منازل سے بھی کہیں آگے عالمِ امر تک رسائی! یہ اسی صورت ممکن ہے جب شیخ اس پایہ کا ہو کہ جس کی توجہ سے ہزاروں سال ایک لمحہ میں سما جائیں۔

حضرت امیر المکرّم بیت اللہ میں مراقب ہوئے تو حقیقتِ کعبہ منکشف ہوگئی اور آج انہی کے الفاظ میں ہمیں بھی ایک دھندلا سا تصور نصیب ہوا لیکن جس ہستی کے صدقے میں انہیں یہ اِدراکات نصیب ہوئے تھے' بیت اللہ سے باہر نکلے تو نگاہ اسی ہستی کے قدموں سے لپٹ گئی۔حضرت جیؒ ملتزم کے ساتھ ہی باہر کھڑے تھے۔بے ساختہ زبان سے نکلا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جان ہمراز کر دی

17 فروری کو تہجد کی اذان سے قبل حضرت جیؒ کی معیت میں احباب نے بیت اللہ میں حاضری دی اور طوافِ وداع کے بعد مراقبات

کیئے۔ نمازِ فجر کے بعد مکۂ مکرمہ سے تین ٹیکسیوں کے ذریعے مدینۂ منورہ روانگی ہوئی۔ حضرت جیؒ' حضرت امیرالمکرّم اور حافظ عبدالرزاق جدہ کے زاہدالامین کی گاڑی میں سوار تھے۔ آپؒ کا ارادہ تھا کہ بدر کے راستے سفر کرتے ہوئے کچھ دیر شہدائے بدر کی خدمت میں حاضری دیں گے لیکن گاڑی میں خرابی کی وجہ سے بدر پہنچنے میں تاخیر ہوگئی۔ یہاں پہنچے تو ڈرائیور حضرات جو موقف بدر میں کافی دیر سے انتظار کر رہے تھے' فوراً روانگی پر بضد ہوئے۔ اس طرح میدانِ بدر میں کچھ وقت گزارنے اور شہدائے بدر کی خدمت میں حاضری کی خواہش تو پوری نہ ہوئی' البتہ مسجدِ بدر میں نمازِ ظہر ادا کرنے کا موقع مل گیا۔

حضرت جیؒ مسجدِ نبوی ﷺ پہنچے تو نمازِ عصر کی جماعت کھڑی تھی' آپؒ مع احباب شریک ہوگئے۔ ادائیگی نماز کے بعد احباب کی خواہش تھی کہ فوراً روضۂ اطہر پر حاضری دی جائے لیکن یہاں جس درگاہِ عالی کا معاملہ تھا' اس کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے اس طویل سفر کے بعد کچھ تیاری کی بھی ضرورت تھی۔ جائے رہائش کا انتظام ہوا تو وہاں سامان رکھا' غسل کیا اور سفید لباس پہن کر بعد از نمازِ مغرب باب السلام سے گزرتے ہوئے مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہوئے۔ اس مقام پر اکثر عشّاق کو دیکھا ہے کہ وہ جالی مبارک کے قریب تر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہاں بھی اہل اللہ کا معاملہ مختلف نظر آتا ہے۔ لوگوں کے ہجوم کے پیچھے کسی ستون کی آڑ میں منہ چھپائے' گویا حوصلہ نہیں پاتے کہ حبیب کبریا ﷺ کے روبرو کھڑے ہوسکیں۔ حضرت امیرالمکرّم کے الفاظ میں ''ساتھیوں کے پیچھے منہ چھپائے کھڑا رہا''۔ اس عالم میں بھی وہ حضوری عطا ہوتی ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب حائل نہیں رہتا۔ اُن کا کرم ہے یہ اُن کا کرم ہے ﷺ !

18 مارچ سیّدالایام تھا۔ نمازِ جمعتہ المبارک مسجد نبوی ﷺ میں ادا کی جس کے بعد کچھ احباب بیرِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' میدانِ اُحد اور خمسہ مساجد کی زیارت کے لئے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی محبوب ہستیوں کے نہ صرف ابدان ہی منبعِ انوارات ہوتے ہیں بلکہ ان کے خون کے ایک ایک قطرے نے جس زمین کو سیراب کیا وہ تا قیامت منور ہو جاتی ہے۔ میدانِ اُحد' جبلِ سلع اور جنت البقیع کے مابین انوارات کا ایک دھارا مثلث کی صورت نظر آیا' تحقیق پر معلوم ہوا کہ آقائے نامدار ﷺ کا ایک خادم میدانِ اُحد میں زخمی ہوا تو ان کے وجودِ مسعود کو جبلِ سلع پر رکھا گیا اور بعد میں جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ یہ تینوں مقامات اس طرح منور ہو گئے کہ آپس میں مربوط ایک نورانی مثلث کی صورت نظر آنے لگے۔

19 مارچ کو حضرت جیؒ نے حسبِ معمول فجر سے قبل اقامت گاہ پر ہی معمول کرایا۔ اسی موقع پر سعودی عرب میں سلسلۂ عالیہ کے امیر صوفی محمد افضل خانؒ کی روحانی اور ظاہری بیعت ہوئی۔ ظاہری بیعت لیتے ہوئے حضرت جیؒ نے ہدایت فرمائی:

''ذکرِ نفی اثبات کثرت سے کیا کرو۔

جب کوئی مشکل پیش آئے تو اول آخر تین یا پانچ مرتبہ درود شریف اور درمیان میں اس مشکل کا خیال کرتے ہوئے پانچ مرتبہ یَامومنُ پڑھیں۔ اللہ کریم مشکل آسان فرمائے گا۔

سوتے وقت دس بار لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ اور تین سے تیرہ بار سورہ اخلاص پڑھیں اور ہر روز درود شریف کی کم از کم دو تین تسبیحات پڑھا کریں۔''

اسی روز بعد از نمازِ فجر حضرت جیؒ نے احباب کے ہمراہ مسجدِ قبا میں حاضری دی۔ بعد از نمازِ ظہر آپؒ نے تمام جماعت کو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے خصوصی شفقت فرمائی اور خصوصی ہدایات ارشاد فرمائیں' اصلاح و تبلیغ کے کام کے لئے تاکید فرمائی اور ارشاد ہوا کہ جس مقصد کے لئے آپ کو بلایا گیا وہ سوموار تک پورا ہوگا۔

20 مارچ کا دن مسجدِ نبوی ﷺ میں نمازوں کی ادائیگی کے لئے حاضری میں گزرا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان بابِ جبریل کے قریب اجتماعی ذکر ہوا جو حضرت جیؒ کی عدم موجودگی میں حضرت امیر المکرّم نے کرایا۔

اگرچہ کئی احباب نے 17 مارچ کو میدانِ اُحد میں حاضری دی تھی لیکن 21 مارچ کو حضرت جیؒ کی معیت میں دوبارہ حاضری کی خواہش کی۔ حضرت جیؒ کے لئے الگ سے کار کا بندوبست کیا گیا جس میں آپؒ کے ہمراہ حضرت امیر المکرّم اور حافظ عبدالرزاق تھے جبکہ باقی احباب عام سواری کے ذریعے میدانِ اُحد پہنچے۔ تمام میدان جنگ اور جبل احد کا جائزہ لیا گیا۔ عقب سے اس مقام پر بھی گئے جہاں حضور ﷺ نے پچاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت کو متعین فرمایا تھا۔ حضرت جیؒ کی توجہ سے اہلِ بصیرت نے اُحد کے سپاٹ میدان میں غزوۂ احد کو بپا ہوتے دیکھا۔ بقول حضرت امیر المکرّم

"تلواروں کو چمکتے دیکھا' سینوں کو پھٹتے دیکھا' سروں کو کٹتے دیکھا اور خود اور زرہ کو ٹوٹتے بھی دیکھا۔ وحشی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سید الشہدا پر نیزہ پھینکتے بھی دیکھا۔ لشکر کفار کو بھاگتے بھی دیکھا۔ خالد جانباز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو پلٹتے بھی دیکھا اور اس حادثہ کو وقوع پذیر ہوتے بھی دیکھا جس

میں جسدِ نبوی ﷺ پر دو زر ہیں تھیں۔"

میدانِ اُحد کی قدم قدم زیارت کی اور ہر جگہ کی نسبت سے واقعات سامنے آتے چلے گئے۔ آخر میں جبلِ اُحد پر اس غار کی زیارت کی جہاں حضورِ اقدس ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔ اس جگہ کی بھی زیارت نصیب ہوئی جہاں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جگر گوشۂ رسول ﷺ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رُخِ انور کو دھویا اور چہرۂ اقدس سے خون صاف کیا۔ یوں تو یہ سارا علاقہ ہی منور ہے لیکن جس مٹی کو جسمِ اطہر سے یا حضور ﷺ کے مبارک تلووں سے مَس ہونے کا شرف حاصل ہوا' حضرت امیرالمکرّم اس کی شان یوں بیان فرماتے ہیں کہ باقی جگہ کا ہر ذرہ اگر ستاروں کی طرح روشن ہے تو یہ جگہ سورج کو مات کر رہی ہے۔

21 مارچ دیارِ حبیب ﷺ میں آخری دن تھا اور اس روز کے معاملات بھی ایسے تھے جو اس سے قبل پیش نہ آئے۔ میدانِ اُحد سے واپس لوٹے تو ظہر کی نماز کے بعد حضرت جیؒ نے قیام گاہ پر اپنے کمرے میں ہی معمول کرایا۔ اس معمول کے دوران مسجدِ نبوی ﷺ سے انعامات تقسیم فرمائے گئے۔

22 مارچ کو دیارِ حبیب ﷺ سے روانگی تھی۔ بعد از اشراق مسجد نبوی ﷺ میں روانگی کی اجازت حاصل کرنے کے لئے حضرت جیؒ تمام احباب کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر الوداعی سلام پیش کیا۔ اس وقت جدائی کے خیال سے آپؒ کے چہرۂ مبارک پر رنج و الم کے گہرے بادل اور آنکھوں میں امنڈتی ہوئی آنسوؤں کی جھڑی ہویدا تھی لیکن اس ادب گاہ کی نسبت سے ضبط کا دامن تھام رکھا تھا۔ اسی عالم میں

شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضری دی اور الوداعی سلام پیش کیا۔ اب مزید کھڑا رہنے کا حوصلہ نہ تھا' حضرت جیؒ سیدھے ریاض الجنہ میں آئے اور اس مقام پر مراقب ہو گئے جہاں کھڑکی روضۂ اطہر ﷺ میں کھلتی ہے۔ آنسوؤں کی جھڑی میں روانگی کے لئے اجازت طلب کی۔ آقائے نامدار ﷺ نے خصوصی ہدایات ارشاد فرمائیں جن کا تعلق اصلاحِ ذات اور دعوتِ دین سے تھا۔

آخری مصافحہ ہوا تو تمام احباب پر رقت طاری ہوگئی۔ یہ انتہائی دردناک نظارہ تھا حضرت جیؒ' جو صبر و ضبط کا کوہِ گراں تھے' پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ضبط کا بند ٹوٹ گیا تو آنسوؤں کے دریا بہہ نکلے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کے آداب' پھر ریاض الجنہ اور یہاں بھی اس کھڑکی سے ملحق جو روضۂ اطہر ﷺ میں کھلتی ہے' ہونٹ تو سی لئے تھے لیکن سینے میں اٹھنے والے رنج و الم کی گھٹی گھٹی سی آواز اور ہچکیوں کو دبانا کسی طور ممکن نہ تھا۔ اسی عالم میں کچھ دیر گزر گئی تو حضرت جیؒ نے اپنے عصا کا سہارا لیتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی اور اکڑوں بیٹھ گئے لیکن اٹھ نہ سکے۔ اسی حالت میں دیر تک آنسوؤں کی جھڑی جاری رہی جس کے بعد طبیعت ذرا سنبھلی تو بوجھل قدموں سے مسجدِ نبوی ﷺ سے باہر نکلے۔ دیکھنے والوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ دیارِ حبیب ﷺ میں یہ آپؒ کی آخری حاضری تھی۔ آقائے نامدار ﷺ کی طرف سے جو الوداعی پیغام ملا' حافظ عبدالرزاق کی نقل شدہ روایت کے مطابق اس کا مفہوم اس طرح سے تھا:

"صوفی کا بڑا سرمایہ محبتِ الٰہی ہے اور محبت کا تقاضا محبوب
کی اطاعت جو دو چیزوں پر موقوف ہے' قربِ فرائض اور

قربِ نوافل ۔''

اس کے بعد احباب نے کئی مرتبہ حضرت جیؒ کے عمرہ کا پروگرام تشکیل دینے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

مدینہ منورہ میں نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد جدہ کے لئے روانگی ہوئی تو بدر کا راستہ اختیار کیا گیا تا کہ شہدائے بدر کی خدمت میں حاضری کی خواہش پوری ہو سکے۔ عصر کے وقت بدر پہنچے اور شہدائے بدر کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔ اب میدانِ بدر سامنے تھا۔ حضرت جیؒ کی توجہ سے صدیوں قبل بپا ہونے والا معرکۂ حق و باطل اہلِ بصیرت کے سامنے منکشف ہونے لگا۔ میدانِ بدر آج بھی دیکھنے والوں کا تعلق دورِ نبوی ﷺ سے جوڑ سکتا ہے' اللہ کرے جذبۂ صادق رکھنے والوں کو رہبری کے لئے کوئی مردِ کامل بھی مل جائے۔

بدر سے روانگی کے بعد حضرت جیؒ رات آٹھ بجے جدہ پہنچے ۔ 23 مارچ کا دن بھی جدہ ہی میں گزرا۔ 24 مارچ کو صبح چار بجے ایئر پورٹ پہنچ کر نمازِ فجر ادا کی اور پی آئی اے کے ذریعے ڈیڑھ بجے کراچی آمد ہوئی۔ ظہر اور عصر کی نماز ایئر پورٹ کی مسجد میں ادا کی جہاں مقامی احباب کی کثیر تعداد حضرت جیؒ کی صحبت میں چند لمحات گزارنے کے لئے حاضر تھی۔ یہاں سے مغرب کے بعد اسلام آباد کے لئے روانگی ہوئی ۔ راولپنڈی میں ایک ساتھی کے ہاں مختصر قیام کے بعد حضرت جیؒ براستہ چکوال' چکڑالہ روانہ ہوئے اور رات دو بجے کے قریب مراجعت بخیر ہوئی۔

مستقبل کے حوالے سے

عمرہ سے واپسی پر حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے احباب کی کثیر تعداد چکڑالہ میں حاضرِ خدمت ہوئی۔ 25 مارچ 1976ء کو آپؒ نے

حسبِ معمول ''چٹی مسجد'' میں جمعہ کا خطاب فرمایا تو باطنی نظام میں طے پانے والے کچھ امور آپؒ کی زبان سے ادا ہونے لگے:

''پاکستان کے اوپر سخت ابتلاء آچکا' امتحان آچکا اور سخت ''بلا'' آدمی مسلّط ہو چکا۔ پہلے یوں معلوم ہوتا تھا کہ 1965ء میں جو جنگ ہوئی ہندو اور مسلمان کی' اب اس طرح سے خود مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوگی۔ یہ آپ لوگوں کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے کچھ اسے ٹال دیا ہے' وہ عذاب اتنا ہٹ گیا ہے تخفیف ہوگئی ہے۔ ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو۔ اللہ ملک کو اور مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ فرما' تُو مہربانی کر اس ابتلاء میں اللہ! اس امتحان کے قابل نہیں' ہم کمزور ہیں۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ پر جلال کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپؒ نے فرمایا:

''اور ایہہ وی یاد رکھ لو' بھٹو رہندا کوئی نئیں' ایہہ رہ سی کوئی نئیں' ایہہ مالہ ای ایہہ کچھ اے' اکھے مویا' جگ اجاڑ کے مویا۔ رہ سی کوئی نئیں۔''

''ویسے بھی جو دھاندلی سے منتخب ہوئے ہیں یہ بھی اپنا سوچ لیں' ان کا بھی جو حشر ہوگا یہ بھی دیکھ لیں۔ رہیں گے یہ بھی نہیں' اگر کسی کے دل میں یہ خیال ہو۔ یہ دھاندلی کوئی نہیں رہے گی۔ ہمیں اس وقت اس بات کی ضرورت ہے' اللہ ہمارے ملک کو اور مسلمانوں کو اس شر سے بچا۔ شر' حد سے بڑھ چکا ہے۔ ان سے جو خطرہ ہے

اس سے اللہ ہی پناہ! اس لئے سارے مسلمانوں کے لئے یہ فرض ہے' آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کریں کہ مسلمانوں کو آپس میں نہ لڑا دے۔ کہیں یہ نہ ہو کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے' فساد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری فوج کو بھی' پولیس کو بھی اور ہمارے مسلمانوں کو بھی اس فتنہ اور فساد سے بچائے۔''

حضرت جیؒ 1977ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ رہے اور اس کے سربراہ مولانا مفتی محمودؒ سے آپؒ کے ذاتی تعلقات تھے۔ اس زمانے میں آپؒ نے کھل کر حکومتِ وقت کی مخالفت کی۔ آپؒ کی تقاریر میں احتجاج کا رنگ نہیں بلکہ شدید گرفت کی صورت ہوتی۔ نہ صرف ظلم کی تصویر کشی فرماتے بلکہ ظالم کو اس کے انجام سے باخبر بھی کرتے اور اپنے تکوینی مقام و منصب کے تحت سزا کا پروانہ بھی ساتھ فرماتے۔ آپؒ کے ایسے فرامین کو آنے والے وقت نے وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا۔

حضرت جیؒ نے مارچ 1977ء میں اس وقت بھٹو کے انجام سے دنیا کو آگاہ کیا جب اس کی طاقت کا نقارہ بج رہا تھا اور اسے اپنی کرسی کے مضبوط ہونے کا بڑا زعم تھا۔ ان حالات میں حضرت جیؒ کی خدمت میں کچھ ساتھی حاضر ہوئے جن میں میجر جمیل اور کرنل حیات اللہ نیازی بھی تھے۔ کرنل نیازی نے حضرت جیؒ سے سوال کیا:

''حضرت! حالات بہت خراب ہو رہے ہیں' اب کیا ہو گا؟''

حضرت جیؒ اس وقت توکّل منزل آفس میں' جو حضرت امیر المکرّم کی مائننگ کمپنی کا دفتر تھا اور جہاں اب دارالعرفان کا وسیع کمپلیکس ہے' چارپائی

پر تشریف فرما تھے اور احباب سامنے چٹائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس محفل میں سعودی عرب میں سلسلۂ عالیہ کے امیر صوفی محمد افضل خان بھی موجود تھے جو انتہائی تیز صاحبِ بصیرت اور مشاہدات میں حضرت جیؒ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ آپؒ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''محمد افضل! خیال کریں۔''

حضرت جیؒ کے اس ارشاد سے مراد محض لغوی اعتبار سے ''خیال کرنا'' نہیں بلکہ تصوّف کی اصطلاح میں ارتکازِ توجہ تھا جس میں صاحبِ کشف کو حضرت جیؒ کی توجہ بھی ملتی۔

صوفی محمد افضل خان نے قلب پر توجہ کی اور عرض کیا:

''حضرت! میں دیکھ رہا ہوں کہ وردیوں والے لوگ آ رہے ہیں اور انہوں نے اقتدار سنبھال لیا ہے بغیر کسی خون خرابے کے......''

اس کے بعد صوفی محمد افضل خان نے مستقبل کی اس طرح تصویر کشی کی گویا اللہ تعالیٰ نے نوشتۂ تقدیر بصورت تصویر منکشف فرما دیا ہو۔ اسی رَو میں برزخ کے حالات بھی کھلنے لگے جن کے یہ صفحات متحمل نہیں ہو سکتے۔ ساتھیوں پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ صوفی صاحب خاموش ہوئے تو حضرت جیؒ نے دیر تک سکوت فرمایا اور کسی ساتھی کو مزید کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ کافی وقت گزرنے کے بعد حضرت جیؒ نے فرمایا:

''صوفی جی! توجہ کریں اور حضرت داتا گنج بخشؒ سے پوچھیں' کیا معاملہ ہے؟ (وجہ تاخیر کیا ہے؟)۔''

صوفی محمد افضل خان نے عرض کیا:

''بھٹو کے لئے پھانسی کا فیصلہ تو ہو چکا۔ تاخیر کی وجہ معلوم نہیں۔''

حضرت جیؒ آہستہ سے بولے:

''ملک کا کیا بنے گا؟''

صوفی صاحب نے عرض کیا:

''آنے والا شخص اسلامی نظام کی بنیاد تو رکھ دے گا لیکن نافذ نہ کر پائے گا۔ میں اس کے بعد ایک اور وردی والے کو دیکھ رہا ہوں جو اسلام نافذ کرے گا۔''

لیکن کب؟ یہ وہ سوال ہے جو ہمیشہ اہلِ برزخ سے کلام کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ برزخ میں شب و روز ہیں نہ وقت کے تعین کا کوئی پیمانہ ہے۔ اہلِ برزخ کسی امر کے متعلق جلد واقع ہونے کی بشارت دیتے ہیں لیکن دنیا والوں کے ہاں ایک زمانہ بیت جاتا ہے۔ حضرت جیؒ اس موقع پر اہلِ برزخ سے اکثر فرمایا کرتے' حضرت! جسے آپ جلدی کہتے ہیں' خبر نہیں ہمیں کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟

نفاذِ اسلام کا وہ مژدہ جو اہلِ برزخ سے ملا' اس کے لئے ابھی کتنا وقت باقی ہے؟ اس کا تعین ممکن ہوگا نہ انتظار کی اجازت ہے لیکن فکر کا مقام یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں کس شخص نے کیا کردار ادا کیا؟

اوائل 1977ء میں توکل منرل کمپنی کے آفس میں جب یہ گفتگو ہو رہی تھی' اس وقت کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھٹو اقتدار سے محروم ہوگا اور اسے پھانسی کے پھندے پر جھولنا پڑے گا۔

دارُ العرفان

حضرت جیؒ کی دُور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ نسبت اویسیہ کو ایک طویل عرصہ تک ترسیلِ برکات کا واسطہ بننا ہے جس کے لئے ایک مضبوط مرکز اور جامع تنظیم سازی کی ضرورت ہوگی۔ چکڑالہ اگرچہ حضرت جیؒ کا مَولِدّ ہے' عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ یہیں بسر ہوا اور آج بھی چکڑالہ ہی کے نواح میں آرام فرما ہیں لیکن یہاں کے انتہائی گرم اور انتہائی سرد موسم اور محلِ وقوع کے اعتبار سے آپؒ نے کبھی بھی اس جگہ کو سلسلۂ عالیہ کے مرکز کے طور پر پسند نہ فرمایا۔

1961ء میں سلسلۂ عالیہ کا پہلا سالانہ اجتماع عام آبادی سے دور جنگل میں حضرت امیرالمکرّم کے ڈیرہ ڈھول للیالہ پر منعقد ہوا جس کے بعد ان کی میزبانی میں سالانہ اجتماعات کا مقام بدلتا رہا۔**1970**ء سے**1980**ء تک یہ اجتماعات منارہ سکول میں منعقد ہوئے۔ اس طرح منارہ کو سلسلۂ عالیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اگرچہ چکوال میں کبھی کوئی سالانہ اجتماع منعقد نہ ہوا تھا لیکن یہاں حافظ عبدالرزاق' ناظمِ اعلیٰ سلسلۂ عالیہ کی موجودگی' مرکزِ نشرواشاعت اور مولوی سلیمان کی وجہ سے اس جگہ کو بھی کچھ عرصہ مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ **1978**ء کے سالانہ اجتماع کے دوران حضرت جیؒ نے منارہ کو مستقل مرکز مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

''اس کے بعد رہ گیا یہ مقصد کہ مرکز پہلے چکوال تھا۔ پھر بھی کوشش کی وہاں رکھیں لیکن کسی خاص وجہ سے وہاں نہیں رکھا گیا۔ کیونکہ حافظ صاحب نے کہا ہے کہ مرکز یہی (منارہ) ہونا چاہیئے' اس واسطے اب مرکز مقرر ہو گیا۔''

حضرت جیؒ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اجتماعات کے انعقاد کے لئے منارہ سکول کی بجائے ایک وسیع مسجد اور رہائشی کمروں پر مشتمل ایک مستقل مرکز تعمیر کیا جائے جس کا نام دارُالعرفان ہو۔ تعمیلِ ارشاد کے لئے حضرت امیرالمکرّم نے منارہ کے نواح میں چکوال خوشاب روڈ پر مشہور تجارتی اڈے نوری پیڑہ میں اپنی 17 کنال اراضی پیش کر دی۔ ان دنوں 1978ء کا سالانہ اجتماع جاری تھا اور دارُالعرفان کی تعمیراتی منصوبہ بندی ابتدائی مراحل میں تھی۔ ایک اہم مسئلہ' سمتِ قبلہ متعین کرنے کا تھا۔ ستاروں کے ذریعے سمت معلوم کرنے کا پروگرام بنا تو آسمان کئی روز تک ابر آلود رہا۔ ایک رات آسمان اچانک صاف ہوا تو میجر احمد خان اور ان کی پارٹی نے جو کہ تعمیرِ دارُالعرفان کے لئے تشکیل کی گئی تھی' قطب ستارے کی مدد سے مسجد و محراب کے نشان لگائے۔ اگلے روز رات کی کارروائی سننے کے بعد حضرت جیؒ نے فرمایا کہ وہ نمازِ عصر نشان زدہ جگہ پر ادا کریں گے۔

رات کی کارروائی قاضی جیؒ نے بھی سنی' اپنے شب و روز کے معمولات کے مطابق وہ تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھے' تلاوت کرتے ہوئے اچانک پریشانی کے عالم میں اٹھے اور کہنے لگے:

''سنگیو' رات جو تم نے قبلہ کا تعین کیا ہے وہ ٹھیک نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس مرکز نے قیامت تک چلنا ہے' اپنا قبلہ

درست کرلو۔''

پروگرام کے مطابق حضرت جیؒ دارالعرفان کی مجوزہ جگہ پر تشریف لے گئے تو قاضی جیؒ بھی ہمراہ تھے۔ حضرت جیؒ نے ان سے فرمایا:

''قاضی جی خیال کریں' محراب کا رخ کس طرف ہے۔''

قاضی جیؒ نے عرض کیا:

''حضرت! حطیم پر۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''کیا حطیم بیت اللہ کا حصہ نہیں!''

قاضی جی نے اعتراف کیا:

''جی' غلطی لگی''۔

اس طرح سمتِ قبلہ کی توثیق حضرت جیؒ نے بھی فرما دی۔ پتھروں سے نشان زدہ مسجد کی ناہموار زمین پر صفیں بچھ گئیں اور حضرت جیؒ کی اقتداء میں دارُالعرفان میں پہلی نماز ادا ہوئی۔ 1979ء میں منارہ سکول کی بجائے دارالعرفان کی کھلی فضا میں اجتماع منعقد کرنے کا مشورہ ہوا تو حضرت جیؒ نے ہدایت فرمائی کہ یہاں مسجد کی تعمیر سے قبل اجتماع منعقد نہ کیا جائے۔ چنانچہ اُس سال باامرِ مجبوری سالانہ اجتماع منارہ سکول ہی میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع کے دوران دارُالعرفان کی بنیادوں کی کھدائی مکمل ہوئی تو حضرت جیؒ تشریف لائے اور یہاں نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد محراب کی بنیاد میں دستِ مبارک سے تین مرتبہ سیمنٹ ڈالتے ہوئے تعمیر کا افتتاح کیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اس موقع پر حضرت امیرالمکرّم اور احبابِ خواص کے بعد راقم کو بھی حضرت جیؒ کی اقتداء میں سیمنٹ ڈالنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

دعا کے بعد حضرت جیؒ نے ارشاد فرمایا:

''اس مرکز کو ظہورِ مہدیؒ تک قائم رہنا ہے۔ یہ جماعت خوب پھیلے گی اور حضرت مہدیؒ کی نصرت کرے گی' اِنْ شَآءَ اللہ۔''

آپؒ نے یہ بھی فرمایا:

''اَسّی سال بعد دِلی کے مضافات سے ایک شخص یہاں آئے گا اور دوبارہ سلسلۂ عالیہ کی ترقی کا سبب بنے گا۔''

یہ اسی سال کی مدت کب سے شمار ہوگی؟ اس کا تعین نہ فرمایا گیا۔

1980ء کے سالانہ اجتماع کا آغاز حسبِ سابق منارہ سکول میں ہوا لیکن دورانِ اجتماع حضرت جیؒ کے کمرے' لائبریری اور لیڈیز روم کی تعمیر مکمل ہوئی تو یکم ستمبر بعد از نمازِ فجر حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ منارہ سکول سے دارالعرفان منتقل ہوگئے۔ دارالعرفان میں سلسلۂ عالیہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع تھا۔

1980ء کے سالانہ اجتماع میں شرکت کرنے والے احباب کو دارالعرفان کی تعمیر میں بھرپور حصہ لینے کی سعادت ملی۔ محراب کی اینٹیں خود تراشیں' فرشوں کے لئے روڑی کوٹی اور ایک مزدور سے معمار تک تمام کام خود کئے۔ اس میں چھوٹے بڑے' افسر ماتحت' خاص و عام میں کوئی فرق نہ تھا۔ چھت پر لینٹر ڈالنے کے لئے لفٹر خراب ہوا تو حضرت امیرالمکرّم ٹریکٹر کے ذریعے ٹرالی کے رسوں کو کھینچتے نظر آئے۔ کچھ احباب نے رضا کارانہ طور پر تعمیراتی اخراجات میں اپنا اپنا حصہ مقرر کیا۔

13 اکتوبر 1980ء کو لنگر مخدوم کے سالانہ اجتماع میں حضرت جیؒ نے مشائخ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا کہ منارہ (دارالعرفان) مستقل مرکز

رہے گا۔ آئندہ ماہ 14 نومبر 1980ء کو حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ کی ماہانہ حاضری تھی۔ اس موقع پر آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس جماعت کو بڑی دور تک بفضلہٖ تعالیٰ چلنا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے دارُالعرفان میں سالانہ اجتماع کے دوران ایک عالمی شہرت یافتہ قاری تشریف لائے۔ احباب نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قاری صاحب کو تلاوتِ قرآنِ حکیم کی دعوت دی۔ حضرت جیؒ اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے کہ تلاوت کی آواز سنائی دی۔ سریلی آواز کا جادو جگانے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی۔ آپؒ کچھ دیر تک سنتے رہے' آخر رہا نہ گیا اور فرمانے لگے:

''یہ کون قرآن پڑھ رہا ہے؟ پڑھتا قرآن ہے اور ظلمت ٹپک رہی ہے۔''

ثابت ہوا کہ کلامِ الٰہی کو اس کے آداب کی بجائے صرف سروں کے ساتھ پڑھنا دراصل قرآنِ حکیم سے حصولِ برکات کی بجائے گستاخی ہے جو کہ اس دور میں ایک رواج بن چکا ہے۔

دارُالعرفان کی بہاریں حضرت جیؒ کی ذات سے وابستہ تھیں۔ یوں محسوس ہوتا کہ قیامت تک یہ بہاریں اسی طرح قائم رہیں گی' حضرت جیؒ ہوں گے اور دارُالعرفان۔ آپؒ کی جدائی کا خیال کبھی کسی ساتھی کے دل میں آیا نہ کوئی اس کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا لیکن ہر دل میں نہاں یہ سوچ مشترک تھی کہ حضرت جیؒ کے وجود سے دارُالعرفان یونہی آباد رہے گا' ساتھیوں کو یہاں آپؒ کی توجہ ہمیشہ نصیب رہے گی' حیاتِ طیبہ میں آپؒ کی موجودگی کی صورت اور حیاتِ برزخیہ میں یہاں آپؒ کے مرقد کی صورت۔

ہر شخص جذباتی طور پر دل کے ہاتھوں مجبور یہی سوچ رکھتا تھا اگرچہ نسبتِ اویسی حصولِ توجہ اور فیض کے لئے زبان ومکان کی پابندیوں کے تابع نہیں۔

حضرت امیر المکرّم سے زیادہ اس حقیقت کا ادراک کسے ہوسکتا تھا لیکن اپنے شیخ سے بے پناہ محبت کے ہاتھوں وہ بھی یہی سوچ رکھتے تھے۔

1983ء میں ان کے ہمراہ لاہور سے واپسی سفر کے دوران اسی موضوع پر بات ہوئی۔ فرمانے لگے کہ حضرت غوث سیّد علی ہجویریؒ (قلعہ والے) کی خدمت میں عرض کی تھی کہ حضرت جیؒ کے بعد دارُالعرفان کا کیا ہوگا؟ تو فرمایا گیا! ''مشاہدہ کرلو۔'' اس کے ساتھ ہی یہ صورت سامنے آئی کہ دارُالعرفان میں حضرت جیؒ کے کمرے کا فرش اکھاڑا جا رہا ہے۔ اس وقت یہ سمجھا گیا کہ اس جگہ کو آپؒ کی آخری آرام گاہ بننا ہے لیکن یہ سعادت مرشد آباد کو نصیب ہوئی۔

حضرت جیؒ کے وصال کے بعد جولائی اگست 1984ء میں سالانہ اجتماع منعقد ہوا تو شریک ہونے والوں کی تعداد میں ناقابلِ فہم اضافہ حیرانی کا باعث تھا۔ اس اجتماع میں کئی ایسے لوگ بھی شریک ہوئے جنہیں ایک عرصہ سے ذکر وفکر کی دعوت دی جا رہی تھی لیکن انہیں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نہ مل سکی لیکن اس اجتماع میں وہ کشاں کشاں پہنچے۔ حضرت امیر المکرّم کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت جیؒ کی صورت ایک مرکز کی تھی جس کے گرد اندرونی دائرہ میں صرف وہی حضرات داخل ہو سکے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سعادتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔ اس کے بعد آنے والے بیرونی دائرے کے افراد ہیں۔ اس جواب سے یہ عقدہ بھی کھلا کہ 1983ء میں حضرت جیؒ کی معیت میں دارُالعرفان کے آخری سالانہ اجتماع میں کوئی روحانی بیعت نہ ہوئی کیونکہ

آپؒ کے ذریعے جن خوش قسمت احباب کو یہ سعادت ملنا تھی ان کی تعداد مکمل ہو چکی تھی لیکن اگلے سال حضرت امیرالمکرّم کے ذریعے کتنے ہی لوگ اس شرف سے مشرف ہوئے بلکہ ایک روز 29 احباب کی روحانی بیعت ہوئی۔

اس اجتماع کے بعد ایک مرتبہ دارُالعرفان حاضر ہوا تو اجتماع کی رونقوں کے برعکس یہ اداس سی شام تھی۔ حضرت امیرالمکرّم چند ملازمین کے ہمراہ یہاں موجود تھے اور کچھ دیر بعد گھر لوٹنے والے تھے۔ فرمانے لگے' اس جگہ کو ہمہ وقت آباد رہنا چاہیے۔ عرض کیا حضرت یہاں ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے تو فرمایا' پورے ملک میں مدرسوں کی کوئی کمی ہے! میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک ایسے تعلیمی نظام کی بنا ڈالی جائے جو دینی اور دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج ہو۔ چنانچہ حضرت امیرالمکرّم کے افکار کی روشنی میں کرنل طیّب (ایجوکیشن کور) سے مل کر صقارہ نظامِ تعلیم کے خدوخال متعین کیے گئے۔ 1981ء میں دارُالعرفان مسجد کی عمارت مکمل ہونے کے بعد 12 جون کو صدرِ پاکستان جنرل ضیاءالحق نے افتتاح کے لئے یہاں آنا تھا۔ لیکن اچانک مصروفیات کی بنا پر انہیں اس وقت یہاں کی حاضری نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت جیؒ کے وصال کے بعد 1985ء میں جنرل صاحب یہاں آئے اور صقارہ اکیڈمی کا افتتاح کیا۔ یہ حضرت امیرالمکرّم کے مجوزہ نظامِ تعلیم کی جانب پہلا قدم تھا۔

دارالعرفان مرکزِ رشد و ہدایت ہے۔ اس کی حیثیت ایک تربیت گاہ کی سی ہے لیکن کچھ چاہنے والوں نے دارالعرفان سے اس قدر ٹوٹ کر پیار کیا کہ مرنے کے بعد بھی یہیں کے ہو رہے۔ ان میں حضرت امیرالمکرّم کے عظیم والد ملک فیروز خان تھے جنہیں اواخرِ عمر اس عالم میں دیکھا کہ حضرت امیرالمکرّم اپنے کمرہ میں تشریف فرما احباب کو ذکر کرا رہے ہوتے اور وہ کمرہ

سے باہر دیوار سے پیوست مجسم ذکر وفکر بیٹھے رہتے۔ایک قبر کرنل محبوبؒ کی ہے جو سالانہ اجتماع میں شریک ہوئے' چند روزہ علالت کے بعد وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق یہیں دفن ہوئے۔ ایک قبر چوہدری فقیر اللہ بُٹر کی ہے جوایک زمانے میں ممبر قانون ساز اسمبلی تھے۔ دارُالعرفان سے وابستہ ہوئے تو اجتماعات میں شروع سے آخر تک پیرانہ سالی اور خراب صحت کے باوجود شریک رہتے اور وصیت کے مطابق دارُالعرفان ہی اُن کا آخری مسکن بنا۔ ان بزرگوں کے حالات اکثر احباب کے علم میں ہیں لیکن یہاں ایک شخصیت ایسی بھی ہے جس کا نام ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو چکا ہے۔ان کا تذکرہ خود حضرت جیؒ نے فرمایا جوایک کیسٹ میں ریکارڈ ہو چکا ہے۔

ایک سالانہ اجتماع کے موقع پر وہ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ بیٹھنے کا انداز ایسا کہ بے حس وحرکت' نگاہ اٹھا کر شیخ کی طرف نہ دیکھتے۔ ہمہ تن گوش' اس سے قطع نظر کہ حضرت جیؒ کی زبان نہ سمجھتے۔عمر کم وبیش ایک سو سال لیکن اس بڑھاپے اور ضعف کے باوجود حضرت جیؒ کی خدمت میں ہمیشہ تشہد کی حالت میں بیٹھتے لیکن پہلو تک نہ بدلتے' مجسم آدابِ شیخ۔حضرت جیؒ نے ایک شفقت بھری نگاہ ان پر ڈالی اور فرمانے لگے:

''ان کا قوم قبیلہ سارا جہاد میں مصروف ہے اور یہ یہاں سے کمک بھیج رہے ہیں۔مجاہد تیار کر کے بھیج رہے ہیں۔ چندہ کر کے بھیج رہے ہیں۔ یہ پشتو جانتے ہیں یا فارسی' ہماری زبان کوئی نہیں جانتے۔''

ایک صاحب نے جہاد کے متعلق استفسار کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا:

''افغانستان کے لئے یہ مجاہد بھیج رہے ہیں۔ چندہ بھی بھیجتے

ہیں ان کا اپنا قبیلہ سارا لڑ رہا ہے۔ کابل سے تعلق ہے' رہتے پشاور میں ہیں۔ پشاور میں ایک بستی ہے' وہاں رہتے ہیں۔ وہاں درس و تدریس کا کام کرتے ہیں۔ کسی وقت ایک بزرگ نے انہیں احدیت کرائی تھی لیکن بعد میں ہوتی کوئی نہیں تھی۔ اتفاقاً پشاور گیا تو میرے پاس آ کر بیٹھ گئے' معاملہ پھر شروع ہو گیا۔ اس کے بعد آنے لگے۔ اب اس حالت میں ہیں۔ منارہ میرے پاس کافی عرصہ رہے' پھر چلے گئے' پھر آ گئے۔ اب میں منارہ آ رہا تھا تو پھر آ گئے۔ اس عمر میں دیکھ لو۔ ان کو کسی کے ساتھ باتیں کرتے نہیں دیکھا' نہ زبان سمجھتے ہیں۔ ہر وقت مراقب رہتے ہیں۔ اسی طرح قاضی جی کی حالت ہے۔ سرحد کے پورے دورے میں ساتھ رہے۔ جہاں میں جاتا تھا وہاں پہنچتے۔''

حضرت جیؒ کی زبان مبارک سے یہ تذکرہ مولانا عبدالباقیؒ کا تھا جو افغانستان کے ایک مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے' روسی حملہ کے بعد پاکستان ہجرت کی اور پشاور کوہاٹ روڈ پر متنی نامی قصبہ کی ایک مسجد میں امام مقرر ہوئے۔ مسجد کے حجرہ میں رہائش تھی لیکن مقامی مہاجر کیمپوں میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ جذبۂ جہاد بیدار رکھتے۔ علم اور زہد و عبادت کی وجہ سے نہ صرف افغان مہاجرین بلکہ مقامی آبادی کی نظروں میں خصوصی مقام رکھتے۔ حضرت جیؒ کے صوبہ سرحد کے دوروں اور منارہ کے اجتماعات میں اہتمام سے شریک ہوا کرتے۔

حضرت جیؒ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد کوہاٹ سے پشاور لوٹتے ہوئے راقم نے نمازِ عصر ان کی اقتداء میں ادا کی۔ اس وقت تک انہیں حضرت جیؒ

کے وصال کا علم نہ تھا۔ خبر سنی تو بچوں کی طرح پھوٹ کر رونے لگے۔ مقتدی حیران تھے کہ افغانستان میں عزیزوں کی پے در پے شہادت کی خبروں پر ان کی یہ حالت کبھی نہ دیکھی تھی لیکن آج کونسا صدمہ ٹوٹ پڑا ہے۔

حضرت جیؒ کے بعد مولانا عبدالباقیؒ دارُالعرفان کے اجتماعات میں باقاعدہ شریک ہوا کرتے۔ ایک اجتماع کے دوران شدید بیمار ہوئے تو حضرت امیرالمکرّم کی ہدایت پر انہیں واپس پشاور پہنچانے کی سعادت راقم کے حصہ میں آئی۔ خرابیٔ صحت کے باوجود ایک لگن تھی جو انہیں کشاں کشاں دارُالعرفان کھینچ لاتی۔ آئندہ اجتماع میں پھر پہنچ گئے۔ ایک روز اشراق کے بعد حسبِ معمول وضو کیا تو جائے وضو پر ہی دراز ہو گئے۔ احباب متوجہ ہوئے تو اس وقت روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ تدفین کے لئے کچھ احباب نے پشاور لے جانا چاہا۔ حضرت امیرالمکرّم نے توجہ فرمائی تو وہ عرض کر رہے تھے کہ میں خود کو یہاں تک لے آیا' اب اس سعادت سے محروم نہ فرمائیں۔ حضرت امیرالمکرّم نے ان کی خواہش کے مطابق دارُالعرفان ہی میں تدفین کے انتظامات کئے اور احباب کے ہمراہ قبر کی کھدائی میں خود بھی شریک ہوئے۔ یہ دارُالعرفان میں بننے والی پہلی قبر تھی۔

دارُالعرفان میں اور کون خوش نصیب مستقل جگہ پائیں گے بالخصوص جس مقام کی نشاندہی حضرت غوث سیّد علی ہجویری فرما چکے ہیں' وہاں کون آرام فرما ہوگا۔ واللہ اعلم

اگرچہ کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا لیکن دارُالعرفان کے بارے میں حضرت جیؒ کے فرمودات حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں اور آج یہاں کی وسعتیں احبابِ سلسلہ میں روزافزوں اضافے کی وجہ سے سکڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

تلبیسِ ابلیس

مولوی سلیمان کا سلسلۂ عالیہ سے اخراج 1978ء کا ایک اہم واقعہ ہے لیکن جلد ہی اس کا تذکرہ ایامِ رفتہ کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا۔ حیاتِ طیبہ میں بھی اس کا تذکرہ نظرانداز کیا جا سکتا تھا لیکن اس واقعہ کے پیرائے میں تلبیسِ ابلیس کی ایسی چالیں نظر آتی ہیں جو تاریخِ تصوف میں شیطان کا مؤثر ترین ہتھیار ثابت ہوئیں اور کئی صاحبانِ منصب ومنازل ان کا شکار ہوئے۔ ممکن ہے اس کا تذکرہ راہِ سلوک کے مسافروں کے لئے بروقت تنبیہ کا ذریعہ ثابت ہو۔ یہی اس باب کا مدعائے تحریر بھی ہے۔

مولوی سلیمان کا شمار حضرت جیؒ کے ابتدائی شاگردوں میں ہوتا تھا۔ اگرچہ 1955ء سے مراسم تھے لیکن عرصہ دراز تک وہ آپؒ کو صرف ایک عالم اور مناظر ہی سمجھتا رہا۔ 1959ء میں حضرت جیؒ ایک مناظرے کے سلسلے میں بلکسر (چکوال) تشریف لے گئے تو وہ حاضرِ خدمت ہوا۔ اس وقت آپؒ مراقبہ کی حالت میں تھے۔ نگاہ اٹھائی تو مولوی سلیمان نگاہِ پُرجلال کی تاب نہ لا سکا۔ حضرت جیؒ نے اُس کا ہاتھ تھام کر فرمایا:

''آ گئے ہو، باہر چلو۔''

حضرت جیؒ نے گاؤں سے باہر کھلی فضا میں لطائف کرائے اور ذکر

جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔ خصوصی توجہ سے نوازا تو انتہائی قلیل مدت میں اعلیٰ مدارجِ سلوک بھی نصیب ہوئے۔ 1961ء میں چکوال کو سلسلۂ عالیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی تو یہ مولوی سلیمان ہی کی مسجد تھی۔ اپریل 1964ء میں حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کی توثیق سے چار صاحبِ مجاز مقرر ہوئے تو مولوی سلیمان بھی ان میں شامل تھا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری سے قبل مولوی صاحب کی خدمت میں حاضری اور ان سے ابتدائی تربیت حاصل کرنا مقدم خیال کیا جانے لگا۔ مولوی سلیمان پر حضرت جیؒ کی شفقت کا عالم یہ تھا کہ حجِ ثانی کے موقعہ پر بااصرار ساتھ لے گئے اور مالی معاونت بھی فرمائی۔ آپؒ نے حضرت امیرالمکرّم کے نام ایک مکتوب میں ہدایت فرمائی کہ آپؒ کی ذاتی رقم میں سے مولوی صاحب کو ایک ہزار روپے فراہم کئے جائیں اور اس خصوصی اہتمام کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حج پر نہ جانے کی صورت میں اُس کا روحانی نقصان ہو جائے گا۔

حضرت جیؒ کی مولوی سلیمان پر شفقت کا یہ عالم کہ اُس کے روحانی نقصان کی فکر دامن گیر رہی۔ نہ صرف بے پایاں فیض سے نوازا بلکہ مقدور سے بڑھ کر مالی کفالت بھی فرمائی۔ قرب اتنا بخشا کہ اپنا نائب بنا دیا۔ سلسلۂ عالیہ میں مولوی سلیمان کی یہ عز و جاہ اور روحانی مقامات حضرت جیؒ کی خصوصی نظرِ عنایت کے رہینِ منت تھے لیکن افسوس کہ شیخ کی عطا کی بجائے وہ اسے ذاتی استحقاق سمجھ بیٹھا۔

سالک کی نگاہ جب شیخ کے قدموں سے اٹھ کر خود بینی میں ملوث ہو جائے اور راہِ سلوک میں عطا ہونے والے انعامات کو ذاتی استحقاق سمجھنے لگے

تو یہیں سے قدم بھٹکنے لگتے ہیں۔ خود بینی و خود نمائی جس روش کا نقطۂ آغاز ہے' اس کی انتہا ''انا خیر منه'' کا دعویٰ ہے۔ ایسا شخص دعویٔ مشیخیّت سے کم تر کسی مقام پر نہیں رک سکتا اور جس ہستی نے قدم قدم چلنا سکھایا' اسی کے مدمقابل کھڑا ہونے کی جسارت کر گزرتا ہے۔ شیطان اسے پوری طرح باور کرا دیتا ہے کہ سلسلۂ عالیہ تو صرف اسی کے دم قدم سے چل رہا ہے۔ مولوی سلیمان کے طرزِ عمل کے پیچھے ایک عرصہ سے یہی سوچ کارفرما تھی لیکن عقیدت کی وجہ سے احباب سمجھ نہ پائے۔ گذشتہ ایک باب میں حضرت جیؒ کے ایک ریکارڈ شدہ ذکر کا نقشہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اس میں مولوی سلیمان کا حضرت جیؒ کی آواز کو دباتے ہوئے اپنی آواز بلند کرنا' بار بار مداخلت' جا بجا شعر پڑھنا اور ساتھیوں کو پکار پکار کر مزید قوت سے ذکر کی تلقین کا انداز نہ صرف آدابِ شیخ سے متضاد نظر آتا ہے بلکہ اس میں اپنی مشیخیّت کا اظہار بھی ہے۔ مولوی سلیمان کی زبان سے بارہا یہ بھی سنا گیا:

''چھوڑیں جی' استاد تو سادہ ہیں۔''

یہاں مولوی سلیمان کے ان الفاظ کو من وعن اس لئے پیش کیا گیا کہ شیخ کے مقابلے میں جب بھی کسی نے اپنی عقلمندی کا اظہار کیا تو کم و بیش انہی الفاظ میں شیخ کی ''سادگی'' کا رونا رویا۔ بھول جاتے ہیں کہ شیخ کی صرفِ نظر ہم گنہ گاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے ورنہ شیخ کے سامنے ہمارے رذائل کھل جائیں۔ ایک بار حضرت جیؒ نے ایک ساتھی کے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے خصوصی توجہ فرمائی تو ایک عمر رسیدہ خان بھی آگے بڑھا۔ آپؒ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سانپ اور بچھو بیٹھے ہوئے ہیں' ہاتھ کہاں پھیروں۔ بعد میں اس نے اعتراف کیا کہ وہ نامی قاتل

رہ چکا تھا۔ راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ حضرت جیؒ کی خدمت میں جب بھی کوئی معاملہ پیش کیا اور آپؒ متوجہ ہوئے تو جلال کے سامنے خود کو تحلیل ہوتے ہوئے پایا۔ کانوں کی لو سے حرارت نکلتی ہوئی محسوس ہوتی۔ آپؒ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے اور پوری بات کہنے کی ضرورت پیش آتی نہ حوصلہ کر پاتے۔ اس ہستی کی بات کو سادگی پر مبنی قرار دے کر نظرانداز کرنے کی جسارت اسی صورت ممکن تھی جب شیخ کے ساتھ عقیدت واحترام میں کمی آ جائے۔

شیخ کے ساتھ خلوص میں کمی آئی تو مولوی سلیمان کی وفاداریاں تبدیل ہونے لگیں۔ لاہور میں اپنے ایک سابقہ استاد کے پیرخانہ میں حاضری شروع کر دی اور حیلوں بہانوں سے احبابِ سلسلۂ عالیہ کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دینے لگا۔ ساتھی احتراماً چلے جاتے کہ مولوی صاحب کے استاد ہیں اگرچہ متاثر نہ ہوتے۔ مولوی سلیمان نے سلسلۂ عالیہ کے شعبۂ نشرواشاعت سے ان صاحب کی ایک کتاب بھی شائع کرا دی لیکن حضرت جیؒ کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی نہ کتاب کی اشاعت کے بعد آپؒ کو اس کی خبر دی۔ کتاب کی تقسیم کے لئے درپردہ ذرائع استعمال کئے لیکن حضرت جیؒ اور عام احبابِ سلسلۂ عالیہ سے مکمل اخفا برتا گیا۔ ایک مرتبہ چکوال میں ان کے ہاں مذکورہ کتاب کی ترسیل کا تذکرہ چل رہا تھا لیکن جب کتاب کے متعلق پوچھا گیا تو خاموشی چھا گئی۔

سلاسلِ تصوف کا اپنے اپنے مشائخ عظام کی تعلیمات کے مطابق اپنا اپنا طریقۂ تربیت ہے جس کی وجہ سے ہر سلسلۂ تصوف دوسرے سے منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ سلسلۂ نقشبندیہ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ ذکرِ خفی جو دیگر سلاسل میں منتہی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس سلسلہ میں

تربیت کا نقطہ آغاز ہے۔ حضرت جیؒ نے بھی احباب کی تربیت فرماتے ہوئے ذکرِ خفی کو ہمیشہ ابتدائی سبق قرار دیا جبکہ دیگر سلاسل میں عمومی طریقہ تربیت ذکرِ لسانی ہے تاکہ عوام الناس کے لئے سہل ہو۔ مولوی سلیمان نے حضرت جیؒ کی اجازت کے بغیر اجتماعی معمولات میں ذکرِ خفی سے قبل ذکرِ لسانی کو رواج دیا البتہ حضرت جیؒ کی موجودگی میں صرف ذکرِ خفی ہوتا۔ سلسلہ عالیہ میں مراقبات کا شعبہ بھی مولوی سلیمان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہا۔ یہاں انہوں نے مراقبہ استحضار وضع کیا جو صرف چند احباب کے لئے مختص تھا۔

مولوی سلیمان کو یہ استحقاق کسی طرح بھی حاصل نہ تھا کہ شیخ کی اجازت کے بغیر اس قدر اہم فیصلے کرتا۔ حضرت جیؒ کا اپنا طریق تو یہ تھا کہ زمانہ قدیم سے مراقبہ عبودیت میں آیتِ سجدہ تلاوت کی جاتی تھی لیکن آپؒ نے اس کی جگہ "وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۝" کی تلاوت مشائخ کی توثیق کے ساتھ شروع کی۔ اس کے برعکس مولوی سلیمان نے طریقہ، ذکر اور مراقبات میں بنیادی تبدیلیاں اس اہتمام کے ساتھ کیں کہ شیخؒ کو خبر نہ ہونے پائے۔ چونکہ ان تبدیلیوں کے تانے بانے اُس کے سابقہ استاذ سے جا ملتے تھے۔ کیا اس کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ ساتھیوں کو بھی رفتہ رفتہ اسی منزل تک پہنچا دیا جائے جہاں مولوی سلیمان خود پہنچ چکا تھا؟ یہ صورتِ حال صرف حضرت جیؒ کے خلاف ہی نہیں، سلسلہ عالیہ کے خلاف بھی ایک سازش تھی۔

مولوی سلیمان کے زیرِ اثر ایک طویل عرصہ تک کم وبیش تمام احباب کے معمولات متاثر ہوئے لیکن اس عام روش کے برعکس حضرت امیر المکرّم کے علاوہ ایک صاحب اور بھی تھے جو ان تبدیلیوں کو ذہنی طور پر قبول کر سکے نہ ان پر کبھی عمل پیرا ہوئے۔ جہاں تک حضرت امیر المکرّم کا معاملہ ہے، ان

کی ہمیشہ یہ عادت رہی کہ حضرت جیؒ کے سامنے انتہائی بے باکی سے ایک خاص اپنائیت کے ساتھ جو صرف ان ہی کا خاصہ تھی اظہارِ خیال کرتے لیکن جب کبھی کسی فرد سے اختلاف کا معاملہ ہوا تو ہمیشہ خاموشی اختیار کی تاکہ معاملہ ذاتیات میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ یہ دوسرے صاحب حضرت جیؒ کے صاحبِ مجاز میجر غلام محمد تھے جنہوں نے ایک روز ہمت پا کر مولوی سلیمان کی درپردہ سازش کو بے نقاب کیا۔ ان دنوں حضرت جیؒ کا پشاور میں قیام تھا۔ آپؒ نے مولوی سلیمان کو پشاور طلب فرمایا اور اصلاح فرمانا چاہی لیکن اس کے جواب سے مترشح ہوا کہ معاملہ اصلاحِ احوال سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ اس پر حضرت جیؒ نے انتہائی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تو مکمل اعتماد کرتے ہوئے پوری جماعت تمہارے سپرد کر دی تھی لیکن تم نے اس مقدس جماعت کو کسی اور کی جھولی میں ڈالنے کی کوشش کی۔ تم تو عورتوں سے بھی آگے بڑھ گئے کہ ذرا چمک نظر آئی تو ریجھ گئے۔ مولوی سلیمان اس وقت اپنے اس طرزِ عمل کا کوئی جواز پیش نہ کر سکا' تاہم اسے رجوع اور اصلاح کا موقع دیا گیا۔

منارہ کے سالانہ اجتماع میں ابھی کچھ روز تھے۔ خیال تھا کہ شاید اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے لیکن مولوی سلیمان نے رجوع کی بجائے حضرت جیؒ کی مخالفت کا راستہ اختیار کیا' اپنے تحفظ میں عامیانہ الزام تراشی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک تین سالہ پرانے زمین کے سودے کو تختۂ مشق بنایا۔

حضرت جیؒ چکڑالہ کے صاحبِ حیثیت زمیندار تھے۔ دینی خدمات کے لئے کبھی کوئی معاوضہ قبول کیا نہ اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں کسی پابندی کو

خاطر میں لائے۔ مناظرانہ دور میں آپؒ سے رہنمائی کے لئے علماء کا تانتا بندھا رہتا۔ ذکر وفکر کی دعوت عام ہوئی تو چکڑالہ میں احباب کی آمد و رفت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا لیکن آپؒ نے ایک عرصہ تک ان کے قیام وطعام کے اخراجات ذاتی وسائل سے پورے کئے۔ 1970ء میں احباب کی تعداد جب بہت زیادہ ہو گئی تو ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اب محض زمینوں کی آمدن پر اکتفا کرنے کی بجائے دیگر اسباب بھی اختیار کئے جائیں۔ اس وقت تک حضرت امیر المکرّم شعبۂ کان کنی میں قدم جما چکے تھے۔ حضرت جیؒ نے اس کاروبار میں شراکت کے لئے کچھ رقم بھجواتے ہوئے تحریر فرمایا:

''گھریلو خرچ حد سے بڑھا ہوا ہے۔ آمدن ظاہری کوئی نہیں ہے۔ جماعت کی آمد و رفت حد سے بڑھ گئی ہے۔ خرچ ہر ماہ -/1000 کبھی -/1200 کبھی -/1300 آجاتا ہے۔ باقی ضروریات بھی تو ہوتی ہیں۔ دکھ سکھ ساتھ لگا ہوا ہے تو اس بنا پر عرض کی کہ رقم بندھ نہ رہے۔ اب رہا سوال مائنوں کا۔ اگر ان میں آپ کو خدا تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے تو وہاں ہی کے لئے دی ہے۔ وہاں ہی لگا دینا۔ بالفرض کامیابی کی صورت نظر نہ آئے تو پھر خود کسی اچھے کام میں لگا کر کام کریں۔ بندہ کے پاس آ گئی تو خرچ ہو جائے گی۔ پھر جن کی ہے ان کا قرض سر پر ہوگا۔ جو اپنی ہے اس کی تو خیر ہے اور جماعت کا بوجھ سر پر ہوگا۔ بہرحال آپ پہلی مائن میں لگا دیں یا کسی اور معقول آمدنی والے کام میں لگا دیں' وہ آپ کی مرضی پر ہوگا۔ بندہ کو

گھریلو' خاص کر جماعت کے اخراجات کی ضرورت ہے
جس کا بوجھ بندہ پر ہے۔ بہرحال میری زندگی میں یہ کام
میں لگالیں' بعد میں اپنی بہنوں کواس کی آمدنی دیتے جانا۔
اور کیا لکھوں۔''

حضرت جیؒ کی دعا حضرت امیرالمکرّم کے کاروباری معاملات میں ہمیشہ شامل رہی لیکن اب مالی شراکت مزید برکت کا ذریعہ بنی۔ اللہ تعالیٰ نے مائننگ کے شعبہ میں حضرت امیرالمکرّم کو خوب نوازا اور اس کے ساتھ ہی حضرت جیؒ کی اضافی آمدنی کا بھی معقول ذریعہ پیدا ہو گیا۔ اس دور میں جن احباب کو چکڑالہ میں حاضری نصیب ہوئی وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت جیؒ نے کس طرح میزبانی کا حق ادا کیا۔ احباب کے لئے اپنی کم سن بیٹی ام کلثوم کے ہمراہ خود کھانا لاتے جس میں صرف دال ساگ ہی نہیں' گوشت کے علاوہ اکثر میانوالی کا مکھڈی حلوہ بھی ہوتا۔

حضرت جیؒ کے ہاں احباب کی آمدورفت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ حاضری پر پابندی تھی نہ ہی کوئی دن مقرر تھا۔ احباب دور دور سے انفرادی اور اجتماعی صورت میں چکڑالہ آتے اور مغرب اور تہجد کے ذکر میں شرکت کے لئے رات قیام پذیر بھی ہوتے۔ الگ سے کوئی لنگر تھا نہ چندہ وغیرہ کے ذریعے تعاون کی کوئی صورت۔ حضرت جیؒ کو ساتھیوں کے خوردونوش کا اہتمام بھی خود ہی کرنا پڑتا جس پر اٹھنے والے مصارف روزافزوں تھے۔

1975ء میں چکڑالہ کے ایک زمیندار نے مزارعین سے تنگ آ کر حضرت جیؒ کو اپنی زمین فروخت کرنے کی پیشکش کی تو آپؒ نے بڑھتے ہوئے

اخراجات کے پیشِ نظر اسے قبول فرمایا۔ مقصد تو جماعت کے بڑھتے ہوئے اخراجات سے عہدہ برآ ہونا تھا لیکن مزارعین نے مالکانہ حصہ ادا کرنے کی بجائے مقدمہ بازی کا راستہ اختیار کیا۔ زمین کی آمدنی کو رشوت وغیرہ پر خرچ کرتے جس کی وجہ سے مقدمات طول پکڑتے چلے گئے۔ زمینوں کی دیکھ بھال اور مقدمات کی پیروی ایک ساتھی حکیم بشیر کے سپرد تھی جس کا آپؒ نے ماہانہ مشاہرہ مقرر کر رکھا تھا۔ موقعہ ملنے پر یہ شخص آپؒ کی ذاتی رقوم کے بے جا تصرف سے بھی نہ چوکتا۔ ایک خط میں آپؒ نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''باقی رقم بشیر کو میں نے دی تھی۔ تین ہزار کا یہ سودا لے کر آیا ہے وہ اب ملنی مشکل۔ میں نے خود بھی معاف کیا۔''

ایک مرتبہ مقدمات کے سلسلہ میں اس شخص کے ساتھ لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک غریب ساتھی کے ہاں کھانے پر گوشت مرغ وغیرہ نہ ملا تو بلا جھجک کہنے لگا کہ آئے تو شیخ کے مقدمہ کے لئے ہیں لیکن کھانے میں سبزی ترکاری۔ گویا شیخ کی خدمت اور وہ بھی تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے اس کا سلسلۂ عالیہ پر احسان تھا جس کے عوض خاطر مدارت کی توقع کی جارہی تھی۔ یہ سوچ بھی اسی مرض کی علامت تھی جس میں عبادت کو ذاتِ باری تعالیٰ پر احسان ٹھہراتے ہوئے توقع کی جاتی ہے کہ اب وہ نعوذ باللہ بندے کی چاکری شروع کر دے گا۔ حکیم بشیر اپنی خدمات کا عوضانہ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا استحقاق سمجھتا کہ نہ صرف خوب آؤ بھگت ہو بلکہ اس کی مشیخیّت بھی تسلیم کی جائے۔ یہی مرض مولوی سلیمان کا بھی تھا جس کی وجہ سے دونوں خاصے قریب تھے۔ مولوی سلیمان کی زیرِ زمین منفی سرگرمیوں میں بھی

یہ شخص پوری طرح ملوث رہا۔ مولوی سلیمان کی پشاور میں جواب طلبی ہوئی تو واپسی پر اس نے حکیم بشیر کے ساتھ مل کر حضرت جیؒ پر الزام تراشی کا لائحہ عمل اختیار کیا۔ ناظمِ اعلیٰ کی خود نوشت ڈائری میں اتوار 9 جولائی 1978ء کی تاریخ میں مولوی سلیمان کے مندرجہ ذیل الزام کا ذکر ملتا ہے:

''استاد المکرّم دنیا دار ہو گئے۔ زکوٰۃ اور عشر کے پیسوں سے زمین خریدی۔ اگر استاد زمین چھوڑ دیں تو ہم ان کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔''

زمین کی خرید کا معاملہ تین سالہ پرانا تھا لیکن جب زیرِ زمین سرگرمیوں پر گرفت ہوئی تو اسے بطور جواز کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت جیؒ نے مولوی سلیمان کو سالانہ اجتماع کے موقع پر منارہ طلب فرما کر رجوع کا موقع دیا لیکن اس بدقسمت شخص نے یہ آخری موقع بھی ضائع کر دیا۔ بالآخر 10 جولائی 1978ء کو حضرت جیؒ نے مولوی سلیمان کے سلسلۂ عالیہ سے اخراج کا اعلان فرما دیا جب کہ اس کے دستِ راست حکیم بشیر کو چند روز قبل خارج کیا جا چکا تھا۔

اس وقت مولوی سلیمان حضرت جیؒ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آپؒ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے انتہائی جلال کے عالم میں فرمایا:

''خدا قادر ہے' تو ابھی اٹھے گا نہیں کہ قلب نہ رہے گا۔ باقی منازل تو باقی منازل رہ گئے' قلب نہ رہے گا۔ تم انہیں (ساتھیوں کو) گمراہ کرنا چاہتے تھے یہ سارے یہاں سے اٹھیں گے نہیں کہ قلب نہ رہے گا۔ تم کیا کرنا چاہتے تھے؟ یہ کوئی سیاسی جماعت ہے!''

بعد میں احباب نے مولوی سلیمان کے لئے مہلت کی درخواست کی تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ آپ کے اصرار پر چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں لیکن یہ شخص واپس نہ آئے گا۔ چنانچہ یہی ہوا' حضرت امیر المکرّم اور کرنل مطلوب اسے سمجھانے کے لئے دو مرتبہ چکوال گئے لیکن مولوی سلیمان کو رجوع کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ چند احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ مولوی سلیمان کا ذکر چھڑ گیا۔ آپؒ نے اس شخص کی گمراہی کے عواقب وعوامل تفصیلاً بیان فرمائے جو ایک کیسٹ کی صورت میں محفوظ ہو گئے۔ آپؒ نے فرمایا:

> ''صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم لسانِ نبوت ہیں' ان کے بعد تابعین' تبع تابعین۔ ان سے دائیں یا بائیں ہم جائیں تو کافر ہو جائیں۔ یہ جو دین ہمارے پاس پہنچا' جو اس سیدھی لائن سے دائیں یا بائیں ہٹے گا ہم اسے کافر کہیں گے' گمراہ۔ یہ ظاہری پہلو نبوت کا تھا چاروں نے سنبھالا' شافعی' مالکی' حنبلی' حنفی۔ نبوت کا جو باطنی پہلو ہے' ہمارے چار سلسلوں نے سنبھالا۔ اہل سنت والجماعت اسی کو کہتے ہیں۔ یہ چاروں سلسلے جو ہمارے ہیں' ان سے کترا کر دائیں یا بائیں نکلتا ہے' ہم اس کو دیندار نہ کہیں گے۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس نے سلسلۂ طریقت کے نام سے ایک نیا سلسلہ وضع کیا اور بالآخر گمراہ ہوا۔ مرتے ہوئے وصیت کر گیا کہ نہ اسے غسل دیا جائے' نہ جنازہ پڑھا جائے' نہ پڑھ کر بخشا جائے' نہ دفن کیا

جائے بلکہ مٹی کا تیل ڈال کر چارپائی سمیت جلا ڈالا جائے۔ اس کے بعد حضرت جیؒ نے مولوی سلیمان کے وضع کردہ مراقبۂ استحضار کی بات کی۔ آپؒ نے فرمایا:

> ''مولوی سلیمان کراتا تھا مراقبۂ استحضار۔ اس سے پوچھو یہ باپ سے سیکھا۔ یہ ہے کہاں؟ کسی صوفی نے لکھا ہے' چاروں سلسلوں میں جو گزرے ہیں۔ مراقبات کے متعلق کتابیں بھری پڑی ہیں۔ تم بتاؤ یہ کہیں کسی نے لکھا ہے' کسی نے کروایا ہے؟ یونہی خیالات ہوتے۔ دل پر دیکھتے رہیں تو کچھ شے تو نظر آنے لگتی ہے۔ اب کہو استحضار کراؤ۔''

راہِ طریقت میں سلف صالحین سے الگ راستہ متعین کرنے کی جسارت سلسلۂ عالیہ سے غداری کے مترادف تھی لیکن جب اس پر گرفت ہوئی تو مولوی سلیمان نے بطور دفاع حضرت جیؒ پر الزام تراشی کی راہ اپنائی۔ حضرت جیؒ نے اس وقت تو کسی الزام کا جواب دینا مناسب خیال نہ فرمایا لیکن اس محفل میں پہلی مرتبہ ان الزامات کا جواب بھی دیا:

> ''اب بات سنو' سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ میں ابتداء سے تجارت کرتا ہوں۔ اب بھی تجارت کرتا ہوں پاکستان بننے سے پہلے میں نے یہ تجارت اشتراکی طور پر شروع کی۔ میرا اپنا مال مویشیوں کا وافر ریوڑ تھا۔ ساتھ ساتھ اکرم (حضرت امیرالمکرّم) نے میرا حصہ دو آنہ روپیہ (12.5%) مائینوں میں رکھ دیا۔ یہ جو بتایا ہے یہ کس کو معلوم ہے کبھی مجھے سات ہزار مہینہ مل جاتا' کبھی چھ ہزار'

کبھی پانچ ہزار' کبھی تین ہزار' دو ہزار سے کم کبھی نہ ملا۔ اس کے بعد اکرم میرے ساتھ تھا' میں گھر جا رہا تھا۔ اس نے زمین کا پوچھا' میں نے کہا پیسے کچھ کم ہیں۔ اس نے کہا کتنے کم ہیں۔ میں نے کہا معلوم نہیں کتنے کم ہیں۔ اس نے 53 ہزار روپے کا چیک کاٹ کر میرے نام بھیج دیا.....
.....دنیا میں رہتے ہیں' دنیا کے اسباب بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اکرم کوئی شے دے دیتا ہے وہ میری ملک ہو گئی۔ وہ میری مملوکہ' میں کنویں میں پھینک دوں۔ اس کے بعد وہ کتا ہے جو اس پر بات کرتا ہے' صحاح ستہ بھری پڑی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جو پہلے صدقہ دے یا کوئی چیز دے دیتا ہے' پھر اس کا ذکر کرے یا اس میں عود کرے وہ کتا ہے جو قے کرنے کے بعد چاٹنا شروع کر دے۔ پہلے بھی جب پاکستان نہیں بنا تھا' 186 بیگھہ زمین خریدی' پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ 186 بیگھہ زمین جو میں نے خریدی اس وقت کوئی ساتھی پاس نہ تھا۔ قاضی جیؒ بھی بعد میں آئے۔ اس وقت وہ زمین میں نے خریدی' کوئی چار روپے کنال' 16 روپے بیگھہ' کوئی 20 روپے۔ اس سے زائد نہیں۔ 186 بیگھہ 20 روپے بیگھہ سے زائد نہیں خریدی۔ پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ میری ساس جو حقیقی پھوپھی تھی اور اس کی دو ہی لڑکیاں تھیں تو سارا سلسلہ ہی تمام۔" (جیسا کہ گزشتہ ایک

باب میں ذکر ہوا' پھوپھی صاحبہ نے اپنی تمام زمین حضرت جیؒ کے نام منتقل کر دی تھی)۔''

اس محفل میں حضرت جیؒ نے اپنی تمام جائیداد کے متعلق یہ تفاصیل ازخود بیان فرمائیں اگرچہ ساتھیوں نے کبھی اس بارے میں استفسار کیا نہ اس کی ضرورت محسوس کی۔ شیخ کے مباح فعل کے بارے میں شکوک وشبہات اور شیطانی وساوس کو حقیقت کا جامہ پہنانا صرف اسی صورت ممکن ہے جب اعتماد علی الشیخ کا رشتہ مجروح ہو چکا ہو۔ بدگمانی وہ مہلک شیطانی ہتھیار ہے جو غیر مرئی طور پر اثرانداز ہوتا ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کب گناہ کا مرتکب ہوا' کب رشتۂ فیض سے محروم ہوا اور کب متاعِ ایمان گنوا بیٹھا۔ بدگمانی کے ان مہلک اثرات سے بچاؤ کی خاطر مومنین کو متنبہ فرما دیا گیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ

ترجمہ: اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو' کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ (الحجرات۔12)

باہم بدگمانی کی روش گناہ ہے لیکن خدانخواستہ اگر یہ انبیاء علیہم السلام تک جا پہنچے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ سے بدگمانی صرف گناہ ہی نہیں' قاطع فیض بھی ہے اور اگر یہ بڑھ کر مخالفت کی صورت اختیار کر لے تو ایمان بھی محفوظ نہیں رہتا۔ حضرت اشرف علی تھانویؒ کے بقول:

''اولیا اللہ کی مخالفت کفر تو نہیں لیکن ایسے لوگوں کا خاتمہ

اکثر کفر پر ہوتا ہے۔''

حضرت جیؒ نے اسی تلبیسِ ابلیس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''بات یہ ہے مولوی سلیمان کو گمراہ کیا اس موذی نے' لالے نے۔ بھلا اس سے پوچھو' جس درخت کو اللہ تعالیٰ نے پانی دیا اور دے رہا ہے' سرسبز ہے' اس پر جو سینکڑوں دانے پھل کے لگے ہوئے ہیں' ہزاروں دانے' تو نے اس میں سے ایک توڑ لیا تو کیا ہوا۔ چور بھی لے جاتے ہیں' گیدڑ بھی کھا لیتے ہیں' کوے بھی کھا جاتے ہیں۔ اگر کوئی دیندار ہو تو یہ دیکھے کہ یہ جماعت کیا کر رہی ہے۔ دین کا کام کر رہی ہے تو ہمارا ساتھ دے' ہمارا ہاتھ بٹائے۔ جو بھی جماعت دین کا کام کر رہی ہے' مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کرے۔ کیا ہم نے یہ برا کیا ہے کہ اتنے بڑے بڑے افسروں کو' تھیٹروں' کلب گھروں اور شراب خانوں سے نکال کر مسجد میں رلا دیا۔ اگر یہ بے دین تھے تو یہ بے دین ہمارے ساتھ دیندار بنتے........

مشائخ کا یہ بھی فرمان ہے کہ تھوڑی مدت کے اندر جماعت اس سے دگنی تگنی ہو جائے گی اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ۔ زیادہ پھیلے گی' اور نقص جو پیدا ہو رہا ہے وہ بھی اس شخص کا درمیان میں وجود ہے۔ تین سال سے مجھے سمجھ آ رہی تھی کہ شیطان نے اس پر ڈورے ڈال دیئے۔ یہ میرے پاس آتا نہیں تھا' میرے پاس بیٹھتا تو یہ منتر اتنا نہ چلتا۔ میرے پاس نہیں

آتا تھا۔"

تلبیسِ ابلیس کے بارے میں بطورحرفِ آخر حضرت جیؒ نے فرمایا:

"پہلے شریعت سے بدظن کرتا ہے۔ اگر اس میں کامیاب نہ ہو تو شیخ سے بدظن کرتا ہے۔ اس کا پہلا حملہ ہی یہ ہے۔ شیخ سے بدظن ہوا' گیا ختم۔ تعلق ٹوٹ جاتا ہے' یہ قلبی معاملہ ہوتا ہے۔ شیخ سے جب قلبی تعلق نہ رہا تو فیض گیا' منقطع۔"

اللہ کریم سے دعا ہے وہ اپنی حفظ وامان میں رکھے اور اپنے ان بندوں میں شامل رکھے جن پر شیطان کا بس نہیں چل سکتا۔ آمین!

نفاذِ شریعت

مناظرانہ دور میں حضرت جیؒ کی شہرت عام ہوئی تو بعض دینی جماعتوں نے آپؒ کو نہ صرف شمولیت کی دعوت دی بلکہ مالی تعاون اور عہدوں کی پیشکش بھی کی لیکن آپؒ نے عمر بھر کسی جماعت سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ احبابِ سلسلہ کی معیت پسند فرماتے۔اہلِ برزخ سے اکثر رابطہ رہتا جو حضرت سلطان العارفینؒ کے ارشاد کے مطابق آپؒ کی جماعت تھے۔کئی مرتبہ آپؒ کی معیت میں سفر نصیب ہوا۔ان دوروں کے احوال یہ ہوا کرتے تھے کہ اہلِ برزخ کا قافلہ ہمراہ چلتا۔آپؒ ان سے کلام فرماتے جس میں بعض اوقات احباب کو بھی شریک فرما لیتے لیکن اکثر محویت کا عالم طاری رہتا۔

شب و روز کے ان احوال کے باوجود حضرت جیؒ نے جب کبھی محسوس کیا کہ ملکی حالات کے پیشِ نظر قومی دھارے میں آپؒ کی شمولیت ناگزیر ہے تو ہمیشہ مؤثر کردار ادا کیا۔عوامی سطح پر حضرت جیؒ سے لوگوں کی بے پناہ عقیدت کی وجہ سے آپؒ کی رائے خاص اہمیت رکھتی جسے مقامی انتظامیہ بھی نظرانداز نہ کر سکتی تھی۔صدر ایوب کے خلاف عوامی تحریک شروع ہوئی تو ڈی سی میانوالی نے آپؒ سے تعاون کی درخواست کی۔حضرت جیؒ نے حضرت امیر المکرّم کے نام 4 دسمبر 1968ء کے ایک مکتوب میں مقامی انتظامیہ کی اس درخواست

کا تذکرہ انتہائی ناپسندیدگی سے فرمایا۔ 1977ء میں بھٹو کی لادینی حکومت کے خلاف تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کا آغاز ہوا تو آپؒ نے اس کی بھرپور حمایت کی جس کا اظہار اس دور میں آپؒ کی تقاریر سے ہوتا ہے۔

5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا تو منارہ سکول میں سلسلۂ عالیہ کا سالانہ اجتماع جاری تھا۔ ملک کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات سے آگاہی کے لئے کئی احباب باقاعدگی سے خبریں سنا کرتے۔ حضرت جیؒ تک خبروں کی آواز پہنچتی تو ساتھیوں سے تفصیلات دریافت کرنے کے بعد تبصرہ بھی فرمایا کرتے۔ بھٹو دور کے خاتمے پر آپؒ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور جنرل ضیاء الحق کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ جنرل صاحب کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ میں فرمایا کرتے اور نفاذِ شریعت کی توفیق کے لئے دعاگو رہتے۔ ملکی حالات پر نگاہ رکھنے کے باوجود سادگی کا یہ عالم تھا کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ریڈیو پر خبریں سنیں تو فرمانے لگے:

''تم لوگ تو کہتے تھے بھٹو حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے لیکن خبریں سنانے والی عورت تو وہی ہے جو کل بھٹو کی خبریں سنا رہی تھی۔''

اگرچہ وقتی طور پر ملک گیر فسادات کا خطرہ تو ٹل گیا تھا لیکن مارشل لاء کا نفاذ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا منطقی انجام نہ تھا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد جنرل ضیاء الحق کی مجبوری تھی کہ نفاذِ شریعت کی سمت کچھ پیش رفت کی جائے۔ 1979ء میں حدود سے متعلقہ قوانین نافذ ہوئے تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک خاص مکتبِ فکر نے انہیں یہ باور کرا دیا کہ اب پاکستان میں فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے ساتھ ساتھ

فقہ جعفریہ کے نفاذ کا بھی اعلان کر دیا جائے۔ اس موقعہ پر اسلام آباد کے گھیراؤ کی صورت میں فقہ جعفریہ کے نفاذ کے لئے جنرل ضیاء الحق پر شدید دباؤ ڈالا گیا۔

جنرل ضیاء الحق فقہ حنفی کے متعلق تو شاید واجبی علم رکھتے ہوں لیکن دیگر مذاہب کے تقابلی جائزے کی استعداد سے محروم تھے۔ اس مطالبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور قانون دان حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی اور سفارشات مرتب کرنے کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی۔ کمیٹی میں نامزد علماء سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ان حضرات کی معلومات بھی صرف فقہ حنفی تک ہی محدود تھیں اور وہ پاکستان میں فقہ جعفریہ کے نفاذ کے عملی مضمرات کا احاطہ کرنے سے محروم تھے۔ چند مشہور علماء نے انتہائی سادگی سے یہ رائے بھی دی کہ جب چار مختلف فقہوں پر کسی کو اعتراض نہیں تو اب پانچویں فقہ نافذ کرنے میں کیا حرج ہے۔ گویا یہ حضرات عقائد و کلیات کے اختلافات کی بجائے فقہ جعفریہ کو بھی باقی چاروں فقہوں کی طرح صرف جزیات کے اختلافات تک محدود سمجھتے تھے۔ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ جنرل صاحب کی تشکیل کردہ کمیٹی میں شامل علماء اور دیگر ممبران کے علاوہ ملک بھر کے اہلِ دانش حضرات اور عوام کو ان اختلافات کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر اہلِ سنت کے قانونی نمائندے جناب اسحٰق ظفر نے اپنے ساتھی امان اللہ لک ایڈووکیٹ سے دریافت کیا کہ ان کی نگاہ میں ہے کوئی ایسی شخصیت جو فوری طور پر کمیٹی کی معاونت کر سکے؟ اس وقت پورے ملک میں حضرت جیؒ کے علاوہ' جو فقہ جعفریہ پر مکمل عبور رکھتے تھے

اور عمرِ عزیز کے قریباً دو عشرے تحریر و تقریر کے ذریعے عوام الناس کو اس کے خدوخال سے آگاہ کرتے رہے' شاید ہی کوئی اور شخصیت اس اہم دینی ضرورت سے کما حقہ عہدہ برآ ہوسکتی تھی۔ امان اللہ لک نے یہ معاملہ حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے استدعا کی کہ نفاذِ شریعت کمیٹی کے ممبران کی رہنمائی کے لئے فقہ جعفریہ اور فقہ اہلِ سنت کے تقابلی جائزہ کی صورت میں ایک عام فہم لیکن جامع کتابچہ تحریر فرمائیں جو کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں تقسیم کیا جاسکے۔ صورت حال کی سنگینی محسوس کرتے ہوئے آپؒ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور احبابِ سلسلۂ عالیہ کو ہدایت فرمادی گئی کہ ان دنوں ملاقات کے لئے کوئی شخص چکڑالہ آئے نہ خط و کتابت کرے۔ حضرت جیؒ نے اپنی تمام مصروفیات معطل کرتے ہوئے شب و روز کتب خانے کی نذر کردیئے جہاں آپؒ کی معاونت حافظ عبدالرزاق اور آپؒ کے داماد حافظ عبید اللہ کرتے۔ فقہ جعفریہ کی ماخذ کتب سے حوالہ جات تلاش کرنے کے بعد انہیں بغیر کسی تبصرہ کے اس طرح پیش کیا گیا کہ خاص و عام فقہ جعفریہ اور فقہ اہلِ سنت کا تقابلی جائزہ لے سکیں۔ قریباً دو ہفتوں میں یہ ابتدائی کام مکمل ہوا تو سائیکلوسٹائل کی صورت میں اس کتابچہ کی کاپیاں کمیٹی کے ممبران میں تقسیم کر دی گئیں۔ ممبران نے اس کتابچہ سے بھرپور استفادہ کیا اور مختلف اور متضاد فقہی قوانین کے نفاذ کے مضمرات کا جائزہ لیتے ہوئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا معاملہ تعطل میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ہی فقہ اہلِ سنت کے نفاذ کا عمل بھی رک گیا۔

کتابچہ کی افادیت دیکھتے ہوئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس چھوٹے سے پمفلٹ کو کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ فقہ جعفریہ پر یہ

تحریر اصل حوالہ جات اور ان کے تراجم پر مشتمل تھی جس میں حضرت جیؒ نے اپنی جانب سے ایک جملہ کا بھی اضافہ نہیں فرمایا تھا۔ اس صورتِ اشاعت میں قانونی طور پر تو کوئی قباحت نہ تھی لیکن متعلقہ مکتبِ فکر کے بیخ پا ہونے اور با اثر ہونے کی وجہ سے منفی ہتھکنڈے بروئے کار لانے کی توقع کی جا سکتی تھی جس سے حضرت جیؒ کے معمولات' احبابِ سلسلہ کی تربیت اور اجتماعات کا متاثر ہونا لازم تھا۔ ان خدشات کے پیشِ نظر اکثر احباب کی رائے تھی کہ اس کتابچہ کو حضرت جیؒ کے نام سے شائع نہ کیا جائے۔ صورت حال پر غور و فکر کے لئے 28 مئی 1979ء کو حضرت امیر المکرّم اور دیگر صاحب الرائے احباب راولپنڈی میں اکٹھے ہوئے۔ امان اللہ لک نے تجویز پیش کی کہ یہ کتاب ان کے نام سے شائع کی جائے اور وہ اسے ملک کے اربابِ دانش کے سامنے پیش کرتے ہوئے قانون کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ سوال اٹھائیں گے کہ آیا اس پانچویں فقہ کا' بنیادی نوعیت کے اختلافات کے باوجود فقہ اہل سنت کے ساتھ نفاذ ممکن بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ احباب نے تجویز سے اتفاق کیا اور اسی نہج پر کتاب کی تدوین و طباعت شروع ہوئی۔ امان اللہ لک نے ''عرضِ مدعا'' کے عنوان کے تحت انتہائی مؤثر انداز میں یہ سوال ہر ذی فہم شہری کے سامنے اٹھاتے ہوئے غور و فکر کی دعوت دی لیکن حضرت جیؒ نے اگلے صفحات میں فقہ جعفریہ کے خدوخال کے تعین کے لئے جو ابواب باندھے تھے' ان کے مطالعہ کے بعد اس کا جواب تلاش کرنا مشکل نہ تھا۔

صوبہ سرحد میں سلسلۂ عالیہ کے امیر حاجی الطاف احمدؒ نے پشاور سے کتابچہ شائع کرنے کی ذمہ داری لی۔ دورانِ طباعت حافظ عبدالرزاق کی موجودگی بھی ضروری تھی تاکہ وہ خود پروف ریڈنگ اور حسبِ ضرورت

مسوّدہ کی اصلاح کر سکیں۔ وہ چکوال سے پشاور روانہ ہوئے تو انتہائی تیز بخار تھا' گاڑی میں لیٹ کر سفر کیا اور پشاور پہنچ کر بخار ہی کی حالت میں پروف ریڈنگ اور طباعت کی نگرانی کرتے رہے۔ کتاب کے آغاز میں حافظ صاحب نے ''تاریخِ فقہ جعفریہ'' کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ اپنی طرف سے کیا۔ یہ باب حضرت جیؒ کو پڑھ کر سنایا گیا تو آپؒ بہت خوش ہوئے اور حافظ صاحب کے متعلق فرمایا:

''مشائخ کو ایسے آدمی اللہ کریم کی طرف سے ملتے رہے جو
ان کی لسان ہوتے جیسے حضرت شمس تبریزؒ کو مولانا رومؒ عطا
ہوئے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ مجھے تُو عطا کیا گیا۔''

ابھی تک حضرت جیؒ سے اجازت نہ لی گئی تھی کہ یہ کتاب ان کی بجائے امان اللہ لک کے نام سے شائع کی جائے گی۔ متوقع اجازت کے پیشِ نظر طباعت تو مکمل ہو چکی تھی لیکن کتاب کی تقسیم سے قبل حضرت جیؒ کی توثیق بھی ضروری تھی۔

چکڑالہ پہنچ کر مدعا عرض کیا لیکن حضرت جی نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ جب کوئی اور صورت نہ بن سکی تو عرض کیا گیا:

''حضرت جیل جانا پڑے گا۔''

آپؒ نے جواب دیا:

''میں جیل وی جاساں (میں جیل بھی جاؤں گا)''
''تُساں جیل گئے تے اَساں کی کرساں (آپ جیل گئے تو
ہم کیا کریں گے)''

حضرت جیؒ کو ان کے نام سے کتاب کی اشاعت کی صورت میں پیش

آنے والے ممکنہ مسائل سے آگاہ کیا گیا جن کے نتیجہ میں احباب کی تربیت کا متاثر ہونا لازم تھا۔ بالآخر آپؒ نے آمادگی کا اظہار فرمایا اور اس طرح حضرت جیؒ کی یہ کتاب امان اللہ لک کے نام سے منظرِ عام پر آئی۔

احبابِ سلسلۂ عالیہ نے فی الفور کتاب کی تقسیم شروع کی اور اس کی کاپیاں جنرل ضیاء الحق کی تشکیل کردہ نفاذِ شریعت کمیٹی کے ارکان' سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے جج صاحبان' نامور قانون دانوں' مختلف مکاتبِ فکر کے علماء' ملک بھر کے چیدہ چیدہ اربابِ دانش اور مقتدر طبقہ تک پہنچا دیں۔ اسلوبِ تحریر میں فرقہ واریت کی بجائے محققانہ رنگ تھا۔ ہر طبقہ نے بغیر کسی تحفظ اور تعصب کے اس کتاب کا مطالعہ کیا جس کے بعد یہ باور کرنا مشکل نہ تھا کہ مختلف فقہوں کے نفاذ کی صورت میں ملک فقہی خلفشار کا شکار ہو جاتا جس کے نتیجہ میں ملک کا عدالتی نظام بھی بری طرح متاثر ہوتا۔ یہ صورت حال اربابِ حکومت کے لئے ہرگز قابلِ قبول نہ تھی۔ اس طرح متضاد فقہی قوانین کے نفاذ کی تجویز پر عملدرآمد نہ ہو سکا اور ملک ایک فقہی اور قانونی خلفشار سے محفوظ رہا۔ حضرت جیؒ نے ''نفاذِ شریعت اور فقہ جعفریہ'' بروقت تحریر فرما کر وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کے باعث پاکستان نہ صرف فقہی جنگ سے بچ گیا بلکہ اس کا نظامِ عدل بھی متضاد قوانین کے نفاذ سے محفوظ رہا۔

احباب نے اس کتاب کی اشاعت کے نتیجہ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ درست نکلے۔ امان اللہ لک کے خلاف اگست 1979ء میں گجرات کے تھانہ صدر میں سرکار کی طرف سے پرچہ درج ہوا۔ دورانِ تفتیش حضرت جیؒ نے اپنی ذاتی لائبریری سے حوالہ جات کی نشاندہی کے ساتھ ماخذ کتب گجرات بھجوا دیں جو اس کتابچہ کی حقانیت کا تحریری

ثبوت تھیں۔ ان حوالوں کی خوب چھان بین ہوئی لیکن پوری کتاب میں قطع و برید کی کوئی مثال ملی نہ کوئی منفی تبصرہ مل سکا۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران امان اللہ لک نے بطور اس کتاب کے مصنف اور ملزم عدالت کے سامنے تین سوال رکھے:

(1) اس کتابچہ میں جن کتابوں کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں کیا وہ فقہ جعفریہ کی مستند اور بنیادی کتابیں نہیں ہیں؟

(2) ان کتابوں سے جو اقتباسات پیش کیے گئے ہیں' کیا ان کی عبارت غلط ہے یا ترجمہ ٹھیک نہیں یا کہ وہ سیاق وسباق سے الگ کر کے پیش کیے گئے ہیں؟

(3) اگر اس کتابچہ میں درج کتابیں فقہ جعفریہ کی بنیادی کتابیں نہیں ہیں تو وہ کون سی کتابیں ہیں جن پر انحصار کرتے ہوئے فقہ جعفریہ کے علیحدہ نظام کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؟

ان سوالات کا جواب دینے کے لئے فقہ جعفریہ کے اکابرین اور مبلغین کو 29.8.79 سے لے کر 15.1.81 تک عدالت کی طرف سے موقع دیا گیا لیکن کسی کو سوالات کا جواب دینے اور حقائق کی تردید کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ 20.1.81 کو یہ مقدمہ عدم ثبوت کی بنا پر واپس لے لیا گیا اور امان اللہ لک کو باعزت بری کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت جیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''نفاذِ شریعت اور فقہ جعفریہ'' کو عدالتی تحفظ بھی مل گیا' اگرچہ یہ کتاب ابھی تک جناب امان اللہ لک کے نام سے ہی شائع ہو رہی ہے۔

1976ء میں حضرت جیؒ گجرات کے مشہور قصبہ پھالیہ کے نواحی گاؤں ''لک'' تبلیغی دورہ پر تشریف لے گئے۔ آپؒ سے ملاقات کے لئے

گاؤں کی ایک معمر خاتون لاٹھی ٹیکتی ہوئی پہنچی اور کہنے لگی کہ میں تو اس بزرگ کی زیارت کے لئے آئی ہوں جس نے' لک نوں ڈھایا' (امان اللہ لک کو زیر کیا)۔ مغرب کا وقت ہوا تو لک صاحب کی کوٹھی پر اذان ہوئی اور لان میں نماز کے لئے صفیں بچھ گئیں۔ اسی اثناء میں کوٹھی کے گرد کچھ مقامی لوگ اکٹھے ہوگئے اور حیرت کا اظہار کرنے لگے ''ایہ ویکھو' لک دی کوٹھی تے اذان'' (یہ دیکھو امان اللہ لک کی کوٹھی اور اذان)۔

بات بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ امان اللہ لک پیپلز پارٹی کے رہنما اور گجرات کے مشہور وکیل تھے جو اپنے اکھڑ مزاج اور سخت گیر ہونے کے حوالے سے علاقہ بھر میں اپنی پہچان رکھتے تھے۔ وہ کسان موومنٹ کے صدر اور پنجاب اسمبلی کے سینئر لیڈر حزبِ اختلاف رہ چکے تھے لیکن زبردست شخصیت اور بھرپور مصروفیات کے باوجود سکونِ قلب سے محروم تھے۔ ایک روز پنجاب اسمبلی میں بیٹھے تھے۔ گردوپیش پر نگاہ ڈالی تو معاً اس سوچ میں ڈوب گئے کہ کتنے ہی لوگ ان کرسیوں پر بیٹھے اور زیرِ زمین چلے گئے۔ اس وقت اسمبلی کی پرشکوہ عمارت نے ان کو یہ پیغام دیا کہ انسان فانی ہے لیکن میں اپنی شان و شوکت کے ساتھ کھڑی ہوں۔ امان اللہ لک بے چین ہوگئے اور اسی سوچ میں پیپلز ہاؤس واپس پہنچے تو نڈھال ہو چکے تھے۔ اسی اثناء میں سلطان محمود آشفتہ جو ان دنوں ریڈیو پاکستان سے منسلک تھے' ملاقات کے لئے آئے اور وجہِ پریشانی دریافت کی۔ امان اللہ لک نے اپنی حالت بیان کی تو انہوں نے حضرت جیؒ کا ایک خط پڑھنے کے لئے دیا اور آپؒ کا غائبانہ تعارف بھی کرایا۔

امان اللہ لک' حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ پہنچے تو سکونِ قلب

نصیب ہوا لیکن اس پہلی ملاقات میں یہ شرط پیش کر دی کہ ذکر کریں گے نہ داڑھی رکھیں گے' صرف اپنے متعلقین میں شامل فرمایا جائے۔ حضرت جیؒ کی صحبت کے نتیجہ میں نہ صرف ذکر نصیب ہوا بلکہ ڈاڑھی رکھنے کی سعادت بھی ملی اور آپؒ ہی کی تصنیف ''نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ'' کے حوالے سے ملک بھر میں پہچانے گئے اگرچہ اس کے لئے انہیں قربانیوں کی گھاٹی سے بھی گزرنا پڑا۔ لک صاحب ہی کے ایماء پر حضرت جیؒ نے سلسلۂ عالیہ کی مستقل رہنمائی کے لئے وصیت نامہ تحریر فرمایا اور آپؒ کا تاریخی انٹرویو ریکارڈ ہوا۔

مکہ مکرمہ سے دو خط

حضرت جیؒ کے نام یہ خطوط سیّد گلزار احمد شاہ نے سفرِ حرمین کے دوران تحریر کئے۔ یہ صاحب 1979ء میں سلسلۂ عالیہ سے منسلک ہوئے تھے اور فنِ طب میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ اسی زمانے میں حضرت جیؒ کے دونوں گھٹنوں میں تکلیف شروع ہوئی اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپؒ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے قاصر ہو گئے۔ ان دنوں حضرت جیؒ کی اقتداء میں نماز اور خاص طور پر نمازِ فجر میں آپؒ کی رِقت آمیز قرأت ایک خواب کی طرح محسوس ہوا کرتی۔ آپؒ ملتان کے دورہ پر تشریف لائے تو حکیم صاحب کو علاج کا موقع ملا جو قریباً ایک ماہ جاری رہا۔ ملتان سے لوٹے تو گھٹنوں کی تکلیف کافی حد تک کم ہو چکی تھی۔ راولپنڈی کے اجتماع میں اس وقت احباب کی خوشی قابلِ دید نی تھی جب ایک طویل عرصہ کے بعد حضرت جیؒ کو مصلّیٰ پر کھڑے دیکھا اور آپؒ کی امامت میں نمازِ ظہر نصیب ہوئی۔ اس خصوصی علاج پر حکیم سیّد گلزار احمد شاہ بھی نوازے گئے اور دورانِ علاج حضرت جیؒ کی مسلسل توجہ کے نتیجہ میں تیز مشاہدات عطا ہوئے۔ روحانی کلام میں حکیم صاحب نے حضرت جیؒ سے تربیت پائی۔

1981ء میں حکیم سیّد گلزار احمد شاہ اور سلسلۂ عالیہ کے چند احباب

نے حرمین شریفین کی حاضری دی۔ اس دوران حکیم صاحب نے اپنے مکاشفات پر مشتمل دو خط حضرت جیؒ کے نام ارسال کیئے۔ احباب کی محفل میں جس وقت آپؒ یہ خط باآواز بلند پڑھ رہے تھے' ایک ساتھی نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ اس طرح حضرت جیؒ کی آواز میں یہ دونوں خطوط محفوظ ہو گئے۔

نفسِ مضمون کا تعلق روحانی ادراکات سے ہے' انہیں انسان کی ظاہری صلاحیتوں پر محمول نہ کیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ تو روح کے ادراکات سے بھی کہیں آگے ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ خیر و شر کی کشمکش سے' خواہ وہ کہیں بھی ہو اور کسی دور میں بھی ہو' وہ لاتعلق ہیں نہ ہم ان کی دعاؤں سے محروم کہ یہی تو انبیاء علیہم السلام کے شب و روز کا ماحصل تھا۔ چونکہ حضرت جیؒ بھی انہی کے مقدس فریضہ کی ادائیگی پر مامور تھے اس لئے یہ روحانی رابطہ اور انبیاء علیہم السلام کی جانب سے تشفی کے پیغامات قابلِ فہم ہیں۔

اس مختصر تمہید کے ساتھ یہ خطوط من وعن پیش کئے جاتے ہیں۔ قوسین میں درج شدہ الفاظ حضرت جیؒ کے ہیں جو خط پڑھتے ہوئے آپؒ نے بطور وضاحت ادا فرمائے۔

بخدمت شیخ الامام الفقیہ العالم السالک مکرم

السلامُ علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ: امید ہے آپ جناب خیریت سے ہوں گے۔ خط میں اس لئے دیری ہوئی ہے کہ مکمل باطنی حالات کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ اب حالات خدمت عالیہ میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ہم یہاں 6 ستمبر کو ہفتہ کی شام بخیریت مکۂ مکرمہ پہنچ گئے اور عمرہ ادا کیا۔ باطنی حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

سب سے پہلے اتوار کی صبح طواف کے لئے مسجد حرام میں داخل ہوئے تو پہلی ملاقات حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی۔ آپ طواف فرما رہے تھے مگر آپ کا طواف مطافِ قدیم پر تھا (اب بڑھایا ہے' اس میں نہیں' اس پرانے میں تھا) یعنی بیت اللہ کی دہلیز کے مقابل طواف ہو رہا تھا۔ میں نے آپ جناب کی طرف سے (میری طرف سے) اسلام و علیکم و دعا کی درخواست کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ انہوں نے ملتِ ابراہیمؑ کو باقاعدگی سے قائم و دائم رکھا ہوا ہے اس لیے ہماری دعائیں ہر وقت ان کے ساتھ ہیں اور حضرت اعلیٰ کو اس بات کی مبارکباد دے دینا کہ آپ کی جماعت محافظِ حرم ہے۔ دوسرے دن حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؓ عصر کے بعد طواف فرما رہے تھے۔ طواف مطافِ قدیم پر تھا۔ طواف کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپؑ کے مسکن کے متعلق اختلاف ہے۔ اصل صورتحال واضح فرمائیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ میری مرقد جو حطیم میں معروف ہے' وہی صحیح ہے (لیکن فرق یہ ہے کہ حطیم کو کم کر دیا گیا ہے) نشاندہی فرمائی۔ حضرت ہاجرہؓ کی قبر مبارک پرنالہ کے نیچے ہے۔ یہ فرمانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھے یہاں رہنے کا شوق ہے' آپؑ میری مدد فرمائیں تو فرمایا یہاں ایمان نہیں رہے گا۔ یہ لوگ بے دین ہو چکے ہیں۔

منگل کو تہجد کے وقت ہم تمام ساتھی مسجدِ حرام میں آئے تو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف فرما رہے تھے۔ آپ جناب کی طرف سے (میری طرف سے) السلام علیکم و دعا کی درخواست کی تو فرمایا! ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' فکر کی ضرورت نہیں۔ جس دین کی ان کو فکر ہے (یعنی میرے

متعلق) وہی ان کا محافظ بھی ہے۔اس کے بعد وہ تشریف لے گئے۔

بدھ کی صبح تہجد کے طواف میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف فرمارہے تھے سلام عرض کیا گیا اور دعا (میری طرف سے)۔انہوںؑ نے وہی جواب دیا جو اسماعیل علیہ السلام نے دیا تھا۔اس کے بعد میں نے عرض کی کہ یہودی آپؑ کے ہیکل مبارک کو نکالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ فرمایا' جہاں وہ کھدائی کررہے ہیں' وہاں میری قبر نہیں۔ یہاں ان کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

اتوار کی صبح کو ہم تمام ساتھی جبلِ رحمت پر گئے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ وہاں یوشع بن نون علیہ السلام (موسیٰ علیہ السلام کے پہلے خلیفہ) کی قبر تھی۔ جب مراقبہ کیا گیا تو انوار کی دیواریں بن گئیں اور حدِ نگاہ تک کچھ نظر نہیں آتا تھا (انوار اتنے تیز ہیں) سرخ رنگ کے انوارات تھے۔ واپسی پر مسجدِ نمرہ میں حاضر ہوئے' نفل پڑھے' اس کے بعد شرقی دیوار کی طرف انوارات کی بوچھار شروع ہوئی جہاں جنوبی کونہ تھا اور سیڑھی اوپر کو جاتی ہے (نشان پورا لے لیا ہے) ہم وہاں پہنچے تو یہ حضرت یونس علیہ السلام کی قبر تھی جو دیوار کے ساتھ ہے۔ وہاں بھی انوارات کی وہی شدت تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ میں حج کے لیے تشریف لا رہا تھا کہ عرفات میں آکر میرا انتقال ہوگیا۔اس کے بعد جب ہم مسجدِ خیف میں پہنچے تو نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ مسجدِ خیف کا پرانا نقشہ اب بالکل تبدیل کردیا گیا ہے۔کوئی آثار قدیمی باقی نہیں رہے۔ تمام مسجد شہید کرکے نئی تعمیر شروع ہے۔ یہ حالات ہیں جو میں نے آپ کی خدمت میں تحریر کردیئے ہیں۔

دوسرا خط:

بخدمت حضرت شیخ الامام الفقیہ العالم السالک السیدی ومرشدی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ' اما بعد: اس سے پہلے خدمت عالیہ میں کچھ معروضات پیش کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ مل گئے ہوں گے۔ دیگر حالات حاضر خدمت ہیں۔

اس خط میں دہلیزا سماعیل علیہ السلام کی مرقد مقدس کی تحریر میں سہواً یہ لکھا گیا ہے کہ ان کے پاؤں مبارک (یعنی پہلے خط میں غلطی سے لکھ بیٹھا)۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ایسا نہیں' میرا سر مبارک رکنِ یمانی کی طرف ہے اور پاؤں مبارک حطیم کی دیوار کے کونے میں ہیں۔ یہ تصحیح انہوں نے خود فرمائی ہے۔

حضور! یہاں حرمِ پاک میں چار قسم کی مخلوق پائی گئی ہے۔ ریچھ' بندر' چترے' خنزیر اور پانچویں قسم انسان۔ سو میں سے تیس انسان ہیں (انسان صرف تیس ہیں)۔ حجرِ اسود پر پہلے بندر آتے ہیں' وہ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ اوپر سے چیتا آتا ہے' پھر ریچھ آتا ہے۔ چیتے اور ریچھ کی لڑائی ہوتی ہے۔ خنزیروں میں سے ابھی تک حجرِ اسود پر کوئی نہیں آیا (شکلیں خنزیروں والی ہیں' بندروں والی ہیں' ریچھوں والی ہیں' چترے والی ہیں' ہیں بندے انسانوں کی بات کر رہے ہیں۔ رویتِ اشکال کے مراقبے میں دکھایا جاتا ہے۔ بعض ساتھیوں کو ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ انسانی شکلوں میں بیٹھے ہوں تو پتہ چلتا ہے خنزیر ہے' ریچھ ہے' بندر ہے۔ خنزیر ہوا' ریچھ ہوا' بندر رہوا' یہ کافر ہیں' مسلمان نہیں' ایمان پر نہ مریں گے۔ باقی حلال جانور کی شکل پر ہو تو وہ ایماندار ہے۔ انسانی شکل پر ہو' مرنے کے بعد فوری طور پر تبدیل ہو جائے

گا' اسی شکل پر ہوگا)۔

آج بروز بدھ چاشت کے وقت کیپٹن مقبول کے ہمراہ طواف کے لئے بیت اللہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابراہیم نبینا علیہ السلام طواف فرما رہے تھے۔ عجیب قسم کی رقت طاری ہوگئی جو یہاں بیان سے باہر ہے۔ آنجناب کے متعلق دعائے صحت' عمر درازی کی درخواست کی (میرے متعلق کی گئی)۔آپؑ نے فرمایا! جاؤ میری طرف سے انہیں مبارک باد پیش کرنا کہ جس کھیتی کو کاشت کیا ہے' یہ حق ہے۔جس طریقہ سے اس کی آبپاشی کی جارہی ہے' یہ حق ہے۔عنقریب اس کھیتی کے درخت ملتِ ابراہیمی اور حرمِ پاک کے محافظ ہوں گے' یہی دینِ ابراہیمیؑ ہے۔ دو وقت صبح و شام ان سے ہماری ملاقات ہوتی رہتی ہے۔انہوں نے پھر اپنی مرقد بتائی۔ حضرتِ اعلیٰ کی صحت اور خاتمہ اکمل الایمان (یہ میں نے کہلا بھیجا تھا کہ میرے خاتمہ بالایمان کے لئے دعا کریں) کے متعلق نہایت ہی گریہ وزاری سے دعا کر رہے تھے کہ آواز آئی' دعا تو قبول ہے کب تک میرے سینے پر سوار رہو گے (نیچے قبر تھی' پیغمبرؑ تھے)۔فوراً ہم نے دیوار کو چھوڑ دیا اور استغفار کی۔

4- حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہاں صبح شام ہماری توہین ہوتی ہے اور دینِ ابراہیمیؑ کی توہین ہوتی ہے۔ہم ان سے تنگ ہیں۔

تنظیم سازی

سلسلۂ عالیہ میں باقاعدہ تنظیم سازی کی ابتداء 18 دسمبر 1970ء کو ہوئی جب حضرت جیؒ نے سفرِ حج کے دوران لاہور ریلوے اسٹیشن پر اعلان فرمایا:

مشائخ کی طرف سے حکم ہے کہ حافظ عبدالرزاق کو سلسلۂ عالیہ کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کر دیا جائے اور آئندہ تمام خط و کتابت ان کے ساتھ کی جائے۔''

اس سے قبل نشر و اشاعت کی تمام ذمہ داری حافظ صاحب ہی کے سپرد تھی لیکن اس اضافی ذمہ داری کے بعد وہ ایک خاموش کارکن کی حیثیت سے طویل عرصہ تک اپنے فرائض سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہوتے رہے۔ وہ ہر دورہ میں حضرت جیؒ کے ساتھ ہوتے۔ پروگرام مرتب کرنے اور اُن پر عمل درآمد کے لئے ذمہ دار احباب سے مسلسل رابطہ رکھتے لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے تھے کہ انہیں باقاعدہ ناظمِ اعلیٰ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ کبھی ناظمِ اعلیٰ لکھا نہ اس کی ضرورت محسوس کی۔

ماہانہ ''المرشد'' کی ادارت اور نشر و اشاعت کی روز افزوں ذمہ داریاں جب حد سے بڑھ گئیں تو حضرت جیؒ نے نشر و اشاعت اور تنظیمی امور کو الگ

کرنے کا فیصلہ فرمایا اور 23 مئی 1980ء کو راولپنڈی میں ایک مجلسِ منتظمہ تشکیل فرماتے ہوئے کرنل مطلوب حسین کو سلسلۂ عالیہ کا ناظمِ اعلیٰ مقرر فرمایا۔

اس مجلسِ منتظمہ کا پہلا اجلاس 30 مئی 1980ء کو حضرت امیر المکرّم کی سربراہی میں منارہ میں منعقد ہوا اور تنظیمی امور طے ہوئے۔ یکم جون 1980ء کو مجلسِ منتظمہ کی سفارشات کے مطابق تنظیمی ڈرافٹ حضرت جیؒ کی خدمت میں منظوری کے لئے پیش کیا تو آپؒ نے اس میں ''آدابِ عطیات'' کا اضافہ فرمایا۔

13 اکتوبر 1980ء کو لنگر مخدوم کے اجتماع کے موقع پر حضرت جیؒ نے مشائخ کی طرف سے اعلان فرمایا کہ منارہ (دارلعرفان) مستقل مرکز رہے گا۔ یہ سلسلۂ عالیہ میں تنظیم سازی کی سمت ایک اہم پیش رفت تھی۔ اس موقع پر چند مزید فیصلے بھی فرمائے گئے۔ اس سے قبل نشر واشاعت کا شعبہ ہمیشہ حافظ عبدالرزاق کے سپرد رہا لیکن بطور تجدید آپؒ نے صراحت فرما دی کہ نشر واشاعت کی جملہ ذمہ داریوں سے حافظ صاحب بدستور عہدہ برآ ہوں گے جس کے لئے وہ دارالعرفان منتقل ہو جائیں۔ آپؒ کے اس حکم کے مطابق حافظ صاحب کچھ عرصہ دارالعرفان کی لائبریری میں قیام پذیر رہے لیکن خرابیٔ صحت کی بنا پر مستقل قیام ممکن نہ ہو سکا۔ حضرت جیؒ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ ہمیں اپنے پریس کا خود بندوبست کرنا ہوگا۔ اس ہدایت پر اگرچہ آپؒ کے دورِ حیات میں تو عمل نہ ہو سکا لیکن سلسلۂ عالیہ کا ذاتی پریس آج کی ناگزیر ضرورت ہے۔

حضرت جیؒ نے لنگر مخدوم کے اسی اجتماع میں مشائخ (حضرت سلطان العارفینؒ) کی طرف سے یہ بھی اعلان فرمایا کہ آپؒ کے بعد مولانا

محمد اکرم سلسلہ کے سربراہ ہوں گے۔ اسی اعلان کی تجدید 14 نومبر 1980ء کو چکڑالہ کے ماہانہ اجتماع کے موقع پر بھی فرمائی گئی۔ آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس جماعت نے بڑی دُور تک بفضلہٖ تعالیٰ چلنا ہے۔ مستقبل کے بارے میں حضرت جیؒ کے مختلف اعلانات میں حضرت امیر المکرّم کے بعد والے حضرات کے ناموں میں ردو بدل بھی ہوا لیکن آپؒ نے بطور روحانی جانشین حضرت امیرالمکرّم کے تعین میں کبھی کوئی تبدیلی نہ فرمائی۔

حضرت جیؒ کی نگاہِ بصیرت میں سلسلۂ عالیہ کا مستقبل اور بالخصوص اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں فیصلہ کن کردار بالکل واضح تھا جس کا آپؒ نے کئی مرتبہ اظہار بھی فرمایا۔ دارالعرفان کی صورت میں ایک مستقل مرکز کے قیام کے بعد حضرت جیؒ نے سلسلۂ عالیہ کی تنظیم سازی اور مستقل اداروں کی تشکیل پر توجہ دی۔

1982ء میں دارالعرفان کا اجتماع منعقد ہوا تو آپؒ نے احباب کی مشاورت سے 18 اگست 1982ء کو سلسلۂ عالیہ کے مستقل انتظام و انصرام کے متعلق جامع ہدایات قانونی وصیت کی صورت میں رجسٹرڈ کروا دیں اور جناب امان اللہ لک کو اس وصیت کا امین مقرر فرمایا۔

تبدیلیٔ حالات کے ساتھ ساتھ افراد تو بدلتے رہیں گے لیکن اس وصیت کے ذریعے حضرت جیؒ نے جو اصول وضوابط متعین فرمائے' وہ حتمی قوانین اور ہر دور کے لئے نشانِ منزل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وصیت نامہ آپؒ کی دوراندیشی' باریک بینی اور فراست کا بہترین نقشہ پیش کرتا ہے جسے بجا طور پر سلسلۂ عالیہ کا دستور کہا جا سکتا ہے اور حضرت جیؒ کے وصال کے بعد اسی وصیت نامہ کو عملاً 1987ء کے دستور العمل کی بنیاد بنایا گیا۔ حضرت جیؒ کا یہ

وصیت نامہ مستقبل کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہے جسے یہاں من وعن پیش کیا جاتا ہے۔

وصیت نامہ

منکہ مسمی مولوی اللہ یار خان ولد ملک ذوالفقار ساکن چکڑالہ ضلع میانوالی کا ہوں اور بقائمی ہوش وحواسِ خمسہ تحریر ہذا روبرو گواہان بطور وصیت نامہ تحریر کرتا ہوں جو بلا اکراہ وجبر تحریر کی جارہی ہے۔

۱۔ کہ میں نے حلقۂ ذکر سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا انتظام دائمی طور پر چلانے کے لئے بحکم اللہ اور اِتباعِ سنتِ رسول ﷺ میں اپنی زندگی کے بعد ہدایات بطور وصیت نامہ چھوڑنا اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ یہ سلسلہ نظم وضبط کے ساتھ ہمیشہ ذکر الٰہی جاری رکھ سکے۔ چونکہ میں زندگی کے اس مرحلہ میں داخل ہو چکا ہوں جہاں اب ہدایات کا تحریری طور پر چھوڑنا ضروری ہو چکا ہے' میری یہ خواہش ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میرے بعد اختلافات اور انتشار سے بچ سکے۔

۲۔ چونکہ حلقہ بحمدِللہ اس وقت ہزاروں کی تعداد تک پہنچ چکا ہے اور صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں سلسلہ کے افراد موجود ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے جہاں دعا کرتا ہوں' وہاں متوقع ہوں کہ میری زندگی کے بعد یہ سلسلہ پھلے پھولے گا اور صدیوں پر محیط ہوگا۔ سنتِ نبوی ﷺ کا مکمل اتباع کرتے ہوئے صحیح العقیدہ مسلمان' صوفی' مبلّغ' زندگی کے ہر شعبہ میں صابر وشاکر اور غلبۂ اسلام کے لئے کام کرنے والے افراد پیدا کرے گا۔ اس لئے

اس کی مرکزیت کا قائم کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

۳۔ میں نے موجودہ اور آئندہ حالات کے پیشِ نظر اپنی عقل و بصیرت اور تائیدِ غیبی کی روشنی میں منارہ ضلع جہلم کے مضافات میں جگہ حاصل کر کے دارُالعرفان کے نام سے مرکزِ سلسلہ کی تعمیر کا منصوبہ اپنے متوسلین کو پیش کیا۔ دارُالعرفان کے لئے اراضی میرے پرانے خادم اور جاں نثار شاگرد محمد اکرم اعوان ساکن سیتھی نے بطور عطیہ دی اور اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ جگہ کے حصول کے بعد مرکزِ سلسلہ کی تعمیر میرے متوسلین نے حسب توفیق عطیات دے کر شروع کر دی جو آج عظیم الشان عمارت کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچنے والی ہے۔ اس منصوبہ میں میرے بے شمار جان نثاروں نے مالی اور جسمانی ایثار کر کے ثوابِ دارین حاصل کیا لیکن جناب کرنل مطلوب حسین صاحب لاہور کی ان تھک محنتِ شاقہ دارالعرفان کی تعمیر کا موجب بنی۔ میں ان کی بخشش اور ترقیٔ درجات کے لئے دعا گو ہوں۔

۴۔ دارُالعرفان منارہ کی حیثیت مرکزی ہوگی اور اس کے ذیلی مراکز تعمیر کئے جائیں گے اور اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ہوتے رہیں گے جو مرکز کے تابع ہوں گے۔

۵۔ چونکہ یہ سلسلہ حسب و نسب سے بالاتر اور مروجہ پیری مریدی سے ہٹ کر دنیوی مفادات اور مصلحتوں سے مختلف ہے اس لئے سلسلے میں میرا جانشین صرف وہی شخص ہوگا جس کی روحانی اہلیت سب سے زیادہ ہوگی۔ میں اپنی زندگی میں ملک محمد اکرم صاحب کو اپنا روحانی جانشین مقرر کرتا ہوں کیونکہ اس وقت سلسلہ میں میرے بعد سب

سے زیادہ روحانی اہلیت وہی رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے خلوص اور جان نثاری سے اب تک سلسلہ کے تقاضوں اور میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کیا ہے اور جانشین اسی اصول پر نامزد کیا جائے گا۔ ہر جانشین اپنی زندگی میں اپنا ایسا جانشین نامزد کرے گا جس کی روحانی اہلیت سب سے زیادہ ہوگی۔ جانشین کا تقرر مجلسِ منتظمہ کی منظوری کے تابع ہوگا۔ اگر کوئی جانشین اپنا جانشین مقرر یا نامزد کئے بغیر فوت ہو جائے یا خود جانشین برطرف کیا جائے تو اس صورت میں مجلسِ منتظمہ میرا جانشین نامزد کرنے کی مجاز ہوگی اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ میرے بعد سلسلہ میں ہر جانشین کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل پیرا رہنا لازمی ہوگا جس سے انحراف جانشینی سے محرومی کا باعث متصور ہوگا۔ (ا) شریعت مطہرہ پر استقامت یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی۔ (ب) سنّت خیرالانام ﷺ کا کامل اتباع۔ (ج) بدعات سے کلی اجتناب (د) دوام ذکر و شغل مع اللہ سبحانہ (ر) اعراض عن الخلق اور رجاء من اللہ صبر، توکل اور قناعت کے ساتھ (س) کثرتِ ذکر کے ساتھ مراقباتِ سلسلہ (ط) سلسلہ کے اذکار و مراقبات کی حفاظت بطور امانت کرنا۔ اپنی طرف سے کمی یا بیشی نہ کرے۔ (ع) ہر جانشین کو مجلسِ منتظمہ کو بااختیار تسلیم کرنا ہوگا۔ سلسلہ کے جملہ امور کو چلانے کے لئے میں مجلسِ منتظمہ قائم کرتا ہوں جس کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) ملک محمد اکرم اعوان ساکن سیتھی (۲) کرنل مطلوب حسین لاہور (۳) سیّد بنیاد حسین نقوی سرگودھا

(۴) مرزا محمد احسن بیگ سیالکوٹ (۵) امان اللہ لک گجرات (۶) حافظ عبدالرزاق چکوال۔

۶۔ مجلسِ منتظمہ تمام سلسلہ کے جملہ امور' انتظام و انصرام' نظم و ضبط اور سلسلہ کی ظاہری اور روحانی ہیئت کذائی کو قائم رکھنے کے لئے بااختیار اور ذمہ دار ہوگی۔ مجلسِ منتظمہ کے فیصلے سلسلہ کے ہر فرد پر نافذ العمل اسی طرح ہوں گے جس طرح میرے احکام کی تعمیل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس مجلس کی تشکیل میرے حکم سے ہو رہی ہے۔ مجلسِ منتظمہ کا انتخاب نہیں ہوگا۔ اسامی خالی ہونے کی صورت میں مجلسِ منتظمہ کی متفقہ رائے سے پُر کر لی جائے گی جس کو میرے جانشین کی تائید حاصل ہوگی۔ اسی طرح یہ سلسلہ ہمیشہ رہے گا۔ مجلسِ منتظمہ کے کسی مسئلہ یا معاملہ میں اختلاف کی صورت میں روحانی جانشین کے نامزد کردہ ممبر کی رائے فیصلہ کن ہوگی جو مجلسِ منتظمہ کے ارکان میں سے ہوگا۔

۷۔ مجلسِ منتظمہ روحانی جانشین کو علیحدہ کرنے کی مجاز ہوگی بشرطیکہ جانشین میری مندرجہ بالا ہدایات کی خلاف ورزی کر رہا ہو۔

۸۔ تصوّف و سلوک کے سلسلہ میں سالک اور شیخ کے درمیان روحانی معاہدہ ہوتا ہے جسے بیعت کہتے ہیں اور شیخ جس کو اس کا اہل سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے' اسے مجاز بنا دیتا ہے۔ میرے مجازین صرف مجازِ صحبت ہوں گے۔ مجازِ بیعت صرف میرا روحانی جانشین ہوگا۔ میرے مجاز مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) مولانا محمد اکرم صاحب (۲) حافظ عبدالرزاق صاحب (۳) کرنل مطلوب حسین

صاحب لاہور (۴) سیّد بنیاد حسین صاحب سرگودھا (۵) مرزا محمد احسن بیگ صاحب سیالکوٹ (۶) حاجی حبیب الرحمٰن صاحب سیالکوٹ (۷) سیّد امان شاہ صاحب کوہاٹ (۸) غازی مرجان صاحب کرک (۹) حافظ غلام قادری صاحب چکوال (۱۰) غلام محمد صاحب واں بھچراں (۱۱) سیّد محمد حسن صاحب ژوب (۱۲) محمد ہاشم صاحب دالبندین (۱۳) خان محمد صاحب ایران (۱۴) مزمل حق صاحب بنگلہ دیش (۱۵) مولانا عبدالغفور صاحب مستونگ (۱۶) مختار احمد صاحب پنڈی گھیب (۱۷) حکیم محمد صادق صاحب جھنگ (۱۸) گوہر رحمٰن صاحب آزاد کشمیر (۱۹) اختر حسین صاحب کراچی (۲۰) مولانا غلام مصطفٰی صاحب شنکیاری۔

۹۔ میں نے سلسلہ کے انتظامی مور کے لئے کرنل مطلوب حسین صاحب (لاہور) کی صلاحیتوں اور خدمات کے پیشِ نظر سلسہ کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ کرنل صاحب کے بعد مجلس منتظمہ ناظمِ اعلیٰ مقرر کرنے کی مجاز ہوگی اور اُس کے اختیارات اور دائرہ کار کا تعین کرے گی۔

۱۰۔ سلسلہ کی نشر و اشاعت کا شعبہ روحانی تربیت کا حصہ ہے۔ اس پہلو کی نشو ونما اور تحفظ و بقا کے لئے ادارہ نقشبندیہ اویسیہ کے تابع ماہنامہ المرشد اور جملہ تصانیف کی طباعت و اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔ اس شعبے کو دارُالعرفان کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ میں اپنی تمام تصانیف اور ان کے حقوق اور المرشد کو ادارے کی ملکیت میں دیتا ہوں۔ میرے کسی وارث کو حقِ وراثت نہ ہوگا۔

(۱۱) ادارہ نقشبندیہ اویسیہ (شعبہ نشر و اشاعت) کی انتظامی ہیئت کذائی

اس طرح ہوگی کہ میری زندگی میں میرے شاگردِ اوّل حافظ عبدالرزاق (چکوال) نے ادارے کی نشرو اشاعت اور استحکام کے لئے زندگی کا قیمتی حصہ وقف کر رکھا ہے' اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ میں حافظ عبدالرزاق صاحب کو ادارہ نقشبندیہ اویسیہ کا ناظم نشرو اشاعت مقرر کرتا ہوں جو تابع مجلسِ منتظمہ کام کریں گے اور حافظ صاحب کے بعد مجلسِ منتظمہ موزوں آدمی کا انتخاب کرے گی۔ نشرو اشاعت کے کام کے لئے حافظ عبدالرزاق صاحب کی معاونت کے لئے ان کی زیرِ نگرانی اور حسبِ ہدایت کمیٹی نشر و اشاعت بنائی جاتی ہے جس کے ارکان حسبِ ذیل ہیں۔ یہ کمیٹی مجلسِ منتظمہ کے بنیادی فیصلوں کے تابع ہوگی۔ (۱) سیّد بنیاد حسین نقوی صاحب (۲) پروفیسر باغ حسین کمال صاحب (۳) فضل اکبر صاحب (۴) حاجی الطاف احمد صاحب (۵) محمد حامد صاحب۔

۱۲۔ دارالعرفان چونکہ متوسلین کی ذاتی کوششوں اور قربانی سے تعمیر ہوا ہے اور اس کے ذیلی مراکز بھی اسی طرح متوسلین کی کوشش کا نتیجہ ہوں گے' اس لئے میرے عزیز و اقارب یا ورثاء یا میرے کسی روحانی جانشین کے ورثاء دارُالعرفان یا دارُالعرفان سے منسلک کسی ادارہ کی جائیداد کے وارث نہ ہوں گے اور نہ ہی ان کا کوئی واسطہ یا استحقاق ہوگا اور یہ خالصتہً سلسلہ کے زیرِ انتظام اور ملکیتِ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ ہوں گے۔

(۱۳) تحریر ہذا کے علاوہ میرے کسی وارث یا سلسلہ کے کسی فرد کے پاس

میری کوئی تحریر ہو جو تحریر ہذا سے متصادم یا اس کی کسی شق کے خلاف ہو تو وہ کالعدم تصور ہوگی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی۔

(۱۴) وصیت ہذا کے لئے اسٹامپ کی خریداری اور تحریر کرنے اور محفوظ رکھنے کی ذمہ داری میں نے اپنے خادم امان اللہ لک ایڈووکیٹ گجرات کے سپرد کی ہے۔

گواہ شد	العبد
امان اللہ لک ایڈووکیٹ گجرات	مولوی اللہ یار خان ولد ملک ذوالفقار خان
تحریر کنندہ	قوم اعوان
	سکنہ چکڑالہ ضلع میانوالی
گواہ شد	(دستخط)
محمد حامد	

ایف ۔۲۲ ۷ سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی

اسی وصیت نامہ کی روشنی میں حضرت امیرالمکرّم کے فرمان کے تحت سلسلۂ عالیہ کا دستورالعمل مرتب کیا گیا۔ جسے مجلسِ منتظمہ کے ارکان کی مکمل توثیق کے بعد رجسٹرڈ کروایا گیا۔

سفرِ مسلسل

حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو اللہ کی راہ میں ایک سفرِ مسلسل کی صورت نظر آتی ہے۔ اس مسافرت کا آغاز حصولِ تعلیم کے لئے ہوا۔ 1925ء سے 1933ء تک کے آٹھ سالہ دور میں آپؒ نے مختلف اساتذہ سے تعلیم پائی۔ دہلی میں مفتی کفایت اللہؒ کے ہاں دو سال قیام رہا تو سیّد انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ کے لئے کشمیر بھی گئے۔ حصولِ تعلیم کا دور ختم ہوا تو ایک نئے سفر کا آغاز ہوگیا۔ یہ راہِ طریقت کا سفر تھا۔ مسلسل تین سال گھر سے دور لنگر مخدوم، ضلع سرگودھا میں مسافرت کی صورت میں گزارے۔ واپس لوٹے تو اب دربارِ نبوی ﷺ سے ناموسِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تحفظ کی ڈیوٹی پر مامور فرمائے گئے۔ ادائیگیٔ فرض میں اب حضرت جیؒ ملک کے طول و عرض کے دورے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نہ صرف پنجاب بلکہ آپؒ نے سندھ اور کشمیر کے طویل سفر کئے اور یہ ایسا دور تھا کہ بمشکل زادِ راہ کا انتظام ہو سکتا۔ اس دور کے وسائل کو دیکھیں تو یہ سفر خاصے کٹھن تھے لیکن راہِ حق کے مسافر کے لئے آرام کہاں! یہ آپؒ کی زندگی کا مناظرانہ دور تھا۔ جس کی ابتداء میں آپؒ تنہا نظر آتے تھے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد جب یہ کام آپؒ کے ہمعصر جیّد علماء اور مناظرین نے سنبھال لیا، جن میں سے کئی ایک کی آپؒ نے تربیت بھی

فرمائی' تو آپؒ نے سلسلۂ عالیہ کی ترویج کے لئے خود کو وقف کر دیا۔

حضرت جیؒ نے شبانہ روز محنت کرتے ہوئے اللہ کے بندوں کی ایسی جماعت تیار کی جنہیں صبح و شام و دربارِ نبوی ﷺ کی حاضری نصیب تھی اور اس طرح آپؒ کے یہ ساتھی حیات النبی ﷺ کا عملی ثبوت تھے۔ آپؒ نے یہ کام کسی ایک جگہ' کسی خانقاہ یا کسی مرکز میں بیٹھ کر نہیں کیا بلکہ اس کے لئے مسلسل سفر کئے جن کی طوالت آپؒ کی سابقہ مسافرت کے مقابل کہیں زیادہ تھی۔ عمر کے ساتھ ساتھ صحت کی پہلی سی حالت بھی نہ رہی۔ مختلف عوارض لاحق تھے لیکن خرابیٔ صحت آپؒ کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکی۔ آپؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ دعوت رد نہ فرماتے اور احباب کے پاس خود پہنچتے۔ جس شخص میں طلب نظر آئی اس کی تربیت فرما کر بشرطِ استعداد دربارِ نبوی ﷺ میں پیش کر دیا۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے:

"تم سب میرے مرید نہیں' مراد ہو۔ مرید ہوتے تو تم میرے پاس آتے۔ میں تمہارے پاس چل کر آتا ہوں' تکلیف اٹھاتا ہوں۔"

اوائل دور میں آپؒ کے اکثر سفر چکڑالہ سے منارہ' چکوال اور لنگر مخدوم تک محدود تھے لیکن جماعت میں وسعت کے ساتھ ساتھ سفر بھی طویل ہوتے چلے گئے۔ 1960ء کی دہائی میں آپؒ نے لاہور' ملتان' کراچی اور کوئٹہ کے متعدد سفر کئے۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ گذشتہ ابواب میں گزر چکا ہے۔ حضرت جیؒ نے متعدد شہروں میں جمعہ کا خطاب فرمایا۔ ملاقات کے لئے آنے والے احباب کو خوب وقت دیتے اور ان کی تشفی فرماتے۔ حضرت جیؒ علم کا خزانہ تھے۔ آپؒ کے دوروں کی مقامی علماء کو خبر ہوتی تو ملاقات کے

لئے حاضر ہو جاتے۔ آپؒ انہیں خصوصی وقت دیتے اور سیر حاصل علمی گفتگو ہوتی۔ ان علمی مجالس کی قدر و منزلت سے وہ احباب بخوبی آگاہ ہیں جنہیں کبھی ان میں شرکت کا موقع مل سکا۔

ان تمام مصروفیات کے ساتھ ذکر و فکر اور احباب کی تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ دورانِ تربیت حضرت جیؒ تبدیلیٔ لطیفہ کے متعلق صرف خیال فرماتے اور سالک کی توجہ اگلے لطیفہ پر چلی جاتی۔ بعض اوقات سالک یہ خیال کرتا کہ حضرت جیؒ اسے اگلے اسباق پر چلانے والے ہیں اور ایسا ہی ہوتا۔ ایک مرتبہ ذکر کے لئے آتے ہوئے راستے میں راقم کی سواری خراب ہوگئی تو دل نے کہا' آج ہر صورت پہنچنا ہے کہ حضرت جیؒ سالک المجذوبی میں چلائیں گے۔ یہی ہوا' حضرت جیؒ نے تین احباب کے ہمراہ الگ بٹھا دیا اور مراقبات میں نام لے کر اس مقام پر چلایا۔ پیچھے رہنے پر خبردار کیا اور پھر فرمایا ''اب ٹھیک ہے۔'' احباب کے لئے ایسے واقعات روزمرہ کا معمول تھے۔

1970ء کی دہائی میں صوبہ سرحد اور شمالی علاقہ جات کے دوروں کا آغاز ہوا۔ حضرت جیؒ صوبہ سرحد اور بالخصوص پاکستان اور افغانستان کے مابین سرحدی علاقے سے خاصے پُر امید تھے۔ فرمایا کرتے:

''مجھے ان پہاڑوں سے روشنی نظر آتی ہے۔''

ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا:

''مشائخ کا فرمان ہے کہ اب ریت چھاننے کے بجائے پہاڑوں کا رخ کریں۔''

یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے حیاتِ طیبہ کے آخری عشرہ میں کثرت سے صوبہ سرحد اور بلوچستان کے دور افتادہ علاقوں کے دورے فرمائے۔

1975ء میں حضرت جیؒ صوبہ سرحد کے دورہ پر تشریف لائے تو پشاور میں مرکزی دارالقراء جامع مسجد نمک منڈی میں دورۂ حدیث کا افتتاح کیا۔ آپؒ نے بخاری شریف کی حدیث پاک اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات پڑھنے کے بعد اس کے ترجمہ اور تشریح سے کتابُ الوحی کا آغاز کیا۔

افغان سرحد پر

جون 1976ء میں حضرت جیؒ نے صوبہ سرحد کا دورہ فرمایا تو قبائلی علماء اور عمائدین نے آپؒ کو لنڈی کوتل مدعو کیا۔ اس وقت افغانستان پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ بغرضِ دعاء احباب آپؒ کو طورخم بھی لے گئے۔ حضرت جیؒ نے طورخم پوسٹ سے شمال کی جانب دو تین سو گز افغان سرحد پر چہل قدمی فرمائی۔ دیر تک افغانستان کی سمت دیکھتے رہے' پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ احباب نے عرض کیا' حضرت پورے ملک پر توجہ فرماتے ہوئے دعا کریں۔ احباب کی درخواست پر آپؒ نے دوبارہ دعا کی۔ اسی دورے میں حضرت جیؒ پشاور میں خالد باغ سے متصل کور ہیڈ کوارٹر کی مسجد کے ایک اجتماع میں شریک ہوئے جہاں حضرت امیر المکرّم نے خطاب کے دوران فرمایا کہ روس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بدلے افغانستان کو سب کچھ دینا چاہتا ہے لیکن وہاں کے غیور مسلمانوں نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے جبکہ روس اس کلمہ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ جنگ اب اس کلمہ کے بقا کی جنگ ہے۔

پشاور کے دوروں میں حضرت جیؒ کی میزبانی ہمیشہ صوبہ سرحد کے امیر حاجی الطاف احمدؒ کے حصہ میں آتی۔ آپؒ نے 1977ء میں ان کے ہاں قریباً دو ہفتہ مسلسل قیام فرمایا۔ آپؒ کے قیام کے دوران میزبان گھرانہ اس بات کا خیال رکھتا کہ کھانا تیار کرنے والوں میں کوئی بے نمازی نہ ہو۔

بصورتِ دیگر یہ کھانا تناول فرمانے سے آپؒ کو بخار ہو جاتا جو خوراک کے اثرات ختم ہونے تک برقرار رہتا۔

حضرت جیؒ نے مارچ 1978ء میں صوبہ سرحد کا دورہ فرمایا تو اکوڑہ خٹک کی معروف دینی درسگاہ مدرسہ حقانیہ کا معائنہ کیا۔ اس موقع پر حضرت مولانا عبدالحقؒ کے ساتھ طویل علمی نشست ہوئی۔ حضرت جیؒ نے اس نشست کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''مختلف موضوعات پر بات چلی' قادیانیت' روافض' بدعات پر۔''

مولانا عبدالحقؒ نے اس ملاقات کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے:

''پہلی بار کسی پیر سے اس قدر مدلّل رَد سنا ہے فرقِ باطلہ کا' صوفی رد نہیں کیا کرتے۔ مناظر بھی ہو' صوفی بھی ہو' بڑی عجیب بات ہے!''

اسی دورہ کے تسلسل میں آپؒ واہ کینٹ تشریف لے گئے۔ سوات روڈ کی جامع مسجد میں حضرت امیرالمکرّم کے خطاب کے بعد آپؒ نے نمازِ جمعہ کی امامت فرمائی لیکن خرابیٔ صحت کی بنا پر ظاہری بیعت کا پروگرام مؤخر کر دیا۔ نماز کے فوراً بعد آپؒ نے راقم کے عقد کے پروگرام میں شرکت فرمانا تھی لیکن خرابیٔ صحت کے پیشِ نظر یہ ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ مسجد سے نکلتے ہوئے بطور یاد دہانی عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا' چلو۔ علالت کے باوجود تشریف لے گئے اور خود نکاح پڑھایا جو آپؒ کی کمال شفقت اور محبت کا اظہار تھا۔

احباب کی خواہش ہوا کرتی کہ حضرت جیؒ سے نکاح پڑھانے کی

سعادت حاصل کریں۔ عمومی طریقہ یہ تھا کہ اس کے لئے فریقین حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ یا منارہ حاضر ہوتے۔ نکاح پڑھنے سے پہلے آپؒ دلہن کے وکیل اور گواہوں سے مختلف سوالات کے ذریعے تسلی فرماتے کہ دلہن سے ایجاب وقبول شرعی تقاضوں کے مطابق حاصل کیا گیا ہے۔ اگر کبھی نکاح والے گھر خود جانے کا اتفاق ہوتا تو ولی یا وکیل اور گواہوں کو دلہن کے پاس ایجاب و قبول کے لئے بھیجتے ہوئے تاکید فرماتے کہ اوّل سلام مسنون پیش کریں اور اس کے بعد ایجاب وقبول حاصل کریں۔ واپسی پر گواہوں سے تسلی کرنے کے بعد ولی سے ہمیشہ اجازت طلب کرتے' مجھ کو اجازت ہے میں نکاح پڑھا دوں؟

حضرت جیؒ خطبہ نکاح درج ذیل ترتیب کے مطابق پڑھا کرتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْد فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ
بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا
فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى
وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ . فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ
وَلَكُمْ فِى الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعْنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ
وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَّادٌ مَلِكٌ قَدِيْمٌ كَرِيْمٌ
بَرٌّ رَّؤُفٌ الرَّحِيْمِ.

اس کے بعد حضرت جیؒ دلہا کا نام لے کر اس سے مخاطب ہوتے:
''........فلاں (دلہن کا نام) دختر ......فلاں (دلہن کے والد کا نام) اس کے بعد بمقابلہ ......(حق مہر) روبرو ان گواہوں کے تمہیں قبول ہے۔ (صرف ایک مرتبہ فرمایا کرتے۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بِحُرْمَةِ سَيِّدُ الْاَنْبِيَاءِ ﷺ. اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ
بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ آدَمَ وَحَوَّا. اَللّٰهُم اَلِّفْ بَيْنَهُمَا

كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ اِبْرَاهِيمَ وَسَارَةَ. اَللّٰهُم اَلِّفْ بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ و عَائِشَةُ صِدِيْقَة اَجْمَعِيْن.......

ستمبر 1978ء میں حضرت جیؒ نے کوئٹہ کا دورہ فرمایا۔ 29 ستمبر جمعہ کا روز تھا۔ اس دورہ میں حضرت امیر المکرّم اور حافظ عبدالرزاق نے کوئٹہ کی مختلف مساجد میں جمعہ کا خطاب فرمایا۔ ہفتہ کو آپؒ سٹاف کالج کوئٹہ تشریف لے گئے جہاں کمانڈنٹ اور چیدہ چیدہ اساتذہ سے ایک خصوصی نشست ہوئی۔ کوئٹہ میں قیام کے دوران حضرت جیؒ نے ایک دن مستونگ میں مولانا عبدالغفور کے مدرسہ میں علماء کے ساتھ گزارا۔

اس دورہ کے تسلسل میں حضرت جیؒ تین دن کے لئے کراچی تشریف لے گئے جہاں احبابِ سلسلۂ عالیہ کے ساتھ ذکر وفکر کی مصروفیات کے علاوہ ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل (پی سی) کے سٹاف سے بھی خطاب فرمایا۔

3 اکتوبر 1978ء کو حضرت جیؒ ملتان تشریف لائے۔ یہاں آپؒ حضرت غوث بہاؤالدین زکریاؒ کے مزار پر گئے اور 5 سگنلز بٹالین کے افسران اور جوانوں سے خطاب فرمایا۔ اسی روز آپؒ کا ایک خطاب اسٹیشن ہیڈکوارٹر کی مسجد میں بھی ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ذکر وفکر اور صحبتِ شیخ کے خصوصی پروگرام بھی چلتے رہے۔

فرشتوں سے آگے

ملتان کے دورہ کے بعد حضرت جیؒ پشاور تشریف لائے۔ یہاں 19 اکتوبر 1978ء کو علماء اور احباب کی ایک محفل میں آپؒ نے فرمایا:

''شیخ شہاب الدین سہروردی نے العارف المعارف میں

لکھا ہے کہ تصوّف کو صرف وہ آدمی جان سکتا ہے' مان سکتا ہے یا سمجھ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق سمجھتا ہو۔ وہ قادر ہے جو ایسا کرا سکتا ہے۔ جس کا یقین پختہ نہ ہو وہ اِسے نہیں مان سکتا۔ عالم ہو' جاہل ہو سب اس معاملے میں برابر ہیں۔ عقل حیران رہ جاتی ہے' اوروں کی باتیں چھوڑیں' میرا اپنا معاملہ یہ ہے کہ انتہائی کتابیں پڑھتا تھا۔ قاضی مبارک' خیالی' تفسیر بیضاوی۔ اس وقت استادوں نے یہ فرمایا کہ مجدّد صاحب لکھتے ہیں کہ جب بیت المعمور کا طواف کیا تو فرشتوں نے کہا کہ انسان ہو کر ہم سے آگے بڑھتے ہو۔ میں نے کہا حضرت کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ نے امام ربانی کو بیت المعمور کا طواف کرا دیا' یہ کیا بات ہے' یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اب سمجھ آتی ہے۔ فرشتے طواف کرتے ہیں۔ جب ہم مل کر کرتے ہیں' آگے بڑھ جاتے ہیں' وہ اتنا تیز نہیں کرتے جتنا ہم کرتے ہیں۔''

اس دورہ میں حضرت جیؒ کی پشاور تشریف آوری کے موقع پر راقم شدید علالت کی وجہ سے CMH میں داخل تھا۔ آپؒ CMH تشریف لائے' کچھ دیر کمرہ میں رہے اور مرض کی مناسبت سے خوراک کے متعلق ہدایات دیں۔ طویل علالت کی وجہ سے پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا ''اللہ صحت دے گا اور آپ سے کام لے گا۔'' الحمدلِلّٰہ! ان دنوں سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ کے ایک صاحبِ کشف بزرگ جو اپنے مریدین کے ہاں پشاور آئے ہوئے تھے جو راقم کی دلجوئی کے لئے روزانہ CMH آتے۔ حضرت جیؒ کے جانے کے بعد وہ

معمول کے مطابق تشریف لائے تو سیدھے اسی کرسی پر بیٹھ گئے جہاں کچھ دیر قبل آپؒ تشریف فرما تھے۔ وہ بزرگ حیرت کے عالم میں کرسی سے اٹھے' دائیں بائیں دیکھا اور کہنے لگے:

''کیا بات ہے آج کمرے کی فضا بدلی ہوئی ہے؟''

راقم نے عرض کیا:

''حضرت! ابھی میرے شیخ یہاں تشریف فرما تھے۔''

پشاور ہی کے ایک دورہ کا ذکر ہے کہ مشہور محقق ڈاکٹر کے۔بی۔نسیم' جو ان دنوں پشاور یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے صدر تھے' حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے آئے۔ آپؒ سے تعارف کرایا گیا کہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت سلطان باہوؒ پر تحقیقی کام کیا ہے اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اس وقت حضرت جیؒ کی خدمت میں آپؒ کے معتمد علیہ' صاحبِ کشف شاگرد مختار احمد صاحب بھی حاضر تھے۔ حضرت جیؒ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا' میرے قلب پر خیال کریں اور دیکھیں کہ حضرت سلطان باہوؒ کس جگہ دفن ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کچھ عرصہ قبل اس محفل کی روداد سناتے ہوئے اعتراف کیا کہ اس وقت میں نے دل میں سوچا کہ اب تو یہاں ''بچہ جمورا'' والا کھیل شروع ہو گیا ہے۔ مختار صاحب کہنے لگے' حضرت! مزار تو خالی ہے اور حضرت سلطان باہوؒ کی قبر دریا کے درمیان ایک ٹیلے پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ جب حضرت جیؒ کے پوچھنے پر مختار صاحب نے حضرت سلطان باہوؒ کا حلیہ بیان کرنا شروع کر دیا تو میں سمجھ گیا کہ اس قدر درست اور تفصیل کے ساتھ حلیہ بیان کرنا ممکن ہی نہ تھا جب تک کہ مکمل طور پر حقیقتِ حال سے آگاہی نہ ہو۔

حضرت جیؒ کی صحت تیزی سے انحطاط پذیر تھی۔ بذریعہ کار سفر کرتے ہوئے جھٹکے لگنے سے اختلاجِ قلب کی شکایت ہو جاتی اور طویل سفر کے دوران تھکاوٹ سے بخار ہو جاتا۔ آپؒ کی عمر 75 سال سے متجاوز تھی اور گرتی ہوئی صحت ان دوروں کی اجازت نہ دیتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپؒ کی مسافرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

گلگت کا پہلا دورہ

1979ء میں چکڑالہ کے ایک ماہانہ اجتماع میں گلگت کی جماعت حاضر ہوئی اور حضرت جیؒ سے استدعا کی کہ آپؒ شمالی علاقہ جات کا بھی دورہ فرمائیں۔ آپؒ نے توقف کے بعد فرمایا! کس کے پاس جاؤں' صرف چھلت (ہنزہ) میں ایک شخص لطائف والا نظر آتا ہے۔ بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ شخص کوئی مسافر تھا جو چین جاتے ہوئے یہاں پہنچا تو وقتِ آخر آ گیا۔ ایک ساتھی نے عرض کیا' اسی راستے میں حضرت سیّد اسماعیل شہیدؒ بھی بالاکوٹ میں آرام فرما ہیں۔ ان کا تذکرہ چھڑ گیا تو ایک صاحب کہنے لگے کہ شاہ صاحب کے بارے میں اکثر متشدّدانہ رویہ کی شکایت ملتی ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا:

> ''شاہ صاحب سے روحانی رابطہ پر معلوم ہوا کہ ان سے منسوب کتاب 'صراطِ مستقیم' جو اکثر وجہ' تنقید بنائی جاتی ہے' ان کی تصنیف نہیں۔ شاہ صاحب البتہ سخت طبیعت رکھتے تھے۔ کہہ رہے ہیں کہ میں نے سالکُ المجذوبی کی چوتھی منزل میں وفات پائی ہے' آپؒ تکمیل کرا دیں۔''
>
> اسی لمحہ ان کی یہ خواہش حضرت جیؒ کی توجہ سے پوری ہوئی۔

حضرت جیؒ نے گلگت کے دورہ کے لئے احباب کی درخواست قبول

فرماتے ہوئے 24 اکتوبر 1979ء سے 28 اکتوبر 1979ء تک گلگت کا دورہ فرمایا۔ یہ دورہ تین روزہ تھا لیکن ایک دن کا اضافہ فلائٹ نہ ملنے کی وجہ سے ہوا۔ اس دورہ میں آپؒ نے DC گلگت کے ہاں قیام فرمایا۔ مقامی علماء کا ایک وفد ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور اہلِ تشیع کے حوالے سے علمی گفتگو ہوئی۔ حضرت جیؒ نے ماخذ کتب سے حوالہ جات دیئے جو علماء کے لئے باعثِ حیرت تھے۔ آپؒ نے جمعہ کا خطاب مرکزی جامع مسجد گلگت میں فرمایا جس میں مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ پر بات ہوئی۔ آپؒ نے اس خطاب کے دوران اَلْمُهَنَّدُ عَلَى الْمُفَنَّد کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور تمام اکابر دیوبند علماء مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ پر متفق تھے اور جس کے ثبوت میں ان کی دستخط شدہ تحریر بھی موجود ہے۔ بعد میں صرف ان علماء نے حیات النبی ﷺ کا انکار کیا جن کا تصوّف وسلوک سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

گلگت سے واپسی کے سفر میں عبدالجبار صاحب (فیصل آباد) کی حضرت جیؒ کے دستِ مبارک پر ظاہری بیعت ہوئی جو اس لحاظ سے منفرد ہے کہ ہوائی سفر میں یہ پہلی اور آخری بیعت تھی۔

گلگت کے اس دورہ کے چند روز بعد حضرت جیؒ نے نومبر 1979ء میں ملتان، کراچی، لاہور، اوکاڑہ اور جہلم کا دو ہفتہ کا دورہ فرمایا۔ مئی 1980ء میں حضرت جیؒ نے کراچی کا دورہ فرمایا اور واپسی پر ملتان کے احباب کو وقت دیا۔

راولپنڈی

راولپنڈی کی یہ خوش قسمتی رہی کہ مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے حضرت جیؒ نے اپنے بیشتر دوروں کے آغاز یا اختتام پر یہاں قیام فرمایا۔ 1980ء میں آپؒ یہاں تشریف لائے تو آپؒ کی محفل میں مشہور قانون دان

مسٹر اے کے بروہی حاضر ہوئے تو راقم نے انہیں قریب سے دیکھا۔ ابتداء میں وہ زمین پر آلتی پالتی مارے آرام سے بیٹھے ہوئے تھے لیکن کچھ دیر بعد سمٹنے لگے' دو زانو بیٹھ گئے اور پھر کمالِ ادب کی تصویر بن گئے کیونکہ حضرت جیؒ جو کچھ فرما رہے تھے وہ ان کے حسبِ حال تھا۔ یہی حال افواج کے سینئر افسران کا بھی تھا۔ جو بھی آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس مردِ درویش کے جلال اور مرتبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

مشائخ کنونشن

جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں پیش رفت کے لئے 22 ستمبر 1980ء کو اسلام آباد میں ایک مشائخ کنونشن کا انعقاد کیا۔ ان دنوں منارہ کا سالانہ اجتماع جاری تھا۔ دعوت نامہ موصول ہوا تو حضرت جیؒ نے اس میں شرکت سے بیزاری کا اظہار فرمایا تاہم ساتھیوں کے اصرار پر راولپنڈی تشریف لے گئے۔ کنونشن میں تقاریر کا عمومی انداز یہ تھا کہ ہم صدرِ صاحب کے پروگرام سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں' ہمارے مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے جو ضرورت پڑنے پر جان تک کی بازی لگانے کو تیار ہیں۔ خوشامد سے بھری یہ تقاریر حضرت جیؒ کے مزاج پر گراں تھیں۔ آپؒ کچھ دیر اضطراب کے عالم میں پہلو بدلتے رہے لیکن جب مزید برداشت نہ ہوا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور منارہ روانہ ہو گئے۔ حضرت جیؒ کی عدم موجودگی میں حضرت امیر المکرّم نے آپؒ کی نمائندگی کی۔ کنونشن ختم ہوا تو جنرل ضیاء الحق ہال سے گزرتے ہوئے شرکاء سے ہاتھ ملانے لگے۔ اس موقع پر حضرت امیر المکرّم ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ جنرل صاحب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو حضرت امیر المکرّم نے فرمایا' صدر صاحب اتفاق کی

باتیں تو خوب ہوئیں لیکن اگر کسی کو اختلاف ہو تو وہ کیا کرے؟

جنرل صاحب نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا کہ اختلاف سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کوئی دیوبندی ہے' بریلوی ہے' اہلِ حدیث ہے لیکن نفاذِ اسلام پر سب متفق ہیں۔

حضرت امیرالمکرّم نے جواب دیا کہ یہ مسلک کا اختلاف نہیں' آپ کے طریقہ کار سے اختلاف ہے۔

جنرل صاحب نے ایک مرتبہ پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا' مولانا! آپ کا تعلق کس جگہ سے ہے؟ جب بتایا گیا کہ چکوال ضلع جہلم سے ہے تو صدر صاحب نے اپنے سٹاف سے کہا' ان کا پتہ نوٹ کرلو اور تفصیلاً گفتگو کے لئے بعد میں بلاؤ۔ اس طرح وہ موقع ٹال گئے۔

حضرت جیؒ کے وصال کے بعد جب صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق دارالعرفان آئے تو ایک الگ نشست میں حضرت امیرالمکرّم نے ان کے سامنے دو سوال رکھے:

> ''اوّل: نفاذِ اسلام کے لئے آپ کا طریقِ کار سست روی کا شکار کیوں ہے؟
>
> دوم: اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے آپ نے کس شخص یا ٹیم کو تیار کیا ہے؟''

پہلے سوال کا تو صدر صاحب نے یہ جواب دیا کہ وہ ایک وقت میں بہت سے محاذ کھولنے کے لئے تیار نہیں' افغانستان کے محاذ پر قابو پانے کے بعد اندرونی محاذ پر توجہ دیں گے (جس کا انہیں موقع نہ مل سکا)۔ دوسرے سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کے جانشین

نفاذِ اسلام میں بری طرح نا اہل ثابت ہوئے۔

کنونشن سے حضرت جیؒ کی اچانک واپسی ساتھیوں کے لئے غیر متوقع تھی۔ آپؒ نے اپنے ردِ عمل کا یوں اظہار فرمایا:

''ظلمت اس قدر تھی کہ لطائف ماند پڑ گئے۔''

مارچ اپریل 1981ء میں حضرت جیؒ نے پنجاب اور کراچی کا تین ہفتہ کا طویل دورہ فرمایا۔ 13 مارچ سے 18 مارچ تک آپؒ نے راولپنڈی' کھاریاں' سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے احباب کو وقت دیا۔ سیالکوٹ سے گوجرانوالہ آتے ہوئے چیمہ ہسپتال ڈسکہ میں نظر کا معائنہ کرایا تو دائیں آنکھ میں موتیا کی تصدیق ہوئی۔ 18 مارچ کو حضرت جیؒ لاہور پہنچے۔ لاہور شہر کی یہ خوش نصیبی ہے کہ ابتدائی دور میں حضرت جیؒ نے چکوال کے بعد لاہور کے دوروں کا آغاز فرمایا۔

قلعہ والے غوثؒ

مولانا احمد علی لاہوریؒ کو کشفاً شاہی قلعہ کی فصیل کے نیچے ایک غوث کے مرقد کا مشاہدہ ہوا تو انہوں نے لکھ دیا کہ اصلی سیّد علی ہجویریؒ کا مرقد لاہور قلعہ میں ہے اور سیّد علی ہجویریؒ وہ نہیں جو داتا صاحب کے نام سے معروف ہیں۔ لاہور کے اوائل دوروں میں حضرت جیؒ نے تصدیق کے لئے قلعہ کا چکر لگایا اور اس بات کی وضاحت فرمائی:

''مولانا لاہوریؒ کو غلطی لگی ہے۔ یہاں اور ہیں' وہاں اور ہیں۔ داتا صاحب اپنی جگہ پر موجود ہیں' نحیف ونزار ہیں' قطبِ مدار ہیں۔ قلعہ میں جو ہیں وہ اپنے وقت کے غوث تھے اور داتا صاحب سے قریباً ایک سو سال پہلے

آ ئے۔ جسمانی طور پر بھاری بھرکم' سرخ داڑھی ہے۔
اصل میں دونوں ایک ہی جگہ اور ایک ہی خاندان کے
تھے۔غوث صاحب نے دریا کے کنارے آ کر قیام فرمایا۔
اللہ سے دعا کی کہ میری قبر کو پرستش کی جگہ نہ بننے دینا۔
دریا سکڑ گیا' بڈھا راوی منٹو پارک سے دوسری طرف۔''

مساجد میں قیام:

حضرت جیؒ نے تحصیلِ علم کے دور میں ایک زمانہ مساجد میں بسر کیا۔ اپنے دوروں میں بھی امراء کے ہاں قیام کی بجائے مساجد کو ترجیح دیتے۔ لاہور کے اوائل دوروں میں اکھاڑہ بوٹا مل کی مسجد میں متعدد بار قیام فرمایا۔ کوئٹہ میں مسجد ڈیری فارم' مولانا عبدالقادر ڈھیروی اور قاری عبدالرحمٰن کی مساجد میں قیام فرمایا فرماتے۔ آخری دوروں میں ساتھیوں کی سہولت اور آپؒ کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے احباب کے ہاں قیام کا انتظام کیا جاتا۔

1981ء کے اس تین روزہ دورہ لاہور میں بھی حضرت جیؒ کا قیام مسجد نور میں تھا۔ یہاں آپؒ نے جمعہ کا خطاب بھی فرمایا۔اس دورہ کے ساتھ آپؒ نے شاہ کوٹ اور فیصل آباد کا بھی تین روزہ دورہ فرمایا جس کے بعد مزید ایک رات مسجد اکھاڑہ بوٹا مل میں گزاری۔ اس موقع پر آپؒ نے اپنی تصنیف ''تحریف القران'' کتابت کے لئے دی۔ دوبارہ لاہور آمد کا مقصد بھی اس کتاب کی اشاعت تھا جس کے بعد آپؒ فیصل آباد واپس چلے گئے جہاں سے بذریعہ پی آئی اے کراچی روانگی ہوئی۔

چکڑالہ کا زمیندار

کراچی میں ایک ہفتہ قیام کے بعد حضرت جیؒ ملتان تشریف

لائے۔ یہاں آپؒ نے تین روزہ قیام فرمایا۔ اس دوران آپؒ حضرت غوث بہاؤالدین زکریاؒ کے مزار پر بھی گئے۔ حضرت غوثؒ کے مزار سے اٹھے تو حضرت شاہ رکنِ عالمؒ کے مزار سے آگے گزر گئے۔ اس وقت آپؒ کے خادم ملک مختار احمد نے عرض کیا' حضرت شاہ رکن عالمؒ بھی آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس اثناء میں گاڑی آگے گزر چکی تھی۔ آپؒ نے واپسی کے لئے کہا اور مزار پر گئے۔ مزار پر مراقبہ کے بعد آنکھیں کھولیں تو حضرت امیرالمکرّم کی طرف دیکھا اور پوچھا' آپ کو کونسی ناراضگی ہے؟ حضرت امیرالمکرّم نے عرض کیا' میں کس قابل ہوں' بہت عرصہ پہلے حاضر ہوا تھا تو انہوں نے توجہ نہیں فرمائی تھی۔ اس وقت عرض کیا تھا کہ میں کچھ لینے نہیں آیا' فیض حاصل کرنے کے لئے چکڑالہ کا زمیندار ہی کافی ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا:

''ہم ابھی عالمِ ابتلا میں ہیں' ایک عام صاحبِ نجات بھی افضل ہے' ہمارا شاہ رکنِ عالمؒ سے کیا مقابلہ؟''

ملتان میں ہی حضرت جیؒ سے امارات اور عمرہ کے پروگرام کی منظوری حاصل کی گئی۔ حضرت امیرالمکرّم نے فرمایا:

''آپ لوگ پروگرام تو بنالیں لیکن اس پر عمل نہ ہو سکے گا۔ کیا تمہیں حضرت جیؒ کی مدینہ منورہ سے واپسی کا نظارہ یاد نہیں۔''

مدرسہ کبیر والا

ملتان میں دورانِ قیام مدرسہ کبیر والا کے علماء نے ایک وفد کی صورت میں حضرت جیؒ سے ملاقات کی اور مدرسہ کے دورہ کی دعوت دی۔ آپؒ ان کی دعوت پر 2 اپریل 1981ء کو مدرسہ کبیر والا تشریف لے گئے۔ آپؒ کی آمد پر مدرسہ میں روزمرہ کی تعلیمی سرگرمیاں موقوف کر دی گئیں اور

تمام اساتذہ اور طلباء استفادہ کے لئے ہال کمرے میں جمع ہو گئے۔ محفل شروع ہوئی تو کسی صاحب نے تنقیدی رنگ میں حضرت جیؒ سے سوال کیا:

''سنا ہے کہ آپ پہلی ہی محفل میں ایک شخص کو نبی کریم ﷺ سے بیعت کرا دیتے ہیں۔''

آپؒ نے نہایت تحمل سے جواب دیا:

''ہم لوگ کوئی بات سنتے ہیں تو فوراً اس پر یقین کر لیتے ہیں حالانکہ صرف دس پیسے کا خط لکھ کر حقیقتِ حال معلوم کی جا سکتی ہے۔ بات اس طرح نہیں ہے۔ میں سالک کی تربیت کرتا ہوں اور جب اہلیت دیکھتا ہوں' اسے دربارِ نبوی ﷺ میں پیش کر دیتا ہوں۔ جہاں تک روحانی بیعت کا تعلق ہے' اس کا تذکرہ تو خود علمائے دیوبند کی کتب تذکرۃ الرشیدیہ اور قولِ جمیل میں موجود ہے۔''

حضرت جیؒ نے علماء اور طلباء سے خطاب فرماتے ہوئے ادیانِ باطلہ کے مطالعہ پر زور دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اس دور میں خارجیت زوروں پر ہے اور ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ خارجیت کیا ہے؟ معتزلہ کا عقیدہ کیا ہے؟ قادیانیوں کے عقائد کیا ہیں؟ ہمیں مذاہبِ باطلہ کے عقائد معلوم نہ ہوں گے تو دفاع کس طرح کر سکیں گے۔

اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میرے پاس کچھ خارجی آ گئے اور تاریخ ابنِ کثیر کی جلد رکھ کر کہنے لگے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خروج حکومت کے خلاف بغاوت تھا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ مجھے ان پر انتہائی غصہ آیا' کتاب ان کے ہاتھ سے لی اور کہا:

> ''تمہیں شرم نہیں آتی یہ آگے کیا لکھا ہے۔ شہید حسین' کیا شہید باغی ہوتا ہے؟ اسے باغی کون کہتا ہے جو شہید ہوتا ہے۔ آپ کو شرم وحیا نہیں آتی کہ آپ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں' یزید کی دھڑ پر۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں۔''

اس واقعہ سے حضرت جیؒ نے بتایا کہ اگر آپؒ نے خود تاریخ ابنِ کثیر کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو ان لوگوں کے اعتراض کا جواب کس طرح دے سکتے تھے۔

مدرسہ کبیر والا میں علم کے متلاشی اساتذہ اور طالب علموں کے ساتھ حضرت جیؒ کی یہ محفل دو گھنٹہ جاری رہی۔ جس کے آخر میں طے پایا کہ حضرت جیؒ کی کتب ''الدین الخالص'' اور ''تہذیر المسلمین عن الکید الکاذبین'' منتہی طلباء کے نصاب میں شامل کر دی جائیں گی۔ اس محفل کے بعد مدرسہ کے مہتمم نے آپؒ سے بیعتِ طریقت کے لئے درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا:

> ''آپ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اس ضعفِ پیری میں توجہ سے روح کو منازل نہیں کرائے جا سکتے۔ یہ اس وقت تک ممکن ہے جب تک قوت موجود ہے۔ جو تعلیم و تعلّم کا کام آپ کر رہے ہیں' کرتے رہیں۔ اسی پر اللہ تعالیٰ آپ کو نوازے گا۔''

ملتان سے واپسی پر حضرت جیؒ لاہور کی مسجد نور پہنچے۔ یہاں مخلوق کا جم غفیر پہلے سے موجود تھا۔ یہ سیّد الایام تھا' حضرت امیر المکرّم کے خطاب کے بعد آپؒ نے نمازِ جمعہ کی امامت کی۔ بہت سے نئے احباب حلقہ میں آئے اور

حضرت جیؒ سے بیعت کی۔ راستے میں ایک رات سرگودھا میں ساتھیوں کے ساتھ قیام فرمانے کے بعد 4 اپریل 1981ء کو چکڑالہ مراجعت بخیر ہوئی۔

اگست 1981ء میں حضرت جیؒ نے بلوچستان کا دورہ فرمایا جس کی خاص بات منگچر میں علماء کے ساتھ آپؒ کی طویل نشست اور تاریخی خطاب ہے۔ آپؒ 9 اگست کو بذریعہ فوکر طیارہ کوئٹہ پہنچے اور یہاں کی ریلوے کالونی میں قاری عبدالرحمٰن کی مسجد میں قیام فرمایا۔ اگلی رات مستونگ میں قیام رہا۔ یہاں آپؒ کی ملاقات کے لئے ژوب سے علماء آئے جن کی دعوت پر ژوب کا بھی پروگرام بن گیا۔ 12 اگست کو آپؒ منگچر میں مولوی حبیب اللہ کے مدرسہ میں تشریف لے گئے جہاں 76 احباب' جن میں اساتذہ اور طلباء بھی شامل تھے' حلقہ' بیعت میں آئے۔ بعد میں منگچر کے مفصل میں کلی جامی غلام جان میں علماء کے ساتھ ایک نشست میں چالیس منٹ خطاب فرمایا۔ موجودہ دور میں علماء چونکہ تصوّف کو محض ایک اضافی چیز خیال کرتے ہیں چنانچہ آپؒ نے اس محفل میں تصوّف ہی کو موضوعِ سخن بنایا۔ آپؒ نے نبوت کے باطنی پہلو پر بات کرتے ہوئے حدیثِ جبریل کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ تصوّف دین کا حصہ ہی نہیں بلکہ دین کی روح ہے۔ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق بات ہوئی' اس ضمن میں آپؒ نے مختلف کتب بالخصوص تفہیمات الٰہیہ اور فیوض الحرمین' الفوز الکبیر کے حوالوں سے تصوّف کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپؒ نے علماء پر زور دیا کہ وہ مذاہبِ باطلہ کو بھی اپنے مطالعہ میں شامل کریں تاکہ ان کا مؤثر تدارک کرسکیں۔

علمِ لَدُنّی:

حضرت جیؒ عالمِ بے بدل تھے۔ سالہا سال متواتر تحصیلِ علم میں

صَرف کئے جس کے بعد عمر بھر تحقیق اور تصنیف و تالیف کا عمل جاری رہا۔ ہم عصر علمائے حق آپؒ کے علمی مرتبت کے معترف تھے اور استفادے کے لئے حاضر ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو ایک ایسی خصوصیت سے بھی نوازا تھا جو قرونِ اُولیٰ کے چند خاص الخاص علماء میں نظر آتی ہے۔ علم کی روشنی کے ساتھ نگاہِ بصیرت بھی حاصل ہو تو اس باطنی رہنمائی کو علم لدُنّی کہا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے اور صرف اس کے مقبول بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ حضرت جیؒ کی اس خصوصیت کا متعدد علمی مجالس میں اظہار ہوا۔

حضرت جیؒ کو بارگاہِ نبوت ﷺ میں حضوری کی وہ کیفیت حاصل تھی کہ ایک مرتبہ عالمِ جلال میں آپؒ کے منہ سے نکل گیا:

''میں نبی کریم ﷺ سے حدیث صحیح کرا سکتا ہوں' پوچھ سکتا ہوں۔''

یہ مقام علمِ لدنی سے بھی کہیں بلند اور اس دور میں ایک بہت بڑی بات تھی۔ آپؒ چکڑالہ کی مسجد میں طلباء کو مشکوٰۃ شریف پڑھا رہے تھے۔ حدیث بیان ہوئی کہ جو شخص نوافل بیٹھ کر پڑھے اسے نصف ثواب ملتا ہے' کھڑا ہو کر پڑھے تو پورا۔

آگے ذکر ہوا کہ نبی کریم ﷺ بیٹھ کر بھی پڑھتے تھے۔ طالبعلموں نے دونوں حدیثوں میں مطابقت کی بات کی تو آپؒ نے فرمایا:

''نبی کریم ﷺ بیٹھ کر پڑھیں تو بھی ثواب پورا اور کھڑے ہو کر پڑھیں تو بھی ثواب پورا۔''

طالبعلم نادانی سے پوچھ بیٹھے' یہ کیسے؟ جلال کے عالم میں حضرت جیؒ نے فرمایا:

''چلو تصحیح کرا لیتے ہیں۔''

اپنی بات تو اپنی تھی' مبادا کسی کے دل میں شائبہ رہ جاتا۔ ایک صاحبِ بصیرت ساتھی بھی اس موقع پر موجود تھے' ان سے کہا! نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر بتائیں۔ جواب ملا کہ آپؒ نے جو کہا وہ درست ہے۔

حضرت جیؒ قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے واقعات کا مشاہدہ کرا دیتے۔ ایک مرتبہ اشراق کے بعد طلباء کو قرآن کی تفسیر کے دوران اصحابِ کہف کا مشاہدہ کراتے ہوئے استفسار کیا' اصحابِ کہف کی تعداد کتنی ہے؟ ان کے کتے کا حلیہ کیا ہے؟ آج کسی کو ماضی میں لے جانا یا دیکھنے والے کے سامنے ماضی کو پیش کر دینا' کیا یہ کوئی کم کرامت ہے!

منگچر میں علماء سے گفتگو کے دوران بھی اس منبع علم کی بات چل نکلی۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ کشف مقصودی چیز نہیں اور نہ ہی ہم اسے مقصودی چیز سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس پر ہو جائے۔ شرعی دلائل صرف چار ہیں' کتاب اللہ' سنّت رسول اللہ ﷺ' اجماع امت اور قیاس۔ کشف اور الہام شرعی دلائل میں داخل نہیں' ہاں ان سے رموز اور اسرارِ شریعت حاصل ہوتے ہیں۔

اس کی مثال پیش کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا۔ چکوال میں ایک مولوی صاحب نے آپؒ سے سوال کیا تھا کہ تجلّیٔ باری تعالیٰ سے پہاڑی تو ریزہ ریزہ ہو گئی لیکن موسیٰ علیہ السلام صرف بے ہوش ہوئے' اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت جیؒ نے فرمایا! مجھے یاد تو نہیں مفسرین کرام نے کیا لکھا ہے' چلو دیکھتے ہیں۔ جب دیکھا تو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان وادی ہے۔ جس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہیں' وادی کے اِس پار ہے۔ وادی کے

اُس پار دوسری پہاڑی پر تجلّی کا نزول ہوا ہے۔

صرف حضرت جیؒ پر ہی کچھ موقوف نہیں' آپؒ کے شاگردوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ عطا کر رکھا تھا۔ آپؒ کے ہمراہ 1977ء میں حضرت امیرالمکرّم کے عمرہ کی روداد ''دیارِ حبیب ﷺ میں چند روز'' پہ نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ اُحد کے واقعات کس طرح نگاہِ باطن کے سامنے منکشف ہوئے۔ آپؒ کے ایک شاگرد میجر رشید کا یہ حال تھا کہ تلاوتِ قرآن کے دوران غزوات کا ذکر آتا تو ایک ایک واقعہ منکشف ہونے لگتا۔

کشف کو پرکھنے کے لئے شریعتِ مطہرہ کا علم لازم ہے وگرنہ شیطان اس منبع علم میں تصرّف کرتے ہوئے گمراہی کے راستے پر ڈال سکتا ہے۔ حضرت جیؒ ایک بار مراقبۂ سیرِ کعبہ کی حالت میں تھے کہ آپؒ کو ایک پالکی نظر آئی جس میں سے ایک پاؤں نمودار ہوا۔ آپؒ کو یہ تأثر دیا گیا کہ یہ حضور ﷺ کا پاؤں ہے' اسے آگے بڑھ کر بوسہ دو۔ حضرت جیؒ کے سامنے حقیقتِ حال واضح ہوگئی' آپؒ نے لاحول پڑھا تو وہ پالکی فوراً غائب ہوگئی۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضور ﷺ کی عادتِ مطہرہ کے خلاف تھا کہ آپ ﷺ بوسہ کے لئے کسی کے سامنے پاؤں بڑھائیں۔ اگر مزاجِ اقدس ﷺ سے آگہی نہ ہوتی' جو حدیث اور سیرت کے مطالعہ کے بغیر ممکن ہی نہیں تو شیطان کے اس وار سے بچنا محال تھا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد آپؒ فرمایا کرتے کہ اگر میں بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھتا تو میرا سب کچھ سلب ہو جاتا۔

منگچر سے حضرت جیؒ رات کو کوئٹہ واپس آئے اور 13 اگست کی صبح 5 بجے ژوب کے لئے روانہ ہوگئے۔ ساڑھے چھ گھنٹے سفر کے بعد گاڑی کے دونوں ٹائر پنکچر ہوگئے تو متبادل انتظام ہونے تک تین گھنٹے قریب ہی ایک کچے

کوٹھے میں گزارے۔ژوب سے اگلے روز کوئٹہ واپسی ہوئی۔ یہ ایک طویل سفر تھا اور ژوب کی سڑک انتہائی خستہ حالت میں تھی۔

14 اگست کو نوشکی کا دورہ ہوا۔کوئٹہ سے 15 اگست کو واپسی تھی لیکن پی آئی اے کا ٹکٹ ملا نہ ٹرین میں ایئر کنڈیشنڈ میں سیٹ مل سکی۔ بذریعہ چلتن ایکسپریس فرسٹ کلاس میں ساڑھے دس بجے دن کوئٹہ سے روانگی ہوئی اور تیس گھنٹے سفر کے بعد 16 اگست کو 4½ بجے دن لاہور پہنچے۔ یہاں رات کا قیام مسجد نور میں تھا۔17 اگست 1981ء کو چکڑالہ واپسی کے ساتھ یہ دورہ مکمل ہوا۔ اس دورہ کی تفصیلات کو یہاں بیان کرنے سے حضرت جیؒ کی ان تکالیف کی ایک جھلک پیش کرنا بھی مقصود تھی جو آپؒ نے مسافرتِ پیہم میں برداشت کیں۔

مرکزی دارالقراء پشاور

نومبر 1981ء میں حضرت جیؒ صوبہ سرحد کے دورہ پر آئے تو راستے میں پنجاب رجمنٹل سنٹر مردان میں دو گھنٹے گزارے اور وہاں کے افسران اور سٹاف کے ساتھ خصوصی نشست فرمائی۔اسی دورہ میں آپؒ نے اسٹیشن کمانڈر نوشہرہ جناب افضل جنجوعہ کی استدعا پر یہاں ہسپتال کی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ پشاور آئے تو یہاں کے علماء نے انفرادی ملاقاتوں کے علاوہ ایک اجتماعی نشست کی بھی استدعا کی۔ چنانچہ آپؒ نے مرکزی دارالقراء جامع مسجد نمک منڈی میں پشاور کے علماء کے ساتھ ایک خصوصی نشست فرمائی۔ مسجد میں مذاکرہ کی صورت میں علماء کے ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ نماز عصر تا مغرب جاری رہا۔علم کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔حضرت جیؒ نہ صرف علمی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار فرما رہے تھے بلکہ اس کی تائید میں مستند کتب کے حوالے

بھی دے رہے تھے۔ یہ نشست ختم ہوئی تو بعد از نمازِ عشاء حضرت امیر المکرّم نے محرم الحرام کی نسبت سے واقعہ کرب و بلا کے حوالہ سے ''پیغامِ شہدائے اسلام'' کے عنوان پر مسلسل تین گھنٹے خطاب فرمایا۔ طویل دورانیہ کے اس خطاب میں سامعین ہمہ تن گوش جم کر بیٹھے رہے۔

کوہاٹ میں علماء کے ساتھ ایک نشست

اسی دورہ کے تسلسل میں حضرت جیؒ کوہاٹ پہنچے تو آپؒ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپؒ کی قیام گاہ پر مقامی علماء ملاقات کے لئے آئے تو اس وقت آپؒ تکیہ سے ٹیک لگائے استراحت فرما رہے تھے۔ علماء کو دیکھا تو فرمایا! مجھے چارپائی سے نیچے بٹھا دو۔ علماء نے اگرچہ اصرار کیا کہ آپؒ چارپائی پر ہی تشریف رکھیں لیکن آپؒ نے فرمایا:

''علم کا احترام لازم ہے۔ میں آپ احباب کے ساتھ زمین پر ہی بیٹھوں گا۔''

حضرت جیؒ علماء کا بے حد احترام فرماتے۔ آپؒ کے متوسلین میں جیّد علماء اور مفتی حضرات بھی تھے' جن میں مفتی غلام صمدانی' مفتی عبدالاوّل (دارالعلوم کورنگی' حال بنگلہ دیش)' مفتی شعیب احمد' مفتی عبدالقدوس' مولوی محمد اکبر' شیخ الحدیث مولانا عبدالباقی (افغانستان)' مولانا خان محمد (ایرانی)' مولوی عبدالغفور اور مولانا ریاض احمد اشرفی وغیرہ شامل ہیں۔ ہم نے اکثر دیکھا کہ علماء اور بالخصوص مفتی غلام صمدانی اور مولوی محمد اکبر جب بھی حاضر خدمت ہوئے تو حضرت جیؒ نے کمال شفقت سے انہیں چارپائی پر اپنے ساتھ جگہ دی۔ کوشش فرماتے کہ آپؒ علماء کے ساتھ بیٹھیں خواہ اس کے لئے زمین پر ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے۔

کوہاٹ میں علماء کی اس محفل میں علالت کے باوجود آپؒ نے زمین پر بیٹھ کر گھنٹہ بھر گفتگو فرمائی۔ اس دوران پیشاب کی چھینٹوں کی وجہ سے تنگیٔ قبر کے بارے میں مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث‘ روح اور اس کی استعداد‘ حقیقتِ قبر‘ علیین‘ سجّین اور کئی دوسرے موضوع زیرِ بحث آئے۔

آپؒ کی یہ عالمانہ گفتگو ریکارڈ کرلی گئی جو المرشد میں شائع ہوئی اور اِنْ شَآءَ اللہ حیاتِ طیبہ کی دوسری جلد میں شامل کی جائے گی۔ علماء کے ساتھ یہ علمی محفل ختم ہوئی تو کرنل سلطان جنہیں بعد میں ''امام'' کے نام سے عالمی شہرت ملی‘ حضرت جیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ان کے رخصت ہونے پر آپؒ نے فرمایا!

''آج علی احمد میرے پاس ایک ہیرا لے کر آیا ہے۔''

بعد میں جہادِ افغانستان کے حوالے سے کرنل امام کے اہم کردار سے مترشح ہے کہ حضرت جیؒ نے کچھ دیکھ کر ہی یہ بات کہی تھی۔

جنوبی وزیرستان

نومبر 1981ء کے اس دورۂ سرحد میں جنوبی وزیرستان کا دورہ بھی شامل تھا۔ حسبِ پروگرام آپؒ نے کوہاٹ اور کرک کے بعد میر علی اور میرانشاہ میں دو روز قیام فرمایا۔ میر علی کے بازار سے گزر رہے تھے کہ رش کی وجہ سے گاڑیوں کا قافلہ رک گیا۔ اسی اثنا میں ساتھ والے ہوٹل سے ایک شخص نے آپؒ کی خدمت میں چائے کی پیالی پیش کی۔ جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی مرمت شدہ پیالی جس کی شرعی کراہت اپنی جگہ‘ لیکن اس کے ساتھ بازار کی نحوست واضح نظر آرہی تھی۔

پیالی حضرت جیؒ کے ہاتھ میں تھی اور ہم حیرت زدہ تھے کہ آپؒ

خوراک کے بارے میں اس قدر محتاط ہیں، یہ چائے کس طرح پئیں گے؟ حضرت جیؒ نے اس شخص کا دل رکھنے کی خاطر اپنی عادت مبارکہ کے خلاف چند گھونٹ لئے اور ٹریفک چلنے کے ساتھ ہی شکریہ کے ساتھ پیالی واپس لوٹا دی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اور خان صاحب نے آپؒ کی خدمت میں دم کرنے کے لئے پانچ روپے کا نوٹ پیش کیا۔ حضرت جیؒ نے اس کی خواہش کے مطابق نوٹ پر دم کیا تو اس نے انتہائی خوشی سے اپنے پرس میں محفوظ کر لیا۔ اظہارِ عقیدت کے اپنے اپنے انداز ہیں اور اپنی اپنی طلب۔ حضرت جیؒ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانے کے لئے بستی بستی سرگرداں تھے اور کوئی نوٹ دم کرانے پر ہی خوش تھا۔

خاتمہ بالایمان کی فکر

پشاور میں سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کے حکیم صغیر احمد صاحبِ نسبت اور صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ ان کے ہاں احباب کو جانے کا اتفاق ہوتا تو ہاتھ چوم لیتے۔ منع کرنے کے باوجود ان کی یہی کوشش ہوتی۔ سمجھ آ رہی تھی کہ یہ اکرام حضرت جیؒ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ہے۔ بات کھلی تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت جیؒ کے آئندہ دورۂ پشاور پر انہیں مطلع کیا جائے۔ آپؒ پشاور تشریف لائے اور واپس بھی چلے گئے لیکن سہواً حکیم صاحب کو اطلاع نہ کی جا سکی۔ کچھ ہی عرصہ بعد حکیم صاحب کا وصال ہو گیا تو انتہائی قلق ہوا کہ ان کی خواہش کو پورا نہ کیا جا سکا۔ حضرت جیؒ اسلام آباد آئے تو موقع پا کر حکیم صاحب کا تذکرہ کیا تا کہ آپؒ کی توجہ سے انہیں استفادہ ہو اور غلطی کا ازالہ ہو سکے۔ حضرت جیؒ نے حکیم صاحب کا نام لیتے ہوئے فرمایا:

''وہ جو جھک کر کھڑے ہوتے ہیں۔''

حکیم صاحب کی ایک ٹانگ میں عارضہ تھا اس لئے سیدھے کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ راقم نے تصدیق کی تو حضرت جیؒ فرمانے لگے:

''بڑی روشنیاں ہیں' خدا خبر ہمارا کیا ہوگا؟''

حکیم صغیر احمدؒ کی قبر میں نورانیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے خاتمہ بالایمان کے بارے میں جس فکر کا اظہار فرمایا' یہی وہ فکر تھی جو جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی آخر دم تک لاحق رہی اور یہی سوچ آخر وقت تک اہل اللہ کے ہاں بھی نظر آتی ہے۔

1982ء کے اوائل میں حضرت جیؒ نے فیصل آباد' کراچی' ملتان اور لاہور کا دورہ فرمایا۔ آپؒ کے اس دورہ کے دوران حضرت امیرالمکرّم نے کراچی میں پاکستان میرین اکیڈمی میں خطاب فرمایا۔ دورہ کے اختتام پر حضرت جیؒ لاہور تشریف لائے تو حسبِ معمول ایک رات کا قیام مسجدِ نور میں فرمایا۔ 4 مارچ کو آپؒ منٹو پارک (اقبال پارک) تشریف لے گئے تاکہ شاہی قلعہ والے غوث حضرت سیّد علی ہجویریؒ کے مدفن کے قریب پہنچ کر ان سے روحانی ملاقات کریں۔

6 مارچ کو آپؒ نے جامعہ اشرفیہ کا دورہ کیا اور یہاں کی لائبریری میں خاصی دیر تک بڑے انہاک سے کتب کا جائزہ لیتے رہے۔

7 مارچ1982ء حضرت جیؒ نے مسجد اقصیٰ (سمن آباد) میں صبح کی تعلیمی مصروفیات دیکھیں جس کے بعد' سرگودھا تشریف لے گئے۔ یہاں ساتھیوں کے ساتھ ایک رات قیام فرمایا اور 8 مارچ کو چکڑالہ روانہ ہوگئے۔ اس پندرہ روزہ دورہ کے اختتام پر چکڑالہ پہنچے تو ایک ایسی آزمائش سے دوچار ہونا پڑا جو نہ صرف حضرت جیؒ بلکہ احباب کے لئے بھی ایک انتہائی

تکلیف دہ صورتحال تھی۔

کٹھن آزمائش:

محبوب اولاد جسے خونِ جگر دے کر سینچا گیا ہو' اگر گمراہی کے راستے پر چل پڑے تو یہ والدین کے لئے کٹھن ترین آزمائش ہوتی ہے جس میں پیغمبر کا دل بھی لرز اٹھتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنے ناخلف بیٹے کو غرقاب ہوتے ہوئے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے:

"اللہ! میرے بیٹے کو بچالے کہ میرے ساتھ میرے اہل کو بچانے کا بھی وعدہ فرمایا ہے؟"

لیکن جب بتایا گیا کہ یہ ناخلف بیٹا اہل میں شامل ہی نہیں تو فوراً اپنی دعا سے رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عفو وکرم کی درخواست کی۔

حضرت جیؒ کو بھی ایک ایسی ہی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ آپؒ کا اکلوتا بیٹا عبدالرؤف ایک عرصہ سے دیکھ رہا تھا کہ چکڑالہ میں شب و روز احبابِ سلسلۂ عالیہ کی آمد و رفت رہتی ہے جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ حضرت جیؒ کی حیثیت چکڑالہ کے متمول زمینداروں سے کسی طرح کم نہ تھی لیکن آپؒ ان کے برعکس فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے تھے' عالی شان مکان' نہ شانِ امارت۔ اسے یہ فکر دامن گیر تھی کہ حضرت جیؒ اپنی زمینوں کی آمدنی کو' جس کا وہ خود کو اکلوتا وارث سمجھتا تھا' ساتھیوں پر صَرف کر دیں گے۔

اس نے فروری 1982ء میں حضرت جیؒ کے خلاف میانوالی سیشن جج کی عدالت میں ایک درخواست دائر کی کہ آپؒ فاترالعقل ہو چکے ہیں اور اپنی جائیداد کو جماعت (سلسلۂ عالیہ) کے لوگوں پر ضائع کر رہے ہیں جو اس کے مالک بن جائیں گے لہٰذا اسے عدالتی طور پر اپنے والد کی جائیداد کا نگران

مقرر کیا جائے۔ اس مقدمہ کی ایک کڑی کے طور پر عبدالرؤف نے 9 مارچ 1982ء کو صبح ساڑھے چھ بجے 70/60 افراد کے ہمراہ حضرت جیؒ کے گھر پر دھاوا بول دیا اور انہیں اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گیا تاکہ حضرت جیؒ کی ذہنی صلاحیت کو ادویات کے ذریعے متاثر کیا جائے اور بطور ثبوت آپؒ کی میڈیکل رپورٹ عدالت میں پیش کی جائے۔ بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالرؤف کے لاہور مینٹل ہسپتال کے چند ڈاکٹروں سے تعلقات تھے جنہیں وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اغوا کے موقع پر حضرت جیؒ کی حفاظت کرنے والے افراد کے خلاف طاقت کا استعمال کیا گیا لیکن جہاں تک آپؒ کی ذات کا تعلق تھا' کسی نے آپؒ کے خلاف کوئی نازیبا حرکت نہ کی اگرچہ آپؒ نے اپنے عصا سے عبدالرؤف کو زدوکوب بھی کیا۔ حضرت جیؒ کو اغوا کرنے کے بعد ایک نامعلوم مقام تک پہنچا دیا گیا اور عبدالرؤف کے ساتھی گھر پر قابض ہو گئے۔

اس سانحہ کی اطلاع سے احباب پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ تلاش کے لئے مختلف پارٹیاں تشکیل دی گئیں۔ جن میں صاحبِ کشف ساتھی مختار احمد کی سرکردگی میں ایک پارٹی صاحبِ کشف حضرات کی بھی تھی۔ دندہ شاہ بلاول سے گزرتے ہوئے حضرت لال شاہؒ سے' جن کے علاقے میں یہ معاملہ پیش آیا تھا' رابطہ کیا گیا تو فرمایا کہ آج تمام مشائخِ برزخ حضرت جیؒ پر سایہ کئے ہوئے ہیں اور چاندنی چوک (میانوالی) کے علاقہ میں جمع ہیں' میں بھی ادھر جاتا ہوں' مجھ سے بھی ادھر رابطہ کریں۔

مقامی پولیس نے ابتداء میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا لیکن حضرت جیؒ کی بین الاقوامی شخصیت کی وجہ سے جب ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور

افسران بالا کی طرف سے غیر معمولی دباؤ پڑا تو آپؒ کی بازیابی کے لئے بھرپور کوشش کی گئی۔ 12 مارچ کو صاحبِ کشف حضرات چاندنی چوک کے نواح میں ایک ڈیرہ تک پہنچے جہاں آپؒ کو دو روز قبل رکھا گیا تھا۔ یہاں سے صحرا کے اندر جانے کا اشارہ ملا۔ کافی دور جا کر نماز عصر کے قریب ایک احاطہ نظر آیا جس کے اندر داخل ہوئے تو حضرت جیؒ وضو فرماتے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آپؒ دائیں پاؤں کو دھو چکے تھے۔ بایاں پاؤں مختار صاحب نے دھلوایا۔ حضرت جیؒ نے وضو مکمل کرنے کے بعد خاتونِ خانہ سے کہا' وڈھکی' اللہ دے حوالے۔ آپؒ اس روز صبح کے وقت ہی بتا چکے تھے کہ آج میرے شاگرد پہنچ جائیں گے۔

حضرت جیؒ سے بعد میں معلوم ہوا کہ آپؒ پر جو پہریدار مقرر کئے گئے تھے' انہوں نے آپؒ کے آرام کا خاص خیال رکھا' یہاں تک کہ وضو بھی خود کراتے لیکن اس ویرانے میں اس وقت کوئی مرد نظر نہ آیا۔ حضرت جیؒ ان دنوں سلوک کی جن انتہائی منازل میں چل رہے تھے' یہ تین روزہ مجاہدہ بھی یقیناً بلندئ درجات ہی سے تعلق رکھتا تھا۔

عبدالرؤف نے میانوالی ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں جائیداد کے نگران مقرر کئے جانے کے متعلق جو مقدمہ کیا ہوا تھا' اس میں 25 اکتوبر 1982ء کو حضرت جیؒ کا بیان ہوا۔ حضرت جیؒ کی عدالت میں تشریف آوری پر میانوالی کی ضلعی عدالتوں کا کام رک گیا۔ جج صاحبان' عدالتی عملہ اور وکلاء کی بڑی تعداد کمرۂ عدالت میں جمع ہو گئی۔ کمرے میں جگہ نہ رہی تو لوگوں نے دروازے کے سامنے باہر کھڑے ہو کر آپؒ کی مدلل علمی گفتگو سنی۔ اس موقع پر جج صاحب نے حضرت جیؒ سے مخاطب ہو کر کہا کہ عدالتی کارروائی تو اپنی جگہ

لیکن موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؒ سے ایک اہم قانونی اِشکال میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں' قرآن میں زنا کی سزا تو 100 کوڑے ہیں لیکن شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا کے پیچھے کیا سند ہے۔ حضرت جیؒ نے رجم کی سزا پر سیر حاصل دلائل دینے کے بعد فرمایا' تاملِ امت یعنی وہ فعل جس پر آقائے نامدار ﷺ کے بعد امت میں مسلسل عمل ہوا' یہ بھی ایک ماخذ قانون ہے۔ حضرت جیؒ کا یہ محققانہ بیان' گویا بے بنیاد فاتر العقل کی بنیاد پر دائرہ شدہ مقدمے کا ڈراپ سین تھا جو 26 اکتوبر 1982ء کو خارج ہو گیا۔

حضرت جیؒ کا اغوا ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ 9 مارچ سے 12 مارچ تک کا عرصہ احباب سلسلۂ عالیہ کے لئے قیامت سے کم نہ تھا۔ حضرت جیؒ تین دن تک محصور رہے۔ گھر پر قبضہ ہو گیا اور اہلِ خانہ دربدر ہوئے لیکن آپؒ نے اگلے ہی ماہ پھر سے دوروں کا آغاز فرمایا۔ حضرت جیؒ 13 اپریل کو گلگت کے دورہ کے لئے اسلام آباد پہنچے۔

گلگت بائی روڈ

اس سے قبل گلگت کے ساتھیوں کے پرزور اصرار پر 1980ء اور 1981ء میں بھی حضرت جیؒ کا دورہ ترتیب دیا گیا تھا لیکن خرابیٔ موسم کی بنا پر فلائٹ نہ جا سکی اور آپؒ نے گلگت کی بجائے ایبٹ آباد' مانسہرہ اور سم الٰہی منگ کا دورہ کیا۔ 15 اپریل 1982ء کو گلگت کے لئے فلائٹ روانہ ہوئی لیکن حضرت جیؒ نے شریک سفر حاجی عبداللہ سے فرمایا کہ چل تو پڑے ہیں لیکن پہنچیں گے نہیں۔ یہی ہوا' فلائٹ گلگت وادی میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے واپس لوٹ آئی۔ آپؒ اگلے روز بھی ایئرپورٹ گئے لیکن فلائٹ نہ جا سکی۔ اس طرح راولپنڈی میں چھ دن گزارنے کے بعد حضرت جیؒ چکڑالہ واپس لوٹ گئے۔

حضرت جیؒ نے جب دیکھا کہ مسلسل تین سال سے گلگت کا دورہ ملتوی ہو رہا ہے اور ادھر گلگت کے ساتھیوں کی بے تابی بھی روز افزوں ہے تو گاڑی کے ذریعے گلگت کے سفر کے لئے تیار ہو گئے' اگرچہ صحت اور عمر اس طویل سفر کی متحمل نہ تھی۔ آپؒ 14 مئی 1982ء کو چکڑالہ سے روانہ ہوئے اور ساتھیوں کے ہاں اٹک اور ایبٹ آباد میں قیام فرماتے ہوئے 16 مئی کو سم الٰہی منگ (ضلع مانسہرہ) پہنچے۔ یہاں دورانِ قیام 156 مرد اور 42 خواتین حلقۂ ارادت میں داخل ہوئیں۔

حضرت جیؒ کا یہ سفر کشمیر اور سوات کے مابین تھا جس کی نسبت سے حضرت غوث سیّد نذیر احمد شاہؒ (کشمیر والے) اور حضرت غوث گل بادشاہؒ (سوات والے) روحانی طور پر آپؒ کی مصاحبت فرما رہے تھے۔ ان حضرات کے ساتھ سیّد نذیر احمد شاہؒ کے ایک شاگرد بھی تھے جو منصب کے لحاظ سے قطبِ مدار تھے۔

17 مئی کو سم الٰہی منگ سے صبح چھ بجے روانگی ہوئی۔ کوہستان کے صدر مقام داسو پہنچے تو یہاں ساتھیوں کے ساتھ کچھ دیر ٹھہرے۔ رات کا قیام احبابِ سلسلۂ عالیہ کے ساتھ جگلوٹ میں فرمایا اور اگلے روز سہ پہر گلگت آمد ہوئی۔ یہ ایک تھکا دینے والا سفر تھا جس نے آپؒ کی صحت کو متاثر کیا اور بخار کی شکایت ہوگئی۔ تاہم معمول کے مطابق احباب سے ملاقاتوں اور ذکر وفکر کا سلسلہ جاری رہا۔ 21 مئی کو حضرت جیؒ نے گلگت کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطاب فرمایا۔ ماہ رجب اور معراج النبی ﷺ کی مناسبت سے آپؒ نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت **سبحان الذی ...** سے تقریر کا آغاز کیا۔ اگرچہ مرکزی موضوع واقعہ معراج النبی ﷺ تھا لیکن اس آیت کی رو سے آپؒ نے

مسئلہ حیات النبی ﷺ ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح آقائے نامدار ﷺ کا یہ سفر روحِ مقدسہ اور بدنِ مطہرہ کے ساتھ تھا' اسی طرح حضور ﷺ کی اقتداء میں انبیاء علیہم السلام نے بھی ارواح مع ابدان مبارکہ نماز ادا کی۔

حضرت جیؒ نے گلگت کے دونوں دوروں میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کو بالخصوص موضوع بنایا۔ علماء سے نشست کے دوران بھی زیادہ تر اسی موضوع پر بات ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے میں ان علماء کا زیادہ اثر تھا جو مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ کے انکار میں متشدد تھے لیکن اس کے باوجود کسی نے حضرت جیؒ کے دلائل کے مقابل زبان کھولنے کی جرأت نہ کی۔

پروگرام کے مطابق حضرت جیؒ کی واپسی 23 مئی کو بذریعہ پی آئی اے تھی لیکن موسم خراب ہونے کی وجہ سے جہاز گلگت میں لینڈ کئے بغیر واپس لوٹ گیا۔ اس غیر یقینی صورت حال کو دیکھتے ہوئے آپؒ بذریعہ گاڑی گلگت سے روانہ ہوئے اور ساڑھے آٹھ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد رات گئے ایبٹ آباد پہنچے۔ یہاں کچھ دیر ستانے کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا اور رات 2 بجے اسلام آباد آمد ہوئی۔ 600 کلومیٹر کا یہ دشوار گزار سفر' اس پر مستزاد پیرانہ سالی اور گرتی ہوئی صحت لیکن مقصد کے ساتھ والہانہ لگن کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوسکی۔

پشاور سے اسلام آباد کے ایک سفر کے دوران حضرت جیؒ کے ہمراہ حافظ عبدالرزاق شریک سفر تھے جو اوائل عمر میں حضرت پیر مہر علی شاہؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ گولڑہ کے پاس سے گزرے تو حافظ صاحب نے عرض کیا کہ سامنے میرے شیخ ہیں۔ حضرت جیؒ نے کہا! دیکھو ان کا کون سا مقام ہے۔ مختار صاحب نے' جو اسی گاڑی میں تھے عرض کیا! سیرِ کعبہ تک محسوس ہوتا ہے۔

آپؒ نے مسجدِ نبوی ﷺ تک پہنچا کر دوبارہ ارشاد فرمایا! ان کی یہ خواہش تھی' اب یہ یہاں سے نہیں اٹھیں گے۔ خیال کیا تو وہ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ اٹک سے اسلام آباد آ رہے تھے کہ راستے میں حسن ابدال کے قریب کچھ لوگ نظر آئے جو ڈالیاں اٹھائے ننگے پاؤں' ڈھول کی تھاپ پر اسلام آباد کی طرف رقص کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ یہ ڈالیاں ایک مشہور عرس کے لئے لے جائی جا رہی تھیں۔ حضرت جیؒ نے تعجب سے دیکھا تو عرض کیا گیا' حضرت یہ تصوّف ہے۔ حضرت جیؒ اس پر بہت محظوظ ہوئے۔

بلوچستان کا آخری دورہ

مئی 1982ء میں گلگت کے انتہائی دشوار گزار بائی روڈ سفر کے صرف دو ہفتے بعد 11 جون کو حضرت جیؒ نے دورۂ بلوچستان کا آغاز فرمایا۔ آپؒ 13 جون کو کوئٹہ پہنچے اور حسبِ سابق ریلوے کالونی کوئٹہ کی مسجد میں قیام فرمایا۔ 14 جون سے 17 جون تک آپؒ نے نوشکی' مستونگ اور منگچر کا دورہ فرمایا۔

نوشکی سے قبل راستہ انتہائی خراب تھا۔ سفر جیپ کا تھا' ایک دو مقامات پر سخت جھٹکے لگے تو آپؒ نے فرمایا! ''عبدالرؤف ہی میرا دشمن نہیں تم لوگ بھی میری جان کے دشمن ہو۔'' بہت دیر تک خاموشی طاری رہی۔ آخر کسی نے جنرل ضیاء الحق کا ذکر چھیڑا تو آپؒ نے فرمایا ''میانی گاں' نہ ہوں نہ ہاں'' (انتہائی شریف آدمی' نہ ہاں میں نہ ناں میں)۔ کسی نے کہا کہ اس کے بدلے کوئی اور آدمی نہیں آسکتا تو آپؒ نے فرمایا! ''حضرت سلطان الہندؒ سے عرض

کریں۔'' ان سے کلام ہوا تو کہنے لگے' حضرت جیؒ سے کہو درمیان سے ہٹ جائیں تو ہم دعا کرتے ہیں۔آپؒ نے فرمایا! پھر کوئی دوسرا آدمی بتاؤ۔اس پر ساتھی خاموش رہے۔

اس دورہ میں سلسلۂ قادریہ کے ایک قطب' گاڑی کے ساتھ چلتے رہے۔منگچر سے روانہ ہوئے تو ایک اللہ کے بندے نے حضرت جیؒ کو متوجہ کیا۔ آپؒ نے اسے چوتھے عرش سے ساتویں عرش تک اسباقِ سلوک طے کرادیئے۔ ساتھ والے قطب نے بھی درخواست کی تو آپؒ نے انہیں پانچویں عرش سے مقام خلہ تک پہنچایا۔نویں عرش سے حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ کو بھی ساتھ لے لیا۔ پھر بھیرہ والے غوث سیّد عبدالھادی شاہؒ کو ساتھ لیا اور مقام خلہ تک پہنچایا۔ یہ سفر بھی کیا خوب تھا۔اہلِ برزخ کو بھرپور توجہ مل رہی تھی۔ پھر گوادر کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے نے متوجہ کیا تو حضرت جیؒ نے اسے بھی تیسرے عرش تک سلوک طے کرایا۔ یہ دورہ آٹھ روز بعد 19 جون 1982ء کو لاہور واپسی اور چکڑالہ مراجعت بخیر کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی وارث

1982ء میں حضرت جیؒ نے پشاور کا آخری دورہ فرمایا۔اس موقع پر آپؒ نے وہاں کی مشہور مسجد درویش میں خطابِ جمعہ کے دوران مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ پر پُرزور دلائل دیئے۔اس مسجد کے ساتھ پشاور صدر کا بڑا گرجا بھی ہے۔مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اس کی عمارت پر نگاہ پڑی تو آپؒ نے اپنے خطاب کا آغاز برصغیر کے مشہور عیسائی مناظر پادری فنڈر کے تذکرہ سے فرمایا جسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایماء پر چیلنج کیا

تھا کہ وہ خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حقیقی وارث ثابت کرے اور عملی ثبوت کے طور پر مردہ کو زندہ کر کے دکھائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بطور کرامت حقیقی وارث سے صادر ہونا چاہیئے' اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ یہ عملی ثبوت پیش کریں گے لیکن ہارنے کی صورت میں اس کے لئے تبدیلیٔ مذہب لازم ہوگا۔ پادری فنڈر اس چیلنج کے بعد مقابلے سے دستبردار ہو گیا تھا۔

آخری دورہ

1983ء میں خرابیٔ صحت کی بنا پر حضرت جیؒ طویل دورے نہ فرما سکے۔ تاہم نومبر میں آپؒ نے فیصل آباد' کراچی' ملتان' لاہور' اسلام آباد اور ضلع ہزارہ میں سم الٰہی منگ کا پندرہ روزہ دورہ فرمایا جو حیاتِ طیبہ کا آخری دورہ ثابت ہوا۔ آپؒ 11 نومبر کو چکڑالہ سے فیصل آباد پہنچے۔ اگلے روز ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ساتھیوں کا اجتماع تھا۔ آپؒ نے یہاں بھی ایک رات قیام فرمایا اور اگلے روز فیصل آباد آ گئے جہاں سے شام کی فلائٹ کے ذریعے کراچی پہنچے۔ یہاں آپؒ کے چھ روزہ قیام میں ذکر واذکار کے پروگرام چلتے رہے۔ روزانہ نئے احباب ملاقات کے لئے آتے۔ ایک روز 60 نئے احباب نے آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ 14 نومبر کو ایک آسٹریلین ڈاکٹر (پی ایچ ڈی) نے آپؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپؒ نے اس کا نام محمد عبداللہ رکھا۔ شاہ بلیغ الدین کی آپؒ سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ عائشہ باوانی ٹرسٹ کے مولانا آصف نے ملاقات کی۔ اسماعیلی مذہب کے مشہور سکالر ڈاکٹر پنجوانی نے آپؒ سے ملاقات کے دوران شمالی علاقہ جات میں اسرائیلی طرز پر ایک اسماعیلی ریاست قائم کرنے کی درپردہ سازش کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

19 نومبر کو حضرت جیؒ کراچی سے ملتان پہنچے اور ساتھیوں کے ساتھ ایک رات قیام فرمایا۔ یہیں پر آپؒ کو اپنے دیرینہ رفیق اور خادم بابا نور محمد کے وصال کی اطلاع ملی تو تدفین کے لئے کھاوڑوں والی زمین میں جگہ کا تعین فرمایا۔ آپؒ نے اس موقع پر موجود احباب کو یہ بتایا کہ یہی جگہ آپؒ کی بھی جائے تدفین ہو گی۔ اس وقت موجود احباب یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ یہ سانحہ عنقریب وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ اگلے روز لاہور تشریف لائے جہاں آپؒ کا دو روزہ قیام تھا۔

22 نومبر کو اسلام آباد آمد ہوئی۔ یہاں فضل کریم بٹ کے ہاں نہ صرف مقامی بلکہ دوسرے شہروں کے احباب کی اس قدر بڑی تعداد جمع تھی جو اس سے قبل راولپنڈی کے کسی اجتماع میں نہ دیکھی گئی۔

23 نومبر کو حضرت جیؒ سم الٰہی منگ تشریف لے گئے۔ یہاں آمد کا مقصد مرحوم ہارون بادشاہ کے پس ماندگان سے اظہارِ تعزیت بھی تھا۔ آپؒ نے مرحوم کو توجہ دی اور اقربیت تک اسباق طے کرائے جس پر اس نے حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا' اگر یہ سب معلوم ہوتا تو حضرت جیؒ کا غلام بن کر تمام عمر آپؒ کی خدمت میں گزارتا۔

24 نومبر کو اسلام آباد واپسی ہوئی۔ حضرت جیؒ کی آمد پر اسلام آباد میں فضل کریم بٹ کے ہاں ایک بہت بڑے اجتماع کا سماں تھا۔ اگلے روز مسجد سول لائنز میں حضرت امیر المکرّم کا جمعہ کا خطاب تھا جس کے بعد دور دور سے آئے ہوئے احباب کی واپسی ہوئی۔ حضرت جیؒ نے 25-26 نومبر کی رات اسلام آباد میں بسر کی۔ عشاء کے بعد اجتماعی ذکر ہوا جس کے دوران آپؒ انتہائی رقت کے ساتھ آیاتِ قرآنی اور اشعار پڑھتے رہے۔ حضرت جیؒ

بٹ صاحب کے ہاں اپنے مخصوص کمرے میں ذکر کرا رہے تھے جہاں آپؒ کے ساتھ قریباً تیس احباب تھے جبکہ ہال کمرہ ساتھیوں سے بھرا ہوا تھا۔

مراقبۂ دربارِ نبوی ﷺ کے دوران حضرت جیؒ نے راقم کا نام لے کر آگے بڑھنے کے لئے فرمایا۔ یہ آپؒ کی وساطت سے دربارِ نبوی ﷺ میں کسی شخص کی آخری حاضری تھی۔ حضرت جیؒ ساتھ ساتھ اس حاضری کی کیفیات بیان فرما رہے تھے۔ اس قدر شفقت فرمائی گئی کہ بیان سے باہر ہے' حتیٰ کہ اس گنہ گار کو ردائے رحمت کے نیچے چھپا لیا گیا۔ ان کا کرم ہے' یہ ان کا کرم ہے۔ ان کے کرم کی بات نہ پوچھو۔ حضرت جیؒ نے فرمایا! ''خدا خبر' کیا بات ہے''؟ دعا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے پر بھی اسی دامن رحمت میں چھپا لیا جائے۔

تہجد کے ذکر میں حضرت جیؒ بالکل خاموش رہے۔ اسباق تبدیل فرمانے کے لئے صرف اگلے سبق کا نام لیتے جسے مکبر' ہال کمرے میں ساتھیوں کے لئے دہراتے رہے۔ تہجد کے ذکر کا انداز یکسر مختلف تھا۔ حضرت جیؒ نے اپنے معمول کے مطابق آیات تلاوت کیں نہ اشعار پڑھے' صرف اسباق تبدیل کراتے رہے۔ یہ انتہائی خاموش' پرسکون' کیفیات سے بھرپور اور مکمل یکسوئی کے ساتھ ذکر تھا۔ دمِ آخریں توجہ مکمل طور پر رفیق الاعلیٰ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اسلام آباد میں حضرت جیؒ کے اس آخری ذکر میں کچھ یہی کیفیت نظر آ رہی تھی۔

حضرت جیؒ 26 نومبر صبح سوا سات بجے اسلام آباد سے رخصت ہوئے اور آپؒ کا یہ دورہ اختتام پذیر ہوا۔

خیال رہے کہ حضرت جیؒ کی عمر اس وقت قریباً اسی سال تھی اور صحت

اس قدر خراب کہ گاڑی میں جھٹکے لگنے سے اختلاجِ قلب کی شکایت ہو جاتی اور تھکاوٹ سے بخار شروع ہو جاتا لیکن آپؒ کے یہ سفر جن کی ادھوری جھلک ان اوراق میں پیش کی گئی' اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ آپؒ نے آخر عمر تک اپنے آرام اور صحت کا خیال کیے بغیر اپنی تمام صلاحیتوں کو ساتھیوں کی تربیت اور بالخصوص عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ کے دفاع کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ حضرت جیؒ نے اپنے سفرِ مسلسل کے متعلق ارشاد فرمایا:

''میں جتنی کوشش کر رہا ہوں رات دن' یہ اس واسطے ہے' میری یہ عمر نہیں کہ باہر سفر میں دھکے کھا رہا ہوں' یہ محض اس واسطے کر رہا ہوں کہ الحاد اور بے دینی جو کہ آقائے نامدار ﷺ کے لائے ہوئے دین کو تباہ کرنا چاہتی ہے' الحاد اور بے دینی اور سوشلسٹ ......' ان کی روک تھام کے لئے ہمارے پاس جماعت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبولان کی جماعت ایسی ہو جائے جو دنیا کہے' ہاں مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔''

تصانیف

حضرت جیؒ کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہی کہ مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کیونکر ہو؟ اس کے لئے جہاں آپؒ نے مناظروں کے میدان میں بے مثل جدو جہد فرمائی' اس کے ساتھ ساتھ اصلاحِ عقائد کے لئے شعبۂ تصنیف میں بھی عہد ساز خدمات سرانجام دیں۔

1956ء تک آپؒ کی تصانیف ایمان بالقرآن' ایجادِ مذہبِ شیعہ' شکست اعداءِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دامادِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شائع ہو چکی تھیں۔ اسی سال آپؒ کی تصنیف ''مسئلہ امامت'' منظرِ عام پر آئی۔ مولوی اسماعیل گوجروی کی کتاب ''براہین ماتم'' کے جواب میں ''حرمتِ ماتم'' اور ملا علی نقوی لکھنوی کی کتاب ''متعہ اور اسلام'' کے جواب میں آپؒ نے ''تحقیقِ حلال وحرام'' کے عنوان سے جامع رسائل تحریر کئے۔

1957ء میں آپؒ کی تصانیف 'اعتقاداتِ شیعہ'' اور ''الجمال و الکمال بوضع الیمین علی الشمال'' شائع ہوئیں۔ آپؒ نے جب اس دور کے مشہور علمی اور تحقیقی رسالہ ''الفاروق'' کی ادارت سنبھالی تو ان موضوعات پر اس رسالے میں آپؒ کے گراں قدر مضامین بھی شائع ہوئے۔

1960ء کی دہائی میں حضرت جیؒ کی توجہ ترویجِ سلسلۂ عالیہ کی طرف

مرکوز ہوئی تو ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ تحریر کو بھی آپؒ نے عمومی دعوت کا ذریعہ بنایا۔ 1964ء میں آپؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''دلائل السلوک'' شائع ہوئی جو اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ علمی مباحث کے باوجود یہ کتاب عام فہم ہے جس سے ہر شخص بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔ اس کتاب کو سلسلۂ عالیہ کی ترویج میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے اس کا تفصیلی ذکر ایک الگ باب کی صورت میں کیا جا چکا ہے۔ جنوری 1977ء میں ''دلائل السلوک'' کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا۔

1970ء میں حضرت جیؒ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے گئے تو واپسی پر آپؒ کی تصوّف وسلوک کے موضوع پر دوسری اہم کتاب ''اسرار الحرمین'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب احوالِ باطن سے متعلقہ اسرار و رموز کا خلاصہ ہے جو نفسِ مضمون کے اعتبار سے شاہ ولی اللہؒ کی ''تفہیماتِ الٰہیہ'' سے کسی طور کم نہیں۔ ''اسرار الحرمین'' جہاں کیفیات کا خزینہ ہے' اس کی جامعیت اہلِ نظر کو تحقیق کی دعوت بھی دیتی ہے۔ اس میں مضامین کا وہ بحرِ بیکراں پنہاں ہے جس پر دفاتر رقم کئے جا سکتے ہیں۔

1970ء کے بعد اگرچہ آپؒ کی مناظرانہ سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں لیکن آپؒ نے محسوس کیا کہ اس میدان میں تحریر کی صورت میں علماء کی معاونت کی ضرورت ہے۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے:

> ''علماء کے ہاں اب تحقیق کا عمل مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ماخذ کا براہ راست مطالعہ نہیں کرتے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ان کی رہنمائی کے لئے تحریری شکل میں اس قدر حوالہ جات اکٹھے کر دیئے جائیں کہ وہ ماخذ کتب کے مطالعہ کے

بغیر معترضین کا جواب دے سکیں۔''

چنانچہ آپؒ نے حیاتِ طیبہ کے آخری عشرے میں تحذیر المسلمین عن الکید الکاذبین' الدِینُ الخالص اور ایمان بالقرآن جیسی معرکۃ لآرا کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں وہ مضامین بھی شامل کر دیئے گئے جو رسالہ ''الفاروق'' میں شائع ہوئے تھے۔اپریل 1979ء میں ''الدین الخالص'' شائع ہوئی جبکہ اسی سال اکتوبر میں ''تحذیر المسلمین عن الکید الکاذبین'' شائع ہوئی۔ 1979ء میں ملکی سطح پر نفاذِ شریعت کے حوالے سے ایک مہم کا آغاز ہوا۔اس موقع پر آپؒ کی تصنیف ''نفاذِ شریعت'' نے جو بوجوہ امان اللہ لک کے نام سے شائع ہوئی تھی' عمائدین مملکت اور قانون دان حضرات کی رہنمائی کی جس کا تذکرہ ایک الگ باب کی صورت میں کیا جا چکا ہے۔اس کتاب میں عشر وزکوٰۃ کے موضوع پر بات نہ ہوئی تھی۔ یہ کمی پوری کرنے کے لئے امان اللہ لک نے ''نفاذ عشر وزکوٰۃ میں ایک تاریخی غلطی'' کے نام سے ایک پمفلٹ حضرت جیؒ کی خدمت میں منظوری کے لئے پیش کیا۔آپؒ نے مکمل پمفلٹ سنا اور اس کی توثیق فرمائی۔اب یہ پمفلٹ اصل کتاب کا حصہ بن چکا ہے۔ 81-1980ء میں آپ کے رسائل ''مناظرہ بغداد کا جواب'' اور ''بناتِ رسول ﷺ'' شائع ہوئے۔حضرت جیؒ کا ارشاد ہے:

> ''ان کتب کے مطالعہ کے بعد ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص عقائد کی گمراہی کا شکار ہو جائے' ہاں جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔''

مذاہبِ باطلہ کی تحقیق کے لئے سابقہ دور کی تصانیف اپنے دقیق علمی اسلوب کے باعث عوام الناس کی سمجھ سے بالا ہیں۔اس کے برعکس حضرت جیؒ

کی تصانیف نہ صرف موجودہ دور کی ضرورت کے مطابق عام فہم ہیں بلکہ ان موضوعات پر مستقبل کے لئے دائمی کتبِ حوالہ جات (Reference Books) کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔

اواخر 1978ء میں ایک تجویز پیش ہوئی کہ سلسلۂ عالیہ کا ایک ماہنامہ اپنا بھی ہونا چاہیئے جو متوسلین کے مابین رابطے کا ذریعہ ہو۔ ڈیکلیریشن وغیرہ کی ضروری کارروائی کے بعد دسمبر 1979ء میں ''المرشد'' کا پہلا شمارہ طبع ہوا۔ رسالہ کی تمام ذمہ داری ادارت سے ترسیل تک حافظ عبدالرزاق کے ذمہ تھیں۔ 1980ء میں انہیں لیبر کورٹ کی طرف سے ایک نوٹس ملا کہ اس رسالے کے ساتھ جو سٹاف وابستہ ہے ان کے کوائف دیئے جائیں۔ جب بتایا گیا کہ ایڈیٹر سے ڈسپیچر تک تمام کام فردِ واحد کر رہا ہے' نہ تنخواہ نہ چھٹی تو محکمہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ اتنا مستحکم رسالہ سٹاف کے بغیر کس طرح چل رہا ہے۔ ''المرشد'' حضرت جیؒ کے افکارِ زرّیں کو احباب تک پہنچانے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔

حیاتِ طیّبہ کے آخری دور میں حضرت جیؒ نے عقائد کی دنیا میں اٹھتے ہوئے ایک خطرناک فتنہ کی بیخ کنی کے لئے تحریری جہاد کیا۔ حیاتُ النبی ﷺ سے انکار کا یہ فتنہ آقائے نامدار ﷺ اور عصر حاضر کے درمیان اس قدر فصل پیدا کر دیتا ہے جس کے بعد ایمان بالرسالت کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ حضرت جیؒ نے اس دور میں لاتعداد خوش قسمت ساتھیوں کو دربارِ نبوی ﷺ میں پیش کیا اور عالمِ بیداری میں روحانی طور پر آقائے نامدار ﷺ کے دستِ مبارک پر ان کی روحانی بیعت سے یہ عملاً ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کی نبوت اور برکاتِ صحبت کا فیضان آج بھی اسی طرح جاری و ساری ہے' حضور ﷺ کا

آج بھی اپنی امت کے ساتھ وہی تعلق ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور میں تھا البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت آپ ﷺ عالمِ آب وگِل میں تشریف رکھتے تھے اور آج عالمِ برزخ میں تشریف فرما ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ اس حقیقت کا انکار کرنے والے جب حلقۂ ذکر میں آئے اور دربارِ نبوی ﷺ میں اپنی حاضری کو نگاہِ باطن سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تو پکار اٹھے:

> ''کہاں ہیں وہ مسند و ممبر نشیں' جو یہ کہتے ہیں کہ اس عالم میں دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری ممکن نہیں' کاش میں انہیں اس حاضری کا منظر دکھا سکوں۔''
>
> (قاضی جی' باب ''خشتِ اوّل'')

زندگی کے آخری دور میں مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ کے موضوع پر حضرت جیؒ کے ہاں ایک مشن اور جہاد کی صورت نظر آتی ہے حتیٰ کہ اپنے آخری خطاب میں پوری قوت اور استدلال کے ساتھ اسی موضوع پر بات کی۔

حضرت جیؒ نے تحریر و تصنیف کی صورت میں بھی منکرین حیاتُ النبی ﷺ کے اعتراضات کا جواب دیا۔ اس موضوع پر آپؒ کی پہلی معرکۃ الآرا کتاب ''حیات برزخیہ'' ہے جس میں دورِ حاضر کی منفی فکر' کہ موت اختتامِ زندگی اور عدمِ حیات کا نام ہے' پر جارحانہ گرفت فرماتے ہوئے آپؒ نے قرآن وحدیث سے حیات برزخ کے اثبات میں بھرپور دلائل دیئے۔ اسی موضوع پر اپنی دوسری کتاب ''سیفِ اویسیہ'' میں ان دلائل کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جبکہ اس تحریری جہاد کی آخری کڑی آپؒ کی معرکۃ الآرا کتاب ''حیاتُ النبی ﷺ'' ہے جو اس موضوع پر نہ صرف حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے بلکہ یہ آپؒ کی آخری تصنیف بھی

ہے۔ ''حیات النبی ﷺ'' کے متعلق حضرت جیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ کتاب لکھنے کے لئے آپؒ کو مشائخ کی طرف سے خاص طور پر مامور کیا گیا۔

حضرت جیؒ کی کتب میں عربی اور فارسی کی صدیوں قبل لکھی گئی ماخذ کتب سے لاتعداد حوالہ جات ملتے ہیں جنہیں دیکھ کر علماء بھی ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ سے سوال کیا گیا کہ آپؒ انتہائی قلیل مدت میں ایک کتاب تصنیف فرما لیتے ہیں جبکہ اس میں سینکڑوں حوالہ جات کا ذکر ہوتا ہے جن کے مطالعہ کے لئے طویل مدت درکار ہے تو آپؒ نے فرمایا:

''میں جب کسی موضوع پر لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں' تمام حوالہ جات میرے سامنے آجاتے ہیں۔''

ایک مرتبہ ایک عالم نے سوال کیا:

''حضرت! دینی اور علمی موضوعات پر تو آپ کا حتمی رائے کا اظہار فرمانا سمجھ میں آتا ہے لیکن اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ آپ خالصتاً دنیوی موضوعات پر بھی حتمی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے جواب دیا:

''میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جب میں کسی دنیوی موضوع کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہوں تو اللہ پاک اس کی اصل حالت منکشف فرما دیتے ہیں۔''

دعائے مسنونہ ہے' اَللّٰھُمَّ اَرِنَا کَمَا حَقِیْقَتُ الْاَشْیَاءُ' (اللہ تعالیٰ ہمیں دکھا دے جیسا کہ اشیاء کی حقیقت ہے)۔ حضرت جیؒ کے ہاں اس دعا کی قبولیت بہت واضح نظر آتی ہے۔

کتب خانہ

درس وتدریس، علمی تحقیق اور تصنیف وتالیف کے لئے کتبِ حوالہ جات پر مشتمل ایک اچھا کتب خانہ ہر عالم کی ضرورت ہے۔ حضرت جیؒ کے ذاتی کتب خانے کا ایک طائرانہ جائزہ لینے سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آپؒ نے اس ضرورت کو کس قدر مقدم جانا۔ نایاب اور بلند پایہ علمی کتب کا حصول آپؒ کا صرف شوق ہی نہیں بلکہ تکمیلِ مقصد کیلئے اسباب وذرائع کی فراہمی کا درجہ رکھتا تھا۔ حضرت جیؒ کی زندگی میں ایسے کئی مواقع آئے جب آپؒ نے خود کو صرف کتب خانے تک محدود کر لیا اور انتہائی مختصر مدت میں ایسی کتب تصنیف فرمائیں جو آج اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

حضرت جیؒ کو علماء کے عمومی طرزِ عمل سے اکثر یہ شکوہ رہا کہ یہ لوگ مطالعہ کرتے ہیں نہ باطل عقائد ونظریات سے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں۔ آپؒ فرمایا کرتے:

"علم تو دنیا سے نابود ہی ہو گیا ہے۔ علماء نہ تو محنت کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں قوتِ خرید ہے کہ ذاتی کتب خرید کر مطالعہ کر سکیں۔"

اپنے بارے میں فرمایا کرتے:

"میرے والد زمیندار تھے، وراثت میں زمین ملی۔ پھوپھی

صاحبہ کی اولاد نہ تھی' انہوں نے بھی اپنی زمین میرے نام منتقل کرادی ۔اس طرح چار سو کنال زمین سے جو آمدنی ہوتی ہے' اس میں سے گھریلو اخراجات سے زائد آمدنی کتابوں کی خرید پر صرف کر دیتا ہوں ۔''

آپؒ کے شوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف برِصغیر کے معروف چھاپہ خانوں سے کتب منگوانے کا سلسلہ جاری رہتا بلکہ عرب ممالک' مصر' افغانستان اور بالخصوص ایران سے بھی کتب منگوایا کرتے ۔اکثر یہ کام بیرون ملک مقیم احباب سرانجام دیا کرتے' جس کا تذکرہ ان کے نام آپؒ کے خطوط میں بکثرت ملتا ہے ۔دورانِ مطالعہ کسی ماخذ کا حوالہ نظر سے گزرتا تو آپؒ اس پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اصل کتاب خرید لیتے ۔یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے ذاتی کتب خانے میں نہ صرف سلف صالحین کی مستند تصانیف کا وافر ذخیرہ موجود ہے بلکہ مذاہبِ باطلہ کے اصل ماخذ' جو خود ان کے ہاں بھی تلف کر دیئے گئے یا تحریف شدہ ملتے ہیں' اپنی اصل صورت میں دستیاب ہیں ۔ یہ کتب خانہ ہر مذہب وعقیدہ کی کتب' حتیٰ کہ ہندوؤں کے وید' سکھوں کے گرنتھ' انجیل کے نایاب نسخے' قادیانی لٹریچر اور مذہبِ روافض کے اصل ماخذ کا نایاب ذخیرہ ہے ۔

حضرت جیؒ کا کتب خانہ کم وبیش چار ہزار کتب پر مشتمل ہے ۔اس میں قرآنِ حکیم کی تفسیر کے شعبہ میں 329 کتب بشمول' التفسیر القیم' تفسیر قرطبی' النسفی' جلالَین' کشاف' کشفُ الاسرار' الاکلیل' البحرالمحُیط' ابنِ کثیر' مظہری' فتح القدیر' جامعُ البیان لِلطبری' خازن' مدارک' روح المعانی' فی ظلالِ القرآن' بیان القرآن اور معارفُ القرآن موجود ہیں ۔آپؒ نے اس شعبہ میں شیعہ مذہب کی مشہور

تفاسیر کا بھی اضافہ کیا جن میں کتاب الصّافی' تفسیر القمی اور تفسیر فرات الکوفی قابلِ ذکر ہیں۔

شعبۂ حدیث 371 کتب پر مشتمل ہے۔اس شعبہ میں صحاح سِتّہ کے علاوہ کنزُ العمّال' تہذیبُ التہذیب' مجمعُ الزوائد' لسانُ المیزان' مِرقاۃ' عمدۃُ القاری' ارشادُ الساری' السنن الکبریٰ' فتح الملہم اور اعلاء السنن جیسی مشہور ومستند کتب قابلِ ذکر ہیں۔

فقہ کے شعبہ میں 471 کتب ہیں جن میں فقہ حنفی کی بنیادی کتب کے علاوہ دیگر فقہ کی مستند کتابیں بھی شامل ہیں۔اس شعبہ کا طائرانہ جائزہ لینے کے لئے صرف چند نام کافی ہیں' مثلاً المُغنی' کتاب الخراج' القدُوری' فتاویٰ عالمگیری' الدُرُالمختار' شرح الوقایہ' مالا بدمنہ' کنزالدقائق' فتاویٰ قاضی خان' المبسُوط' تبیین الحقائق' ردالمختار' بحرالرائق' ہدایہ' المدوۃُ الکبری اور کتابُ الأُم' جو فقہ کے شعبہ میں کتبِ حوالہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

شعبۂ تفسیر وحدیث اور فقہ کے علاوہ حضرت جیؒ کے کتب خانہ میں دیگر شعبہ جات مثلاً صرف ونحو'مَنطق' تصوف وسلوک' سیرت وتاریخ' ردِ مذاہبِ باطلہ' طب' ادب اور متفرقات میں کتب کی خاصی بڑی تعداد ہے۔ صرف ونحو جیسے مختصر شعبہ میں کتابوں کی تعداد 93 ہے جس سے کتب خانے کی وسعت' جامعیت اور تنوُّع کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اس کتب خانے کے ہر شعبہ کی بیش قیمت اور نایاب کتب' جن میں سے ہر کتاب ایک علمی فن پارہ اور تحقیقی ورثہ کی حیثیت رکھتی ہے' حضرت جیؒ کے حسنِ انتخاب' ذوقِ مطالعہ اور تبحّرِ علمی کا دائمی ثبوت ہیں۔

یہ کتب خانہ مختلفُ النّوع کتابوں کا صرف ایک عمدہ ذخیرہ ہی نہیں

بلکہ ہر کتاب پر حضرت جیؒ کے تحریر کردہ حوالہ جات' حواشی اور مشکل مقامات کی تشریح' کہیں کہیں تبصرے اور بعض مقامات پر ذاتی آراء کا اظہار اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپؒ نے ان کتب کا بنظرِ عمیق مطالعہ بھی فرمایا۔ علماء کے ساتھ آپؒ کی نشست کے دوران یوں محسوس ہوتا کہ یہ کتب خانہ آپؒ کے حافظہ میں محفوظ ہے۔ کتابیں وا ہو رہی ہیں اور آپؒ ایک ایک موضوع پر متعدد حوالے دیئے چلے جا رہے ہیں۔ سبحان اللہ! یہی وہ علم ہے جو چھن نہیں سکتا اور ایسے ہی عالم کے لئے فرمایا گیا:

موتُ العالِم موتُ العالَم

(ایک عالم دین کی موت ایک جہاں کی موت ہے)

حضرت جیؒ کے محدود وسائل اور نامساعد حالات کا خیال کریں تو یہ نادر کتب خانہ آپؒ کی جانفشانی اور کتابوں سے گہرے لگاؤ کا مظہر ہے۔ آپؒ کو نہ صرف یہ علم ہوتا کہ برِصغیر میں کون سی کتاب کس جگہ سے دستیاب ہو گی بلکہ بیرون ملک عربی اور فارسی میں شائع ہونے والی کتب کے متعلق بھی مکمل معلومات رکھتے تھے۔ مطلوبہ کتابوں کی تلاش بیرونِ ملک احباب کے سپرد تھی۔ کتابیں منگوانے کی صورت میں حضرت جیؒ اکثر ان کی قیمت خود ادا کرتے' بلکہ اس پر اصرار بھی فرماتے تاکہ احباب کے لئے بارِ گراں نہ ہو لیکن بعض احباب سے کتابوں کا ہدیہ خندہ پیشانی سے قبول فرما لیا کرتے۔

آپؒ کے متعلقین میں ایک مشہور نام مولوی فضل حسینؒ کا ہے جو لاہور سے مطلوبہ کتب تلاش کرنے کی ذمہ داری سرانجام دیا کرتے تھے۔ آپؒ نے ان کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:

''مکتبہ علمیہ سے کتاب نسیم الریاض بمعہ شرح ملا علی قاری

شرح شفاء قاضی عیاض کی مطبع بیروت کی ہونی چاہیئے نہ کہ مصر کی۔ مصر والے بڑی بے ایمانی سے کام لے رہے ہیں۔ کاغذ اخباری لگاتے ہیں جو بہت خراب ہے۔ کتاب آنے پر بندہ کو مطلع کریں اور اس وقت خریدیں جب میری رقم جناب کو مل جائے۔''

اپنے محدود وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت جیؒ بعض اوقات احباب کو کتب کی قیمت سے بھی آگاہ فرما دیا کرتے تاکہ وہ لاعلمی کی بنا پر زیادہ ادائیگی نہ کر دیں۔ ایک خط میں آپؒ نے تحریر فرمایا:

''رسالہ قشیریہ عبدالکریم بن ہوازن القشیری جس کی قیمت چار پانچ روپیہ تک ہوگی اور دوم قصیدہ نونیہ ابن قیم کا جس کی قیمت ڈھائی روپے ہے مگر مکتبہ علمیہ میں اور علامہ سیوطی کا رسالہ عملُ الیوم وَالیل' قیمت ایک روپیہ ہو۔''

مکتبہ علمیہ بیرونی ممالک سے کتابوں کے حصول میں اکثر تعاون کرتا' چنانچہ ایک اور خط میں آپؒ نے تحریر فرمایا:

''آپ مکتبہ علمیہ والوں کو کتاب نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض علامہ شہاب خفاجی کی بمعہ حاشیہ شرح ملا علی قاری کا آرڈر دے دیں۔ اگر وہ وعدہ کریں تو بندہ کو مطلع کریں۔ میں رقم اوّل آپ کے نام ارسال کر دوں گا۔ چونکہ عرب سے حاجی یہ کتاب نہیں لایا اس لئے رقم بچ گئی ہے۔ اس کو اسی کتاب پر لگانا۔''

مولوی فضل حسین ابوظہبی کے شعبۂ دفاع میں ملازم ہو گئے تو ان کے

نام ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا:

''اب سہ بارہ عرض ہے کہ ان کی قیمت اوّل لے لو' تو بھی تیار ہیں۔خرید کے بعد گھر فرماؤ تو دے دوں گا۔وہ جس طرح آپ پسند فرمائیں گے ہو جائے گا۔یہ کتب تہران' نجفِ اشرف' کاظمین وکربلا وغیرہ سے مل جاتی ہیں۔جو بندہ جناب کے پاس کام کرتا ہے وہ رخصت پر عراق یا ایران کا ہو تو واپسی پر لائے۔اس کو آسان ہوگا۔

1- اصول کافی جلد اول صرف
2- تفسیر قمی علی ابن ابراہیم کی
3- تفسیر فرات ابن ابراہیم کی
4- مجالس المومنین نور اللہ شوستری کی
5- مثیر الاحزان الشیخ الجلیل ابن نما حلی کی
6- تنقیح المقال فی احوال الرجال عبداللہ مامقانی کی۔
7- مصائب النواصب علامہ نور اللہ شوستری کی۔
8- علامہ محمد بن مکی کی لمعہ دمشقیہ

اگر مصباح السالکین مل جائے تو اچھا' ورنہ یہ آٹھ' جو عراق وایران جائے' ضرور تلاش کرے۔جو پاکستان آتا ہو' اس کو دے دیں۔''

مذہب شیعہ کی ماخذ کتب اپنی اصل حالت میں صرف ایران سے دستیاب تھیں لیکن ان کا حصول کوئی آسان کام نہ تھا۔مولوی فضل حسینؒ نے حضرت جیؒ کے نام ایک مکتوب میں ان مشکلات کا تذکرہ کیا ہے۔انہوں

نے حصولِ کتب کا یہ کام ایرانی قومیت کے ایک شخص کے سپرد کیا جو ایران سے گیس کے چولہے براستہ کراچی' ابوظہبی بھجوایا کرتا تھا۔ حضرت جیؒ کی مطلوبہ کتب اس کے سامان میں پیک کی جاتیں جو ابوظہبی سے پاکستان آنے والے احباب کے ذریعے حضرت جیؒ تک پہنچائی جاتیں۔ ایک مرتبہ حکومتِ ایران کو شک گزرا تو اس شخص کے مکمل کوائف کی چھان بین کی گئی لیکن کوئی ثبوت نہ مل سکا۔

حضرت جیؒ کے یہ خطوط کتابوں سے آپؒ کی والہانہ لگن کے عکاس ہیں۔ چکڑالہ جیسی دورافتادہ جگہ پر بیٹھے ہوئے آپؒ کو معلوم تھا کہ کونسی کتاب کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی۔ کوئی جاننے والا حج کے لئے جاتا تو اس کے ذریعہ جدہ اور حرمین شریفین سے بھی نایاب کتب منگوانے کی کوشش کرتے۔ سعودی عرب کے صوفی محمد افضل خان' حضرت جیؒ سے وابستہ ہوئے تو وہاں سے حصولِ کتب کی ذمہ داری آپؒ نے ان کے سپرد فرمادی۔ صوفی صاحب کے نام آپؒ کے صرف ایک خط میں 33 رسائل اور کتب کا تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت جیؒ اعتقادیات میں حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کی تعلیمات سے استفادہ کرتے تھے جیسا کہ آپؒ نے اکتوبر 1983ء میں اپنی آخری تقریر میں ارشاد فرمایا۔ آپؒ کو ان پر لکھی گئی مشہور کتاب ''تبیین کذب المفتری'' کی تلاش تھی جس کے متعلق اکثر علماء کا قول ہے کہ کوئی سنّی عالم اس کتاب سے خالی نہ ہو۔ نیوی کے کچھ احباب بیرونی ممالک کے دورہ پر گئے تو آپؒ نے انہیں چند نایاب کتب کی فہرست دیتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ پرانے کتب خانوں سے تلاش کریں اور جس ملک سے بھی یہ کتب

ملیں، لے آئیں۔ اس فہرست میں مذکورہ کتاب بھی شامل تھی۔ اسی طرح آپؒ نے حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کی مشہور کتاب ''مقالات اسلامیین باختلافِ مُصلین،'' جو دو جلدوں میں تھی، مصر سے منگوائی۔

یوں تو ہر کتاب، صاحبِ کتاب کی برکات کی امین ہوا کرتی ہے لیکن حضرت جیؒ کے کتب خانے کی ہر کتاب کو آپؒ کی اس قدر توجہ حاصل رہی کہ پورا کتب خانہ حضرت جیؒ کی برکات کا امین بن چکا ہے۔ اب یہاں کچھ دیر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کا موقع ملے تو ان برکات کی معیت محسوس ہونے لگتی ہے۔

حضرت جیؒ خوب جانتے تھے کہ آپؒ کے اس علمی اثاثے اور ان برکات کے ورثاء کون ہو سکتے ہیں، چنانچہ 18 اگست 1982ء کو اپنی وصیت قلمبند کراتے ہوئے ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ کو ذاتی کتب خانے کے تحفظ کا ذمہ دار قرار دیا۔ حسبِ ارشاد حضرت جیؒ کی رحلت کے فوراً بعد یہ کتب خانہ دارالعرفان منارہ منتقل کر دیا گیا جہاں حافظ عبدالرزاق نے جملہ کتب کو مختلف شعبہ جات میں ترتیب دیتے ہوئے جامع فہرست تیار کی۔ اس وقت یہ کتب خانہ حضرت امیرالمکرّم کی ذاتی نگرانی میں جدید انداز اور سائنسی تکنیک کے مطابق محفوظ کر دیا گیا ہے اور اس میں مسلسل نئی کتب کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اجتماعِ لنگر مخدوم

(1983ء)

ابتدائی دور میں حضرت جیؒ کو چکڑالہ سے لنگر مخدوم کے اجتماعات میں لانے کی ذمہ داری حضرت امیرالمکرّم سرانجام دیتے رہے لیکن آخری چند سالوں میں یہ ذمہ داری ناظمِ اعلیٰ کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ زہے نصیب کہ سالانہ اجتماعِ لنگر مخدوم 1983ء کے لئے یہ سعادت راقم کے حصہ میں آئی۔ حضرت جیؒ 19 اکتوبر بروز بدھ صبح کی چائے کے بعد حسبِ معمول حویلی میں تشریف فرما ہوئے۔ مقامی لوگوں سے بات چیت ہوئی' گھریلو امور پر ہدایات دیں اور عزم سفر فرمایا۔

ابھی چکڑالہ کے مضافات میں ہی تھے کہ اچانک یاد آیا کہ ایک اہم مقدمہ کی فائل مسجد میں رہ گئی ہے۔ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے ایک ساتھی کو ہدایت کی کہ وہ یہ فائل لے کر میانوالی پہنچے۔ اس مقدمہ میں چھ ملزمان کو سزائے موت ہوئی تھی جن میں سے دو کے بارے میں راقم تردّد کا شکار تھا۔

چکڑالہ میں مقدمہ کی فائل حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کی تو آپؒ نے فرمایا کہ دو آدمی بے گناہ نظر آرہے ہیں لیکن لنگر مخدوم میں یہ معاملہ مشائخ کی خدمت میں بھی پیش کیا جائے۔ اس ضمن میں آپؒ نے فرمایا کہ قاضی' ظاہر کا مکلّف ہے۔ اس کے سامنے مقدمہ کی فائل اور گواہوں کی شہادت کی روشنی

میں جوصورت واضح ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے' اصل صورت حال اس سے مختلف ہو تو وہ قابلِ مؤاخذہ نہ ہوگا۔ جب مشائخ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا تو انہوں نے بھی سزائے موت پانے والوں میں سے دو آدمیوں کی بے گناہی کی تصدیق فرمائی۔

حضرت جیؒ کی نگاہِ بصیرت اور مشائخ کی رہنمائی سے حقیقتِ حال تو واضح ہو چکی تھی لیکن اب اس فیصلے کا کیا کیا جائے جس کے تحت دو بے گناہ پھانسی کے پھندہ پر جھول جاتے۔ چند روز بعد مقدمہ کے چشم دید گواہ اور مقتولین کے وارث نے ان دو میں سے ایک شخص کی براءت کا درپردہ اعتراف کرتے ہوئے اسے فی سبیل اللہ معاف کر دیا جبکہ دوسرے شخص کی سزا پر عمل درآمد کرنے میں قانونی سُقم حائل ہو گئے۔ اس طرح یہ دونوں بے گناہ سزائے موت سے بچ گئے۔

حضرت جیؒ کے حوالے سے مقدموں کی بات چل نکلی ہے تو یہاں ایک اور مقدمہ کا ذکر بھی کر دیا جائے جس میں سزائے موت کے بعد ایک بے گناہ شخص کی براءت ہوئی۔ بٹ خیلہ کے یوسف کو' ناکردہ قتل میں سزائے موت ہوئی۔ راقم کو اس مقدمہ کی فائل پڑھنے کا موقع ملا تو نظر ثانی کے لئے کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

اسی مقدمہ کے سلسلہ میں ایک روز ایک لمبا تڑنگا نوجوان راقم کے دفتر میں آیا اور کہنے لگا کہ وہ لوگ میانوالی کے ایک پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جنہوں نے ایک وظیفہ دیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ تمہارے ماموں بے گناہ ہیں اور وظیفہ مکمل ہونے تک بری ہو جائیں گے۔ اسے پیر صاحب کا نام یاد تھا نہ میانوالی میں ان کے گاؤں کا نام۔ وظیفہ پوچھنے پر اس نے جو

تحریر پیش کی اسے دیکھ کر خوشگوار تعجب ہوا کہ یہ حضرت جیؒ کی تحریر تھی البتہ مسلسل جیب میں پڑا رہنے کی وجہ سے کاغذ بوسیدہ ہو رہا تھا۔ نوجوان کی اجازت سے راقم نے وہ کاغذ خود رکھ لیا اور اسے ایک نئے کاغذ پر وہی تحریر دوبارہ لکھ دی۔ کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ صدر مملکت نے یوسف کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا ہے جو بعد میں مکمل براءت کی صورت میں ختم ہوئی۔

قارئین کے لئے حضرت جیؒ کی اس تحریر کا عکس پیش ہے۔

مکان پاک ہو قدرے
خوشبو چھڑک دینا ایک لاکھ
91 ہزار یہ پورا کرنا جتنے دنوں
میں ہو جائے یقیناً ان شاء اللہ
چھوٹ جائے گا یا حلیم یا علی یا
یا حلیم یا علیم
عظیم

(مکان پاک ہو قدرے خوشبو چھڑک دینا ایک لاکھ 91 ہزار یہ پورا کرنا جتنے دنوں میں ہو جائے یقیناً اِنْ شَآءَ اللہ چھوٹ جائے گا یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ)

چکڑالہ سے میانوالی تک سنگل روڈ تھی اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی۔ کراسنگ کے لئے سڑک سے نیچے اترنا پڑتا۔ جھٹکے لگنے سے حضرت جیؒ کو اکثر اختلاجِ قلب کی شکایت بھی ہو جاتی۔ اس عالم میں آپؒ کی گاڑی چلانا گویا دودھ سے لبریز پیالے کے ساتھ سفر کرنے کے مترادف تھا کہ یہ پیالہ کہیں

چھلک نہ جائے۔ سفر میں حضرت جیؒ اکثر وقت حالتِ مراقبہ میں رہتے' میانوالی کے اس سفر کا بیشتر حصہ بھی مکمل سکوت میں گزرا۔

رات کا قیام میانوالی میں تھا۔ یہاں ساتھیوں کی ایک کثیر تعداد حضرت جیؒ کی آمد کی منتظر تھی۔ رات گئے تک احباب آتے رہے' اس طرح اذکارِ شب میں اجتماع کی صورت پیدا ہو گئی۔ 20 اکتوبر صبح آٹھ بجے لنگر مخدوم کے لئے روانگی ہوئی۔

خوشاب کے قریب ایک بے آباد جگہ پر حضرت جیؒ نے گاڑی روکنے کے لئے کہا۔ خادمِ خاص ملک احمد نواز نے پانی کا برتن کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں رکھ دیا۔ آپؒ عصا کی نوک سے کچھ دیر تک زمین کی سخت سطح کریدتے رہے تاکہ وہ نرم ہو جائے اور پیشاب کے چھینٹے نہ اڑیں۔ حضرت جیؒ ساتھیوں کو اکثر پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کی ہدایت فرمایا کرتے کہ یہ عذابِ قبر کا موجب ہوتے ہیں۔

خوشاب کے بعد راقم نے ازخود ڈاکٹر عظمت کو ڈرائیونگ کے لئے کہا تاکہ اس کو بھی یہ سعادت مل جائے۔ قریباً دس بجے سرگودھا پہنچے تو یہاں بھی کثیر تعداد میں ساتھی موجود تھے۔ ڈھائی بجے لینڈ کروزر پر لنگر مخدوم کے لئے روانگی ہوئی لیکن کچھ ہی دور جا کر جھٹکوں کی وجہ سے آپؒ دوبارہ راقم کی گاڑی میں تشریف لے آئے۔ قریباً چار بجے لنگر مخدوم پہنچے اور سیدھے حضرت سلطان العارفینؒ کے مرقد پر حاضر ہوئے جو آپؒ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اس مرتبہ حاضر ہوئے تو حضرت سلطان العارفینؒ نے ابتلاء کا دور ختم ہونے پر مبارک دی۔ یہ لنگر مخدوم میں حضرت جیؒ کے دور کا سب سے بڑا اجتماع تھا جس میں ساتھیوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد تھی۔

پنڈال کے دائیں حصہ میں ساتھیوں کے درمیان آپؒ کی چارپائی

ہوا کرتی۔ اجتماعی پروگرام' نماز اور ذکر کے علاوہ باقی اوقات میں احباب کی ایک بڑی تعداد آپؒ کی خدمت میں حاضر رہتی۔ جن ساتھیوں کو قریب جگہ مل جاتی وہ گفتگو سے بھی مستفید ہوتے لیکن دور بیٹھے ہوئے احباب محوِ مراقبہ رہتے اور صحبتِ شیخ سے فیض یاب ہوتے۔

نمازِ جمعہ سے قبل قریباً 11 بجے اسی طرح احباب حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ راقم کو اس قدر دور جگہ ملی کہ صرف زیارت ہی ممکن تھی۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ حضرت جیؒ نے خادمِ خاص ملک احمد نواز سے دوا کے ساتھ پانی طلب کیا ہے۔ دل میں حسرت اٹھی کہ اگر اس وقت حضرت جیؒ کے قریب ہوتا تو آپؒ کے باقی ماندہ پانی کے لئے ملک احمد نواز سے درخواست کرتا۔ حضرت جیؒ نے دوا لینے کے بعد پانی کا گلاس ملک احمد نواز کو تھماتے ہوئے کچھ کہا۔ ملک صاحب گلاس لئے سیدھے راقم کے پاس پہنچے اور فرمایا! ''حضرت جیؒ نے بھجوایا ہے''۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ایک مرتبہ روضۂ اطہر ﷺ کی جالی مبارک کے ساتھ بیٹھے ہوئے پیاس کی شدت حد سے بڑھی تو پانی مانگ لیا اور ایک بار نہیں' دو بار مانگا۔ درخواست تو مراقبہ کی حالت میں کی گئی تھی لیکن دونوں مرتبہ خادمِ روضۂ اطہر ﷺ حسن نے از خود زم زم کا گلاس پیش کیا۔ اس دنیا میں آپ ﷺ کی طرف سے پیاس کا درماں! حشر میں پیاسا کیونکر چھوڑیں گے جبکہ آپ ﷺ ہی ساقیٔ کوثر ہوں گے۔

جمعہ کے خطاب سے قبل مسجد کا وسیع احاطہ ساتھیوں سے بھر چکا تھا۔ حضرت جیؒ خطاب کے لئے تشریف لائے تو سرخ اور سفید' چھوٹے چھوٹے خانوں والا عربی رومال سر پر باندھ رکھا تھا۔ جمال ایسا کہ خطاب کے دوران

چہرہ مبارک پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ اس قدر انوارات کا وفور تھا کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو محسوس نہ کر پایا ہو' جس کے لئے کشف کی ضرورت تھی نہ کوئی خاص نظر درکار تھی۔ یہ حضرت جیؒ کا خصوصی خطاب تھا۔

ایک حکم یا قانون کے شروع میں جس طرح مقصد بیان کیا جاتا ہے' اسی طرح حضرت جیؒ نے اپنے خطاب کے شروع میں اس کا مقصد بیان فرماتے ہوئے ایک فتنہ سے متنبہ فرمایا جو اس دور کا سب سے بڑا مفسدِ عقائد ہے اور اس کی ہلاکت خیزی روزافزوں ہے' یعنی فتنۂ انکارِ حیاتُ النبی ﷺ۔ حضرت جیؒ دیکھ رہے تھے کہ ایمان بالرسالت کو مجروح کرنے کے لئے قادیانیت کے بعد یہ دوسرا بڑا حملہ تھا جس کے تدارک کے لئے آپؒ نے ''حیات الانبیاء'' اور ''حیاتُ النبی ﷺ'' کے نام سے معرکۃ الآرا کتب لکھیں اور اس مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اپنے آخری خطاب کا موضوع بنایا۔ خطاب کے آخر میں حضرت جیؒ نے سلسلۂ عالیہ کے مستقبل کے بارے میں اہم ہدایات دیں۔ آپؒ کا یہ خطاب یہاں من وعن پیش کیا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ
قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــًٔا
اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ
صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا
تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى
اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا
زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــًٔا نُّكْرًا ۝
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ
صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا
تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا
حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا
اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ
يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ
اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ
بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ
فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ
اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ
غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ
فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَاَرَدْنَاۤ
اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝
وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ
وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ
فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ
اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما!
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے کہ افلاطون و جالینوسِ ما

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از چشمۂ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

میں ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں اور باقی کچھ ہدایات ہیں جماعت کے لئے۔ مسئلہ اس وقت ہے تو کفر و اسلام کا' لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فروعات سے ہے۔ مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ کے متعلق میں کچھ عرض کروں گا' یہ بہت چل چکا۔ یہ ساتھیوں تک پہنچانا بہت ضروری ہے۔ اس سے پہلے یہ سمجھ لو کہ سبق کی طرح ہو گا۔ تقریر کی طرح نہیں۔ ہم اعتقادات میں' عقائد کے جتنے مسائل ہیں' اہلِ سنت والجماعت اعتقاد کے تمام مسائل میں اشاعرہ کے تابع ہیں' امام ابو الحسن اشعریؒ کے ہم تابع ہیں۔ مقلد اُن کے ہیں۔ عقیدہ کے جتنے مسائل ہیں' جن مسائل کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے وہ اصولی مسائل ہیں جن پر مدار نجات کی ہے۔ ایسے مسائل میں ہم امام ابوالحسن اشعریؒ کے مقلد ہیں اور فروعات میں ہم تابع ہیں اور مقلد ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے۔ یہ مسئلہ یاد رکھیں۔

پہلے یہ سمجھو' امام ابو الحسن اشعریؒ ہیں کون؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے گورنر بھی رہ چکے ہیں' جلیل القدر صحابی ہوئے ہیں حضور ﷺ کے' یہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ اشعری قبیلہ کے ہیں۔ زہد و ورع وتقویٰ کی یہ حالت ہے کہ بیس سال مغرب کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ ساری رات اللہ کے ذکر میں مشغول' کتابوں کی درس و تدریس یا ان کا مطالعہ' اس کے بعد توکّل علی اللہ اس قدر تھا کہ ان کے دادا یا جدِّ امجد کی بصرہ کے نواح میں کسی چھوٹی سی بستی میں کچھ اراضی تھی جو وہ اپنی اولاد کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اس بستی سے جو غلہ آتا تھا' اسی پر یہ اکتفا کرتے۔ ان کے حق میں بہت سی باتیں ہیں جو میں نے بعد میں بیان کرنی ہیں۔

ان کے حق میں جو سب سے عمدہ کتاب لکھی گئی۔

ان کے بارے میں جو بہتان تراشی ان کے بعد میں ہوئی' "تبیین کذب المفتری" علماءِ کرام نے لکھا ہے کہ کوئی اہلِ سنت عالم اس کتاب سے خالی نہ ہو۔ یہ کتاب اس علاقے میں ملتی نہیں تھی۔ نیوی کے ہمارے کچھ ساتھی مصر گئے۔ میں نے ان سے کہا' پرانے کتب خانوں سے تلاش کریں۔ وہ کچھ کتابیں لے آئے جو اِس ملک میں ملتی ہی نہیں تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ کل سترہ درہم سارے سال میں ان کا خرچ تھا یعنی

ایک درہم اور دوسرے کا کچھ حصہ مہینہ میں وہ خرچ کرتے تھے۔توکّل علی اللہ اس قدر تھا۔

مذہباً' ابتداء میں یہ معتزلہ تھے۔ عقیدہ ان کا معتزلہ والا تھا۔خواب میں کئی بار نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''مذہب وہ بہتر ہے جو نقلی ہے' مجھ سے نقل ہو کر پہنچا۔عقلیات کو چھوڑ دیں''۔ چونکہ معتزلہ کا مذہب زیادہ تر عقلیات پر مبنی ہے۔ عقلی دلائل پیش کرتے ہیں' فلسفی اور منطقی۔ اگر یہ فلسفیوں اور معتزلہ کا خبیث ٹولہ نہ ہوتا تو دینی علوم میں فلسفہ اور منطق کا رواج نہ ہوتا۔ یہ پہلے اس پر تھے۔ نبی کریم ﷺ کی کئی بار زیارت سے مشرف ہونے کی وجہ سے' حضور ﷺ کے ارشاد کے بعد یہ اہلِ سنّت والجماعت کے مذہب پر آ گئے۔اس کے بعد یہ قہرِ الٰہی تھے باطل فرقوں کے واسطے۔ایسا ہوا کہ عذابِ الٰہی نازل ہو گیا باطل فرقوں کے واسطے۔ننگی تلوار تھے غیر مذہبوں کے واسطے۔

اس دور میں انہوں نے ایک کتاب تصنیف فرمائی ''مقالات اسلامیین باختلاف مصلّین۔''وہ بھی اِس ملک میں نہیں ملتی تھی' بڑی کتاب ہے دو جلدوں میں۔ انہوں نے چھوڑا کوئی نہیں' اس دور میں جو مذہب نکلے ہیں' تمام کے تمام انہوں نے نقل کیے ہیں۔مصر سے ایک ساتھی لے آیا۔اُن کے حالات' میں اس بات پر حیران

ہوں جس کی وجہ سے میں نے یہ بات شروع کی ہے۔

امام ابوالحسن اشعریؒ کے اس تذکرہ سے دراصل میرا مقصد ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس دور میں سب سے زیادہ زور فرقہ جہمیہ اور فرقہ کرامیہ کا تھا اور فرقہ کرامیہ کے لئے یہ ایک عذابِ الٰہی کی مانند تھے۔ کرامیہ ان سے تنگ آگئے اور مجبور ہو گئے۔ آخر ان کے ذریعے انہیں زہر دے کر شہید کر دیا۔ کرامیہ کے بارے میں مقالات کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ کرامیہ فرقہ سلطان محمود غزنوی کے پاس وفد کی صورت میں پہنچا اور انہوں نے شکایت کی یہ شخص (ابوالحسن اشعریؒ) ہمیں بے ایمان اور بدعتی کہتا ہے حالانکہ یہ خود کفریہ عقائد رکھتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے پوچھا کہ اس کا ایسا کیا عقیدہ ہے؟ بصرہ، عراق اور ایران اس زمانے میں سلطان محمود کی حکومت میں شامل تھے۔ اس کی بڑی وسیع حکومت تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمیں بدعتی کہتا ہے' بدمذہب کہتا ہے اور اپنا عقیدہ کفر ہے جو بدعت سے بڑھ کر ہے۔ کیا عقیدہ رکھتا ہے؟ یہ شخص کہتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ جس وقت اس دنیوی زندگی کو ختم کر کے دنیا سے رخصت ہوئے' اس کے بعد وہ نبی نہیں رہے اور نہ ہی رسول رہے۔ پہلے بھی یہ حقیقی نبی نہیں' حکمی نبی تھے۔ (العیاذ باللہ)

چند دن قبل ایک مولوی صاحب سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو اس نے کہا ''حکم شَے' اس کا قائم مقام ہوتا ہے''۔ میں نے کہا غلط ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ عورت کو طلاق مل جائے تو تین حیض تک وہ حکمِ نکاح میں ہوتی ہے' عدت جو ہے وہ حکمِ نکاح میں ہے۔ میں نے کہا آپ کو مغالطہ ہوا ہے' آپ کو فقہ کی سمجھ نہیں۔ طلاق کے بعد عورت اس شخص کی منکوحہ نہیں رہتی۔ بیوی کے متعلق جتنے احکام اس سے قبل تھے' وہ ختم ہو گئے۔ خاوند اس کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا' وطی نہیں کر سکتا' اس کے ساتھ باقاعدہ الگ مکان میں نہیں رہ سکتا' عورت اس کے پاس رہ نہیں سکتی۔ عدت براءتِ رحم ہے' ممکن ہے کہ اس کے پیٹ میں کچھ ہو۔ یہ نکاح کے واسطے نہیں دی گئی۔ عدت براءتِ رحم کی ہے' اس لئے نہیں کہ ابھی نکاح کا حکم باقی ہے۔ میں نے کہا' یہ قاعدہ آپ نے کہاں سے اخذ کیا کہ حکم شَے' شے کا قائم مقام ہوتا ہے۔

غرضیکہ اس وفد نے سلطان محمود سے کہا کہ یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ ﷺ دنیا سے برزخ منتقل ہو گئے' رسالت بھی ختم ہو گئی' نبوت بھی ختم ہو گئی۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو محمد ﷺ کے یہاں سے انتقال کر کے برزخ میں جانے کے بعد کوئی زندگی ان کو حاصل نہیں۔ نہ سنتے ہیں' نہ دیکھتے ہیں' نہ بولتے ہیں' نہ جواب دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اہلِ سنت والجماعت ہی نہیں' تمام کے تمام' سوائے معتزلہ کے' اس بات سے متفق ہیں اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ جب روضۂ اطہر ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا جائے تو آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں اور جو درود شریف دور سے پڑھا جاتا ہے تو اسے ملائکہ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ اب آ کر اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔

اس موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر میں نے حافظ صاحب کو دیا ہے جو عنقریب طبع ہو جائے گا۔ میں نے اس میں لکھا ہے' دنیا بھر میں کوئی ایک مفسر پیدا کر دو جو اس عقیدہ پر ہو کہ روضۂ اطہر ﷺ پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں تو آپ ﷺ نہیں سنتے۔ اسے چیلنج کیا ہے کہ کسی ایک مفسر' کسی ایک محدث' ایک شارح محدث' متکلمین میں سے کوئی ایک متکلم' فقہا میں سے کوئی ایک فقیہ' صوفیوں میں سے کسی ایک صوفی ہی کا قول پیش کر دیں جو اس کا قائل ہو کہ آپ ﷺ' روضہ اطہر پر جا کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جائے تو نہیں سنتے۔ کوئی ایسا آدمی نہ ملے گا' دیدہ بادیدہ۔ میں نے لکھا ہے' کوئی مائی کا لال طاقت رکھتا ہے تو کوئی ایک قول پیش کر دے۔

خوب سمجھ لو' موت کیا چیز ہے؟ موت کوئی ابدی چیز نہیں کہ وجود کو ختم کر دیتی ہے۔ موت ایک ....

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔ موت ایک پل ہے۔ دنیا ایک دریا ہے۔ سمجھ لو اس کو عبور نہیں کر سکتے کہ آگے جائیں۔ موت ہمارے واسطے ایک پل رکھا گیا ہے کہ دنیا سے عبور کر کے آگے برزخ میں جائیں یا اسے ایک کشتی سمجھ لو' جہاز سمجھ لو' جس پر سوار ہو کر ہم آگے جا سکیں۔ موت ابدی چیز نہیں۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاتَ۔ جس طرح زندگی کو پیدا کیا اسی طرح موت کو بھی پیدا کیا۔ وہ بھی مخلوق' یہ بھی مخلوق۔

قانون یہ ہے کہ ایمان' ایمان' نبوت' رسالت' علم' یہ صفات قائم بنفسہٖ نہیں کہ علیحدہ ہوں۔ مجھ میں علم ہے' میرے وجود میں ہی ہے' الگ علم نہیں کہ کہیں علیحدہ کھڑا ہو۔ میرا وجود نہ ہو' میرا علم کوئی نہیں۔ یہ صفات ایسی ہیں' رسالت' نبوت' ایمان' علم' یہ سماع' سننا' یہ چاہتی ہیں موصوف زندہ ہو۔ یہ ایسی صفات ہیں جو زندہ موصوف کی ہیں کیونکہ یہ قائم بغیرہٖ ہیں' بنفسہٖ قائم نہیں' الگ نہیں۔ کسی کے ساتھ ہی پائی جاتی ہیں۔

اب امام ابوالحسن اشعریؒ پر جو سوال ہوا وہ اس وجہ سے ہوا۔ محمود غزنوی کے سامنے جب یہ چیز پیش کی گئی کہ وہ اس بات پر قائل ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ دنیا سے منتقل ہوئے تو ایمان بھی گیا' رسالت بھی گئی' نبوت بھی گئی' علم بھی گیا' ختم ہو گیا۔ (العیاذ باللہ)

سلطان محمود نے کہا کہ اگر یہ بات جو تم کہتے ہو درست ہے تو لَاَقْتُلَنَّهٗ ' میں اس شخص کو قتل کردوں گا کیونکہ یہ واجب القتل ہے' حلال دم ۔ اس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین کی ہے ۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے لایا جائے ۔ پولیس گئی اور بصرہ سے لے آئی ۔

محمود غزنوی خود بڑا عالم فاضل آدمی تھا ۔ اس نے غزنی میں ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم کیا ہوا تھا ۔ بڑے علماء وہاں پڑھاتے تھے' درس دیتے تھے ۔ بہت بڑا کتب خانہ اس نے قائم کیا ہوا تھا ۔ ہر مذہب کی ہر قسم کی کتابیں وہاں جمع کی ہوئی تھیں ۔ دیندار آدمی تھا ۔ علماء کا دوست تھا ۔ اولیاء اللہ کا بڑا خادم تھا ۔

جب امام ابوالحسن اشعریؒ پیش ہوئے تو سلطان نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ مجھے آپ کے متعلق یہ کچھ بتایا گیا ہے ۔ تو انہوں نے فرمایا "کَذَبَ عَلَیَّ النَّاقِلُ" ناقل نے جھوٹ بولا ۔ میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو علی الاطلاق نبی مانتا ہوں ۔

جب یہ بات مجھے پہنچی' میں نے دیکھی اور ہمارے بڑے مفتی ہیں ثقلین' جنوں اور انسانوں کے جو مفتی ہیں انہوں نے نقل کی تھی ۔ یہ چیز دل میں کھٹکتی تھی کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر' جس کے ہم مقلد ہیں' اعتقادیات میں' یہ عقیدہ

اس کا ہو تو ہم نے تقلید کس لئے کرنی ہے! مجھے اس کی جستجو پیدا ہوئی۔ مولویوں نے کوئی نہیں کی۔ مجھے آخر کار "طبقات شافعیۃ الکبریٰ" میں یہ چیز مل گئی۔ "مقالاتِ ذلامی" میں مجھے یہ چیز مل گئی۔

انہوں نے فرمایا "کَذَبَ عَلَیَّ النَّاقِلُ" ناقل نے مجھ پر جھوٹ بولا۔ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو علی الاطلاق نبی سمجھتا ہوں۔ علی الاطلاق کا مطلب کیا ہے؟ یہ نہیں کہ ازل میں نبی نہیں ہیں، یہ نہیں کہ دنیا میں نبی نہیں ہیں، یہ نہیں کہ وہ برزخ میں نبی نہیں ہیں، یہ نہیں کہ قیامت کے بعد نبی نہیں ہیں۔ میں ان کو ازل میں بھی نبی سمجھتا ہوں، دنیا میں بھی نبی سمجھتا ہوں، برزخ میں بھی نبی سمجھتا ہوں، رسول سمجھتا ہوں اور قیامت کے بعد جنت میں بھی ان کو نبی اور رسول سمجھتا ہوں۔ اور فرمایا: هُوَ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ

وہ قبر میں، برزخ میں نبی ہیں۔ ان الفاظ کی کوئی قید لگائی؟ اس واسطے کہ وہ صفات جو میں نے پہلے بیان کی ہیں، وجودِ زندہ کو چاہتی ہیں۔ اگر زندگی نہیں! نبی کو اپنی نبوت کے علم کا ہونا فرض ہے۔ وہ نبی نہیں جسے اپنی نبوت کا علم نہیں۔ وہ رسول نہیں جسے اپنی رسالت کا علم نہیں۔ مومن، مومن نہیں جسے اپنے ایمان کا پتہ کوئی نہیں۔ اس واسطے یہ صفات زندہ موصوف کو چاہتی ہیں۔ انہوں نے قید لگا دی کہ هُوَ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ

ہیں۔ یہ مسئلہ مجھے ان دو کتابوں سے ملا۔ خاص طور پر جو تفصیل ''طبقاتِ شافعیۃ الکبریٰ'' میں ملی۔ امام تاج الدین سبکی نے لکھا' عالمِ اطلاق زندہ موصوف کو یہ صفات چاہتی ہیں۔ نبی زندہ نہ ہو! زندہ نہیں نبوت کوئی نہیں' زندہ نہیں رسالت کوئی نہیں۔ (العیاذ باللہ)

یہ سمجھ لو! حیاتِ نبی ﷺ کا انکار کرنا' رسالت اور نبوت کا انکار کرنا ہے۔ آج بھی ایک ٹولہ جو یہ کہتا ہے ''نبوت اور رسالت کا یہ انکار نہیں'' میں کتابیں ساتھ لے کر آیا ہوں' یہاں موجود ہیں' جسے ضرورت ہو دیکھ سکتا ہے کہ ''ایمان صفت' روح کی ہے''۔ اب بات یہاں تک پہنچا دی ہے' ایمان صفت روح کی ہے' باالذات۔ نبوت باالذات' کہتے ہیں صفت روح کی ہے۔ جس ٹولے کی خاطراب میں یہ بات کر رہا ہوں' رسالت باالذات صفت روح کی ہے' علم باالذات صفت روح کی ہے۔ جس وقت روح جدا ہوا اور بدن الگ ہو گیا' گویا بدن ایک نوکر اور غلام ہے روح کا۔ جب تک وہ زندہ رہا اس وقت تک مزدوری لیتا رہا' رسالت کی' نبوت کی' ایمان کی' علم کی' اس وقت تک روح اس سے (مزدوری) لیتا رہا۔ روح اس سے جدا ہوا نوکری ختم ہوگئی' لہٰذا مزدوری ختم ہوگئی' نبوت ختم ہوگئی' رسالت ختم ہوگئی۔ سب کچھ ختم۔ (العیاذ باللہ) یہ عقیدہ آج بنایا گیا ہے۔ (میز تھپتھپاتے ہوئے کہا) اس

واسطے میں نے یہ بات کی ہے۔

یہ سمجھ لو اچھے طریقے سے!

ازلی نبی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت نبی تھا' آدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (اوکما قال رسول اللہ ﷺ) جس وقت آدمؑ مٹی اور پانی میں پڑے ہوئے تھے' اس وقت بھی محمد رسول اللہ ﷺ نبی تھے۔

پھر میں نے دیکھا' تلاش کی' پڑتال کرنے کے بعد محدّث ضیاء مقدسی اپنی کتاب ''حدیثِ مختار'' میں نقل کرتے ہیں۔ بَدِیْعُ الْخَلْقِ (اوکما قال رسول اللہ ﷺ) حضور ﷺ نے فرمایا' مخلوق کی پیدائش کا سبب ہی میں بنا۔ پیدائش میں اوّل' بعثت میں آخر' سب سے پہلے۔ اس واسطے تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ ﷺ کی امت میں داخل ہیں۔ اس واسطے تاج الدین سبکی نے' اس سے پہلے کتابوں میں پڑھا ہے دیکھا ہے' انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

اس آیت کی تفسیر انہوں نے لکھی۔ تاج الدین سبکی کا ''فتاویٰ سبکی'' تلاش کرتا رہا جو مجھے مصر سے ملا۔ اس کی پہلی جلد میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ

ازل میں نبی تھے۔ اس کے بعد تمام نبی ان کے تابع تھے' انبیاء علیہم السلام تمام کے تمام۔ اس واسطے آپ ﷺ نے فرمایا:

لَو کَانَ مُوسٰی حَیًّ لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ

اگر موسیٰ علیہم السلام زندہ ہوتے' میری اطاعت کے بغیر ان کو بھی نجات نہ مل سکتی۔ یہ چیزیں' جس باطل عقیدہ کا ذکر گزرا' العیاذ باللہ' ثم العیاذ باللہ' کہ ایمان صفت بالذات روح کی بن جائے' نبوت بالذات صفت روح کی بن جائے' رسالت بالذات صفت روح کی بن جائے تو بدن کو کوئی چیز نہیں ملتی۔ پھر آج جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ کلمہ ہم پڑھ رہے ہیں۔ تو جس وقت نبی کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے' آپ ﷺ کا وجودِ مقدس نبوت سے خالی' رسالت سے خالی' تو یہ حکم جو ہم پڑھ رہے ہیں' پھر غیر رسول کا پڑھ رہے ہیں؟ (میز تھپتھپاتے ہوئے فرمایا) تو اس لئے ہم کہتے ہیں کہ برزخ میں بھی پیغمبر ﷺ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان آنکھوں سے آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں' مُردوں کے واسطے مُردہ' زندوں کے واسطے زندہ' اگر اس چیز کو تسلیم کر لوں۔

حتیٰ کہ نیلوی صاحب ہیں سرگودھا میں' انہوں

نے اپنی ''ندائے حق'' میں صفحہ چالیس پر لکھا ہے ''یہ بدن انسان ہے ہی نہیں''۔

جسے ضرورت ہے' میں دکھا دیتا ہوں' یہاں پڑی ہوئی ہے۔ یہ بدن انسان ہی نہیں؟ گوشت پوست' ہڈی' رگ ریشہ' چمڑا' یہ ماس' یہ انسان ہی نہیں؟ کوئی پاگل آدمی ہے۔ ہم آدم علیہم السلام کی اولاد نہیں تو کیا ہم جنات کی اولاد ہیں؟ ہم کس کی اولاد ہیں؟ انسان نہیں؟ انسان کون ہے؟ روح ہے؟ پھر کوئی صحابی بن سکتا ہے؟ آپ ہی سے پوچھیں' جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا وہ صحابی کیسے ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت باایمان زندگی میں' حیات کی قید' حیات میں نبی کریم ﷺ موجود ہوں۔ اگر ایمان ہو اور اس حالت میں اگر آپ ﷺ کی زیارت ہو تو صحابی ہے۔ اگر وہ نہیں دیکھ سکتا' اندھا ہے مثلاً' نابینا ہے' محمد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو بھی صحابی ہے۔ خود ہو باایمان' یہ زندگی' حیات نبی کریم ﷺ میں زیارت کرلی' صحابی ہے۔ اگر یہ نہیں کر سکتا' آنکھیں نہیں ہیں' نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ لیا' صحابی ہے۔ تو جس وقت روح ہوا نبی' انسان ہوا روح' تو انسان ہی نبی ہوتا ہے' غیر انسان تو نبی بھی نہیں ہوتا۔ جن تو نبی نہیں بن سکتے۔ غیر انسان جب بدن بن گیا' انسان' بدن نہ رہا تو نبی کی زیارت! کیا روح کو کسی نے دیکھا ہے؟ روح دیکھا جو کسی نے نہیں' نہ کوئی

صحابی اور نہ کوئی تابعی۔ بلکہ اس چیز کو دیکھا جس میں نبی چھپا ہوا تھا۔ تو نے ماں کی زیارت کوئی نہ کی' باپ کی نہ کی۔ زیارت اس چیز کی کی جس میں ماں چھپی ہوئی تھی' باپ جس میں چھپا ہوا تھا۔ نہ کوئی صحابی' صحابی اور نہ آگے صحابہ کے دیکھنے والے تابعی' سارے ختم ہو گئے۔

اب آ گیا ''جسمِ مثالی''۔ بڑی لے دے اس پر ہوئی۔ جسمِ مثالی کے تسلیم کرنے کے ساتھ سب سے پہلے کیا چیز لازم آتی ہے؟ اُن سے پوچھیں' اس کا مادہ کیا ہے؟ تمام کائنات' جن' شیاطین' ملائکہ کو چھوڑ کر تمام کائنات مٹی اور پانی سے بنی۔ ملائکہ نور سے پیدا ہوئے' مسلم شریف میں موجود ہے۔ شیطان اور جن آگ کی پیدائش ہیں۔ روح کے متعلق سوال کرنے کے باوجود مادہ نہیں بتایا گیا' کس سے پیدا ہوا؟ یہ نہیں بتایا گیا لیکن جسمِ مثالی کا ہمیں پتہ نہیں یہ کیا شَے ہے اور کس سے پیدا ہوا' یہ الگ بات ہے۔ یہ میں نے جو اعتراض کی صورت میں سوال کئے ہیں' یہ میں نے کتاب میں درج کر دیئے ہیں۔ اعتراض میں نے کئے ہیں۔ کیا یہ جسمِ مثالی' روح کے بدن میں آنے سے پہلے زندہ تھا یا مردہ تھا؟ مردہ تھا تو کیا دفن تھا؟ زندہ ہے تو وہ روح تھا؟ بدن میں روح داخل کرنے کے بعد دوسرا روح داخل کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ باتیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

حضرت جیؒ نے عام لوگوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک

باطل مذہب کے عقیدہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

یہ مذہب کہتا ہے کہ سنّی جو نیکی کرتے ہیں وہ ساری کی ساری اُن کو ملیں گی اور اُن کی جتنی برائیاں ہیں' جتنے گناہ ہیں وہ سنّیوں کو ملیں گے اور اِن گناہوں کی وجہ سے وہ سارے دوزخ میں جائیں گے۔ یہ جنتی' سنیوں کی نیکیوں کی وجہ سے اور سنّی سارے دوزخی' اُن کے گناہوں کی وجہ سے۔

جسمِ مثالی کا نظریہ پیش کرنے والوں نے بھی کہا' کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ نمازیں یہ پڑھے' قرآن یہ پڑھے' روزے یہ رکھے' حج یہ کرے' پھر کیا؟ شہادتیں یہ حاصل کرے' تلوار یہ چلائے' مرے یہ اور شہید بن جائے جسمِ مثالی۔ جس نے اُس باطل مذہب کی بنیاد رکھی اس نے اعمال پر ضرب لگائی کہ وہ گناہ خوب کریں اور نیکی چھوڑ دیں' سنّیوں کو یقین ہو جائے کہ ہماری تمام کی تمام نیکی اُن کو ملے گی تو کیوں نیکی کریں۔ اُن کو جب پتہ ہے کہ گناہ جتنے ہیں' برائیاں جتنی ہیں تمام سنّیوں کو ملیں گی تو خوب گناہ کیوں نہ کریں گے؟ یہ گناہ کرتے رہیں وہ نیکیاں نہ کریں۔ جسمِ مثالی والے نے ایسا ہی کیا کہ نیکی دنیا سے اٹھ جائے' گناہ خوب کریں کیونکہ عذاب تو جسمِ مثالی کو ہوگا' ہمیں کیا۔ حقیقتاً یہ مسلمانوں سے عمل چھڑانے کی کوشش ہے۔ یہ کبھی سنا ہے؟

یہ جواب مجھے دیا گیا' جواب یہ دیا گیا کہ زنا جو

کرتے ہیں' وہ کون کرتا ہے؟ لیکن پیٹھ پر کوڑے کیوں لگتے ہیں؟ جواب سنا ہے! یہ جواب دیا گیا کہ جسمِ مثالی کا معاملہ بھی یہی ہے۔ میں نے کہا ارے پاگل! یہ کوئی الگ بدن ہے؟ مادہ منویہ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ ہماری کمر سے نکل کر آتا ہے۔ یہ تمہیں کس نے بتایا ہے' یہ کوئی الگ چیز ہے؟ جسمِ مثالی تم الگ جسم بناتے ہو' یہ تو اسی بدن کا عضو ہے۔

اچھا! تو محمود غزنوی کی دو چار باتیں میں نے یہاں اس لئے بیان کر دی ہیں تاکہ آپ کو پتہ چل جائے' سمجھ آ جائے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے قائل نہ ہوں' جو شخص منکر ہے وہ حضور ﷺ کی رسالت کا قائل نہیں ہوسکتا۔ عبادت کون سی صورت کے ساتھ ہے۔ نبی کو اپنی نبوت کا علم نہ رہا' رسول کو اپنی رسالت کا علم نہ رہا' جس وقت یہ نہ رہا' نہ نبوت رہی نہ رسالت رہی' کوئی چیز نہ رہی۔ اس واسطے پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنا' اس سے مسلمان کوئی نہ بنے گا' کافر رہے گا۔ العیاذ باللہ! یہ ایسا بُرا مذہب نکالا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی توہین ہے۔

یاد رکھیں! ہمارا اہلِ سنّت والجماعت کا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ متواترات میں سے ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں' برزخ میں' قبر کا معنی ہے برزخ' برزخ میں زندہ ہیں۔ دنیا سے چلے گئے۔ دنیا کی مثال

دی ہے کہ پل سے گزر کر دوسرے علاقے میں چلے گئے۔

اَلْمُؤْمِنُوْنَ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنَ الدَّارِ اِلَی الدَّار۔

مومن مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک حویلی سے منتقل ہو کر دوسری حویلی میں چلے جاتے ہیں' تو نبی کی شان تو بہت بلند ہے۔

پھر جسمِ مثالی کو تسلیم کرنا تناسخ کا قائل ہونا ہے۔ ہندوؤں سے یہ مذہب لیا گیا۔ ہم صورِ مثالی کے قائل ہیں۔ مثالی صورتیں ہیں۔ ادھر ایسے ساتھی کافی تعداد میں یہاں بیٹھے ہیں۔ اٹک کے ساتھی' وہاں مجھے دیکھتے ہیں۔ جس وقت ذکر کرتے ہیں میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں' بتاتے ہیں۔ انہیں سے پوچھ لیں۔ استاد ساتھ ہوتے ہیں۔ انگلینڈ والوں سے پوچھو' کہتے ہیں ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ جرمنی والوں سے پوچھو' کہتے ہیں' یہاں ہوتے ہیں۔ فرانس والے کہتے ہیں' یہاں ہوتے ہیں۔ صور مثالی شے دیدنی ہوتی ہے' بودنی نہیں' دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کا وجود کوئی نہیں ہوتا۔ باتیں کرتا ہے لیکن اس کی بیوی کوئی نہیں' بچے کوئی نہیں' مکان کوئی نہیں' گھر کوئی نہیں' جائیداد کوئی نہیں۔ شے دیدنی ہوتی ہے بودنی نہیں ہوتی۔ اس کے ہم قائل ہیں۔ جسمِ مثالی جس کو ثواب ملے' عذاب ہو' باتیں کرے' سارے سوال و جواب ہوں' روح سے اس کا تعلق ہو جائے' روح کا دوسرے بدن سے تعلق ہو جانا۔ اسی کو تناسخ کہتے ہیں۔

اس کا جواب دیا گیا' تناسخ اس چیز کو کہتے ہیں کہ دوسرے بدن میں روح داخل ہو اور وہی بدن دنیا میں آجائے۔ میں نے کہا نہیں یہ غلط ہے' تناسخ کہتے ہیں روح کو دوسرا بدن مل جائے۔ اب اس کے بعد وہ دوسرا بدن برزخ میں چلا جائے خواہ دنیا میں آجائے۔ تناسخ ہندوؤں کا مسلک ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ اسی کو اپنا لیا اور مان لیا' جس وقت روح کے لئے دوسرا بدن تسلیم کرلیا گیا۔ بدن کے تسلیم ہونے کے بعد وہ بدن خواہ برزخ میں چلا جائے خواہ دنیا میں آجائے' تناسخ اسی کو کہتے ہیں۔ یہی تناسخ ہے جو ہندوؤں کا وضع کردہ ہے۔ عقیدہ ان سے لیا گیا۔ یہ مسئلہ جسمِ مثالی کے عذاب ثواب کا' یہ شیعوں سے لیا گیا۔

یہ سمجھ لیں! ہمارا اہلِ سنّت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام زندگی میں جس طرح رسول ہیں' وفات کے بعد دنیا سے منتقل ہو کر برزخ میں جانے کے وقت بھی ویسے ہی رسول ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ دنیا میں بدن بالذات مکلّف ہوتا ہے۔ عمل یہ کرتا ہے' روح اس میں پوشیدہ ہے۔ برزخ میں جا کر بالذات روح مکلّف ہو جاتا ہے' بدن اس کے تابع ہوتا ہے۔ کام وہاں جتنے ہیں وہ روح کرتی ہے۔ مکلّف میں اور تکلیف میں فرق ہے۔ ادھر بدن بھی نبی' بدن بھی رسول' روح بھی نبی' روح بھی رسول' برزخ میں بدن بھی نبی' بدن بھی رسول'

روح بھی نبی' روح بھی رسول' آخرت میں جا کر' جنت میں وہاں پہنچ کر بھی' بدن بھی نبی' رسول' اسی طرح روح بھی نبی اور رسول۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وہاں زندہ نہیں' وہ حقیقتاً انکار کر رہا ہے نبوت اور رسالت کا کیونکہ وجود زندگی چاہتا ہے۔ جس وقت مر گیا کچھ بھی نہیں' نہ نبی رہا نہ رسول رہا' کوئی کچھ بھی نہیں۔

ایمان کس کو کہتے ہیں؟ ایمان کہتے ہیں تصدیقِ قلب' اقرار باللّسان۔ تصدیق بالقلب۔ والاقرار باللّسان' دل میں یقین ہو اور زبان پر اقرار ہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے' رسول برحق ہیں' کتابیں برحق ہیں' ملائکہ برحق ہیں' جہان حادث ہے' تقدیر ٹھیک ہے' جنت دوزخ بھی موجود ہیں۔ یہ ہے ہمارا عقیدہ۔ عقیدہ تصدیقِ قلبی کو کہتے ہیں۔ اقرار باللّسان احکام بجا لانے کے واسطے۔ اگر ضروری ہے تو منہ سے کہے۔ جس وقت مر گیا وہ زندہ ہے ہی نہیں' تصدیقِ قلبی کس طرح کرے گا؟ نبی کو رسالت کا علم کس طرح ہو گا؟ نبوت کا علم کہاں سے آ گیا؟ جو شخص انبیاء علیہم السلام کی حیات کا قائل نہیں' وہ منکرِ نبوت اور منکرِ رسالت ہے۔

محمود غزنوی نے جب ان سے یہ بات پوچھی' اس کے بعد کیا لکھتے ہیں؟ اس وقت یہ عقیدہ رکھنے والا کہ

انبیاء علیہم السلام ختم ہو گئے ہیں۔ دنیا سے گئے تو بس ختم ہو گئے ہیں۔ اس عقیدہ والے کو واجب القتل قرار دیا گیا۔ اَقْتُلَنَّهٗ. میں اس کو قتل کر دوں گا' یہ بات صحیح ہے۔

دوسرا واقعہ موجود ہے۔ سلاطینِ عثمانیہ حرمین شریفین کے جس وقت متکلّف تھے۔ کوفہ کا وکیع بن جراح ایک عالم آیا۔ کوفہ کا رہنے والا' وکیع بن جراح اس نے آ کر مکہ مکرمہ میں تقریر کی۔ جس کو ''طبقات ابن سعد'' نے نقل کیا۔ ''طبقات ابنِ سعد'' اس وقت عالم اسلامی ختم ہو چکی تھی' یورپ میں طبع ہوئی۔ یورپ والے طبع کریں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر حملے کیوں نہ ہوں۔ اس نے تقریر میں یہ بات کہی کہ نبی کریم ﷺ کو دیر سے دفن کیا گیا' تین گستاخانہ کلمات کہے' العیاذ باللہ۔ یہ بات خلیفہ عثمانی تک پہنچی۔ وکیع بن جراح کوفے کا عالم آیا اور اس نے کہا یہ تقریر میں نے کی۔ اسی وقت مفتیِ حرمین' قاضی القضاۃ' چیف جسٹس جس کو کہتے ہیں' بادشاہ نے ان سے فتویٰ طلب کیا کیونکہ قانونِ اسلامی سے تو وہ واقف تھا۔ انہوں نے فوری فتویٰ دیا کہ اس کو سولی پر لٹکا کر قتل کر دیا جائے لیکن صفیان بن عیینہ بڑا فاضل ہوا' اس نے بادشاہ سے جا کر سفارش کی۔ سفارش کے بعد بادشاہ سزا پر عمل درآمد کرنے سے رک گیا۔ الگ ہونے کے بعد اس نے فوراً اسے کہا کہ تو مکہ سے نکل جا اور مدینے چلا جا۔ پہلی جلد

''نسیم الریاض' الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ'' قاضی عیاض کی' ''نسیم الریاض'' شرح ہے' جس میں لکھا کہ اختلاف ہے۔ اختلاف اس بات میں کہ صفیان بن عیینہ نے کہا کہ قتل نہ کیا جائے۔ اس میں سرخی قائم کی کہ نبی ﷺ کی موت کا کہنے والا' وہ واجب القتل ہے اور کافر ہے یا مسلمان ہے؟ وہ صرف یہ کہتا تھا کہ قتل نہیں ہو سکتا۔ جس وقت سفارش کی۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ ثُمَّ نَدَمَ. پھر پشیمان ہوا' میں نے کیوں معاف کیا! پھر تلاش کیا وہ کدھر گیا۔ وہ نکل چکا تھا۔ مدینے چلا گیا۔ پروانہ جاری کیا کہ اس کو فوری تلاش کیا جائے۔ اس کے بعد مدینہ کے گورنر کو حکم دیا کہ فلاں آدمی آرہا ہے جس وقت وہ آئے تو اسے رَجم کر دیا جائے' اسے پتھر مار مار کر مار ڈالا جائے۔ اس کے بعد سفیان بن عیینہ جس نے پہلے سفارش کی تھی اسی نے ایک آدمی کو رقعہ دے کر بھیجا کہ مدینہ نہ جاؤ' کوفے واپس چلے جاؤ۔

علماء کا اس پر کچھ اختلاف ہوا کہ آیا اس شخص کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جا رہا تھا یا سزا ہی قتل تھی' اس مسئلے کو پہلے میں نقل کر چکا ہوں۔ لیکن یہ مسئلہ جس کی جستجو میں نے اس وجہ سے کی کہ حضرت ابوالحسن اشعریؒ پر جو بہتان تھا کہ وہ یہ بات کہتے ہیں' اس سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ پھر مجھے تلاش کرنی پڑیں تو ''دار المنتقاء'' فتاویٰ ہے فقہ کا' اس میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن اشعریؒ پر بہتان اور افتاء ہے

کہ انھوں نے یہ بات کہی کہ العیاذ باللہ نبی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد نبی حقیقی نہیں رہے۔ ایمان' رسالت اور نبوت ختم ہو چکی۔ یہ بہتان تراشی کی گئی۔ علامہ شاذلی نے تیسری جلد شامی میں نقل کیا لیکن لیا انہوں نے بھی ''دارالمنتقاء'' سے ہے۔ انہوں نے نقل کیا کہ نہیں' وہ اس بات کے قائل تھے کہ ''هُوَحَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ'' کہ اپنی قبر میں محمد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔

تو اس وجہ سے میں نے یہ مسئلہ بتا دیا کہ کل کوئی اٹھے اور جسمِ مثالی پیش کرے تو اس سے کہو یہ عجیب ہے کہ گناہ کرے دادی اور چٹی پڑ جائے پوتوں کو۔ قصور کوئی کرے اور بھرے کوئی۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جب تک نبی دنیا پر مبعوث نہ ہو' قوم کو بتایا نہ جائے......
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝...... ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک رسول بھیج کر اس کو تنبیہ نہ کر دیں۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝

میں نے کیوں ان کو ہلاک نہیں کیا' قریش مکہ کو۔ اگر میں تیرے آنے سے پہلے' محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے' ان کو ہلاک کر دیتا تو یہ کہتے اے رب کیوں نہیں رسول بھیجا' ہم اس ذلت سے' خواری سے اور اس عذاب سے پہلے بچ جاتے۔ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اے اللہ!

اس دن' قیامت والے دن' میں ان کو ہلاک پہلے کر دوں' عذاب دوں تو یہ کہیں گے" فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ یہ مخلوق کہہ سکتی تھی کہ اے رب ہماری طرف رسول بھیجا ہوتا۔ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ۔ تیرے کلموں کی ہم اطاعت کرتے۔ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہم مومن بن سکتے تھے۔ ہماری طرف رسول نہیں آیا' اعتراض کر سکتے تھے۔

میں پوچھتا ہوں آیا جسمِ مثالی دنیا پر آیا؟ دارِ تقدیر میں آیا۔ اس کی طرف نبی بھیجا گیا؟ اس کو خطاب کیا گیا؟ وہ مکلّف ہے؟ پھر مکلّف نہیں ہے تو عذاب اور ثواب کس بات کا' عجیب ہی بات ہے! اس وجہ سے کہ کل کوئی اٹھے' وہ جی' جسمِ مثالی کو سب کچھ ملتا ہے۔ جسمِ مثالی نہ کوئی شے ہے' نہ کوئی اس کا وجود ہے۔ صورِ مثالی ہیں' ہم ان کے قائل ہیں' تمام اہلِ سنت والجماعت۔

علامہ سیوطی نے ایک مستقل کتاب لکھی۔ اولیاء اللہ کی معاونت کے واسطے۔ "المثانی فی صور الولی۔" یہ چھوٹی بحث میں نے اس لئے کر دی کہ آج کل یہ مسئلہ بڑا چل رہا ہے۔ متنبہ رہیں' خیال رکھیں' ہمارا عقیدہ یہ ہے۔

قرآن کریم یہ کہتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ رسول کن کو کہا گیا؟ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب کو رسول کہا گیا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ' یہ سارے رسول گزرے۔ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔ ہم نے کسی رسول کے درمیان فرق نہیں ڈالا' کس بات کا؟ کسے مانیں اور کسے نہ مانیں۔ ان کو قرآن' رسول کہتا ہے اور آج یہ اٹھ کر کہتا ہے' نہیں' بس ختم' ایمان صفت' نبوت صفت' رسالت صفت' روح کی' روح لے کر الگ ہو گیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی طرح پڑے ہیں۔

اس کے بعد دوسری چیز' جماعت کے متعلق جو میں نے عرض کرنی ہے' وقت تھوڑا ہے۔

یہ سمجھ لو! زندگی موت کا کوئی پتہ نہیں۔ سارے ساتھی' کسی کی پہلے اور کسی کی بعد' مانگی ہوئی چیز ہے' عاریتاً۔ یہ زندگی ہماری ذاتی چیز نہیں یہ وجود بھی ہمارا ذاتی نہیں۔ امانت ہے اللہ تعالیٰ کی۔ اس واسطے لکھا ہے کہ ایک پیوند لگانا' ایک عضو جدا کر کے' دوسرے کسی انسان کو دینا' یہ جائز نہیں۔ شرعاً کوئی عضو کاٹ کر دوسرے انسان کو وہ عضو لگا دیا جو آج کل ڈاکٹر کرتے ہیں' یہ حرام ہے شرعاً۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وجود ہماری ذاتی چیز نہیں بلکہ یہ ایک امانت ہے ہمارے پاس' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی۔ اس کا ہمیں اعتبار کوئی نہیں۔ جس وقت چاہے' ہم سے واپس لے لے۔ اس واسطے میں یہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں' ساتھیوں کو۔

میں اس چیز کو اپنے بعد' یہ بنیاد سمجھ لو۔ میں

چار آدمی مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ چوتھا ابھی نہیں' تین میرے ذہن میں آچکے ہیں' چوتھے کی جستجو میں ہوں' خلفاء اربعہ کی شکل میں۔ حضرت صاحب (حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ) سن رہے ہیں۔ میں نے مشورہ کسی سے نہیں کیا۔ مشائخ سے بھی نہیں کیا لیکن بات میں ان کے سامنے کر رہا ہوں' چار آدمی۔

ملک محمد اکرم' سیّد بنیاد حسین شاہ' میجر بیگ' تین میری نظر میں آ گئے ہیں۔ ان تینوں کے واسطے وہی حکم ہوگا جو میرے واسطے ہے۔ منازلِ بالا ان کو طے کرانے کی اجازت ہوگی لیکن ان کو بھی میں یہ ہدایت کروں گا۔ اس آدمی میں استطاعت دیکھو' اس کی اہلیت دیکھو' متبع شریعت ہے یا نہیں؟ متبع سنّت ہے یا نہیں؟ اخروی علم اس میں ہے یا نہیں؟ وہ اس طاقت کا مالک بن بھی سکتا ہے یا نہیں بن سکتا؟ اس کو آگے چلا سکتے ہو' جہاں تک مرضی ہے' جہاں تک جا سکتا ہے۔ سلوک ختم ہونے والی چیز نہیں ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ نوح علیہ السلام کی عمر اگر میری ہو تو سلوک ختم نہیں ہوتا۔ یہ چلتا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

کی انتہا کوئی نہیں، اس کی انتہا کوئی نہیں۔ یہ میں تمہارے سامنے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ سارے دماغ اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ اس کو برداشت کر سکیں۔ معاملہ بہت عجیب ہے۔ اسی واسطے مولانا روم دعا کیا کرتے تھے، اللہ اس بدن سے روح کو چھڑا کہ سیر کراؤں دنیا میں، جو ملک ہیں ان میں۔ چیز وہ کہ سکندر ذوالقرنین کی حکومت رکھنے والے، کسریٰ، قیصرِ روم کی حکومت رکھنے والے بھی آرزو کرتے، کاش یہ چیز مل جائے۔ مجھے وہ چیز ملی۔

ان میں سے، تینوں چاروں میں سے روحانی بیعت کی صرف اجازت ہوگی تو ایک اکرم کو ہوگی، اس کے پاس جانا پڑے گا۔ اور اس کے بعد اگر کسی کو کوئی دینی پڑی، کسی شخص کو اجازت دینی، خلافت دینی، وہ اس کے اختیار میں ہوگی۔ اس کے ساتھ مشورہ کیا جائے گا، آیا دیتا ہے یا نہیں دیتا ہے۔ نہ دے تو پھر نہ دے۔

اگر خدانخواستہ اکرم نہیں رہتا تو اس کی جگہ پھر سیّد بنیاد حسین شاہ ہوگا۔ مشورہ اس کا مقدم ہوگا سب پر۔ وہ علم والا آدمی ہے، سمجھدار ہے۔ چوتھے کی میں تلاش میں ہوں، وہ ہے نہیں۔ میں خلفاء

اربعہ کی شکل میں چھوڑنا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد اس طرح سے ہے' میں یہ دیکھ چکا ہوں۔ میری طاقت نہیں رہی کہ میں ملک میں پھروں۔ بڑی دنیا تڑپتی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس چیز کی طلب ساری دنیا کو ہے۔ بندہ آگے سنبھالنے والا کوئی نہیں ملتا۔ اگر ہم نے منوایا ہے کسی کو' یہاں بڑی بڑی طاقتیں اگر جھک گئی ہیں' فلموں سے نکالے ہیں' کلب گھروں سے نکالے ہیں' شراب خانوں سے نکالے ہیں' بدکاری کے اڈوں سے نکال کر لائے ہیں اور مسجد کے تنکوں پر رلائے ہیں' منارہ کے پتھروں پر رُلائے ہیں۔ سب نے برداشت کیا' ریشمی گدیلوں پر سونے والے۔

وہ کون سی چیز تھی؟ وہ اللہ کے نام کی برکت تھی جو کھینچ کھینچ کر لے آئی۔ یہ مناصب ہوتے ہیں۔ بعض منصب ایسے ہوتے ہیں کہ اس آدمی کے وجود میں اللہ تعالیٰ مقناطیسی قوت رکھ دیتا ہے جو کھینچ کھینچ کر' گھسیٹ گھسیٹ کر اپنی طرف لے آتی ہے۔

اس کے بعد جو دور دور کے ملکوں میں رہتے ہیں۔ مثلاً ایران میں جو لوگ رہتے ہیں' ان میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ ہیں جو کرایہ بھی نہیں

برداشت کر سکتے' جو آٹھ آنے کرایہ خرچ کر سکیں' تو میرے پاس کس طرح آئیں؟ اسی طرح یہ اگلا علاقہ جو پڑا ہے۔ اسی طرح وزیرستان کے جو علاقے ہیں' اس واسطے میں نے کچھ آدمی منتخب کئے ہیں جو میری زندگی میں میری طرف سے بیعت لیتے رہیں' میرے بعد مستقل لے سکتے ہیں۔ مولوی غلام مصطفیٰ شنکیاری والے' اس اوپر والے علاقے کے لئے۔ غازی مرجان' صوبیدار میجر غازی مرجان' وزیرستان کے لئے۔ بلوچستان کے لئے دو آدمی' ایک آدمی سیّد محمد حسن پہلے ہی سجادہ نشین ہیں۔ ریاست قلات واسطے مولوی عبدالغفور اور ایران واسطے مولوی خان محمد' یہ آدمی ہیں۔ لیکن ان کو فنا بقا اور سالک مجذوبی سے آگے کرانے کی اجازت کوئی نہ ہو گی۔ میں نے اب کہہ دیا تو نہ ہو سکے گی۔ یہ سارا زور لگا لیں' میرے منہ سے نکل گیا' نہ ہو سکے گی' بس نہ ہو گی۔ زور لگاتے رہیں آگے لے جائیں' آگے پہاڑ ہیں' اس سے آگے نہ ہو سکے گی۔ میرے منہ سے ہاں نکلی' ہاں ہو گی' نہ نکل گئی' نہ ہو گی۔

ہوں تو میں بھی تمہاری طرح' لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ قوت دی ہے۔ میں نے جو بات کہہ

دی' اس کے خلاف کیا گیا ذرہ برابر' اپنے مرتبے سے گر کر نیچے آجائے گا۔ پھر وہ ساری زندگی' وہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ خلاف نہیں کر سکتے۔ ان کو سالک مجذوبی کرانے کی اجازت ہو گی' مراقبہ مُوتُو کرانے کی' فنا بقا کرانے کی۔ اس سے آگے اگر کرایا تو ان چاروں خلفاء۔ روحانی بیعت کرائی یا کرانا تو وہ آگے اکرم کے پاس لے جائیں۔

یہ یاد رکھیں! یہ بات کیسٹ میں بھی آ گئی' میں اس کو قلمبند بھی کر دوں گا۔ ان سے نیچے جو لوگ ہیں' اور بھی تو صاحبِ مجاز ہیں' ان کو فنا فی الرسول تک کرانے کی اجازت ہو گی۔ فنا فی الرسول کرائیں' اس کے بعد ان کی استعداد دیکھیں پھر باقی ساتھیوں کے حوالے کریں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے ہر آدمی نے!

اس واسطے یہ بات کر دی کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ زندگی عاریتاً مانگی ہوئی' یہ اپنی ذاتی چیز کوئی نہیں۔ میری موجودگی میں' میں خود سنبھال لوں گا جو کچھ ہوا۔ کوئی ترمیم ان میں کرنی پڑی یا ان میں خدا نہ کرے' نہ کرے' خرابی پیدا ہو جائے۔ میں نے یہ کیوں کہا چار آدمیوں کا۔ ایک میں خرابی

پیدا ہو جائے' شیطان زندہ ہے' نفس ساتھ ہے' شیطان زندہ' نفس اس کا ایجنٹ ہے۔ کل ایک میں خرابی ہو اور ایک ہی کے سپرد ہو' ساری بیڑی' جو میری پچاس سال کی محنت ہے' ساری غرق کر کے رکھ دے۔ ایک خراب ہو دوسرا سنبھال لے گا' تیسرا سنبھال لے گا' چوتھا سنبھال لے گا۔ یہ چھوٹے جو ہیں' دوسرے پانچ چھ آدمی جو میں نے مقرر کئے ہیں۔ یہ ان کے لئے ہیں جو آ نہیں سکتے۔ ان کی بیعت میری طرف سے لیں' اس کے بعد مستقل لیتے رہیں۔ اور جو نیچے درجہ کے آدمی ہیں' فنا فی الرسول سے آگے کچھ نہ کرائیں۔ بس' یہیں چھوڑ دیں' آگے جیسی استعداد ہو گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰىنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جناب صدیقِ اکبرؓ کی سنت کے عین مطابق جس کا اظہار غم واندوہ کی صورت میں انہوں نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا' حضرت امیر المکرّم بھی اس حقیقت کو پا گئے کہ یہ حضرت جیؒ کا آخری بڑا اجتماع ہے اور آخری اہم خطاب۔ اس سے قبل حضرت جیؒ نے متعدد مرتبہ حضرت امیر المکرّم کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا لیکن 21 اکتوبر کے اس اعلان کے بعد کہ آنے والے دور میں سلسلۂ عالیہ ان کے سپرد کیا جا رہا ہے' وہ غم واندوہ میں ڈوب گئے کہ یہ آپؒ کی روانگی کا اعلان بھی ہے۔ کھل کر تو اظہار نہ کر پائے لیکن دبی زبان میں ان سے یہ ضرور سنا گیا کہ شاید اب جدائی کا وقت قریب ہے۔

حسبِ پروگرام جمعہ' ہفتہ کی درمیانی شب حضرت جیؒ نے لنگر مخدوم میں قیام فرمایا۔ مغرب اور تہجد کے بھرپور اذکار ہوئے۔ احباب کی کثیر تعداد رات بھر حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے مزار پر ٹولیوں کی صورت میں مصروفِ ذکر رہی۔ صبح چھ بجے لنگر مخدوم کا یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ حضرت جیؒ روانگی سے قبل حضرت سلطان العارفینؒ اور حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے مزار پر الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوئے تو یہ آپؒ کی آخری حاضری تھی۔ قاضی ثناء اللہؒ (لیٹی والے) حضرت جیؒ کی روانگی کے وقت سے آگاہ نہ تھے۔ حضرت جیؒ گاڑی میں بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں نے مصافحہ کیا۔ قاضی جیؒ بھی آگے بڑھے لیکن چلتی گاڑی میں وہ صرف آپؒ کے دستِ مبارک کو چھو سکے۔ اس وقت ان کی خوشی کا عالم دیدنی تھا۔ کہنے لگے ہمارا تو کام ہو گیا۔

یہ بات حضرت جیؒ کو معلوم ہوئی تو آپؒ نے فرمایا:

''تاریخِ تصوّف میں کسی کا ایسا شاگرد نہیں ہوا ہوگا۔''

لنگر مخدوم سے واپسی پر حسبِ معمول حضرت جیؒ نے میانہ کوٹ میں مخدوم خاندان کے ہاں ایک رات قیام فرمایا۔ 23'24 اکتوبر آپؒ کا قیام بکھربار میں تھا۔ حضرت جیؒ کا اکثر یہ معمول رہا کہ لنگر مخدوم سے واپسی پر اپنے خادمِ خاص ملک احمد نواز اور بکھربار کے ساتھیوں کی دلجوئی کے لئے ایک رات یہاں قیام فرماتے۔ حضرت امیر المکرّم نے دورانِ قیام اہلِ دیہہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔

اگلی صبح حضرت جیؒ کی چکڑالہ واپسی ہوئی۔

آخری اجتماعات

جون 1981ء میں تکمیلِ منازل کے بعد حضرت جیؒ نے سلسلۂ عالیہ کے مستقبل کے بارے میں مستقل نوعیت کی ہدایات کا آغاز فرما دیا تھا لیکن کسی دل میں یہ خیال تک نہ گزرا کہ معاملات کو سمیٹا جا رہا ہے اور اب جدائی کی گھڑی قریب ہے۔ 1983ء کے سالانہ اجتماع میں کوئی روحانی بیعت نہ ہوئی البتہ اسی سال لنگر مخدوم کے اجتماع میں چھ احباب کی روحانی بیعت ہوئی۔ یہ ایک خلافِ معمول صورت تھی لیکن اس کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا گیا اگرچہ اب خیال آتا ہے کہ یہ آخری چھ خوش قسمت حضرات تھے جن کی حضرت جیؒ کی وساطت سے روحانی بیعت ہونا تھی جو بوجوہ منارہ کے سالانہ اجتماع میں نہ ہو سکی تو لنگر مخدوم میں ہوئی۔ 1983ء کے یہ دونوں اجتماعات حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ کے آخری اجتماعات تھے۔

لنگر مخدوم کے اس اجتماع میں حضرت جیؒ نے خطابِ جمعہ میں جماعت کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ مستقبل میں شاید اس کا موقع نہ مل سکے۔ اس خطاب کا اہم ترین اعلان حضرت امیر المکرّم کو بطور روحانی جانشین مقرر فرمانے سے متعلق تھا جو آپؒ کے وصیت نامہ اور سابقہ فرامین کی توثیق تھی۔

حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت امیر المکرّم کو جماعت میں ہمیشہ آپؒ کے نائب کی حیثیت حاصل رہی۔ کوئی صاحبِ کشف یہ مشاہدہ کرتا کہ انوارات کا دھارا حضرت جیؒ کے قلب سے نکلتا اور حضرت امیر المکرّم کے سینہ سے ہوتا ہوا تمام احباب کے قلوب کو منور کر رہا ہے۔ اجتماعات میں یہ صورت نظر آتی کہ حضرت جیؒ شمع محفل ہیں اور حضرت امیر المکرّم اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں۔ ابتدائی دور سے ہی اس بات کے واضح اشارے ملنے لگے تھے کہ مستقبل میں سلسلۂ عالیہ کی باگ ڈور حضرت امیر المکرّم کے سپرد ہوگی۔ حضرت جیؒ نے 1964ء کے ایک مکتوب میں حضرت امیر المکرّم کے متعلق حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے ایک ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

''قوتِ توجہ بندہ کے بعد آپ کو عنایت فرمائی ہے۔''

اس خط کا تفصیلی ذکر ''اجتماعات'' کے باب میں کیا جا چکا ہے۔

ایک اور موقع پر آپؒ نے حضرت امیر المکرّم کی قوتِ توجہ کے متعلق فرمایا:

''وہ روحانی قوت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو عطا فرمائی تھی' اللہ تعالیٰ نے اس دور میں وہی قوت محمد اکرم کو عطا فرمائی ہے۔ اس سلسلۂ عالی کو وہ شخص میرے بعد چلا سکے گا جس میں روحانی قوت سب سے زیادہ ہوگی۔''

حضرت جیؒ کی اس تحریر سے واضح تھا کہ مستقبل میں سلسلۂ عالیہ کی باگ ڈور حضرت امیر المکرّم کے سپرد ہوگی۔

اسی زمانے میں حضرت امیر المکرّم نے ایک خط کے ذریعے اپنی ایک استغراقی کیفیت حضرت جیؒ کی خدمت میں بیان کی جس میں انہوں نے

دیکھا تھا کہ جنّات ان کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ حضرت جیؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

> ''آپ کے استغراقی واقعہ سے آپ کی آنے والی حالت و شخصیت کے کمال کی دلیل مترشح ہوتی ہے۔ جب آپ کے ہاتھ میں سلسلۂ عالیہ کی باگ ڈور ہوگی تو اس وقت آپ کی شخصیت کی عزت جنّات کے دل میں بھی قوی ہوگی۔''

حضرت جیؒ کے اس مکتوب میں سلسلۂ عالیہ کے مستقبل کے حوالے سے جو حقیقت بیان ہوئی' اس کے مطابق آپؒ نے مختلف مواقع پر حضرت امیر المکرّم کی بطور جانشین تقرری کا نہ صرف اعلان فرمایا' بلکہ 1982ء میں ایک قانونی وصیت بھی رجسٹرڈ کرا دی۔

ابتدائی دور سے ہی حضرت جیؒ کے اس واضح عندیہ کے باوجود سلسلۂ عالیہ میں کچھ ایسے عناصر بھی موجود تھے جو حضرت امیر المکرّم کے اس مقام کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے اور موقع کی تلاش میں رہتے کہ کب اور کس طرح ان کے خلاف حضرت جیؒ کے کان بھر سکیں۔ 1976ء میں حضرت امیر المکرّم نے لاہور میں اپنے ایک خطاب میں بھٹو حکومت کی بداعمالیوں کا ذکر کیا تو حضرت جیؒ کی خدمت میں شکایت پر مبنی خطوط لکھے گئے کہ حضرت امیر المکرّم کو روکا جائے' ہماری نوکریاں خطرے میں ہیں۔ حضرت جیؒ نے صرف اس قدر کہا کہ احتیاط کے پیش نظر ''اکرم'' کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ادھر شاگردِ رشید کی زبان بندی ہوگئی کیونکہ خطابت کے اس سیلِ رواں کا منبع تو آپؒ ہی کی توجہ تھی۔ آپؒ پر صورت حال واضح ہوئی تو پھر سے خطابات کا سلسلہ شروع

ہو گیا۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں لیکن ان کا تذکرہ مقصود نہیں۔ بطور جملہ معترضہ یہ تمہید ضروری تھی کیونکہ حضرت جیؒ کے آخری اجتماعات سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

لنگر مخدوم کے آخری اجتماع میں حضرت امیر المکرّم کی بطور روحانی جانشین تقرری کے بعد حاسدین نے سمجھ لیا کہ اب ہر حربہ بروئے کار لایا جائے ورنہ اس کا شاید موقع نہ مل سکے۔ دسمبر 1983ء میں حضرت امیر المکرّم صوبہ سرحد کے دورہ پر تھے۔ ربیع الاوّل کے حوالے سے انہوں نے کوہاٹ ایئر بیس میں ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب فرمایا۔ اسی طرح پشاور میں بھی ان کے خطابات کے پروگرام تھے اور ریڈیو پاکستان پشاور کے ایک مذاکرے میں شرکت فرمانا تھی لیکن خبر ملی کہ ایک مفسد نے حضرت جیؒ کے سامنے بے پر کی اڑائی ہے کہ مولانا (حضرت امیر المکرّم) آپؒ کے وصال کے بعد عبدالرؤف سے صلح کر لیں گے جس نے آپؒ کے اغوا سے بھی گریز نہ کیا اور جسے مستقبل میں خاندان بھر کے لئے خطرہ سمجھا جاتا تھا۔ فطری امر تھا کہ حضرت جیؒ کو اس موہوم خدشہ سے دکھ پہنچا۔ حضرت امیر المکرّم تک اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو پشاور میں انہوں نے راقم سے فرمایا کہ چکڑالہ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں اس کی تردید کریں اور ان کی طرف سے عرض کریں کہ وہ خود بھی اجتماع کے بعد آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت امیر المکرّم نے پشاور میں خطابات کے پروگرام موقوف کر دیئے۔

8'9 دسمبر چکڑالہ میں ماہانہ اجتماع منعقد ہوا جو چکڑالہ کا آخری سے پہلا اجتماع تھا۔ حضرت جیؒ نے 9 دسمبر صبح 6.30 بجے اپنے حجرہ میں سیّد بنیاد حسین شاہ اور میجر احسن بیگ کو لنگر مخدوم کے اجتماع میں اعلانات کے مطابق

خلافت نامے عطا کئے جن میں انہیں روحانی بیعت کی اجازت دی گئی۔ عادت مبارکہ کے مطابق آپؒ اشراق کے وقت ہال کمرہ میں تشریف لائے اور احباب قریباً ڈیڑھ گھنٹہ صحبت شیخ سے فیض یاب ہوئے۔ دعا کے ساتھ اجتماع برخاست ہوا تو اکثر احباب اٹھ گئے۔ راقم نے حضرت جیؒ کی خدمت میں الگ سے کچھ عرض کرنے کی درخواست کی تو آپؒ نے دیگر موجود احباب کو بھی کمرہ خالی کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے جیسے ایک مبتدی شاگرد کے لئے بھی اس بات کا تصور ممکن نہیں کجا اسے حضرت امیرالمکرّم سے منسوب کیا جائے جو آپ کے مزاج آشنا ہیں اور گھریلو حالات کو خوب جانتے ہیں۔ آپؒ نے فوراً ارشاد فرمایا:

> ''میں بھی کہوں' یہ کس طرح ممکن ہے۔ اکرم (حضرت امیرالمکرّم) ہوا' (چند اور نام لئے جن میں راقم کا نام بھی شامل تھا) تم تو میرے گھر کے آدمی ہو۔ جاؤ' اکرم سے کہو' تقریریں کرے اور ریڈیو پر بھی تقریر کرے۔''

لیکن حضرت امیرالمکرّم اس وقت تک پشاور میں اپنے تمام پروگرام منسوخ کرتے ہوئے واپس جا چکے تھے۔ یہ حربہ ناکام ہوا تو ایک دوسری چال چلی گئی۔

12' 13 جنوری 1984ء کو چکڑالہ کا آخری ماہانہ اجتماع منعقد ہوا۔ اس سے قبل حضرت جیؒ کو ان عناصر نے یہ باور کرا دیا تھا کہ آپؒ کے وصال کے بعد مولانا (حضرت امیرالمکرّم) آپؒ کے جسدِ خاکی کو اہلِ خانہ سے چھین کر تدفین کے لئے منارہ لے جائیں گے۔ عمر کے آخری حصہ میں اس موہوم خدشہ سے حضرت جیؒ کو کس قدر دکھ پہنچا ہوگا' لیکن یہ حاسدین

حضرت جیؒ کے ذہنی سکون کو تہہ و بالا کرنے سے بھی نہ چُوکے۔ حضرت جیؒ کو جو دلی رنج پہنچا اس کا کچھ اندازہ آپؒ کی وصیت کے مندرجہ ذیل الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؒ نے ان لوگوں کے زیرِ اثر تحریر کی:

''خدارا مرنے کے بعد مجھے میرے اہلِ خانہ سے جدا نہ کیا جائے۔''

یہ وصیت 12 جنوری 1984ء کو لکھی گئی لیکن 13 جنوری کو اشراق کے وقت جب حضرت جیؒ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لا رہے تھے تو آپؒ نے اپنے خادمِ خاص ملک احمد نواز کو ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو بتا دو کہ جو کاغذات لے گئے ہو اسے تقسیم مت کریں۔ آپؒ کے اسی فرمان کے پیش نظر یہاں اس وصیت کے تفصیلاً ذکر سے اجتناب کیا جا رہا ہے۔

اس روز 9 بجے شب حضرت جیؒ نے بعض احباب کو خصوصی مشاورت کے لئے طلب فرمایا جن میں سیّد بنیاد حسین شاہ' میجر احسن بیگ' میجرؓ ناصر' مولوی غلام مصطفیٰ (شنکیاری) اور ناظم اعلیٰ شامل تھے۔ ناظمِ اعلیٰ کی 13 جنوری 1983ء کی تحریر کردہ ڈائری کے مطابق یہ مشاورت اراضی کنڈ میں حضرت جیؒ کے مجوزہ مرقد کے نواح میں مرکز تعمیر کرنے سے متعلق تھی۔ میجر ناصر اور مولوی غلام مصطفیٰ کی رائے تھی کہ مرقد کے ساتھ مرکز ٹھیک ہے۔ حافظ غلام جیلانی نے اس پر تحفظات کا اظہار کیا۔ ناظمِ اعلیٰ نے رائے دی کہ تجویز دربارِ نبوی ﷺ میں پیش کی جائے۔ سیّد بنیاد حسین شاہ نے کشفاً جائزہ لیتے ہوئے عرض کیا' ''شروع میں معاملات واضح نہیں بعد میں ٹھیک۔'' حضرت جیؒ نے اس کی توثیق فرمائی۔ یوں مرقد کے ساتھ مرکز کی تعمیر کے بارے میں اس وقت کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور حضرت جیؒ کے سابقہ فرامین کی روشنی میں دارالعرفان ہی

سلسلۂ عالیہ کا مرکز رہا۔

بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ سیّد بنیاد حسین شاہ نے جو اشارہ دیا تھا یعنی ''شروع میں معاملات واضح نہیں' بعد میں ٹھیک'' اور حضرت جیؒ نے بھی اس کی توثیق فرمائی تھی' وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مرکز گریز عناصر مرکز سے ٹوٹتے رہے لیکن دارالعرفان کی مرکزیت روزِ اوّل کی طرح آج بھی قائم ہے۔ حضرت جیؒ کا مقرر کردہ مرکز دارالعرفان آج دنیا بھر کے متوسلین سلسلۂ عالیہ کے لئے ہر دم فعال مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جسے حضرت جیؒ کے فرمان کے مطابق اسلام کی نشاۃِ ثانیہ تک قائم رہنا ہے۔ مشرق و مغرب میں احباب کو اس مرکز سے 24 گھنٹوں میں دو مرتبہ حضرت امیر المکرّم سلسلۂ عالیہ کے فیوض و برکات سے بھرپور ذکر کراتے ہیں۔

البتہ وثوق کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ 12 جنوری 1983ء کی اس مشاورت کا پس منظر کیا تھا۔ یقیناً اسے بھی ان حالات کے تناظر میں دیکھنا ہوگا جن کے تحت چند مخصوص عناصر نے حضرت جیؒ سے مذکورہ بالا وصیت ریکارڈ کرائی جسے آپؒ نے اگلی ہی صبح منسوخ فرما دیا۔ نہ صرف یہ' بلکہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت جیؒ کو جو موہوم خدشات باور کراتے ہوئے شدید ذہنی کوفت پہنچائی گئی وہ سراسر باطل تھے۔ آخری سفر میں حضرت امیر المکرّم نے آپؒ کے جسدِ مبارک کو ایک امین کی حیثیت سے اسلام آباد سے مرشد آباد میں آپؒ کی آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔ البتہ یہاں یہ بات جواب طلب ہے کہ ناظمِ اعلیٰ نے 12 جنوری کی اس مشاورت میں شریک ہونے کے باوجود جس میں حضرت جیؒ نے اپنے مرقد کا ذکر فرمایا تھا' حضرت امیر المکرّم کو دارالعرفان

میں حضرت جیؒ کی تدفین کا بار بار مشورہ کیوں دیا؟

13 جنوری کی صبح حضرت جیؒ حسبِ معمول احباب کے درمیان تشریف فرما ہوئے۔ آپؒ نے اس موقع پر بیعت کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالی۔ دعائے خیر کے ساتھ اجتماع برخاست ہوا تو احباب رخصت ہونے لگے۔ کمرہ سے باہر نکلنے والے احباب میں قاضی جیؒ بھی تھے جنہیں اچانک حضرت جیؒ نے طلب فرمایا۔ قاضی جیؒ اس حال میں تھے کہ ایک پاؤں میں جوتا پہن رکھا تھا اور اپنے عصا پر وزن ڈالے دوسرے پاؤں میں جوتا پہننے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت جیؒ کا پیغام نہ سن پائے تو ایک ساتھی نے ان کے کان میں زور سے کہا' استاد بلا رہے ہیں۔ قاضی جیؒ کے بدن میں جیسے بجلی سی کوند گئی۔ عصا زمین پر پھینک دیا اور ایک نوجوان کی طرح اس قوت سے حضرت جیؒ کی طرف بڑھے کہ جوتا تیزی سے اٹھنے والے قدم کا ساتھ نہ دے سکا اور خود بخود پاؤں سے اتر گیا۔ قاضی جیؒ حضرت جیؒ کے قدموں میں بے حس و حرکت بیٹھ گئے اور یہ تک نہ پوچھا کہ کس لئے بلایا ہے۔ حضرت جیؒ کچھ دیر تک خاموش رہے اور پھر فرمایا:

''قاضی جی آپ نے تین سوال پوچھے تھے ذکر میں۔ ان میں سے دو کا آپ کو ذکر میں جواب مل گیا ہے' تیسرے سوال کا جواب بھی اِنْ شَآءَ اللہ جلد ہی مل جائے گا۔''

غالباً قاضی جیؒ نے گذشتہ شب ذکر میں حضرت جیؒ سے روحانی رابطے کے دوران یہ سوال کئے ہوں گے جن میں سے دو کا جواب تو اسی وقت مل گیا تھا جس کی حضرت جیؒ نے خود تصدیق فرمائی۔ تیسرا سوال کیا تھا اور اس کا جواب کب ملا۔ کیا اس سوال کا تعلق حضرت جیؒ کے وصال سے تھا'

جس میں صرف پانچ ہفتے حائل تھے اور اس کا جواب حضرت جیؒ کے الفاظ میں ''جلد ہی'' مل گیا۔

20 جنوری 1983ء آخری جمعہ تھا جب حضرت جیؒ چکڑالہ میں احباب کے درمیان حسب معمول تشریف فرما ہوئے۔ اس روز راقم نے حاجی الطاف احمد امیر صوبہ سرحد اور ڈاکٹر عظمت بٹر کے ہمراہ حضرت جیؒ سے پیشگی اجازت کے ساتھ حاضری دی۔ ایک صاحبِ مجاز کی چند مذموم حرکات کا معاملہ پیش کرنا مقصود تھا جو پشاور میں احباب کے لئے پریشانی کا باعث تھیں۔ ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ حضرت جیؒ نے راقم پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور فرمایا:

''میں بھی کہتا تھا مشائخ کیوں منع فرماتے ہیں۔''

حضرت جیؒ کی آنکھوں میں وہ جلال تھا کہ تاب لانا ممکن نہ تھا۔ بدن کے روئیں روئیں پر کپکپی طاری ہوگئی اور کانوں کی لَویں جلنے لگیں۔ حضرت جیؒ کچھ سنے بغیر ہی صورت حال بھانپ چکے تھے۔ آپؒ نے لنگر مخدوم کے اجتماع میں کچھ ہی عرصہ پہلے اس شخص کے بارے میں ایک اعلان فرمایا تھا۔ ناگزیر حالات میں اس شخص کا معاملہ جب حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کیا تو ایک ہی توجہ میں آپؒ پر تمام صورتِ حال واضح ہوگئی اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اس شخص کے بارے میں مشائخ کے تحفظات کی وجہ کیا تھی' یعنی وہ معاملات جو حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپؒ نے اسی وقت فرما دیا کہ اس شخص کو ذکر کرانے کی اجازت نہیں' اسے کہہ دو کہ صرف احباب کے ساتھ ذکر میں شریک ہوسکتا ہے۔ یہ شخص چونکہ دور دراز علاقے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے فکر تھی کہ اس تک حضرت جیؒ کا پیغام کس طرح پہنچایا جائے گا؟

پشاور پہنچے تو آپؒ کی کرامت کا اظہار اس طرح ہوا کہ اس کا فون آ گیا اور یوں آپؒ کا پیغام بغیر کسی تردّد کے اس تک پہنچا۔

13 جنوری کی اس حاضری میں حضرت جیؒ نے لنگرِ مخدوم کے اعلان کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حضرت امیر المکرّم کو اپنا روحانی جانشین مقرر فرمایا ہے کہ وہ علم رکھتے ہیں اور مقامِ شیخ کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد آپؒ نے سیّد بنیاد حسین شاہ اور میجر احسن بیگ کا نام لیا اور اس ترتیب کی وجہ بیان فرمائی کہ ایک کے بعد دوسرا ذمہ داری سنبھال سکے۔ اس موقع پر شیخ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"☆ شیخِ سلسلہ کو زمین کی طرح ہونا چاہیے تا کہ ہر کوئی اس میں پناہ لے سکے۔

☆ شیخِ سلسلہ کو پہاڑ کی طرح ہونا چاہیے تا کہ کوئی چیز ہل نہ سکے۔

☆ شیخِ سلسلہ کو اونٹ کی طرح ہونا چاہیے تا کہ جس قدر بوجھ بھی ہو اٹھا سکے۔

☆ اور یہ تمام صفات میرے بعد اکرم میں موجود ہیں۔"

27 جنوری 1984ء حضرت جیؒ کا چکڑالہ میں آخری جمعہ تھا۔ اس روز بھی حضرت جیؒ کی خدمت میں چند احباب حاضر ہوئے لیکن آپؒ کی شدید علالت گفتگو میں مانع تھی۔ اسی روز آپؒ کو بغرضِ علاج اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔

آخری سفر

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے جسمانی عوارض بلندیٔ درجات کا سبب ہوتے ہیں۔ بسا اوقات بلندیٔ منازل کے ساتھ ساتھ جسمانی عوارض کی صورت میں اضطراری مجاہدوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ حضرت جیؒ نے جون 1980ء کے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ ''دائرۂ شمسیہ اور دائرۂ زحل کی گرمی کا اثر بدن پر ہے۔ علاج سے اس وجہ سے فائدہ نہ ہوا۔'' انتہائے سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے حضرت جیؒ کا تمام بدن حدت سے اس قدر متاثر تھا کہ جلد خشک ہو جاتی' اس پر چھلکے سے بن جاتے جو اترتے رہتے۔ جلد پر تلخی محسوس کرتے تو خدام کو خارش کے لئے کہتے۔

20 جنوری 1984ء چکڑالہ میں آخری موقع تھا جب چند احباب بشمول راقم' حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؒ نے اپنے خادم صوبیدار سکندر کو پشت پر خارش کے لئے کہا۔ صوبیدار صاحب نے دیکھا کہ آپؒ کے جسم کے بال مسلسل حرکت میں ہیں' ہر سانس کے ساتھ کھڑے ہوتے اور پھر بیٹھ جاتے گویا پورا وجود پاسِ انفاس کی صورت' حالتِ ذکر میں ہے۔ وہ بالوں کی اس حرکت پر غور کر رہے تھے کہ حضرت جیؒ نے از خود فرمایا:

''جب انوارات آتے ہیں تو یہ حالت ہوتی ہے۔''

آپؒ نے بازو پر خارش کرنے کے لئے کہا تو سکندر نے دیکھا بازو اس قدر کھردرے ہیں جس طرح مچھلی کی کھال‘ حضرت جیؒ نے پھر فرمایا:

”کثرتِ انوارات سے چمڑہ جل گیا ہے“

حضرت جیؒ کے جسم کی یہ مستقل حالت تھی۔ بچپن میں بیری سے گرنے کی وجہ سے دائیں کولہے میں عمر بھر درد کی شکایت رہی۔غرض کئی عوارض تھے جو حضرت جیؒ کو مستقل لاحق رہے۔

مارچ 1983ء میں حضرت جیؒ کو بخار اور سینہ میں درد کی وجہ سے شدید بیمار ہوئے اور 22 مارچ سے 26 مارچ تک ملٹری ہسپتال راولپنڈی کے سی سی یو میں زیرِ علاج رہے۔ یہاں کے میڈیکل سپیشلسٹ کے مطابق یہ سینہ کا مرض (Bronchitis) تھا۔حضرت جیؒ ہسپتال کے ماحول سے بہت پریشان تھے‘ خاص طور پر خواتین سٹاف کے بے حجابانہ لباس کو انتہائی ناپسند فرماتے۔ اپنے خادمِ خاص ملک احمد نواز کو ہدایت فرماتے کہ وہ خود ان سے ادویات لے لیا کریں۔ دو تین روز بعد خواتین سٹاف نے از خود کمرہ میں داخل ہونے سے پہلے سر ڈھانپنے شروع کر دیئے۔

23 مارچ 1983ء کو یومِ پاکستان کی پریڈ تھی جس میں آپؒ کے شاگردِ عزیز کرنل سلطان کی یونٹ بھی شرکت کر رہی تھی۔کرنل صاحب علی الصبح تمغوں سے سجی ہوئی وردی پہنے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپؒ دیر تک ان کی طرف دیکھتے رہے‘ پھر زیرِ لب کچھ پڑھا اور کرنل صاحب پر پھونک دیا۔اس روزِ پریڈ میں کرنل صاحب کی یونٹ اوّل آئی۔کرنل صاحب ابھی حضرت جیؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک نرس نے ٹیسٹ کے لئے سرنج میں آپؒ کا خون لیا اور زائد خون ایک گلاس میں ڈال دیا۔نرس کے جانے

کے بعد کرنل سلطان نے گلاس دھونے کے لئے اس میں پانی ڈالا لیکن گرانے کی بجائے غیر ارادی طور پر خون آلود پانی پی لیا۔ یہ ایک غیر ارادی فعل تھا جس سے قبل کچھ سوچنے کی نوبت ہی نہ آئی اگرچہ شریعت میں اس کا قطعاً جواز نہ تھا۔

12' 13 جنوری 1984ء کو چکڑالہ میں آخری ماہانہ اجتماع کے بعد حضرت جیؒ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ دو ہفتے تک آپؒ نے کسی کو خبر نہ کی لیکن جب تکلیف بہت بڑھ گئی تو راولپنڈی میں ساتھیوں کو اطلاع دی گئی۔ 27 جنوری 1983ء کو کرنل بشیر احمد اور میجر احسن بیگ نے حضرت جیؒ کو فضل کرم بٹ کے ہاں راولپنڈی منتقل کیا۔ آپؒ کے منہ سے مستقل خون جاری تھا۔ بمشکل گفتگو فرما سکتے جو چند دنوں بعد موقوف ہوگئی اور آپؒ صرف تحریری صورت میں اظہارِ خیال فرماتے۔

حضرت جیؒ کی یہ کمزوری تھی کہ جب کبھی کسی ساتھی نے آپؒ کو کسی دوا کے استعمال کا مشورہ دیا یا کوئی دوا خود سے پیش کی' آپؒ بلاتردّد استعمال کر لیتے اور کچھ عرصہ سے آپؒ کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ 16 جنوری 1983ء کو ایک صاحب نے حضرت جیؒ کے لئے فاسفورس والی ایک دوا بھجوائی جس کی خوراک ناشتے' دن کے کھانے اور رات کے کھانے کے بعد ایک بڑا چمچ تھی۔ اسی طرح میانوالی کے کچھ احباب نے بھی آخری ایام میں آپؒ کو ہومیو پیتھک ادویات کی وافر مقدار استعمال کرائی۔ کہا جا رہا تھا کہ حضرت جیؒ کی علالت کسی دوا کا ردِعمل ہے۔

حضرت جیؒ ہسپتال میں بے پردگی کی وجہ سے داخلہ پسند نہ فرماتے تھے تاہم تکلیف بڑھ جانے کی وجہ سے آپؒ کو ملٹری ہسپتال میں داخل کرانا

پڑا۔ 6 فروری 1984ء سے آپؒ کی حالت کو انتہائی مخدوش قرار دے دیا گیا۔ ہسپتال میں معائنہ اور مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے' ادویات تجویز کی جاتیں لیکن اصل مرض کی تشخیص نہ ہوسکی اگر چہ آپؒ کے معالج فوج کے وہ ڈاکٹر تھے جو ان دنوں صدر ضیاء الحق کے بھی نامزد معالج تھے۔

ہسپتال میں ٹیسٹ مکمل ہوئے اور آپؒ کے معالجوں نے حتمی ادویات تجویز کر دیں تو حضرت جیؒ کے مزاج کے خلاف آپؒ کو ملٹری ہسپتال میں مزید ٹھہرانا مناسب نہ تھا۔ اس وقت آپؒ کے ذاتی معالج ڈاکٹر عظمت بٹ ملٹری ہسپتال کے سپیشلسٹ ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق دن رات آپؒ کی نگہداشت میں لگے ہوئے تھے۔ یہ کام فضل کریم بٹ کے ہاں بھی ممکن تھا چنانچہ حضرت جیؒ کی حالت قدرے بہتر نظر آئی تو آپؒ کو اسلام آباد میں بٹ صاحب کے ہاں منتقل کر دیا گیا۔ ان دنوں آپؒ اشاروں کے ذریعے یا تحریری صورت میں بات کرسکتے تھے۔ زبان پر زخم تھے اور پورے بدن سے خون رستا رہتا۔ کپڑے بار بار تبدیل کیے جاتے۔ پانچ دن بعد مرض کی شدت میں کمی آئی۔

حضرت جیؒ کی خدمت میں چکڑالہ ہر ماہ کی دوسری جمعرات کو حاضری ہوا کرتی تھی لیکن آپؒ کی علالت کے باعث فروری 1984ء کا اجتماع منعقد نہ ہوسکا۔ حضرت جیؒ مارچ کے اجتماع کے لئے متفکر تھے۔ ساتھیوں کی چائے کے لئے گھر میں گڑ تو موجود تھا لیکن چینی ختم ہوچکی تھی۔ ان دنوں راقم آپؒ کی خدمت میں اسلام آباد حاضر ہوا تو آپؒ نے کاغذ قلم اٹھایا اور تحریر فرمایا:

''9/2 کو اگر گڑ نہ لائیں تو کار میں ایک من کھانڈ یا

25 سیر ضروری لانا۔''

حضرت جیؒ کی اس تحریر کا عکس ملاحظہ ہو۔

راقم نے جب یہ پیغام پڑھ لیا تو آپؒ نے چینی کی قیمت پیشگی ادا کرنے کے لئے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ راقم نے عرض کیا کہ حضرت! بعد میں لے لوں گا لیکن حضرت جیؒ مصر تھے کہ اُسی وقت ادائیگی کر دیں۔

معاملات کے بارے میں حضرت جیؒ اپنے آخری ایام اور شدید بیماری کی حالت میں کس قدر متفکر تھے! افسوس کہ آج دین پر عمل کرنے والے حضرات بھی معاملات کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے کہ اس دور میں عذابِ قبر کا بڑا سبب معاملات کی خرابی ہے۔

آپؒ کے خادم ملک مختار احمد ان دنوں میانوالی ایئربیس میں تعینات تھے۔ بدھ جمعرات کی درمیانی شب مغرب کے ذکر کے بعد مراقبۂ دربارِ نبوی ﷺ میں مختار صاحب کو حضرت جیؒ کے لئے ایک پیغام ملا۔ وہ اگلی صبح 16 فروری کو سیدھے حضرت جیؒ کے پاس اسلام آباد پہنچے اور ایک کاغذ پر مندرجہ ذیل پیغام لکھ کر آپؒ کے سامنے رکھ دیا:

دربارِ رسالت ﷺ سے پیغام حضرت جیؒ کے نام:

1- انگریزی دوا کا علاج چھوڑ دیں۔

2- اِنْ شَآءَ اللہ صحت ہو جائے گی۔

3- آج کے بعد نیا دور شروع ہوگا۔

حضرت جیؒ نے یہ پیغام دیکھا تو مختار صاحب کو پاس بلا کر تیسری بات کی وضاحت چاہی۔ خاموشی پر آپؒ نے موجود صاحبِ کشف حضرات کو بلا کر پوچھا لیکن کوئی بھی وضاحت نہ کر سکا اگرچہ حضرت جیؒ سمجھ چکے تھے۔

فروری کے ماہانہ اجتماع کا انعقاد نہ ہو سکا لیکن فضل کریم بٹ کے ہاں اسلام آباد میں روزانہ اجتماع کا سماں ہوتا۔ یہ فیض لٹانے کے دن تھے۔ جو بھی آپؒ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا' آپؒ کی بھرپور توجہ ملی۔ ان دنوں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی کہ آپؒ کی آنکھوں میں ہر ساتھی کے لئے محبت کے سمندر موجزن تھے۔ آنکھوں میں اپنی شدید تکلیف کے اظہار کی بجائے شفقت اور پیار کی شمعیں فروزاں نظر آتیں۔ جو سامنے آیا' آپؒ کی آنکھوں سے محبت کے خزینے سمیٹتا ہوا واپس لوٹا جو یادوں کی صورت ابد ہو گئے۔

حضرت امیر المکرّم 16 فروری کو ملاقات کے لئے آئے تو عرض کیا:

''حضرت! آپ کا چلہ پورا ہو چکا ہے۔ میری ناقص رائے میں آپؒ کی آخری منازل کا تقاضا تھا کہ مِن جانب اللہ آپ سے مجاہدہ کرایا گیا۔''

اگر حضرت جیؒ کی اس بیماری کو دیکھیں جو ایک طویل عرصہ سے چل رہی تھی' غالباً چکڑالہ کے آخری ماہانہ اجتماع سے بھی کچھ روز قبل' تو حضرت امیر المکرّم کے الفاظ کے مطابق چلّہ مکمل ہو چکا تھا۔ مرض کی

علامات کو دیکھیں اور میڈیکل رپورٹوں کا معائنہ کریں تو اس کے برعکس وفات کے سرٹیفکیٹ میں بالکل مختلف وجہ بیان کی گئی۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جیؒ کا طویل مرض ایک چلّہ کے بعد ختم ہو چکا تھا۔ یہ آپؒ کی حیاتِ طیبہ کا آخری مجاہدہ تھا جس کے مکمل ہونے کے بعد آپؒ 17 فروری 1984ء کو مکمل طور پر صحت یاب نظر آ رہے تھے۔ اسی روز حضرت جیؒ کے گھر سے بھی لوگ آئے۔ آپؒ اب گفتگو فرما سکتے تھے' انہیں خوب تسلی دی اور جلد واپسی کا بتایا۔

حضرت جیؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ مختلف صاحبِ بصیرت خدام کا مشائخ سے رابطہ کراتے اور ان سے ایک سوال یہ بھی پوچھتے کہ آپؒ کس روز گھر جا رہے ہیں۔ 16 فروری کو جواب ملا کہ آپؒ اگلے اتوار گھر لوٹ جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ آپؒ کا جسدِ مبارک 18 فروری کو چکڑالہ پہنچا' ایک جلوس کی صورت' احباب کے کاندھوں پر سوار' آنسوؤں کی برسات اور آہوں اور سسکیوں کے جلو میں!

راقم 17 فروری کو تین احباب کے ہمراہ آخری مرتبہ حضرت جیؒ خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے شفقت سے رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

''بسلامت روی و باز آئی''

ایک مجذوب ساتھی رخصت ہونے کے باوجود اٹھنے کا نام نہ لے رہا تھا۔ اسے بلانے کے لئے حضرت جیؒ کے کمرے کے دروازے میں کچھ دیر کے لئے رکنا پڑا تو حضرت جیؒ کی نگاہیں چہرے پر جم گئیں' یہاں تک کہ احساس ہونے لگا کہ آپؒ مسلسل توجہ فرما رہے ہیں۔ وہ آخری نگاہیں تو نہ ہٹیں البتہ خود پیچھے ہٹ گیا' ان نگاہوں میں پنہاں محبت کی یادوں کو دل

میں بسا کر!

18 فروری 1984ء کو حضرت جیؒ پر دوپہر کے بعد سے استغراق کی کیفیت طاری تھی۔ حضرت جیؒ کے خادمِ خاص ملک احمد نواز کے مطابق آپؒ نے نمازِ ظہر ایک سے زائد مرتبہ ادا کی۔ کیا خبر جسے احمد نواز نے نمازِ ظہر کی بار بار ادائیگی سمجھا' وہ جمع صلوٰتین ہو کیونکہ اس عالمِ آب و گل سے آپؒ مغرب سے قبل رخصت ہوئے۔

حضرت جیؒ کی استغراقی کیفیت کو دیکھتے ہوئے خادمِ خاص نے احباب کو ملاقات سے منع کر دیا۔ نمازِ عصر کے بعد جب سانس کی آواز میں تبدیلی محسوس ہوئی تو احباب فکر مند ہوئے۔ نبض پر ہاتھ رکھا تو ساتویں نبض ڈوب رہی تھی۔ ملٹری ہسپتال سے فلائنگ سکواڈ منگوایا لیکن اس کی آمد سے قبل حضرت جیؒ اپنے رفیق الاعلیٰ کے پاس پہنچ چکے تھے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

طبی رپورٹ کے مطابق حضرت جیؒ کا وصال حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے ہوا۔

حضرت امیر المکرّم کے الفاظ میں:

"یہ ساڑھے چھ بجے شام کا وقت تھا کہ بارگاہِ نبوت سجی تھی۔ مجھے تقریباً پچیس سال ہوئے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوت کی حاضری سے مشرف ہوں۔ الحمدللہ مجھ بے نوا پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ شیخِ کامل کو وسیلہ بنا کر میری جوانی کی طویل راتوں کو محفلِ نبوی ﷺ سے چراغاں کر دیا۔ غالباً یہ شعر اگر میں اپنے شیخؒ کے لئے عرض کروں تو سب سے زیادہ

مناسب ہوگا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کر دی

میں نے اس طویل حاضری میں اس طرح کا اجتماع نہ دیکھا تھا۔ خصوصاً شیخین کریمین امیرالمومنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت زیادہ متوجہ پایا۔ اور خصوصی اہتمام میں حضرت جیؒ کو گھرا پایا۔ میں بے نوا' ہم رکاب تھا۔ بہت شاندار اور عجیب طرح کا لباس حضرتؒ کے زیبِ تن تھا۔ سر پر تاج جگمگا رہا تھا۔ خصوصی نشست بنی تھی اور نبیٔ رحمت ﷺ تبسم کناں' ابرِ رحمت برسا رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ عزت افزائی جو ایک بالکل انوکھی طرز پر ہے' غالباً حضرت جیؒ کو کوئی بہت ہی خاص منصب عطا ہو رہا ہے اور یہ کیفیت ساڑھے چھ بجے سے لے کر پونے آٹھ بجے تک رہی۔ میں نے حضرت جیؒ سے بارہا سنا تھا کہ مراقبہ فنا فی الرسول ﷺ اگر مضبوط ہو تو ایسے لوگوں کی ارواح قبض کر کے پہنچائی نہیں جاتیں بلکہ روح تو دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتی ہے اور ملک الموت جسم سے دنیوی زندگی والا تعلق ختم کر دیتا ہے لیکن اس کا مشاہدہ اس روز ہوا اور حضرت جیؒ کے وصال پہ ہوا کہ جن مبارک ارواح کو حضوری حاصل ہوتی ہے' انہیں کس طرح شرفِ باریابی

حاصل ہوتا ہے۔''

مغرب کی نماز سے قبل راقم کو پشاور میں میجر بیگ صاحب نے اطلاع دی کہ حضرت جیؒ کی طبیعت بہت خراب ہے' آپؒ کے ذاتی معالج ڈاکٹر عظمت بٹر کو راولپنڈی بھجوائیں۔ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت جیؒ کی علالت کے دوران زیادہ وقت آپؒ کی خدمت میں ہی گزارا تھا لیکن ایک روز قبل آپؒ کی صحت یابی کے خیال سے پشاور لوٹ آئے تھے۔ احباب کو حضرت جیؒ کی مخدوش حالت کی اطلاع دیتے ہوئے نمازِ مغرب ادا کی۔ نماز کے بعد پریشانی کی حالت میں بیٹھا تھا کہ دل میں خیال گزرا' اگر حضرت جیؒ دنیا سے رخصت ہو گئے؟ معاً جواب ملا:

''جماعت تو ہے۔''

واپس گھر لوٹا تو میجر بیگ صاحب کے دوبارہ فون کے ذریعے حضرت جیؒ کے وصال کی خبر ملی۔ امیرِ جماعت صوبہ سرحد حاجی الطاف احمد کی معیت میں راولپنڈی پہنچا تو احباب جمع تھے لیکن ایک قیامت کا سماں تھا۔ کوئی کسی کو دلاسا دینے والا نہ تھا۔ اتنے میں حضرت امیر المکرّم کی آمد ہوئی۔ سیدھے حضرت جیؒ کی چارپائی تک گئے اور چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کے مطابق پیشانی پر بوسہ دیا۔ پیکرِ صبر و سکون' ہر ایک کو سینے سے لگایا اور حوصلہ دیا۔

حضرت امیر المکرّم نے حاجی الفاظ احمدؒ اور دیگر احباب کے ہمراہ راقم کو حضرت جیؒ کے اہلِ خانہ کو اطلاع کرنے کے لئے چکڑالہ روانہ فرمایا تو چلتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ رات کو اطلاع نہ کریں اور انہیں آرام کرنے دیں۔ جائے تدفین کے متعلق صرف مشورہ دیں کہ اہل اللہ جس جگہ

پوری عمر ذکر و فکر میں بسر کرتے ہیں' وہی جگہ ان کی اخروی آرام گاہ بنتی ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو حضرت جیؒ کی تدفین آپؒ کے حجرہ مبارک میں کی جائے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ اپنی جائے تدفین کا تعین فرما چکے ہیں جس کا علم قبل ازیں ہمیں تھا نہ حضرت امیرالمکرّم کو' وگرنہ وہ حجرہ مبارک میں تدفین کا مشورہ نہ دیتے۔

راولپنڈی سے حضرت جیؒ کا آخری سفر رات دو بج کر پچاس منٹ پر شروع ہوا۔ اس کی روداد حضرت امیرالمکرّم کے الفاظ میں:

''جسدِ مبارک اپنے کمرے میں محوِ استراحت تھا اور روح مبارک اعلیٰ علیین میں متوجہ الی اللہ۔ احباب پروانہ وار نچھاور ہو رہے تھے۔ پشاور سے لاہور تک آنے والے آرہے تھے کہ دو بجے رات حضرتؒ کے جسدِ مبارک کو غسل دیا گیا۔ بیگ صاحب' زاہد صاحب' بابا قادر بخش خصوصی خدمت پر مقرر تھے اور باقی جملہ احباب بھی اپنا اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ سحری کو تین بجے وہاں سے نکلے۔ میں زندگی میں آخری بار حضرت جیؒ کی سواری کی موٹر چلا رہا تھا۔''

سوا چھ بجے یہ قافلہ دارالعرفان پہنچا تو حضرت جیؒ کا جسدِ مبارک آپؒ ہی کے کمرہ میں رکھا گیا۔ اس وقت حضرت امیرالمکرّم کے اہلِ خانہ موجود تھے۔ مقامی احباب کی ایک بڑی تعداد ہال میں جمع تھی۔ ایک بار پھر ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے اور دارلعرفان کا ہال آہوں اور چیخوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ کچھ دیر بعد نمازِ فجر کے لئے قدرے سکون ہوا لیکن یہ نماز بھی

آہوں اور سسکیوں کے ساتھ ادا ہوئی کہ یہاں آپؒ امامت فرمایا کرتے تھے جس کا نقشہ بار بار آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔

حضرت امیرالمکرّم کے الفاظ میں:

> ''یہاں میں نے روحِ پرفتوح کو دارالعرفان کی طرف متوجہ پایا۔ برادرم کرنل مطلوب حسین صاحب مسلسل اصرار کر رہے تھے کہ حضرت جیؒ سے اجازت کیوں حاصل نہیں کرتے کہ جسدِ مبارک کو دارالعرفان مین دفن کیا جائے۔ میں نے پوری کوشش کی' عرض کیا!'' حضرت! آپ کے اہلِ خانہ کو یہاں گھر بنا کر پیش کر دیں گے اور ہر طرح سے آرام میں ہوں گے اِنْ شَآءَ اللہ۔ مگر نہیں' فرمایا! زندگی میں بے شمار افراد کو مجھ پر بھروسہ تھا اور اللہ نے مجھے ان کا آسرا بنا دیا تھا' تم سب کو یہاں نہیں لا سکتے۔ اب میری قبر ان کے لئے ایسا ہی آسرا ہوگی۔ جس طرح زندگی میں میری ذات تھی اور آپ نے حرف حرف ارشادِ حق فرمایا۔ سبحان اللہ کیا لجپال لوگ تھے۔ اللہ ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!''

قریباً دس بجے حضرت جیؒ کی سواری چکڑالہ پہنچی جہاں ملک کے گوشے گوشے سے احباب کی ایک بڑی تعداد جمع ہو چکی تھی۔ اہلِ دیہہ کثیر تعداد میں اپنے مربی و محسن کے آخری دیدار کے لئے جمع تھے کہ آپؒ نے ہر مصیبت زدہ کی سرپرستی فرمائی۔ احباب مسلسل جمع ہوتے رہے یہاں تک کہ نمازِ ظہر کے بعد جنازہ اٹھا۔ حضرت جیؒ کی آرام گاہ گھر سے تین کلومیٹر کے

فاصلہ پر تھی لیکن اس کے باوجود لوگ بھاگ کر کندھا دے رہے تھے لیکن اژدہام کی وجہ سے بمشکل موقع مل رہا تھا۔ حضرت امیرالمکرّم اس جنازہ کی روداد بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''پچھلے پہر جنازہ اٹھا' پہلے عصر کی نماز اور پھر نمازِ جنازہ مجھ بے نوا نے پڑھائی۔ لحد میں اتارا۔ اک ہجومِ عاشقاں تھا جسے سنبھالنا میرے بس سے نکل نکل رہا تھا۔ اپنا دل درد سے پھٹنے کو آ گیا تھا لیکن مجبور تھا کہ مجھے بے شمار یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا تھا۔ اگرچہ میں خود یتیم ہو چکا تھا مگر بحمدِ للہ بالغ تھا' مگر مجھ سے چھوٹے میرے ساتھ لپٹ رہے تھے۔ سو بحمدِ للہ تمام مراحل طے ہوئے اور یہ اتوار کی شام تھی جس کے بارے میں مشائخ کرامؒ نے اطلاع دی تھی کہ آپ گھر پہنچ جائیں گے۔ اس سے مراد دنیا کا گھر تھا تو بھی اور برزخ کا مکان تھا تو بھی دونوں طرح سے درست ثابت ہوئی۔

میں نے خود قبر کو سنوارا۔ خود پتھر اپنی گاڑی پر لاد کر ڈھوئے۔ حضرتؒ کا جنازہ پڑھایا اور اپنے شیخ اپنے بزرگ' اپنے مربّی اور اپنے استاد کو لحد میں اتارا۔ وجودِ مبارک' بیگ صاحب' زاہد صاحب اور کرنل سلطان کے ہاتھوں میں تھموایا۔ پھر مٹی ڈالی اور قبر بنا دی۔

میں نے' جو احباب صاحبِ بصیرت مجھے مل سکے' سب کو جمع کر کے قبر شریف کے پاس بٹھایا کہ جو سمجھ آئے

مجھے بھی اطلاع کرنا' لیکن واللہ! جیسے ہی قبر پہ مٹی
ڈالی گئی تو ایک تجلّی تھی' ایک جلوہ تھا۔ ایک چمک تھی جو
ایک آن میں لپکی اور حضرتؒ بھی اسی کے ساتھ منازل
بالا کو تشریف لے گئے۔ اگر فرشتے تھے تو اسی چمک میں
تھے اور اگر سوال وجواب ہوئے تو اسی میں ہوئے ہوں
گے۔ اگر بارگاہِ رب العزت میں پیشی ہوئی تو اسی میں
ہوئی ہوگی ہم ناکارہ تو اس سے آگے کچھ نہ دیکھ سکے۔''

صبحِ نو

چکڑالہ ضلع میانوالی کے نواح میں اراضی کنڈ کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ حضرت جیؒ کی آخری آرام گاہ بنی۔ یہ بے آب وگیاہ زمین حضرت جیؒ کے نام پر آباد ہوئی اور مرشد آباد کہلائی۔ 19 فروری 1983ء کو حضرت جیؒ کی تدفین کے ساتھ ہی کئی ساتھیوں نے اس جگہ کھلے آسمان تلے پڑاؤ ڈال دیا جبکہ روزانہ حاضر ہونے والے احباب کی تعداد بھی خاصی تھی۔ ان میں اکثریت ملک کے دور دراز گوشوں سے آنے والے ان احباب کی تھی جو وقت پر اطلاع نہ ملنے یا طویل فاصلوں کی بنا پر حضرت جیؒ کے جنازے میں شرکت سے محروم رہے تھے اور اب اپنے شیخؒ کے مرقد پر آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرنے حاضر ہوئے تھے۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں مرقد پر ذکر وفکر کا سلسلہ شب و روز جاری تھا۔

حضرت جیؒ اپنے مخالفین کے بارے میں وقتاً فوقتاً جن خدشات کا اظہار فرمایا کرتے تھے' ان کے مطابق چکڑالہ میں آپؒ کا آبائی گھر قطعاً محفوظ نہ تھا۔ ساتھیوں کی مسلسل آمدورفت کے باعث فوری شرانگیزی تو متوقع نہ تھی لیکن یہاں سے آپؒ کی بیش قیمت لائبریری کو فوری منتقل کرنا وقت کا اہم تقاضا تھا۔ یہ لائبریری حضرت جیؒ کی معرکتہ الآرا تصانیف کی ماخذ اور کتبِ حوالہ جات

پر مشتمل تھی جن کا ضیاع سلسلۂ عالیہ کے لئے نا قابلِ تلافی نقصان ہوتا۔ تاخیر کی صورت میں لائبریری منتقل کرنے کی راہ میں مخالفین رکاوٹ بن سکتے تھے۔ یہ خدشہ حضرت جیؒ کے اہلِ خانہ نے بھی محسوس کیا اور ان کے ایماء پر حضرت جیؒ کی تدفین کے اگلے روز یہ لائبریری دارالعرفان' منارہ منتقل کر دی گئی۔ آپؒ کی وصیت کے مطابق یہ لائبریری سلسلۂ عالیہ ہی کی ملکیت تھی اور دارالعرفان ہی اس کے لئے محفوظ جگہ تھی۔ جناب حافظ عبدالرزاق بھی دارالعرفان منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے شبانہ روز محنت کے بعد کتب کو مختلف شعبہ جات میں تقسیم کیا اور ان کی جامع فہرست تیار کی۔

24 فروری بروز جمعہ حضرت جیؒ کی اہلیہ محترمہ اور صاجبزادی سے تعزیت کے لئے خواتین کا دن تھا۔ راقم اہلِ خانہ کے ہمراہ پشاور سے روانہ ہوا تو چکڑالہ حاضری سے قبل شبِ جمعہ حضرت امیرالمکرّم کے ہاں منارہ میں بسر کی۔ اس موقع پر امیرِ صوبہ سرحد حاجی الطاف احمد بھی ہمراہ تھے۔ حضرت امیرالمکرّم کے ہاں ان کے مہمان خانے میں بیٹھے تھے کہ ایک عجیب صورتِ حال پیش آئی۔ حضرت جیؒ کے وصال کے بعد تمام ساتھی غم سے نڈھال اس قدر ٹوٹ کر برسے تھے کہ سوائے حضرت امیرالمکرّم' کسی میں سکت نہ تھی کہ ایک دوسرے کو حوصلہ دے سکے۔ اس عالم میں صرف ایک ہستی کو ثابت قدم دیکھا' وہ حضرت امیرالمکرّم تھے۔ پرسکون چہرہ' استقامت کی تصویر' ہر ایک کو دلاسا دے رہے تھے' حوصلے بانٹ رہے تھے لیکن اس رات اچانک کیا ہوا! ان کی زبان پر حضرت جیؒ کا ذکر آیا تو یارا نہ رہا۔ زبان گنگ ہو گئی' سبھی بند ٹوٹ گئے اور آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ حضرت جیؒ کے نام کے ساتھ آنسو تو آج بھی ان کے آنکھوں سے رواں ہو جاتے ہیں لیکن اس

روز بات اس سے بہت آگے بڑھ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور ٹوٹ ٹوٹ کر برسے۔ ہچکیاں شروع ہوئیں تو رکنے میں نہ آئیں، یہاں تک کہ گھگھی بندھ گئی۔ اب تک شب کی تنہائیوں میں ان پر اکیلے میں جو گزری، سو گزری ہو گی لیکن آج شاید پہلی مرتبہ وہ کسی کے سامنے اس قدر روئے۔ معلوم ہوا کہ صبر کا وہ پہاڑ جو دوسروں کے لئے سہارا بنا ہوا تھا، حضرت جیؒ کی جدائی کے غم سے اندرونی طور پر کس قدر ہل چکا ہے۔

صبح چکڑالہ حاضر ہوئے تو حضرت جیؒ کے حجرہ سے کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی وہ چٹائی عطا ہوئی جو عرصہ دراز سے آپؒ کی جائے عبادت پر مختلف جائے نمازوں کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ اس قیمتی ورثہ سے آج بھی پژمردہ کیفیات کو جلا ملتی ہے۔ احباب آتے رہے اور اہلِ خانہ کی اجازت سے اس چٹائی کے اوپر بچھے ہوئے جائے نماز لے جاتے رہے لیکن راقم کے حصہ میں وہ چٹائی آئی جس پر حضرت جیؒ نے ذکر و فکر اور عبادت میں زیادہ وقت گزارا تھا۔ حضرت جیؒ کی استعمال شدہ مختلف چیزیں احباب میں تقسیم ہو گئیں تو واپسی پر حضرت امیرالمکرّم کی اہلیہ محترمہ نے پوچھا، ہمارے حصہ میں حضرت جیؒ کے تبرکات میں سے کیا چیز آئی ہے؟ حضرت امیرالمکرّم نے فرمایا، میں خود جو ہوں۔

حضرت جیؒ ایک صوفیٔ کامل کے علاوہ عالمِ بے بدل کی صورت میں ملک بھر میں معروف تھے۔ آپؒ کے وصال کا تذکرہ ملک کے سبھی اخبارات میں شائع ہوا۔ ان دنوں صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق ملک سے باہر تھے اور ان کی جگہ چیف جسٹس سپریم کورٹ، جسٹس عبدالحلیم بطور صدرِ پاکستان فرائض انجام دے رہے تھے۔ 24 فروری بروز جمعہ قائم مقام صدر حضرت جیؒ کی

تعزیت کے لئے دارالعرفان آئے اور یہیں نمازِ جمعہ ادا کی۔ یہ دارالعرفان میں اول نمازِ جمعہ تھی۔

یکم اور 2 مارچ 1984ء دارالعرفان میں ایک اہم اجتماع ہوا جس میں ملک بھر سے احبابِ سلسلۂ عالیہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ قریباً تمام صاحبِ مجاز، ضلعی امراء اور اراکین مجلس منتظمہ موجود تھے جبکہ عام ساتھیوں کی تعداد ایک ہزار سے کم نہ تھی۔ حضرت جیؒ کے ایصالِ ثواب کے لئے احباب نے بیشتر وقت قرآن خوانی میں گزارا۔

2 مارچ صبح ساڑھے چھ بجے ایک خصوصی مشاورت ہوئی جس میں حضرت امیرالمکرّم، سیّد بنیاد حسین شاہ، میجر محمد احسن بیگ اور چند دیگر احباب نے شرکت کی۔ اس موقع پر حضرت امیرالمکرّم نے ایک مختصر خطاب میں شرکاء سے فرمایا کہ وہ ایک عرصہ سے ساتھیوں کی خدمت پر مامور ہیں، انہیں بدستور اس خدمت پر مامور رکھا جائے اور حضرت جیؒ کی خلافت کے بارِ گراں کو دونوں خلفاء میں سے کوئی ایک سنبھال لے۔ اس بارِ عظیم کو اٹھانے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوا بلکہ اصرار کیا گیا کہ حضرت امیرالمکرّم ہی اس ذمہ داری کو سنبھالیں۔ حضرت امیرالمکرّم کی آمادگی کے بعد تجدیدِ بیعت کا عمل شروع ہوا۔

سب سے پہلے سیّد بنیاد حسین شاہ، میجر احسن بیگ اور صاحبِ مجاز حضرات نے فرداً فرداً تجدیدِ بیعت کی۔ اس کے بعد دارالعرفان کے ہال میں جمع ساتھیوں سے میجر احسن بیگ نے خطاب کیا اور انہیں تجدیدِ بیعت کی دعوت دیتے ہوئے طریقۂ بیعت کی وضاحت کی۔ حضرت امیرالمکرّم اس دوران حضرت جیؒ ہی کے کمرہ میں تشریف فرما رہے۔ جبکہ احبابِ سلسلۂ عالیہ

قطار در قطار بیعت کے لئے اندر آتے رہے اور میجر بیگ اس سارے عمل کی نگرانی کے ساتھ ساتھ تجدیدِ بیعت کے عمل کے بارے ہدایات بھی دیتے رہے۔ ساتھیوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے بیعت کا یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رہا۔ بیعت کے دوران وہی کلمات دہرائے جا رہے تھے جو کبھی حضرت جیؒ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ادا کئے گئے تھے اور حضرت امیر المکرّم بعینہٖ فرما رہے تھے۔ ''میں نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میں بیعت کیا اور اس کی نسبت آپ کو عطا کی۔'' احباب نہ صرف زبان سے بلکہ دل و جان سے بھی قبول کا لفظ ادا کر رہے تھے۔ چشمِ تصور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وہ کٹھن وقت سامنے آجاتا جب آقائے نامدار علیہ کے اس عالمِ ظاہر سے پردہ فرمانے کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ اقدس پر بیعت کی گئی۔ اس موقع پر بیعت کرنے والوں میں وہ کبائر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے جو بیعتِ رضوان کی سعادت سے بہرہ ور تھے۔

یہ ایک نئے دور کی صبحِ نو تھی۔ یہ لمحات بہت بھاری تھے۔ اس وقت آنے والے دور میں سلسلۂ عالیہ کے حوالے سے کٹھن ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا عہد لیا جا رہا تھا جبکہ حضرت جیؒ کی صورت میں شفقت اور تحفظ کی چھتری سروں سے اٹھ چکی تھی۔ آپؒ کے سایہ نے ایک ایک ساتھی کو سنبھال رکھا تھا لیکن جب یہ سایہ سروں سے اٹھ گیا تو کتنے لوگوں کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے دیکھا' اِلاّ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقامت نصیب ہو جائے اور اسی ستّار العیوب سے آخر دم تک استقامت کی دعا ہے۔ آمین!

8' 9 مارچ 1984ء کو چکڑالہ میں حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ کے

بعد پہلا اور آخری ماہانہ اجتماع ہوا۔ اس سے قبل 12' 13 جنوری 1984ء کو یہاں معمول کے مطابق جنوری کا دوسرا جمعہ ہونے کی نسبت سے ماہانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جس میں حضرت جیؒ ہمارے درمیان تھے۔ اگلا ماہانہ اجتماع 9' 10 فروری کو منعقد ہونا تھا لیکن حضرت جیؒ اس روز ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں زیرِ علاج تھے۔ مارچ کے دوسرے جمعہ کے اس اجتماع کے لئے چکڑالہ میں ساتھیوں نے اتنی بڑی تعداد میں شرکت کی کہ ان کے قیام کے لئے تمام قریبی مساجد ناکافی ثابت ہوئیں۔ حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ کے دوران کسی بھی اجتماع میں اس قدر حاضری نہ دیکھی گئی تھی۔

سحری کا ذکر کسی ایک جگہ ممکن نہ تھا اس لئے ہدایت کر دی گئی کہ ساتھی جہاں ہیں' وہیں ذکر کریں۔ ساتھیوں کی یہ تعداد دیکھ کر واضح ہو گیا کہ مستقبل تو دُور کی بات ہے' یہ جگہ آج کے اجتماع کے لئے بھی ناکافی ہے اور آئندہ روزافزوں تعداد کے لئے وسیع و عریض کھلے میدان کی ضرورت ہو گی جس کا بندوبست اراضی کنڈ کی صورت میں حضرت جیؒ فرما گئے تھے۔ چنانچہ اپریل 1984ء سے ماہانہ اجتماعات مرشد آباد منتقل کر دیئے گئے۔

9 مارچ علی الصبح حضرت امیر المکرّم نے احباب کے ہمراہ حضرت جیؒ کے مرقد پر حاضری دی اور اجتماعی ذکر ہوا۔ اس کے بعد گروہ در گروہ یہاں پہنچنے والے احباب نے ذکر کا سلسلہ جاری رکھا۔ دس بجے حضرت امیر المکرّم نے احباب کے ہمراہ مرقد سے متصل مسجد کی حدود کی نشاندہی کی۔ یہ ایک بڑا تعمیراتی منصوبہ تھا جس کے لئے وافر پانی کی ضرورت تھی۔ حضرت امیر المکرّم نے راقم کو ساتھ لیتے ہوئے فرمایا کہ اب پانی کا منبع تلاش کیا جائے۔ انہوں نے پورے علاقے کا بغور جائزہ لیا اور پھر مجوزہ مسجد کی مشرقی دیوار کی سمت

کچھ فاصلے پر لکڑی کی چوب ٹھونکنے کے لئے فرمایا۔ بعد میں اسی جگہ ٹیوب ویل لگایا گیا جہاں سے نہ صرف تعمیراتی کاموں کے لئے پانی حاصل ہوا بلکہ قریبی اراضی بھی سیراب کی گئی۔

حضرت جیؒ کے مرقد کے نواح میں مستقبل کی جس بستی کی منصوبہ بندی کی گئی' حضرت امیر المکرّم نے اس کا نام مرشدآباد رکھا اور اسی روز ڈپٹی کمشنر میانوالی کو بھی اس سے آگاہ کر دیا تاکہ متعلقہ ریونیو ریکارڈ میں اندراج کر لیا جائے۔

آئندہ جمعہ **16** مارچ کو حضرت امیر المکرّم نے مسجد کی بنیادوں کی کھدائی کا افتتاح فرمایا۔ ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد نے مرشدآباد میں کھلے آسمان تلے کیمپ لگا لیا جس میں احباب قیام پذیر رہے اور حسبِ توفیق تعمیراتی کاموں میں جوش وخروش سے شریک ہوئے یہاں تک کہ **12**'**13** اپریل **1986**ء رات گئے چھت ڈالنے کا مرحلہ مکمل ہوا۔

حضرت جیؒ کے مرقد کے ساتھ مسجد اور آپؒ کے لواحقین کے لئے رہائش گاہوں کی تعمیر اس قدر تیزی سے ہوئی کہ انتہائی قلیل عرصہ میں جنگل کی جگہ ایک آباد بستی نظر آنے لگی۔ حضرت جیؒ کے لواحقین کی مرشدآباد منتقلی کے بعد ڈی سی میانوالی سے طے پایا کی چکڑالہ میں آپ کا آبائی گھر اور حویلی 'اللہ یار خان ہائی سکول برائے طالبات' کے لئے وقف کر دیئے جائیں لیکن اس منصوبہ پر عمل درآمد سے قبل ہی اس جگہ پر مخالفین کا قبضہ ہوگیا۔ ماہ مئی اور اگست میں ڈی سی میانوالی اور اے سی تلہ گنگ نے مرشدآباد کے دورے کئے۔ حیرت کے عالم میں ان لوگوں کے ریمارکس تھے کہ وہ جماعت جو چند روز کے اندر اس جنگل میں ایک بستی بسا سکتی ہے' اس کے لئے کوئی بھی کام

ناممکن نہیں۔ ان ضلعی افسران کی آمدورفت سے مرشد آباد کے لئے بجلی کی فراہمی کا مسئلہ بھی حل ہوا اور سڑکوں کی منصوبہ بندی کی گئی جس پر کام کا آغاز اگرچہ کئی سال بعد ہوا۔

حضرت جیؒ کے مرقد کے گرد ہشت پہلو احاطے کی کھدائی کا آغاز 28 جولائی 1984ء کو ہوا۔ حضرت امیر المکرّم کا ارادہ تھا کہ اس احاطے کے اطراف میں آٹھ ستونوں کی مدد سے اس طرح چھت ڈالی جائے کہ مرقد کا درمیانی حصہ خالی رہے۔ چند احباب کی طرف سے اس تجویز کی شدید مخالفت کی گئی اور بِنَا عَلَی القُبُور کی دلیل کا سہارا لیا گیا حالانکہ مرقد کے اوپر چھت ڈالنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور اطراف میں ہشت پہلو چھت کا مقصد مرقد کے قریب بیٹھ کر ذکر کرنے والوں کو یہاں کی سخت سردی و گرمی' چلچلاتی دھوپ اور بارش سے محفوظ رکھنا تھا۔ ان احباب کی تشفی کے لئے یہ معاملہ جب دارالعلوم دیو بند کے سامنے رکھا گیا تو جواب واضح تھا کہ یہاں عمارت قبر کے لئے نہیں بلکہ بِنَا عَلَی القُبُور لِلاستفَادَہ ہے۔ چونکہ صاحبِ قبر سے حصولِ فیض مقصود ہے جس کے لئے یہاں بیٹھ کر ذکر کیا جاتا ہے' یہ عمارت برائے استفادہ ذاکرین ہے جس کی تعمیر میں کوئی قباحت نہ تھی۔ یہ بھی واضح تھا کہ یہاں روایتی مزار وغیرہ کی تعمیر مقصود نہ تھی لیکن مخالفت کرنے والے احباب جب اپنی رائے سے رجوع کرنے پر تیار نہ ہوئے تو حضرت امیر المکرّم نے مزار کے اطراف میں چھت ڈالنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

2004ء میں جب یہ سطور تحریر کی جا رہی ہیں، حضرت جیؒ کا مرقدِ پرنور ایک چھوٹے سے ہشت پہلو احاطے میں ہے جہاں احباب کی آمدورفت اجتماعی اور انفرادی صورت میں جاری رہتی ہے لیکن گرمی و سردی

کی شدت' چلچلاتی دھوپ یا بارش میں احباب کے لئے مرقد کے سامنے بیٹھ کر طویل دورانیے کے لئے ذکر ممکن نہیں ہوتا جبکہ حضرت جیؒ کے مرقد کے گرد اس ہشت پہلو احاطے اور یہاں بیٹھ کر ذکر کرنے کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔

طریقِ اویسی کے مطابق حضرت جیؒ سے رابطہ تو ہر جگہ قائم ہو سکتا ہے لیکن اس ہشت پہلو احاطے میں آپؒ کی خصوصی توجہ نصیب ہوتی ہے' گویا! یہ احاطہ آپؒ کے اپنے گھر کی چار دیواری ہے۔ راقم پر گزرنے والا ایک چھوٹا سا واقعہ شاید اس حقیقت کو مزید واضح کر سکے۔ ایک مرتبہ پشاور کے احباب کے ہمراہ رات گئے مرشد آباد پہنچے تو مسجد میں سونے کے لئے جگہ نہ ملی۔ مجبوراً احباب کے ہمراہ مرقد کے ہشت پہلو احاطے میں کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے۔ سحری کے ذکر میں کیفیات ندارد' لطائف بجھے بجھے سے اور اندر کی دنیا زیر وزبر محسوس ہونے لگی۔ معلوم ہوا کہ اس کی وجہ مرقد کے احاطے میں رات کا قیام ہے۔ اگرچہ یہ پکڑ حضرت جیؒ کی طرف سے نہ تھی۔ آپؒ کی طرف سے تو ہمیشہ شفقت ہی ملی لیکن نادانستہ طور پر ہی کیوں نہ ہو' کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو قرینۂ ادب کے خلاف ہو تو سلوک کی دنیا میں اس کے نتائج سے مفر ممکن نہیں۔ عرض کیا! آپؒ کی حیاتِ طیبہ میں بارہا آپؒ کے کمرہ میں سونے کی سعادت نصیب ہوئی تو جواب ملا: ''جن لوگوں کو ساتھ لے آئے' انہیں تو یہ قرب حاصل نہ تھا۔'' استغفار کیا اور مرقد کے سامنے ذکر کے بعد کیفیات بحال ہوئیں۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ مرقد کے گرد احاطے کا ایک اپنا تقدس ہے۔ یہاں بیٹھیں تو ہمہ تن متوجہ رہیں وگرنہ حضرت جیؒ کی مسلسل توجہ کے ہوتے ہوئے غفلت وعدمِ توجہی مانع فیض اور سُوئے ادب ہوگی۔ اس سے یہ بھی

معلوم ہوا ہے کہ مرشد آباد میں طویل قیام کیوں ممکن نہیں۔ یہاں حضرت جیؒ کی مسلسل توجہ کے جواب میں سالک طویل عرصہ ہمہ تن متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مرشد آباد میں یکسوئی کے ساتھ چند ساعت کی حاضری کئی روزہ قیام پر بھاری ہے بلکہ طویل قیام کے دوران عدمِ توجہی اور کسی سوئے ادب حرکت کی صورت نقصان کا خطرہ الگ ہے۔ یہاں کی حاضری کے متعلق حضرت جیؒ کا فرمان ہے:

"جن لوگوں نے مجھ سے فیض حاصل کیا' وہ میری قبر پر آئیں گے تو اس سے کئی گنا زیادہ پائیں گے۔"

حیاتِ طیبہ

حضرت جیؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد حالات قدرے معمول پر آئے تو 9 اپریل کو حضرت جیؒ کی جگہ حضرت امیر المکرّم کے سالانہ دوروں کے پروگرام کو حتمی شکل دی گئی۔ 13 اپریل 1984ء کو حضرت جیؒ کے مرقدِ پُرنور پر حاضری کے ساتھ صوبہ سرحد کے دورہ کا آغاز ہوا۔ حضرت جیؒ کی توجہ اور دعاؤں کے جلو میں مرشد آباد سے سفر شروع ہوا تو قافلے کی اوّلین گاڑی حضرت امیر المکرّم کی جیپ تھی جسے وہ خود چلا رہے تھے جبکہ ان کے عقب میں راقم کی گاڑی تھی۔ قریباً ایک گھنٹہ سفر کے بعد حضرت امیر المکرّم اچانک رک گئے' گاڑی ڈرائیور کے سپرد کی اور خود راقم کی گاڑی میں تشریف لائے جبکہ میرے ساتھ شریکِ سفر احباب ان کی جیپ میں منتقل ہو گئے۔ کافی دیر تک سکوت کا عالم رہا جیسے حضرت امیر المکرّم کسی اور ہی دنیا میں کھوئے ہوئے ہوں، پھر فرمایا:

''وفورِ انوارات کا یہ عالم ہے کہ گاڑی ڈرائیو کرنا مشکل ہو گیا تھا' حتیٰ کہ سڑک بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگی۔''

یہ سفر اپنی نوعیت کا ایک منفرد سفر تھا۔ اس سے قبل حضرت امیر المکرّم نے بارہا حضرت جیؒ کی معیت میں سفر کیا تھا لیکن آج کا سفر آپؒ کی نیابت کا

سفر تھا جس کی کیفیات ہی جدا تھیں۔ حضرت جیؒ کا ذکر ہوا تو راقم نے جسارت کرتے ہوئے عرض کیا کہ بقول قاضی ثناءاللہؒ (لیٹی والے)، حضرت جیؒ نے فلاں دائرہ میں وصال پایا۔ حضرت امیر المکرّم نے فرمایا' یہ بات درست نہیں۔ حضرت جیؒ کے مقامات اس سے کہیں آگے ہیں لیکن قاضی جیؒ ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ قاضی جیؒ خود اس دائرہ تک سیر نظری رکھتے ہیں۔ آئندہ بھی لوگ اسی طرح حضرت جیؒ کے مقامات کا اندازہ لگانے لگیں گے۔ کیا خبر کوئی شخص حضرت جیؒ کو مقامِ اقربیت پر دیکھے تو کہنے لگے کہ یہی آپؒ کا مقام ہے۔ ضرورت ہے کہ اب حضرت جیؒ کی منازل کا تفصیلاً ذکر کر دیا جائے تا کہ آئندہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔

بات جب حضرت جیؒ کے مقامات کی ہو تو یقیناً اس موضوع پر حضرت جیؒ کے اپنے الفاظ سند کا درجہ رکھتے ہیں یا پھر حضرت امیر المکرّم کو سزاوار ہے کہ وہ اس موضوع پر کچھ کہہ سکیں۔ صوبہ سرحد کے دورہ سے واپسی پر حضرت امیر المکرّم نے حیاتِ طیبہ کے عنوان کے تحت حضرت جیؒ کے مقامات و مناصب تفصیلاً رقم فرمائے تا کہ یہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔ حضرت جیؒ کی سوانح کے اس اہم ترین باب کا بیشتر حصہ حضرت امیر المکرّم کے الفاظ میں ہی رقم کیا گیا ہے یا کہیں حضرت جیؒ کے الفاظ کا سہارا لیا گیا ہے جو مستند روایات یا آپؒ کی تحریروں کی صورت میں حاصل ہوئے۔ حضرت جیؒ کی منازلِ سلوک کے متعلق حضرت امیر المکرّم رقمطراز ہیں:

''گذشتہ کئی روز سے دل اور دماغ آپس میں الجھ رہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ حضرتؒ کے وصال مبارک کے وہ

حالات جو صرف اللہ کی خاص عطا سے اور کشفاً ہی معلوم ہو سکتے ہیں اور جو واقعات دیکھنے کی سعادت اللہ کریم نے مجھ بے نوا کو بخشی ہے اس میں احباب کو بھی شریک کر لوں مگر ذہن نہیں مان رہا تھا کہ اوّل تو یہ اَسرارِ الٰہی ہیں اور ان کا اظہار مناسب نہیں' دوم یہ دورِ جہالت کا ہے اور قحط الرجال ہے۔ ایک طرف لوگ حیاتِ انبیاء کا انکار کئے بیٹھے ہیں اور دوسری طرف سلوک کی ابجد سے بھی ناآشنا کچھ لوگ جُبّہ و دستار پہنے لوگوں کو نہ صرف بدعات بلکہ مشرکانہ رسومات میں دھکیل رہے ہیں۔ اس افراتفری میں بحث کا ایک نیا دروازہ کیوں کھولا جائے۔ لیکن آخر دل کی بات ماننا پڑی اور اس لئے بھی ماننا پڑی کہ جس زور سے حیات بعد الموت کا انکار ہے' ضروری ہے کہ اثبات بھی علی الاعلان کیا جائے۔ رہی بات بحث کی تو حضرت استاذِ نا المکرّم و محترم' بحر العلوم' قلزمِ فیوض' مجددِ طریقت' امام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر جامع تصنیفات چھوڑی ہیں کہ اس باب کو بند کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی کج بحثی کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

میں عنوان تلاش کر رہا تھا۔ ذہن پر زور دیا لیکن بات نہ بنی۔ دل نے کہا قرآن پاک کھولو' اِنْ شَآءَ اللہ عنوان پالو گے۔ میں نے کتاب اللہ کو کھولا تو سورۃ نحل کی یہ آیۂ کریمہ سامنے آئی۔ یعنی میری پہلی نگاہ اسی پر پڑی۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○

سو میں نے اس کا عنوان ''حیاتِ طیبہ'' رکھا۔

حضرت جیؒ کا تعارف بحیثیت ایک ولیٔ کامل مقاماتِ تصوّف وسلوک بیان کیے بغیر ممکن نہیں۔ اس راہ میں ابتداء یا ابجد فنا و بقا ہے۔ مراقباتِ فنافی اللہ اور بقا باللہؒ والا اس قابل ہو جاتا ہے کہ راہِ سلوک پر قدم رکھے۔ آگے کی پہلی منزل سالک المجذوبی ہے جس کی سات منازل ہیں۔ اور ان سات منازل میں تقریباً سوا لاکھ نورانی حجابات ہیں جو سالک کو طے کرنے پڑتے ہیں اور پھر دریائے رحمت عبور کرنے کے بعد پہلے عرش کی منازل شروع ہوتی ہیں۔ پہلے عرش کے اندر تقریباً سوا لاکھ منازل ہیں اور یہ شمار حتمی نہیں ہے بلکہ ہم نے اندازہ اسی طرح لگایا تھا کہ حضرت جیؒ نے فرمایا۔

''میں نے ایک سال پہلے عرش کی منازل شمار کیں تو اوّل سے لے کر سولہ ہزار تک طے کر سکا۔ پھر تین سال اور لگے تب جا کر عرش طے ہوا۔''

یاد رہے کہ جُوں جُوں روح آگے بڑھتی ہے اس کی قوت اور رفتار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سو کوئی صاحب حساب کے قاعدوں میں نہ الجھیں بلکہ مجھ بے نوا پر ہی بھروسہ کریں کہ میں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں بیٹھ کر' مختلف چیزوں کا جائزہ لے کر حساب جوڑا تھا تو اندازاً سوا

لاکھ شمار ہوا تھا۔ ان منازل کے درمیان فاصلہ اس قدر ہے کہ ہر نیچے والی منزل سے اوپر والی منزل اس قدر بلند ہے کہ اگر نگاہ کی جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے زمین پر سے کوئی انتہائی دور ستارہ' جو معمولی سا ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب پورے عرش کی اندرونی وسعت کا خیال خود کر لیں کہ سمندِ عقل یہاں تھک کر گرتا ہے۔

عرش کی تعداد 9 ہے۔

آنکہ آمد نہ فلک معراجِ اُو　　　انبیاء و اولیاء محتاجِ اُو

پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان کا فاصلہ عرش اوّل کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ پھر دوسرے عرش کی موٹائی اس فاصلے اور خلا سے زیادہ' علیٰ ہذا القیاس۔ ہر عرش کے بعد خلاء بھی ہے اور اسی نسبت سے خلاء اور عرش کی موٹائی بڑھتی بھی جاتی ہے' حتیٰ کہ نویں عرش کی انتہا عالمِ امر کی ابتداء ہے جسے عالم حیرت بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے وہ دائرے شروع ہوتے ہیں جن میں سے ایک ایک کی وسعت میں جہان گم ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ اوّل تو بے شمار طالبوں کے نزدیک فنا بقا ہی انتہائے سلوک ہے لیکن بعض خوش نصیب جو اس سے آگے چلے' سالک المجذوب بمشکل بن پائے۔ پھر عرش کی وسعتوں میں خلقِ خدا سرگرداں رہی۔ ان میں برصغیر کے ایسے نامور حضرات بھی شامل ہیں جن کے نام اس غرض سے نہیں گنوا سکتا کہ نااہل یہ کہیں گے کہ اپنے آپ کو

ان سے اعلیٰ شمار کرتا ہے حالانکہ یہ مقصد ہرگز نہیں۔ میں اپنے آپ کو ان کی خاکِ پا جانتا ہوں' پھر وہ اپنی منزل پا گئے اور ہم عالمِ ابتلاء کے گرداب میں ہیں۔ اللہ ہمیں بعافیت ان کے پاس پہنچائے۔ آمین!

ان دائروں کی تعداد 36 ہے اور ان کی وسعت بے کراں۔ پہلا دائرہ مقامِ تقرب ہے جس کی پنہائیوں کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ نو عرش اور دنیا و مافیہا اس کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک مندری۔ اس دائرے میں حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات ہوئی۔ یہاں سے آگے کے بعض دوائر کی بات حضرت مجدد صاحبؒ نے ارشاد فرمائی ہے مگر وہ سیر نظری ہے جہاں تک ان کی نگاہ نے کام کیا۔ بہرحال چوتھا دائرہ مقامِ تسلیم ہے جہاں مقاماتِ ولایتِ اولیاء کی انتہاء ہے۔ اس دائرے میں ایک ایسی ہستی ملتی ہے جو بھیرہ میں دفن ہے۔ اپنے زمانے کے غوث تھے ظلماً شہید کئے گئے۔ اب ان کے اوپر آبادی اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ یہ بے نوا ایک بار کسی کام سے بھیرہ گیا تو ملاقات اور حاضری نصیب ہوئی۔ فرماتے تھے کہ ان مکانوں کے رہنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں ان کی عورتیں بدکار ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت! نشاندہی ہو جائے تو ممکن ہے کہ لوگ جگہ خالی کر دیں تو فرمایا میں ہر صاحبِ کشف کو بھی اپنی جگہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر

نشاندہی ہوگئی تو دنیا بھر کے بدکار یہاں جمع ہوں گے۔ اس سے یہ چند بہتر ہیں۔

خیر، یہ جملہ معترضہ تھا، مقامِ تسلیم کے بعد ولایتِ انبیاء شروع ہوتی ہے جو نبی کو وہبی طور پر حاصل ہوتی ہے اور قبل نبوت بھی حاصل ہوتی ہے جس میں امّتی صرف اتباع پیغمبر کی بنا پر باریاب ہوتا ہے ورنہ یہ منازل امّتی کے لئے نہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ خدام بھی رہتے ہیں۔

یہاں سے چھ دائرے عبور کرنے کے بعد ساتواں دائرہ مقامِ رضا ہے جس کے آخر میں ایک ایسی ہستی ہے جو سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ اوّل تھے۔ دائرہ مقامِ رضا سے آگے پانچواں دائرہ حقیقتِ رسالت ہے جس کی ابتداء میں حضرت سیّدنا نذیر علی شاہؒ (ان کا مدفن کشمیر میں ہے اور غیر معروف ہے) کی وفات ہوئی اور اس دائرہ کی انتہاء میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عالمِ بقا کو سدھارے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اور بے شمار ہستیاں ہوں گی۔ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس گزرگاہ میں نقشِ کفِ پائے حبیب ﷺ پہ بوسے دیتے چودہ سو سال بیت چکے ہیں۔ میں نے صرف ایک دو نام تبرکاً گنوانے کی جسارت کی ہے۔

آگے چھٹا دائرہ مقامِ افراد ہے جس میں اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ملتے ہیں۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ یہ بہت نازک مقام ہے۔ حضرت مجددؒ نے جب بات کی تو ان پر فتویٰ لگا تھا کہ یہ اپنے آپ کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتا ہے لیکن یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی ان مقامات سے گزرتا ہے تو بحیثیت نبی کے گزرتا ہے۔ صحابی گزرتا ہے تو بحیثیت صحابی کے گزرتا ہے اور ولی گزرتا ہے تو ان کا کفش بردار ہو کر۔ ورنہ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر کا مرتبہ شانِ ولایت کی رسائی سے بالاتر ہے۔ رہی بات فتوؤں کی تو وہ لوگوں کا مزاج بن چکا ہے۔ جب معاملہ عنداللہ درست ہو تو فکر کی بات نہیں۔ ممکن ہے فتویٰ لگانے والے بھی خلوص سے کام لے رہے ہوں مگر حالات کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے معذور ہوں۔ اللہ کریم ہم سب کو ہدایت پر رکھے۔ آمین!

اس سے اگلا دائرہ قطبِ وحدت کا ہے اور اس کے بارے میں مناسب ہوگا کہ میں حضرت جیؒ کے مبارک الفاظ نقل کر دوں:

"یہ وسیع دائرہ ہے۔ ڈیڑھ سال بندہ اس میں سرگرداں رہا۔"

اس مبارک روح کی قوتِ پرواز اور رفتار کا اندازہ کر کے اس دائرے کی وسعت کا خیال کیا جائے تو بات حساب وشمار کی حدود کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

اگلا مقام دائرۂ صدیقیت ہے جس کے بعد بارہ دائرے ہیں قربِ نبوت' قربِ رسالت' قربِ اولوالعزمی' قربِ محمدی ﷺ' وصالِ محمدی ﷺ' رضائے الٰہی' قربِ الٰہی' وصالِ الٰہی' قربِ رحمت' بحرِ رحمت' خزانۂ رحمت اور منبعِ رحمت۔ ان کی وسعتیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ قریباً ایک چوتھائی سلوک یہاں طے ہو جاتا ہے۔ میری ناقص رائے میں جو اصحاب یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے سلوک مکمل طے کرلیا شاید وہ کچھ اندازہ کرسکیں۔

اس سے آگے حجاباتِ الوہیت ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ یہ اکتوبر 1966ء کی بات ہے کہ حضرت جیؒ نے فرمایا تھا کہ حضرت امیرالمکرّم کی اس تحریر کے مطابق: یہ بدکار (کسرِ نفسی سے اپنے متعلق فرمایا) سومِ حجاب میں ہے۔''

حضرت جیؒ کی منازل کی یہ صورتحال تو 1966ء تک تھی۔ اس کے چودہ سال بعد منازلِ سلوک کی تکمیل کا ذکر آپؒ کے دو خطوط میں ملتا ہے۔ 29 جون 1980ء کے ایک مکتوب میں آپؒ نے تحریر فرمایا:

''فیصل آباد اور گلگت جانے سے روکا گیا کہ فوری سرگودھا اترے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلوک کے منازل پورے ہوگئے۔ اس پر انعام کا ملنا' ان کی تکمیل کا سہرا حضرت صاحب کے سر پر تھا۔ ان کی مرضی یہ تھی کہ یہ انعام میرے

علاقہ میں ملے نہ کسی دوسرے علاقہ میں۔ مجھے بتایا گیا کہ حجاباتِ الوہیت تم کو 16/15 سال میں طے کرائے گئے۔ امتِ محمدیہ ﷺ میں ایک امام حسن بصریؒ نے سوم حجاب کی ابتداء میں وفات پائی۔ باقی نری آگ ہیں۔ مصائب کا انبار اور وختوں کا خزانہ ہیں۔ ان کے طے ہونے کے بعد دائرۂ عطاردیہ طے ہوا' پھر دائرۂ قمریہ طے ہوا' پھر دائرۂ زہریہ طے ہوا' پھر دائرۂ شمسیہ طے ہوا پھر دائرۂ زحل طے ہوا۔ دائرۂ شمسیہ اور دائرۂ زحل کی گرمی کا آپ کے بدن پر اثر ہے' علاج سے اس وجہ سے فائدہ نہ ہوا۔ اب آگے دائرۂ مشتریہ شروع ہوا۔ بتایا گیا کہ اس دائرے کے طے کرنے کے بعد سلوک انبیاء کا بھی ختم۔ یہ دائرہ انتہا سلوک کی ہے۔ آگے تیز وسخت تجلیات ہیں جن سے انسان جل جاتا ہے۔ دائرۂ مشتری میں اکثر انسانی اوصاف سلب ہو جاتے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اس میں مصائب ہیں۔ اللہ اچھا جانتا ہے۔ پرسوں دائرۂ زحل سے نکلنے کے بعد بندہ کو غسل دیا گیا۔ آگے جانے کے لئے پوری سمجھ نہیں آئی۔ ملتان میں جناب شیخ عبدالقادرؒ اور غوث ملتانیؒ کی گفتگو یوں تھی کہ جب دائرۂ مشتریہ میں داخل ہو گے تو کیا اس وقت بھی ہماری طرف توجہ و خیال کرو گے۔ ان کے کلام سے تو پتہ چلتا ہے کہ مخلوق سے لاتوجہی ہو جاتی ہے مگر اب تو میل جول میں ہوں۔

نوٹ: دائرۂ قربِ عبودیت سے آگے منازلِ نبوت شروع ہوتے ہیں نہ ولایتِ نبوت۔ ولایتِ نبوت میں امتی جا سکتا ہے مگر منازلِ نبوت میں اس طرح جا سکتا ہے جس طرح کسی کوٹھی میں ماشکی' دھوبی' خاکروب جاتا ہے۔''

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ یکم جون 1980ء کو حضرت جیؒ کراچی سے ملتان پہنچے۔ اس کے بعد فیصل آباد اور گلگت جانے کا پروگرام تھا لیکن حضرت سلطان العارفینؒ نے منع فرما دیا اور آپؒ 20 جون 1980ء کو سرگودھا تشریف لے گئے جہاں منازل سلوک کی تکمیل ہوئی۔

جیسا کہ ایک سابقہ باب ''راہ نوردِ شوق'' میں تفصیلاً ذکر ہوا' حضرت جیؒ کی لنگر مخدوم ضلع سرگودھا میں حضرت سلطان العارفین' خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے مرقدِ پرُنور پر 1944ء میں حاضری کے ساتھ آپؒ کے روحانی سفر کا آغاز ہوا۔ تقریباً 36 سال بعد جب یہ سفر مکمل ہونے کو تھا تو حضرت سلطان العارفینؒ نے خواہش فرمائی کہ اب تکمیلِ منازل کا اعزاز بھی ان ہی کے علاقہ میں حاصل ہو جس کی وجہ سے گلگت کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

حضرت جیؒ نے حضرت امیرالمکرم کے نام 27 جون 1980ء کے تحریر شدہ خط میں تکمیلِ منازل کا ذکر کیا ہے۔ اس خط کی تاریخ کو مدنظر رکھا جائے تو منازل کی تکمیل 20 جون تا 27 جون 1980ء کے مابین کسی روز ہوئی۔ حصولِ منزل کو اختتامِ سفر بھی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حیاتِ طیبہ کے اس اہم واقعہ کے بعد حضرت جیؒ نے ان امور کے بارے میں ہدایات کا آغاز فرمایا جن کا تعلق آپؒ کے بعد مستقبل میں سلسلۂ عالیہ کے انتظام و انصرام سے تھا۔

منازل کے متعلق حضرت جیؒ کے دو خطوط کے عکس پیش کئے جاتے

ہیں۔ انہیں پڑھنا اگرچہ انتہائی مشکل ہے اور مفہوم کو سمجھنا کارِ دارد، ممکن ہے قاری ان الفاظ کی ہیئت اور قوسوں پر توجہ کے دوران برکات سے مستفید ہو سکے۔

۴۸۶

چکڑالہ ضلع میانوالی

حضرت مولانا اللہ یار خان

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

۷۸۶

حضرت مولانا اللہ یارخان

چکڑالہ ضلع میانوالی

مورخہ 26/6/80

عزیزم مولوی محمد اکرم صاحب السلام علیکم [illegible]

[illegible]

کمالات دائرہ حقیقت محمدیہ ... 14 دائرہ حقیقت احمدیہ ... محبوبیت ... [illegible]
دونوں کے رنگ ... مقامات ... 13 دائرہ حب صرفی ... [illegible]
... [illegible] ...
... دائرہ ... [illegible] ...
... [illegible] ... حقیقت ... حقیقت ...
17 حقیقت ... 18 حقیقت ... دائرہ ... [illegible]
... [illegible] ... 19 حقیقت کعبہ ... 20 ... قرآن
... [illegible] ... 22 دائرہ ... [illegible]
23 دائرہ ... وحدت ... [illegible]
... منزل ... دائرہ ... [illegible]

امت ... [illegible] ... خاص ... [illegible]
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... حاصل کر سکتے ہیں

... قرب ... قرب رسالت ... [illegible]
... [illegible] ... قرب الٰہی ... وصال الٰہی ...
... 9 قرب ... 10 ... 11 ... 12 ...
... [illegible] ... ختم ہو گیا ... حجابات الٰہی ... [illegible]
امت محمدیہ ... شیخ عبد القادر جیلانی ... حقیقت رسالت ... [illegible]
... [illegible] ... محمد ... [illegible]
... [illegible] ... [illegible]
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...

یہاں تک تو حضرت جیؒ کے مقامات و منازل کا ذکر تھا دوسرا پہلو مناصب کا ہے جس کے بارے میں حضرت امیر المکرّم یوں رقم طراز ہیں:

''اب اس کا دوسرا پہلو مناصب کا ہے۔ اقطاب' غوث اور یاد رہے کہ غوث رُوئے زمین پر ایک وقت میں ایک ہوتا ہے' گاہے ترقی پاکر قیوم بنتا ہے اور پھر فرد۔ اگر اسے ترقی نصیب ہو تو قطبِ وحدت اور قطبِ وحدت اگر ترقی کرے تو صدیق بنتا ہے۔

خدا کے لئے ان الفاظ کو خارزارِ لغت میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کیجئے گا کہ یہ اسماء ہیں مراتب ولایت کے اور مناصبِ اولیاء اللہ کے نام ہیں۔ پھر میں عرض کر دوں کہ نبی کے مناصب و منازل بحیثیت نبی' صحابی کے بحیثیت صحابی اور ولی کے بحیثیت ولی ہوتے ہیں۔

منصبِ صدیقیت کے بعد ایک اور صرف ایک مقام ہے یا منصب ہے جسے قربِ عبدیت کہتے ہیں اور وہ حضرت جیؒ' اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے' کو نصیب تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ علٰی ذَالِکَ۔''

حضرت جیؒ نے حضرت امیر المکرّم کے نام 1976ء کے ایک مکتوب میں منصبِ قربِ عبدیت کو منصبِ عبودیت بھی کہا ہے اور منصبِ قرب بھی۔ آپؒ نے اس منصب کے متعلق حیرت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا:

''اس منصب پر کسی صوفی نے کیونکر قلم نہیں اٹھائی نہ بیان کیا۔ آخر فتوحاتِ مکیہ شیخ اکبر میں اشارہ ملا' منصبِ قربت

بھی ہے۔"

بطور تبریک اس خط کا عکس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

رہ سے آگے جب منصب کا بندہ کو عطا کر دیا جاتا ہے

شعبان کی سترہ تاریخ کے بعد معلوم ہوا کہ منصب قرب عبودیت ہے اس قرب عبودیت

کے [illegible] منصب کو عبودیت بھی کہا جاتا ہے اور منصب قرب حق

میں حیران تھا کہ اس منصب پر کسی صوفی نے کیوں کر علم نہیں اٹھایا یا بیان کیا اور

فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر نے اشارہ فرمایا منصب قربت بھی ہے جو صدیقیت کے اوپر ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان منصبوں کو حاصل کیا ہے منصب قربت و منصب صدیقیت بھی

حدیث میں آیا ہے ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا صلوٰۃ ولا بکثرۃ ولکن بشیء وقر فی قلبہ [illegible]

مجھے کسی کو معلوم صدیقیت کا درجہ نہیں ہے وہ قرب الٰہی تھا جس کا بعد میں پتا چلا بہر حال سالکین کو چشم

الٰہی قربت الی اللہ قرب کا ہی مقام حاصل کرنا وہ وسیلہ ہوگا کہ رب العالمین رسول اکرم کے رسول کی محبت

رکھنے والے ہر جو کسی عبادت میں مشغول ہیں گے بہر حال یہ رحمت رسول نے فرما دیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم [illegible]

[illegible]

ملتان میں آپؒ نے اس مقام پر اپنی حالت بیان کرتے ہوئے

فرمایا:

"میری حالت ایسی ہے جیسا کہ میں ہر وقت اپنے آپ کو براہِ راست ذاتِ ربانی کے انوارات میں لپٹا ہوا محسوس کرتا ہوں جیسے کوئی تندور کے اندر ہو۔ اس کیفیت کو برداشت کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ مقامِ عبدیت ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرُو ہوتا ہے اور براہِ راست اس کی تجلیات کا معبد بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی

زندگی مرضیاتِ باری تعالیٰ میں مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ مقامِ عبدیت' نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا جو معراجِ انسانیت ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی....... یہ مقامِ عبدیت امتی ہونے کی نسبت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا۔ یہ مقام بھی ایک شعبۂ نبوت اور بلند ترین شعبۂ نبوت تھا اس لئے امت میں بھی منتقل ہونا تھا جس کی متحمل صحابہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات عالی مقام تھی۔''

حضرت جیؒ کے مقامات و مناصب کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت امیرالمکرم بطور حرفِ آخر قمطراز ہیں۔

''یہ جملہ امور دلائل ذوقیہ سے متعلق ہے اور صرف صاحبِ ذوق و احوال حضرات ہی جان سکتے ہیں یا پھر اعتماد ہو بیان کرنے والے پر۔ مگر ایک دلیل ایسی بھی پیش کرنا چاہوں گا جسے ہر صاحبِ عقل بھی سمجھ سکے اور وہ یہ کہ برکاتِ نبوی ﷺ میں ایک کمال یہ تھا کہ ہر آنے والا صحابی بن جاتا تھا۔ مرد' عورت' بچہ' بوڑھا' عالم' جاہل' شہری یا بدوی' گورا ہو یا کالا' ہر آنے والا ایک نگاہ میں درجۂ صحابیت حاصل کر لیتا تھا۔ پھر خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اندر جو مدارج ہیں وہ علیحدہ بات ہے۔ صحابہ میں بھی یہ کمال منعکس اور منتقل ہوا کہ ان کی صحبت اور زیارت سے مشرف ہونے والا تابعی بن جاتا تھا۔

تابعین کو بھی یہ کمال حاصل ہوا کہ ان کی نگاہِ شفقت تبع تابعی بنا دیتی ہے۔ خیر القرون کے بعد امتِ مرحومہ میں بے شمار جلیل القدر ہستیاں آئیں اور اللہ نے ہر دور اور ہر ملک میں بہت اعلیٰ مدارج کے حامل اولیاء اللہ پیدا فرمائے لیکن پوری تاریخ میں کوئی ایسی ہستی نہیں مل سکتی جس کے پاس حاضر ہونے والے تمام آدمیوں کے دل منور ہو جائیں' لطائف روشن ہو جائیں اور ولایتِ خاصہ سے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے۔ بلکہ بے شمار افراد آتے جن میں سے چند مخصوص حضرات ایسے خوش نصیب ہوتے جو سینہ روشن لے کر جاتے۔ باقی سب لوگ ظاہراً بیعت اور تعلیمات تک ہی رسائی پاتے اور بس۔

یہ حقیقت کسی ایک یا دو یا چند حضرات کے بارے میں عرض نہیں کر رہا بلکہ یہ چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اور جب اس کے ساتھ نگاہ قلزمِ فیوض' بحر العلوم' حامل قربِ عبدیت حضرت استاذی المکرّم و محترم کی جانب اٹھتی ہے تو وہی بہار لٹتی نظر آتی ہے یعنی خدمت میں آنے والے ہر آدمی کا سینہ منور ہو جاتا ہے۔ اک نگاہ میں لطائف چمکنے لگتے ہیں۔ کوئی بھی فیوضات و برکاتِ روحانی و قلبی سے محروم نہیں رہتا۔ یہ اور بات ہے کہ جس کا جتنا ظرف ہے یا جتنا نصیبہ ہے اتنا ہی پا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ لا یشقی جلیسہ اور اس گئے گذرے دور

میں بارگاہِ نبوی ﷺ میں کشفاً اور روحانی طور پر باریاب ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ جاتی ہے۔

سبحان اللہ!

یہ چند سطور بطور تعارف لکھ دی ہیں کہ احباب کو کسی حد تک اپنے شیخ کی عظمت کا اندازہ نصیب ہو۔"

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

کارِ تجدید و احیائے دین

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ○

بے شک ہم نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم خود ہی اس
کے نگہبان ہیں۔ (الحجر۔ 9)

اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کے اس اعلان کے بعد تحریفِ قرآن تو شیاطینِ جن و انس کے لئے ممکن نہیں لیکن ہر دور میں شیطانی قوتوں کی حتی الامکان یہ کوشش رہی ہے کہ تحریفِ معنوی کی صورت میں تعلیماتِ قرآنی اور دینِ الٰہی کو اصل صورت پر باقی نہ رہنے دیا جائے۔ حفاظتِ قرآن کے اس اعلان کو اگر الفاظ تک محدود سمجھ لیا جائے تو یہ صرف جزوی حفاظت ہوگی جو حفاظتِ الٰہیہ کے دعویٰ کو سزاوار نہیں۔ اس دعویٰ سے مراد حفاظتِ کُلی ہے جس میں الفاظ و معانی دونوں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک نہ صرف کلامِ الٰہی کے ایک حرف یا شوشہ میں دست بُرد ممکن نہ ہوسکی بلکہ قرآنِ حکیم کی عملی تشریح آقائے نامدار ﷺ کی سیرت اور حدیث کی صورت میں بعینہٖ محفوظ ہے۔

تاریخ میں ایسی متعدّد ہستیوں کا تذکرہ موجود ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ دین کا کام لیا۔ جب کبھی فکری اور عملی آلائشوں کے ذریعے دین کو مسموم کرنے کی سازش ہوئی تو ان نفوسِ قدسیہ نے دین کو ہر ایسی آلائش سے پاک کیا۔

ہر دور میں وقت کے تقاضوں کے مطابق اس کارِ تجدید و احیائے دین کی صورت مختلف نظر آتی ہے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسلام کے نظامِ خلافت کا احیاء کیا تو حضرت امام غزالیؒ نے دین کو یونانی فلسفہ اور علومِ عقلیہ کی دراندازی سے پاک کرتے ہوئے نہ صرف عقائد بلکہ جزیاتِ دین تک کو اپنی بلند پایہ تصانیف میں ضبط کر دیا۔ مجدّدین کے تذکرہ میں آئمہ اربعہؒ اور حضرت غوثِ اعظمؒ جیسی ہستیوں کے اسمائے گرامی شامل ہیں لیکن جب برصغیر کا تذکرہ آتا ہے تو یہاں حضرت امام ربّانیؒ کی دینی خدمات علمی اور عملی جہتوں میں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ انہیں مکمل تجدید و احیائے دین کہا جا سکتا ہے۔ حضرت جیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا:

> ''امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ ' جن کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں' اگر ان کو اللہ تعالیٰ ہندوستان کی سرزمین میں پیدا نہ کرتا' ہاں ان کے علاوہ اور صاحبان بہت ہیں لیکن ظاہری صورت یہ ہے کہ ہم بڑی بڑی لٹیں رکھ کر' رنگدار کپڑے پہن کر' دیویوں اور مورتیوں کے سامنے بیٹھ کر رام رام کر رہے ہوتے۔ کفر کی گود میں جو حکومت پل رہی تھی' اسے نکال کر اسلام کی گود میں لائے۔''

دوسرا نام حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہے جن کے کارِ تجدید کا تعلق دین کے اس شعبہ سے ہے جسے احسان' سلوک' طریقت یا تصوّف کہا جاتا ہے۔ تزکیۂ باطن کے اس اہم شعبہ کا دارومدار برکاتِ صحبتِ نبوی ﷺ پر ہے جن کی تقسیم و ترسیل کے لئے ایک عظیم باطنی نظام ہمہ وقت مصروفِ کار رہے۔ آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشی ہمیشہ کی طرح آج بھی جاری ہے' فرق صرف اس قدر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب براہِ راست

منوّر ہوئے تو آج نبیٔ رحمت ﷺ اور ہمارے درمیان برزخ کا پردہ حائل ہے جو نگاہِ بصیرت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے تقسیمِ برکات کے اس نظام کو بیان کیا' تکوینی امور کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور ملاء الاعلیٰ کی بات کی۔ آقائے نامدار ﷺ سے کلام اور تعلیم کی سعادت نصیب ہوئی تو ہر خاص و عام کے سامنے اس کا اظہار کر دیا۔ اپنی تحریروں میں وہ سربستہ راز افشاء کر دیئے جنہیں اس سے قبل صرف خواص تک محدود رکھا گیا تھا اور یہ شاید آنے والے دور کی ضرورت تھی۔ شاہ ولی اللہؒ کے بعد مادیت کے دور کا آغاز ہوا۔

مادیت کو روحانیت کی ضد کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر میں مادہ پرستی کی روش نے سب سے زیادہ دین کے شعبۂ احسان کو متاثر کیا۔ دانشوری کے نام پر برکات کی نفی کی جانے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اپنی اپنی زبان میں ادائیگیٔ نماز اور مصحفِ قرآنی کے بغیر خود ساختہ تراجم کے مطالعہ جیسے ابلیسی نظریات کی تشہیر کی گئی۔ منبعِ برکات چونکہ آقائے نامدار ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے' نفیٔ برکات کے ساتھ ساتھ حیات النبی ﷺ کا بھی انکار کیا جانے لگا جو عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔

حضرت جیؒ ایک عالمِ بے بدل تھے۔ آپؒ نے اس غارت گرِ ایمان فتنہ کے مضمرات کو دیکھتے ہوئے علمی اور عملی' دونوں میدانوں میں صرف دفاعی ہی نہیں بلکہ جارحانہ مقابلہ کیا۔ حضرت جیؒ کی یہ جدوجہد تین جہتوں پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپؒ نے ملک بھر کے دورے کئے اور مساجد و مکاتب میں حیات النبی ﷺ کے موضوع پر خطابات فرمائے۔ آپؒ کی نجی محافل میں اسی موضوع پر گفتگو ہوتی اور علماء کے ساتھ خصوصی مجالس میں علمی دلائل کے ذریعے ان کے اشکال دور فرماتے۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں حضرت جیؒ

کی فکر اور ترجیح کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ نے شمالی علاقہ جات اور صوبہ سرحد و بلوچستان کے آخری دوروں میں، حتیٰ کہ لنگر مخدوم میں اپنی زندگی کے آخری خطاب میں جماعت کو وصیت کی صورت میں ہدایات دینے سے قبل اسی موضوع پر خطاب فرمایا۔ حضرت جیؒ کی آخری تصنیف ''حیات النبی ﷺ'' بھی اسی موضوع پر ہے جس کے متعلق آپؒ کا فرمان ہے کہ یہ کتاب لکھنے کے لئے خاص طور پر مشائخؒ کی طرف سے آپؒ کو مامور کیا گیا۔ اس وقت حضرت جیؒ کی یہ تصنیف اس موضوع پر سند اور ایک حوالہ جاتی کتاب (Reference Book) کا مقام رکھتی ہے۔

تعلیمات کے ساتھ ساتھ جب تک عملی ثبوت پیش نہ کیا جائے، بات منوائی نہیں جا سکتی۔ ایک طرف حیات النبی ﷺ کا انکار کیا جا رہا تھا تو اس کے مقابل حضرت جیؒ نے اعلان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ سے حدیث صحیح کرا سکتا ہوں۔ گذشتہ صفحات میں دو ایسی حدیثوں کا تذکرہ موجود ہے جن میں سے ایک حدیث کا مفہوم آپؒ نے نبی کریم ﷺ سے سمجھا تو آپؒ کے بیان کردہ دوسری حدیث کے مفہوم کی توثیق فرمائی گئی۔ ایسے واقعات قرونِ اُولیٰ کی تاریخ میں شاذ ہی ملتے ہیں یا پھر حضرت جیؒ کے ہاں نظر آئے۔

اس دور کی ضرورت بھی یہی تھی کہ حیاتُ النبی ﷺ کے اثبات میں قرآن، حدیث اور علمی دلائل کے ساتھ ساتھ اس کا عملی ثبوت بھی امتِ مرحومہ کے سامنے پیش کر دیا جائے تا کہ اس اعتقادی فتنہ سے ایمان محفوظ رہ سکے۔ حضرت جیؒ کی حیاتِ طیبہ، حیاتُ النبی ﷺ کا عملی ثبوت ہے جس میں آپؒ کو دربارِ نبوی ﷺ میں مستقل حضوری نصیب ہوئی، اہم امور میں رہنمائی فرمائی گئی اور کلام کی سعادت ملی لیکن تاریخِ تصوّف کے دیگر واقعات کی طرح اسے

بھی آپؒ کی شخصی کرامت قرار دیا جا سکتا تھا۔ تکمیلِ ثبوت کے لئے حضرت جیؒ نے تقسیمِ برکاتِ نبوی ﷺ کو اس طرح عام کیا کہ آپؒ کی صحبت میں حاضر ہونے والا ہر شخص نوازا گیا اور ولایت خاصہ کے ساتھ لوٹا۔ آپؒ نے احبابِ سلسلۂ عالیہ کی تربیت فرما کر ایسے افراد تیار کیے جنہیں عالمِ بیداری میں دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری نصیب ہوئی اور وہ آقائے نامدار ﷺ کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت سے مشرّف ہوئے۔ حضرت جیؒ کے ساتھ ان احباب پر مشتمل ایک کثیر جماعت کا وجود حیاتُ النبی ﷺ کا وہ عملی ثبوت تھا جو دورِ حاضر میں پیش کیا گیا۔

دربارِ نبوی ﷺ سجا ہوا ہو‘ آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں۔ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر اولیاء کرامؒ اس دربار میں حسبِ مراتب مسند نشین ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طرح سے روحانی ناظم الامور کا عہدہ سنبھالے نظر آئیں۔ دربان کے فرائض کی بجا آوری پر غوث مامور ہوں۔ اس کرۂ ارض پر جو کچھ ہو رہا ہے اس کی طرف آقائے نامدار ﷺ کی توجہ نظر آئے‘ فیصلوں کا صدور ہو اور سلسلۂ عالیہ کے خدّام عالمِ بیداری میں روحانی طور پر وہاں موجود اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ کیا اس کے بعد بھی حیاتُ النبی ﷺ سے انکار کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ آج سلسلۂ عالیہ‘ کرۂ ارض پر برکاتِ نبوی ﷺ کی ترسیل کا زندہ ثبوت ہے اور مادیت کے اس دور میں تزکیۂ قلوب اور باطنی تربیت کا عمل مسلسل جاری ہے۔

حضرت جیؒ نے تجدید و احیائے تصوّف کے ذریعے دین کے اہم ترین شعبہ ''احسان'' کا اصل نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپؒ نے اس باطل نظریہ کی تردید فرمائی کہ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اس کے برعکس آپؒ نے یہ تعلیم عام کی کہ اتباعِ شریعتِ مطہرہ ﷺ کے بغیر

طریقت ممکن ہی نہیں۔

اُس دور میں تصوّف' جمود اور بے عملی کی علامت بن چکا تھا۔ اسے دین کے نام پر زندگی کے حقائق سے فرار کا آسان ترین راستہ سمجھ کر اختیار کیا جا رہا تھا جسے دیکھ کر ایک مکتبِ فکر نے تصوّف کو "مذہبی افیون" تک کہہ دیا۔ حضرت جیؒ نے دنیا کے سامنے حقیقی اسلامی تصوّف کا نقشہ پیش کیا جو سراپاءِ عمل اور ابلیسی قوتوں کے خلاف جدو جہد کا نام ہے۔ آپؒ نے گوشہ نشینی کی بجائے اجتماعیت کا درس دیا اور تصوّف کو ایک تحریک کی صورت میں پیش کیا۔

حضرت جیؒ کی پوری زندگی میں ایک مجاہدانہ شان نظر آتی ہے۔ ایک تبلیغی دورے میں آپؒ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ اپنے علاقے میں قادیانیوں سے مقابلہ پیش آیا تو نہ صرف دلائل کی زبان سے بلکہ طاقت کے بھرپور مظاہرے سے ان کی بیخ کنی فرمائی۔ تبلیغی دوروں پر نکلتے تو مسلح سفر کرتے۔ تاریخِ تصوّف بھی یہی ہے کہ جب تک طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں' اسلامی حکومتیں' علماءِ وقت اور عوام برسرِ پیکار رہے' اہل اللہ کی جماعت تزکیہ نفس کا فریضہ سرانجام دیتی رہی لیکن جب یہ تمام حصار ٹوٹ گئے تو باطل کے سامنے خود سینہ سپر ہو گئے۔ عصرِ حاضر کی بھی یہی ضرورت تھی۔ حضرت جیؒ نے اپنی جدو جہد کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا:

> "یہ محض اس واسطے کر رہا ہوں کہ الحاد اور بے دینی جو کہ آقائے نامدار ﷺ کے دین کو تباہ کرنا چاہتی ہے' الحاد اور بے دینی اور سوشلسٹ' ان کی روک تھام کے لئے ہمارے پاس جماعت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبولان کی جماعت ایسی ہو جائے کہ دنیا کہے' ہاں ایسے

مسلمان ہوتے ہیں۔"

حضرت جیؒ نے جس تصوف کی تعلیم دی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا مضبوط تعلق قائم کرنے کا نام ہے جس کے بعد انسان حق و باطل کے مقابلے میں وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (اور وہ کنکریاں جو آپؐ نے پھینکیں، وہ آپؐ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں) کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ یہ سلسلہ عالیہ کا تحریکی پہلو تھا جو اس وقت "الاخوان" کی صورت میں اُجاگر نظر آتا ہے۔

حضرت جیؒ نے تجدید و احیائے تصوّف کا جو کام سرانجام دیا، اس کے متعلق آپ کا فرمان ہے:

> "تصوّف کا مالہٗ ما علیہٗ نفع نقصان، اچھائی برائی، ساری چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ صحیح اسلامی تصوّف چھانٹ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مشائخ سے جو چیز آ رہی تھی، اس میں کچھ چیزیں میں نے دیکھی ہیں کہ نقصان دہ ہیں، ان کو کاٹ دیا ہے۔ رضائے الٰہی کا راستہ جو صحیح ہے، سارے کا سارا وہ پیش کر دیا ہے۔"

کارِ تجدید میں ایک فرد کے ساتھ اس کے متعلقین کی جماعت شریک ہوتی ہے جو اس عمل کے تسلسل کا ذریعہ بنتی ہے وگرنہ کسی مجدّد کا کام خواہ کس قدر عظیم ہی کیوں نہ ہو، دیرپا اثرات کا حامل نہیں ہوسکتا۔ حضرت جیؒ نے سلسلہ عالیہ کے احیاء کی صورت میں جو جماعت تیار کی وہ آج کرۂ ارض پر برکاتِ نبوی ﷺ کی ترسیل کا زندہ ثبوت ہے۔ جہاں کفر و الحاد کے گھٹا ٹوپ

اندھیرے امڈتے چلے آرہے ہیں' وہاں ذکروفکر کی روشنی بھی روز افزوں ہے۔

یہ مختصر باب حضرت جیؒ کے کارِ تجدید و احیائے تصوّف کے متعلق صرف تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس موضوع پر وقت کے ساتھ ساتھ مزید بہت کچھ لکھا جائے گا جس کا آغاز مختلف جامعات اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تحقیقی مقالوں کی صورت میں ہو چکا ہے۔ مستقبل کا محقق حضرت جیؒ کے کارِ تجدید کی مزید جہتوں کا تعیّن کرتے ہوئے اس کی وسعتوں کا جائزہ لے سکے گا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میانوالی کے ایک دورافتادہ گاؤں میں تاریخ تصوّف کے اس بطلِ جلیل نے اللہ اللہ کی صدا کے ساتھ جس تحریک کا آغاز فرمایا تھا' آج وہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اس وقت کوئی لمحہ ایسا نہیں جب سلسلہ عالیہ کے متوسلین کرۂ ارض پر کہیں نہ کہیں اللہ اللہ نہ کر رہے ہوں۔ آج حضرت جیؒ کے قائم کردہ مرکز " دارالعرفان " سے سلسلہ عالیہ کے شیخ حضرت امیر المکرّم صبح و شام' سالکین کو انٹرنیٹ کے ذریعے ذکر کراتے ہیں تو دنیا بھر میں ذاکرین ایک ہی وقت میں برکات نبوی ﷺ سے مستفید ہو رہے ہوتے ہیں۔

مادیت سے پریشان انسانیت اس وقت روحانیت کی تلاش میں ہے اور اس کے دردِ دل کا علاج بجز برکاتِ نبوی ﷺ ممکن ہی نہیں۔ اللہ اللہ کی یہ صدائیں اب بڑھتی ہی رہیں گی۔ حضرت جیؒ کے ارشاد کے مطابق:

> " اس مرکز کو ظہورِ مہدیؒ تک قائم رہنا ہے۔ یہ جماعت خوب پھیلے گی اور حضرت مہدیؒ کی نصرت کرے گی۔
> انشاءاللہ!"

حرفِ آخر

ان کا کرم بس ان کا کرم ہے ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

جس پر عنایات باری ہوتی ہیں اسے مقبولانِ بارگاہ کے ذکرِ حدیث پر لگا دیتا ہے بقول سعدی جس سے خفا ہوتا ہے ان پر طعن کرنے کی بعیت ڈال کر تباہ کر دیتا ہے

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں کند

ابو الحامد صدیق اللہ یہ سوانح دو عالم میں تمام دنیا کی تکمیل ہے ان شاء اللہ العزیز

نعیم سیال اویسی

۹۔۱۔۵۱

شجرہ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ

(1) الٰہی بحرمت حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ

(2) الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(3) الٰہی بحرمت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

(4) الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

(5) الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

(6) الٰہی بحرمت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

(7) الٰہی بحرمت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

(8) الٰہی بحرمت حضرت ابوایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

(9) الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(10) الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

(11) الٰہی بحرمت قلزم الفیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

(12) الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ امیر حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ عالی وخاتمہ جماعت و خاتمہ من بخیر گردان

صلی اللہ علیہ وسلم

نعت کا ہے اک خاص طریقہ وہ کب سب کو آتا ہے
جان لٹانا نام پہ ان کے نعت یہی کہلاتا ہے

آؤ پھر اسلام کی خاطر بدر و اُحد سجائیں ہم
ملک پہ نافذ دین کریں یا دنیا سے مٹ جائیں ہم

یہ ہو گی اک نعت نرالی خون سے لکھی جائے گی
ہیں دنیا میں عاشق باقیؔ کافر کو بتلائے گی

لوگ تو کاغذ پر لکھیں ہم ورق دہر پہ لکھیں گے
خون سیاہی، قلم سروں کے شاعر بن کر لکھیں گے

مہُرِ نبوت علم بنا کر دنیا پر لہرائیں گے
دیکھنا یہ سیماب تم اک دن آخر ہم کر جائیں گے